MAKTABA BAITUL-SALAM

مواعظِ حسنہ

حصہ اول

تالیف
حضرت مولانا عبد الرب صاحب گونڈوی

تقریظ
مولانا عبد المبین منظر صاحب رحمہ اللہ
سابق امیر صوبائی جمعیت اہل حدیث یو، پی

انعام خداوندی
اسلام
اسلامی زندگی
ایمان
توحید
شرک
رسالت
سیرت طیبہ
محبت رسول
اطاعت رسول
دعوت عمل
تبلیغ دین
موت وقیامت
میدان حشر
فکر آخرت
نماز
مومن کا ہتھیار

www.KitaboSunnat.com

مکتبہ بیت السلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ....

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد اپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

- نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

مکتبہ بیت السلام
MAKTABA BAITUL-SALAM

مواعظ حسنہ

حصہ اول

تالیف
حضرت مولانا عبد الرب صاحب گونڈوی

تقریظ
مولانا عبد المبین منظر صاحب رحمہ اللہ
سابق امیر صوبائی جمعیت اہل حدیث یو۔پی

مکتبہ بیت السلام مئوناتھ بھنجن یوپی الہند

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب : مواعظ حسنہ (حصہ اول)

تالیف : حضرت مولانا عبد الرب صاحب گونڈوی

تقریظ : مولانا عبد المبین منظر صاحب رحمہ اللہ

طابع وناشر : مکتبہ بیت السلام مئوناتھ بھنجن یوپی الہند

سال اشاعت : مئی ۲۰۱۳ء

صفحات : 492

ملنے کا پتہ

مکتبۃ الفہیم
مئوناتھ بھنجن یوپی

MAKTABA AL-FAHEEM
Raihan Market, 1st Floor, Dhobia Imli Road
Sadar Chowk, Maunath Bhanjan - (U.P.) 275101
Ph.: (O) 0547-2222013, Mob. 9236761926, 9889123129, 9336010224
Email : faheembooks@gmail.com

القرآن پبلیکیشنز سری نگر	مکتبہ دار السلام سری نگر، مکتبہ مسلم سری نگر
اسلامک بک سروس سری نگر	مکتبہ المعارف ممبئی، عمری بک ڈپو ممبئی
ھدیٰ بک ڈسٹری بیوٹرس حیدر آباد	مکتبہ الاثر پرانی حویلی حیدر آباد
دکن ٹریڈرس مغل پورہ حیدر آباد	مکتبہ دار السلام اننت ناگ کشمیر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فہرست

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۱۔	حرفِ آغاز	۵
۲۔	تقریظ مولانا عبدالمبین منظرؒ	۷
۳۔	تقریظ مولانا ذکراللہ ذاکر ندویؒ	۸
۴۔	خطبۂ نبوی	۱۰
۵۔	انعامِ خداوندی	۱۱
۶۔	اسلام	۳۰
	• اسلام اغیار کی نظروں میں	۴۳
۷۔	اسلامی زندگی	۴۸
۸۔	ایمان	۶۳
۹۔	توحید	۹۴
۱۰۔	شرک	۱۲۴
۱۱۔	رسالت	۱۶۹
	• ضرورتِ رسالت	۱۶۹
	• بشریت انبیاء	۱۷۴
۱۲۔	سیرتِ طیبہ	۱۹۳
	• خوفِ خدا	۱۹۷
	• نماز	۱۹۷
	• تواضع	۱۹۸
	• فیاضی	۲۰۰
	• عدل وانصاف	۲۰۱
	• قناعت	۲۰۴
	• رحمۃ للعالمین	۲۰۷
	• خوش خلقی	۲۱۶
	• آنحضرتؐ مشاہیر کی نظروں میں	۲۲۱
	• آنحضرتؐ کی حیات پاک ایک نظر میں	۲۲۶
۱۳۔	محبتِ رسولؐ	۲۲۸

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۴۔ اطاعتِ رسولؐ ۲۵۱
● حدیث ۲۶۶
۱۵۔ دعوتِ عمل ۲۸۳
● منافقین ۲۹۱
۱۶۔ تبلیغِ دین ۳۰۵
● حکمت تبلیغ ۳۲۴
۱۷۔ موت، قیامت ۳۳۱
● موت کی یاد ۳۳۷
● موت کی تمنا ۳۳۸
● عالمِ برزخ اور قبر ۳۴۰
● علاماتِ قیامت ۳۴۷
● قیامت کب آئے گی ۳۵۰
۱۸۔ میدانِ حشر ۳۵۴
● میزان ۳۶۲
● نیکی اور بدی ۳۶۳
● شفاعت ۳۶۵
● حوض کوثر ۳۷۲
● حوض کوثر اور اہل بدعت ۳۷۴
● پل صراط ۳۷۴
● جنت اور جنتیوں کے حالات ۳۷۶
● جہنم اور اس کا دردناک عذاب ۳۸۴
۱۹۔ فکرِ آخرت ۳۸۹
۲۰۔ نماز ۴۲۵
● نماز ہر نبی پر فرض تھی ۴۳۷
● اہمیت نماز احادیث کی روشنی میں ۴۴۰
● نماز اور حلِ مشکلات ۴۴۳
● نماز اور صحابہ ۴۴۷
● نماز کے اثرات ۴۵۴
● جماعت ۴۵۶
● خشوع و خضوع ۴۵۷
۲۱۔ مومن کا ہتھیار ۴۶۳

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

میرے والد حضرت مولانا شکر اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا شماران یادگارزمانہ عبقری شخصیات میں ہوتا ہے جو اپنے مجاہدانہ کارناموں اور قوم وملت کی اتھاہ اور مثالی خدمات کی بدولت امت ہو گئے۔

مرحوم نے جہاں وعظ و پند کے ذریعہ یو. پی. کے شمالی مشرقی خطے میں توحید وسنت کا چراغ جلانے اور غیر اسلامی رسومات کے استیصال کے لئے نمایاں خدمات انجام دیں، وہیں سالہا سال دن رات کی محنت کے بعد مختلف موضوع پر قیمتی اسلامی مواد ضخیم کتابوں کی شکل میں جمع کیا اور انہیں اہل ثروت حضرات کے تعاون سے طبع کرا کے پورے ملک میں مفت پہنچایا۔

ان کتابوں کی افادیت کے پیش نظر اور عوام کے بے حد اصرار پر میں نے انہیں دوبارہ شائع کرنے کا منصوبہ بنایا تا کہ ان کی محنت اور اس کے نتیجے میں جمع شدہ قیمتی مواد ضائع نہ ہونے پائے اور اس سے آئندہ آنے والی نسلیں بھی فیضیاب ہوسکیں۔

اللہ نے مجھے اس کی توفیق بخشی اور ۱۹۷۸ء میں کتاب ''ارکانِ اسلام'' شائع ہوئی۔ پھر حیرت انگیز طور پر (جس کا مجھے وہم وگمان بھی نہیں تھا) جماعت کے مخیر حضرات نے اس طرح تعاون کیا کہ ان کی اشاعت میں کوئی دشواری نہیں رہی۔ پھر یکے بعد دیگرے ''خطبات اسلام''، ''معیارِ اسلام''، ''آئینۂ اسلام''، ''شمع اسلام'' اور ''احکامِ اسلام'' وغیرہ طبع ہو کر مفت تقسیم ہوئیں۔

والد مرحوم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے میں نے بھی اپنی تالیفات کا سلسلہ شروع کیا اور چند مفید اور اصلاحی کتابیں لکھیں اور شائع کیں، جیسے ''نمازِ مسنون''، ''حقیقتِ آخرت''، ''حقوق و معاشرت'' وغیرہ۔

عرصہ سے اس بات کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ مختلف عنوانات کی تقریریں ایک مجموعہ کی شکل میں شائع کی جائیں جس سے طلباء، خطباء اور مبلغین کو بیک نظر کسی ایک عنوان کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تحت کافی مواد اکٹھا مل جائے۔

اس ضرورت کے تحت یہ سلسلہ ''مواعظِ حسنہ'' کے نام سے شروع ہوا اور اس کی پہلی، دوسری اور پھر تیسری جلد طبع ہوئی اور پھر تو اس کا سلسلہ چل پڑا اور اس کی نو جلدیں چھپ گئیں۔

اللہ کا شکر ہے کہ مواعظ کا یہ سلسلہ طلباء، خطباء، ائمہ مساجد اور مبلغین کے لئے بہت ہی کارآمد اور مفید ثابت ہوا اور اس کی عوامی افادیت کو اربابِ فکر و دانش نے بھی تسلیم کیا اور ہر مطالعہ پسند حلقہ و طبقہ نے اسے قدر شناسی کی نگاہوں میں جگہ دی۔ یہی نہیں بلکہ بہت سے اہلِ علم حضرات نے اس کوشش کو وقت کی اہم ترین ضرورت قرار دیا اور متعدد جرائد و مجلات نے اس پر تبصرے کر کے ہمت افزائی کی اور اس کی زیادہ سے زیادہ اشاعت پر زور دیا۔

اس کی ضرورت و افادیت کے پیش نظر ان جلدوں کی کئی بار اشاعت ہوئی اور ہاتھوں ہاتھ لی گئی۔ اب اس کی تین جلدوں (اول، دوم، سوم) کو ملا کر ایک ہی جلد میں شائع کیا جا رہا ہے۔ اس کے فوراً بعد اس کی دوسری جلد (جو چہارم، پنجم اور ششم پر مشتمل ہوگی) شائع ہوگی۔ انشاء اللہ

اس سلسلۂ مواعظ کے لئے قرآن مجید اور صحاح ستہ کے علاوہ مندرجہ ذیل کتب و رسائل سے استفادہ کیا گیا ہے۔

تفسیر ابن کثیر، تفسیر ثنائی، تفہیم القرآن، مؤطا امام مالک، الرحیق المختوم، مشکوٰۃ، معارف الحدیث، رحمۃ للعالمین، سیرت النبی، مضامین عبدالماجد دریا آبادی، خطباتِ اسلام، الرسالہ، اخبار اہلحدیث، ترجمان دالاسلام وغیرہ۔

عبدالرب گونڈوی

ناظم معہد السنۃ گینسری، ضلع بلرامپور، یو۔ پی۔ الہند

یکم ستمبر ۲۰۰۲ء

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

تقریظ

از: حضرت مولانا عبدالمبین منظر رحمۃ اللہ علیہ، سابق صدر جمعیۃ اہلحدیث مشرقی یو پی

مولانا عبدالرب ایک ابھرتے ہوئے ہونہار خطیب ہیں۔ آپ کا طرزِ خطابت منفرد اور جداگانہ ہے۔ آپ کی تقریر انتہائی مربوط ہوتی ہے، زبان عام فہم، سلیس اور اندازِ بیان بہت دلکش ہوتا ہے اس کے علاوہ قرآنی آیات، احادیثِ رسولؐ، چھوٹے چھوٹے دلآویز واقعات، اہم مقولے، مؤثر مثالیں اور موزوں اشعار پوری ہوشمندی اور مہارت کے ساتھ مناسب موقع پر پیش کرتے رہتے ہیں جس سے تقریر بہت دلپذیر بن جاتی ہے۔

آپ کی دلبند و دل پسند خطابت وتقاریر کا شہرہ پہلے ضلع گونڈہ وبستی میں ہوا، پھر وہاں سے بڑھ کر دور دراز مقامات تک پہنچ گیا اور اب تو کوئی مشہور ومعروف جلسہ ایسا نہیں جہاں بار بار مدعو نہ کئے جاتے ہوں۔ کیوں نہ ہو آپ ایک شہرت یافتہ، باعمل اور کثیر التصانیف عالم حضرت مولانا شکر اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ارجمند ہیں۔ پہلے آپ نے اپنے والد بزرگوار کی تمام تصانیف کی اشاعت کی اور انہیں مفت تقسیم کی اور اب الحمد للہ موصوف نے خود اپنی تصانیف کا سلسلہ شروع کیا ہے، چنانچہ آپ ''حقوق ومعاشرت''، ''حقیقتِ آخرت'' اور ''نماز مسنون'' جیسی مفید کتابیں تالیف فرما کر شائع کر چکے ہیں۔ آپ اپنی تقریروں کو بھی کتابی شکل میں شائع کر رہے ہیں جس کی پہلی جلد کا مسودہ میرے سامنے ہے، یقیناً یہ بڑی جرأت اور ہمت کا کام ہے جس کے لیے وہ پوری قوم کی طرف سے مبارکباد کے مستحق ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس صدقہ جاریہ کو قائم ودائم رکھے۔ آمین

عبدالمبین

۲۰ر جون ۱۹۸۹ء

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ

از: شاعر اسلام حضرت مولانا ذکر اللہ ذاکر ندوی رحمۃ اللہ

صانع اصلی و منعم حقیقی نے اشرف المخلوقات انسان کو ظاہری و باطنی صلاحیتوں سے آراستہ کر کے اپنے مشتِ خاکی سے زرتاب اور درِ شہوار بنا دیا ہے۔ جہاں جمال و وجاہت سے ''احسن تقویم'' میں اضافہ ہوتا ہے، وہیں ذہن و دماغ کی اعلیٰ و پوشیدہ جوہروں سے یہ قطعۂ بدر مزید نکھر جاتا ہے، جسم و اعضا کی خوبصورتی بھی باعثِ کشش ہے اور دماغی فکر و تخلیق بھی کم سحر کار نہیں ہوتی۔

ذہنی قوتوں اور صلاحیتوں کا مالک اپنی معجز رقمی، جادو نگاری اور خطابت کے کمالات شعر و نظم اور نثر و تقریر دونوں میں دکھلاتا ہے۔ کامیاب شاعر مشاعرہ لوٹ لیتا ہے اور کامراں خطیب جب اپنے فنِ بیان کا جادو جگاتا ہے تو سامعین مبہوت و مسحور ہو جاتے ہیں۔

عظیم دینی، علمی و سلفی کتابوں کے مؤلف حضرت مولانا شکر اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے خلف الرشید، مولانا عبدالرب صاحب بھی انہی معروف و مستند خطباء میں سے ایک منفرد خطیب ہیں۔

موصوف بلند و بالا، بھاری بھرکم جسامت کے مالک نہ تھے، اس لئے ابتداءً جلسوں میں علماء کی صف میں ممتاز و نمایاں نہیں رہے اور چھوٹا و معمولی عالم سمجھ کر اسٹیج پر کم بلایا جاتا تھا، لیکن جب دو ایک جلسوں میں انہوں نے اپنے فنِ خطابت کا اعلیٰ مظاہرہ کیا تو اکابر و شہرت یافتہ علماء چونک پڑے اور سب کو احساس ہوا کہ ایک جواہر پارہ کو ناحق سنگریزہ سمجھا گیا اور فیصلہ ہوا کہ انہیں جلسوں میں ضرور بلایا جائے۔ اس سلسلے میں بالخصوص خطیب الاسلام حضرت مولانا عبدالرؤف جھنڈانگری اور خود راقم الحروف نے موصوف سے وعدہ لیا کہ ہماری تحریک پر جہاں بھی آپ کو دعوت دی جائے، رونق بزم ہوں اور داعیانِ خطابت سے یہ منوالیں کہ ؎

ہر بیشہ گماں مبر کہ خالیست — شاید کہ پلنگ خفتہ باشد

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کے بعد پھر مولانا جلسوں کے عالم ہوکر رہ گئے اور یوپی ہی نہیں بلکہ بہار، اڑیسہ و مہاراشٹر کے عظیم جلسوں میں پہنچے اور جہاں پہنچے بزم پر چھا گئے۔

انسان فانی ہے مگر اس کا فن اگر محفوظ کرلیا جائے تو وہ لافانی ہے اور ابدالآباد تک اپنی اثر آفرینی سے افادیت و نفع رسانی کا فریضہ انجام دیتا رہتا ہے۔

تقریر، پہلے کتابوں میں منضبط ہوتی تھی اور اب کیسٹوں میں، لیکن ٹیپ ریکارڈر نہ ہر ایک کے پاس ہوتا ہے نہ کیسٹ بالعموم مل سکتا ہے، اس لیے وعظ و تقریر کے ضبط و دوام کا بہترین طریقہ مواعظ کی طباعت ہے۔

میں مولانا موصوف کو ان کی ہمت پر داد دیتا ہوں کہ جہاں آپ نے انتہائی گراں قدر کتب شائع کر کے مفت تقسیم کی ہیں، وہیں اپنی تقریروں کا بہترین مجموعہ ''مواعظِ حسنہ'' کے نام سے شائع کر رہے ہیں۔

امید ہے کہ شناسانِ فن وفدا کارانِ جلسہ و تقریر اس مجموعۂ تقاریر کے ویسے ہی پروانہ بنیں گے جیسے خود مولانا کے بیان و خطابت کے پروانہ بنے رہتے ہیں ؎

حقیقت خود کو منوا لیتی ہے مانی نہیں جاتی

ذاکر ندوی

علمی منزل، بسکوہر، سدھارتھ نگر

۱۳/ اگست ۱۹۹۰ء

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡم

خطبۂ نبوی

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَ مَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَ نَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ. اَمَّا بَعْدُ. فَاِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَ خَيْرَ الْهُدٰى هَدْىُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ شَرَّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَ كُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَ كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَ كُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ. [1]

ترجمہ: سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں۔ ہم اسی کی تعریف کرتے ہیں اور اسی سے مدد مانگتے ہیں اور اسی سے گناہوں کی بخشش چاہتے ہیں اور اسی پر ایمان لاتے ہیں اور اسی پر بھروسہ کرتے ہیں۔ ہم اپنے نفسوں کی برائیوں اور بداعمالیوں سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔ بیشک جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دیدے اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا اور جسے وہ گمراہ کردے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ یکتا ہے کوئی اس کا شریک نہیں اور ہم اس بات کی بھی گواہی دیتے ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

یقیناً تمام باتوں سے بہتر اللہ کی کتاب (قرآن) ہے اور تمام راستوں سے بہتر راستہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ہے اور تمام کاموں میں بدترین کام وہ ہے جو دین میں اپنی طرف سے بڑھائے جائیں اور دین میں جو کام نیا نکالا جائے وہ بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی دوزخ میں لے جانے والی ہے۔

---

[1] یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ جامع خطبہ ہے جسے آپؐ ہر وعظ کے شروع میں پڑھا کرتے تھے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

انعامِ خداوندی

نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ.. اَمَّا بَعۡدُ.

اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ. بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ.

وَ اِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَةَ اللّٰہِ لَا تُحۡصُوۡھَا.

تعریف اس خدا کی جس نے جہاں بنایا کیسی زمیں بنائی کیا آسماں بنایا
سورج بنا کے اس نے رونق جہاں کو بخشی اور بادلوں کو اس نے مینہ کا نشاں بنایا
مٹی کے بیل بوٹے کیا خوشنما اگائے پہنا کے سبز خلعت ان کو جواں بنایا
آبِ رواں کے اندر مچھلی بنائی اس نے مچھلی کے تیرنے کو آبِ رواں بنایا
ہر چیز سے ہے اس کی کاریگری ٹپکتی
یہ کارخانہ اس نے کب رائیگاں بنایا

تمام تعریف اور ہر قسم کی حمد و ثنا اللہ تعالیٰ ہی کے لئے لائق اور سزاوار ہے جو اس کائنات کا اور کائنات کے تمام رہنے والوں کا خالق، مالک، رازق، مشفق، مربی اور پالنہار ہے۔

حضرات! اس دنیا میں کسی انسان کے اندر، یا کسی سیارے کے اندر، یا کسی بھی مخلوق کے اندر، جتنی خوبیاں، جتنے اوصاف اور جتنے کمالات ہیں، ان تمام خوبیوں اور محاسن کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔ مثلاً انسان...... جو اللہ کی تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ اشرف ہے...... اس کے اندر بڑی بڑی خوبیاں ہیں۔ یہ بولتا ہے یعنی اس کے اندر قوتِ گویائی ہے، یہ اپنے آس پاس کی آواز کو سن لیتا ہے، اس کے اندر قوت سماعت ہے، یہ اپنے سامنے کی چیزوں کو دیکھ لیتا ہے، اس کے اندر قوت بصارت ہے، یہ اپنے دماغ سے کام لے کر بھلے برے کی تمیز کر لیتا ہے، اس کے اندر قوت تخئیل ہے۔ لیکن انسان کی یہ تمام صلاحیتیں انسان کا ذاتی کمال نہیں ہیں۔ بلکہ یہ تمام

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خوبیاں اللہ رب العالمین کی عطا کی ہوئی ہیں۔ وہ چاہے تو زبان ہونے کے باوجود قوت گویائی چھین کر انسان کو گونگا بنا دے، وہ چاہے تو آنکھ ہونے کے باوجود قوتِ بصارت چھین کر انسان کو اندھا بنا دے، وہ چاہے تو کان ہونے کے باوجود قوتِ سماعت چھین کر انسان کو بہرہ بنا دے، وہ چاہے تو سر اور دماغ ہونے کے باوجود قوتِ تخئیل چھین کر انسان کو پاگل بنا دے۔

اسی طرح آسمان میں چمکتا اور روشنی پھیلاتا ہوا یہ سورج، جس کے اندر عجیب وغریب خصوصیات ہیں، یہ ہماری اس زمین سے نو کروڑ تیس لاکھ میل کی دوری پر اور چوتھے آسمان پر ہے، لیکن اس کی کرنیں تین آسمانوں کا سینہ چیرتی ہوئی پوری دنیا کو منور کرتی ہیں۔ لیکن سورج کی یہ بے مثال خوبی بھی اس کا ذاتی کمال نہیں، بلکہ اللہ کا عطیہ اور اسی کی دین ہے۔ وہ جب چاہتا ہے سورج کو روشن رکھتا ہے اور جب چاہتا ہے اس کی روشنی چھین کر دنیا میں اندھیرا کر دیتا ہے۔

غرضیکہ اس وسیع وعریض کائنات میں ہر چہار طرف اسی کی جلوہ آرائیاں ہیں۔ اس لئے اس کائنات میں جو ذات ایسی ہے کہ ہم جس کے گرویدہ اور پرستار بنیں، جس کے احسان مند اور شکر گزار بنیں، جس کی حمد وثنا میں رطب اللسان ہوں، جسے اپنی تمام امیدوں اور اپنے اعتماد کا مرکز سمجھیں اور جس کی تعریف وتوصیف اور جس کے نام سے اپنا ہر کام شروع کریں تو وہ اللہ اور صرف اللہ کی ذات ہے، جو ہر عیب اور نقص سے پاک ہے، اس کائنات کا ذرہ ذرہ جس کی تحمید اور تسبیح میں لگا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ. یعنی کوئی بھی چیز ایسی نہیں ہے جو اللہ کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح نہ کر رہی ہو۔ کیا ہی سچ ہے ؎

شاخیں گلوں کی جھک کر تعظیم کر رہی ہیں   چڑیاں چہک چہک کر لیتی ہیں نام تیرا

جو لوگ قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں، جنہیں قرآن سے اُلفت اور لگاؤ ہے، وہ اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ قرآن میں ایک سو چودہ سورتیں ہیں۔ اور ان ایک سو چودہ سورتوں میں سب سے پہلی سورۃ کا نام سورہ فاتحہ ہے۔ اور یہ سورۃ، قرآن مجید کی وہ مقدس ترین سورۃ ہے جس کا ہر نماز میں پڑھنا ضروری ہے، چاہے وہ نفل ہو یا فرض، چاہے وہ نماز جنازہ ہو یا نماز استسقاء، چاہے وہ کسوف کی نماز ہو یا استخارہ کی، اور ہر نمازی کے لئے اس کا پڑھنا ضروری ہے چاہے وہ امام ہو یا منفرد، مقتدی ہو یا مسبوق۔ کیونکہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَءْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ. یعنی اس شخص کی نماز نہیں ہوتی جو سورہ فاتحہ نہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پڑھے۔

سورۂ فاتحہ کی سب سے پہلی آیت ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ. یعنی تمام تعریف اللہ رب العالمین کے لئے ہے۔ اللہ نے خود کو رب العالمین کہا یعنی سارے جہان کا پالنہار، رب المسلمین نہیں کہا کہ صرف مسلمانوں کا رب، رب الانبیاء والمرسلین نہیں کہا کہ صرف نبیوں اور رسولوں کا رب، رب الاولیاء والمتقین نہیں کہا کہ صرف ولیوں اور متقیوں کا رب، بلکہ رب العالمین کہا یعنی سارے جہان اور ساری مخلوقات کا پالنہار، اپنوں کا بھی پالنہار اور غیروں کا بھی پالنہار، دوستوں کا بھی پالنہار اور دشمنوں کا بھی پالنہار، ماننے والوں کا بھی پالنہار اور انکار کرنے والوں کا بھی پالنہار، فرمانبرداروں کا بھی پالنہار اور نافرمانوں کا بھی پالنہار۔

چنانچہ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو روزی دی تو فرعون کو بھی روزی دی، اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو رزق پہنچایا تو نمرود کو بھی رزق سے محروم نہیں کیا، اس نے اپنے آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو روزی دی تو آپؐ کے بدترین دشمنوں ابوجہل اور ابولہب وغیرہ پر بھی روزی کا دروازہ بند نہیں کیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام بہت بڑے مہمان نواز تھے۔ بغیر مہمان کے وہ کھانا نہیں کھاتے تھے۔ ایک روز ان کے دسترخوان پر ایک بوڑھا مجوسی مہمان تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کے سامنے کھانا رکھا اور کہا، بسم اللہ کہہ کر یعنی اللہ کے نام سے کھانا شروع کرو، اس نے کہا کھانا شروع کرنے سے پہلے میں تمہارے معبود کا نام نہیں لوں گا، بلکہ اپنے معبود کا نام لوں گا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس سے پوچھا تمہارا معبود کون ہے؟ اس نے کہا آگ، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کے آگے سے کھانا کھینچ لیا اور کہا جاؤ جس کا نام لیتے ہو اسی سے کھانا مانگو، یہ میرے رب کی دی ہوئی روزی ہے۔ بوڑھا دسترخوان سے بھوکا اٹھ کر چلا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ابراہیم! اس بوڑھے کی عمر نوّے سال ہے، اور اس پوری مدت میں اس نے ایک بار بھی میرا نام نہیں لیا، یعنی میں نے نوّے سال تک اسے بغیر بسم اللہ کہے، کھانا دیا، اور تم ایک بار ہی میں گھبرا گئے، جاؤ اس بوڑھے کو بلاؤ اور اسے کھانا کھلاؤ، حضرت ابراہیم علیہ السلام دوڑے گئے اور بوڑھے سے کہا: ''بابا چلو کھانا کھالو، اور جس کا جی چاہے اسی کا نام لے کر کھاؤ، کیونکہ میرے رب کی رحمت کو یہ گوارا نہیں کہ تم دسترخوان سے بھوکے اٹھ جاؤ'' بوڑھے مجوسی نے کہا ''ابراہیم! کھانا تو

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں بعد میں کھاؤں گا، پہلے میرا رشتہ اس پروردگار سے جوڑ دے جو اتنا بڑا ارحم الراحمین ہے کہ نافرمانوں سے بھی اپنی نظر کرم نہیں ہٹاتا۔''

اللہ تعالیٰ صرف رب العالمین ہی نہیں، بلکہ رحمٰن ورحیم یعنی بہت بڑا مہربان اور نہایت رحم والا بھی ہے۔ وہ اپنے بندوں پر اتنا مہربان ہے جتنی مہربان ایک ماں بھی اپنے بچے پر نہیں ہے۔

یہ بات ذرا سا غور کرنے سے بخوبی سمجھ میں آسکتی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ ہی تو ہے جس نے بچوں کی پرورش کے لئے ماں باپ کے سینے میں بے انتہا اور لافانی محبت پیدا کی ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اگر وہ اس محبت کو نہ پیدا کرتا تو ماں اور باپ سے بڑھ کر بچوں کا کوئی دشمن نہ ہوتا، کیونکہ سب سے زیادہ وہ انہی کے لئے تکلیف دہ ہوتے ہیں۔

ایک مثال:

کسی آدمی کے پاس شیشے کے دو گلاس ہوں، ان میں سے ایک اچھا اور کام کے لائق ہو، اور دوسرا ٹوٹا ہوا، بیکار اور ناقابل استعمال ہو، تو آدمی اسی گلاس کی حفاظت کرے گا جو کارآمد ہو۔ جو گلاس ٹوٹ کر بیکار ہو جائے، آدمی کو اس کی پرواہ نہیں ہوگی۔ لیکن اگر کسی عورت کے دو بچے ہوں، ان میں سے ایک تندرست، خوبصورت، توانا، قوی اور ہونہار ہو اور دوسرا اندھا، اپاہج، بدصورت اور مفلوج ہو تو اس ماں کو جتنی محبت اپنے خوبصورت اور تندرست بچے کے ساتھ ہوگی، اتنی محبت اور ویسی ہی محبت اپنے ناکارہ اور مفلوج بچے کے ساتھ بھی ہوگی، جب کہ وہ ماں جانتی ہے کہ یہ مجبور بچہ میرے کسی کام نہیں آئے گا بلکہ الٹا مجھ پر بوجھ ہوگا، یہ مجھے کما کر کھلانے کے لائق نہیں بلکہ مجھے خود محنت ومشقت کر کے اس کا پیٹ پالنا ہوگا۔

جاڑوں کی رات میں ایک ماں اپنے دودھ پیتے بچے کو لے کر سوتی ہے، رات میں کسی وقت اس کا بچہ پیشاب کر دیتا ہے اور اس کی ٹھنڈک کی وجہ سے جاگ کر رونے لگتا ہے۔ تب وہ ماں گیلی جگہ پر خود لیٹ جاتی ہے اور اپنے بچہ کو سوکھی جگہ پر لٹا دیتی ہے، کیونکہ اسے اپنے آرام سے زیادہ اپنے بچے کے آرام کی فکر ہوتی ہے۔

خدانخواستہ کسی گھر میں آگ لگ جائے اور کسی عورت کو یہ پتہ چلے کہ میرا بچہ اسی گھر میں ہے جو جل رہا ہے، اور اسے یہ یقین بھی ہو کہ اگر میں اپنے بچے کو بچانے کے لئے آگ میں کودوں گی تو خود جل کر بھسم ہو جاؤں گی، پھر بھی وہ اپنے بچے کی خاطر آگ کے دہکتے ہوئے شعلوں میں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کود پڑے گی، کیوں کہ اس کی ممتا یہ گوارا ہی نہیں کر سکتی کہ وہ باہر کھڑی رہے اور اس کا بچہ آگ میں جل کر جان دیدے۔

بیٹے نے اپنے ننھے ہاتھوں سے ماں کو مارا، ماں نے اسے اٹھا کر سینے سے لگا لیا۔ اس کا مطلب کیا ہے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک معاملہ جو بظاہر مار کا معاملہ تھا، اس کو ماں نے محبت کا معاملہ بنا دیا، اس نے برائی کو بھلائی کے خانہ میں ڈال دیا، اس نے ایک قابل سزا چیز کو قابلِ انعام چیز قرار دیدیا۔

یہ اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت کی ایک ہلکی سی جھلک ہے جو ماں کے رویہ کی شکل میں دکھائی جاتی ہے۔ یہ ایک نشانی ہے جو بتاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمتوں کے کیسے عجیب نمونے اس دنیا میں بکھیر دیئے ہیں۔

لیکن شفقت، محبت کی یہ انوکھی قسم، ماں نے اپنے اندر خودنہیں پیدا کی ہے، بلکہ اس کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ تو جس اللہ نے ماں کے سینے میں یہ بے مثال اور لازوال محبت پیدا کی ہے، خود اس کے اندر اپنی مخلوق کے لئے کیسی کچھ محبت ہوگی اور خود وہ اپنے بندوں پر کس قدر مہربان ہوگا۔

قرآن مجید میں آیا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو جہاں اور بہت سی باتوں کی نصیحت کی تھی، وہیں یہ بھی کہا تھا وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ۔ یعنی اپنے رب سے معافی مانگو اور اس کی طرف پلٹ آؤ، بے شک میرا رب رحیم ہے اور اپنی مخلوق سے محبت رکھتا ہے، یعنی وہ کسی کا دشمن نہیں ہے کہ اس کو سزا دینے میں اسے لطف آئے۔ اگر وہ کسی کو سزا دیتا ہے تو صرف اس وقت جب وہ اپنی سرکشیوں میں حد سے گذر جائے، اور کسی طرح سے بھی ظلم و فساد سے باز نہ آئے۔

اللہ رب العالمین کی شفقت اور محبت کا یہ عالم ہے کہ انسان خواہ کتنا ہی قصور کر ڈالے، مگر جب وہ اپنے گناہوں پر نادم ہوتا ہے، اپنی خطاؤں سے توبہ کرتا ہے اور اللہ کی طرف پلٹتا ہے تو اس کے دامن رحمت کو اپنے لئے وسیع پاتا ہے۔

اس حقیقت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو نہایت عمدہ، جامع اور لطیف مثالوں سے واضح فرمایا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک مثال تو آپ نے یہ دی کہ اگر تم میں سے کسی کا اونٹ ایک بے آب و گیاہ صحرا میں کھو گیا ہو۔ اور اس کے کھانے پینے کا سامان بھی اسی اونٹ پر لدا ہوا ہو، اور وہ شخص اپنے اونٹ، اپنے ساز و سامان اور اپنی روزی کو تلاش کر کے ناامید ہو چکا ہو یہاں تک کہ بے آس ہو کر ایک درخت کے نیچے لیٹ گیا ہو اور عین اسی حالت میں یکایک وہ دیکھے کہ اس کا کھویا ہوا اونٹ اس کے سامنے کھڑا ہے، تو اس وقت جیسی کچھ خوشی اس کو ہو گی، اس سے کہیں زیادہ خوشی اللہ تعالیٰ کو اپنے بھٹکے ہوئے بندے کے پلٹ آنے سے ہوتی ہے۔ (بخاری و مسلم)

دوسری مثال اس سے بھی زیادہ مؤثر ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ جنگی قیدی گرفتار کر کے لائے گئے۔ انہی قیدیوں میں ایک عورت بھی تھی جس کا دودھ پیتا بچہ کہیں چھوٹ گیا تھا، اور وہ بچے کی جدائی سے اس قدر بے چین اور پریشان تھی کہ جس کے بچے کو پاتی اسے اٹھا کر دودھ پلانے لگتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے حال کو دیکھ کر ہم لوگوں سے پوچھا، کہ کیا تم لوگ یہ توقع کر سکتے ہو کہ یہ ماں اپنے بچے کو خود اپنے ہاتھوں آگ میں پھینک دے گی؟ ہم نے کہا ہرگز نہیں، خود پھینکنا تو درکنار، وہ آپ گرتا ہو تو یہ اپنی حد تک اسے بچانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھے گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَللّٰهُ اَرْحَمُ بِعِبَادِهٖ مِنْ هٰذِهٖ بِوَلَدِهَا. یعنی اللہ کا رحم اپنے بندوں پر اس سے بہت زیادہ ہے جو یہ عورت اپنے بچے کے لئے رکھتی ہے۔ (مسلم و بخاری)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَفْتَحَ بَابَ الشُّكْرِ وَيَغْلَقَ بَابَ الْمَزِيْدِ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَفْتَحَ بَابَ الدُّعَاءِ وَ يَغْلَقَ بَابَ الْاِجَابَةِ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَفْتَحَ بَابَ التَّوْبَةِ وَيَغْلَقَ بَابَ الْمَغْفِرَةِ. یعنی اللہ ایسا نہیں کرتا کہ شکر کا دروازہ کھولے اور مزید کے دروازے کو بند کر دے، اور اللہ ایسا نہیں کرتا کہ دعاء کا دروازہ کھولے اور قبولیت کا دروازہ بند کر دے، اور اللہ ایسا نہیں کرتا کہ توبہ کا دروازہ کھولے اور مغفرت کا دروازہ بند کر دے۔

اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں سے اتنا گہرا تعلق ہے کہ اس نے قرآن مجید میں بیس سے زیادہ مقامات پر اپنے بندوں کو یٰعِبَادِیْ کہہ کر پکارا ہے اور بڑے سے بڑے گنہگار کو یٰعِبَادِیْ کہہ کر اپنی طرف منسوب کیا ہے مثلاً قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ. یعنی اے نبی کہہ دو، اے وہ میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے، اللہ کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رحمت سے مایوس نہ ہو۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے تین سو سے زیادہ مقامات پر اپنی رحمت کا ذکر فرمایا ہے۔ اس کے علاوہ بے شمار مقامات ہیں جہاں لفظ رحمت تو نہیں استعمال ہوا ہے لیکن اس کا تعلق اللہ کی رحمت ہی سے ہے۔ مثلاً حلم، عفو، رافت، ربوبیت وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے متعلق یہ بھی فرمایا ہے وَرَحْمَتِىْ وَسِعَتْ كُلَّ شَئٍ. یعنی میری رحمت ہر شے کو گھیرے ہوئے ہے۔

اس دنیا میں ہمارا اور آپ سب کا یہ معمول ہوتا ہے کہ ہم اپنے دوست کو کھانا کھلاتے ہیں، دشمن کو نہیں، ہم اس آدمی کے ساتھ شفقت ومحبت کا سلوک کرتے ہیں جو ہماری باتوں کو مانتا ہے، لیکن جو شخص ہماری باتوں کو ٹھکراتا ہے، ہماری کوئی پرواہ نہیں کرتا، ہم اس کے ساتھ کسی بھی قسم کا اچھا سلوک کرنے پر تیار نہیں ہوتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ اتنا بڑا رحمٰن ورحیم ہے کہ اس کی رحمت سب کے لئے عام ہے چاہے وہ نیک ہوں یا بد، فرمانبردار ہوں یا نافرمان۔ وہ ایک مسلمان کو روزی دیتا ہے تو کافر کے لئے بھی روزی کا دروازہ بند نہیں کرتا، وہ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ. کا اقرار کرنے والے کے کھیت میں پانی برساتا ہے، تو اس کلمہ کے منکر کے کھیت کو بھی پانی سے محروم نہیں رکھتا ہے، سورج کی کرنیں اور آسمان سے اترنے والی بارش یکساں طور پر مومن اور کافر کو فائدہ پہنچا رہی ہیں، یہ زمین جس طرح اللہ کے فرمانبردار بندے کے لئے بنائی گئی ہے، اسی طرح سے اللہ کا نافرمان بندہ بھی اس سے فیض پاتا ہے، اللہ کی چلائی ہوئی ہوا سے بلا استثناء ہر کوئی فائدہ اٹھاتا ہے چاہے وہ اللہ کی عبادت کرتا ہو یا اس کے وجود تک کا انکاری ہو۔ شیخ سعدیؒ نے بڑی مومنانہ بات کہی ہے۔

ادیم زمیں سفرہ عام اوست ۔۔۔ چہ دشمن بریں خوان یغما چہ دوست

''یہ روئے زمین اللہ کی طرف سے بچھایا گیا دسترخوان ہے چاہے دوست اس سے فائدہ اٹھائے یا دشمن۔''

یہ اللہ تعالیٰ کی بے مثال شفقت اور مہربانی ہی ہے کہ اس نے ہم انسانوں پر بے انتہا احسانات کئے ہیں، اور ہمیں اتنی نعمتیں دی ہیں جنہیں ہم گن نہیں سکتے، شمار نہیں کر سکتے، بلکہ بہت سی نعمتیں تو ایسی ہیں کہ انسانوں کو اس کی خبر بھی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ سورۂ ابراہیم میں فرماتا ہے:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا یعنی ''اگر اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو نہیں گن سکو گے۔'' کیا ہی سچ ہے ؎

یہ سحر کا حسن یہ سیارگاں اور یہ فضا
یہ معطّر باغ، یہ سبزہ، یہ کلیاں دلربا
یہ بیاباں، یہ کھلے میدان، یہ ٹھنڈی ہوا
سوچ تو کیا کیا، کیا ہے تجھ کو قدرت نے عطا
کب تک آخر اپنے رب کی نعمتیں جھٹلائے گا
پھول میں خوشبو بھری جنگل کی بوٹی میں دوا
بحر سے موتی نکالے صاف، روشن، خوشنما
آگ سے شعلہ نکالا، ابر سے آبِ صفا
کس سے ہو سکتا ہے اس کی بخششوں کا حق ادا
کب تک آخر اپنے رب کی نعمتیں جھٹلائے گا

اللہ کی محسوس نعمتیں لامتناہی ہیں۔ مثلاً اس نے آسمانوں اور زمینوں کو ہمارے فائدے کے لئے بنایا، بادلوں سے مینہ برسایا، پھر بارش کے پانی سے ہمارے لئے طرح طرح کی چیزیں پیدا کیں، جن میں سے کچھ کھانے پینے کے کام آتی ہیں، کوئی پہننے اوڑھنے اور بچھانے کے، اور کوئی دوسری ضروریات ولوازم زندگی کی سرانجام دہی اور اسباب روزی کی فراہمی کے لئے ہیں۔ پھر پانی پر سفر کرنے کے لئے کشتی، جہاز وغیرہ بنانا سکھایا۔ ایسی تدبیریں بتائیں کہ کشتیاں پانی میں غرق نہ ہوں، پھر نہروں کو ہمارے بس میں کر دیا جدھر چاہتے ہیں لے جاتے ہیں۔ ان سے طرح طرح کے کام لیتے ہیں، آب پاشی کرتے ہیں، چکیاں چلاتے ہیں، بجلی بنا کر اس سے بکثرت سامانِ ضرورت فراہم کرتے ہیں، پھر چاند وسورج کو ہمارے فائدے کے لئے ایک خاص چال سے چلایا۔ اگر ان کی چال بگڑ جائے تو انتظامِ عالم بگڑ جائے۔ نہ پھلوں میں پختگی آئے، نہ کھیتیاں پکیں، نہ سمندروں میں مد وجزر ہو، نہ دنیا کو گرمی وخنکی میسر آئے اور نہ زمین کی رطوبتیں خشک ہوں، کثرت سے بیماریاں پھیل جائیں، بارش بالکل نہ ہو۔ پھر رات اور دن کو ہمارے کام میں لگا رکھا ہے۔ رات اپنے وقت پر آتی ہے اور دن اپنے وقت پر۔ رات میں بھی ہمارے لئے سامانِ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زندگی کی فراہمی ہوتی ہے اور دن میں بھی کاروبار حیات کی تکمیل۔ پھر یہ تو کھلی ہوئی نعمتیں ہیں، انہی پر کیا حصر ہے، ہم نے جو کچھ اپنی زبان یا حال سے مانگا اور ہماری زندگی کی بقا کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہوئی وہ سب اللہ نے ہمیں عطا کیں۔ ہر آڑے وقت پر ہماری مدد کی، پھر محسوس نعمتوں کے علاوہ غیر محسوس اور نیم محسوس انعامات اس قدر زیادہ ہیں جو شمار اور گنتی سے باہر ہیں۔

پڑھے لکھے حضرات اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ اس دنیا میں تین حصہ پانی ہے اور صرف ایک حصہ خشکی ہے لیکن قرآن مجید میں آتا ہے کہ دنیا میں جتنا پانی ہے، یعنی سمندروں کا پانی، دریاؤں کا پانی، نہروں کا پانی، چشموں کا پانی، تالاب، گڈھے اور کنویں کا پانی، سب کی روشنائی بن جائے اور اس سے اللہ کی حمد و ثناء لکھی جائے، اس کے کلمات اور اس کی نعمتیں لکھیں جائیں تو یہ تمام پانی ناکافی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ سورہ کہف میں فرماتا ہے۔ قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَاداً لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ۔

''یعنی اے نبی! کہہ دو کہ اگر تمام سمندر روشنائی بن جائے میرے رب کے کلمات کو لکھنے کے لئے تو سارا پانی سوکھ جائے گا مگر میرے رب کی حمد و ثناء مکمل نہیں ہوگی، اس کے کلمات اور اس کی نعمتوں کا ذکر مکمل نہیں ہوگا۔''

یہ الکٹرانک دور ہے، مشینوں کا زمانہ ہے اور ہر مشین کو خوراک کی ضرورت پڑتی ہے۔ بلا خوراک پائے کوئی مشین حرکت کر ہی نہیں سکتی۔ کسی مشین کی خوراک ڈیزل ہے، کسی کی خوراک پٹرول ہے، کسی کی خوراک مٹی کا تیل ہے، کسی کی خوراک کوئلہ ہے اور کسی کی خوراک ایٹمی ایندھن ہے۔ اسی طرح سے ہمارا جسم بھی ایک مشین ہے جس میں مختلف اعضاء کل پرزوں کی شکل میں اپنا کام انجام دے رہے ہیں۔ اپنی اس مشین کو زندہ اور متحرک رکھنے کے لئے مختلف قسم کی خوراک کی ضرورت پڑتی ہے اور اس کی سب سے بڑی خوراک وہ آکسیجن ہے جو ہم سانس کے ذریعہ اپنے اندر پہنچاتے ہیں لیکن اپنے جسم کی اس قیمتی خوراک کو پانے کے لئے ہمیں کوئی محنت نہیں کرنی پڑتی، کسی قسم کی جد و جہد نہیں کرنی پڑتی، ہمیں اپنی قوتیں اور صلاحیتیں نہیں صرف کرنی پڑتیں، نہ ہی ہمیں کوئی قیمت دینی ہوتی ہے۔ ہم یہاں بیٹھے ہیں آکسیجن ہمیں مل رہی ہے، تھوڑی دیر کے لئے ہم یہاں سے اٹھ کر چلے جائیں گے تب بھی آکسیجن ہمیں ملتی رہے گی۔ سمندروں کے بیچ جب ہم کشتی اور جہاز پر سفر کرتے ہیں اس وقت بھی آکسیجن پاتے ہیں، ہوائی جہازوں میں بیٹھ کر فضاؤں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں اڑتے ہیں تب بھی آکسیجن سے محروم نہیں رہتے اور کمال تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک بچہ کو ماں کے پیٹ میں رحم کی جھلیوں کے اندر بھی آکسیجن پہنچا کر اور اس کی پرورش کا انتظام کر کے گوشت کے اس لوتھڑے کو زندہ رکھتا ہے۔ مولانا مسلمؒ نے سچ کہا ہے۔

شکم میں ماں کے جو تجھ کو نہ بھولا — تو بھول اس کو گیا اے بے نمازی

آسمان سے اترنے والی یہ بارش جس سے ہماری کھیتیاں سیراب ہوتی ہیں، اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی نعمت ہے، اس کا اندازہ ہم ایک مشاہدہ سے لگا سکتے ہیں۔ وہ یہ کہ سائنس دانوں نے مصنوعی بارش کا تجربہ کیا تھا، سمندر کے ذریعہ بھاپ بنا کر مصنوعی بدلی کے ذریعہ بارش کی جاتی تھی۔ لیکن اس طرح کی مصنوعی بارش اس قدر مہنگی ثابت ہوئی کہ ایک سائنس داں نے لکھا ہے کہ اگر پورے ہندوستان پر صرف دس منٹ کی مصنوعی بارش کی جائے تو اس پر پورے ملک کی پچیس برس کی مال گذاری صرف ہو جائے گی۔ لیکن اللہ تعالیٰ اس نعمت کو اتنے وافر مقدار میں لٹاتا ہے کہ سال کے بارہ مہینوں میں چار مہینے بارش ہی کے موسم ہیں۔

اللہ کا بنایا ہوا یہ سورج جس کی حرارت سے بے حد و حساب مقدار میں سمندروں سے بھاپ بن کر اٹھایا جاتا ہے، پھر اس سے کثیف بادل بنتے ہیں، پھر ہوائیں انہیں لے کر دنیا کے مختلف حصوں میں پہنچاتی ہیں، پھر عالم بالا کی ٹھنڈک سے وہ بھاپ از سر نو پانی کی شکل اختیار کرتی ہے اور ہر خطے میں ایک خاص حساب سے برستی ہے۔ یہ اللہ کی کتنی بڑی نعمت ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اس طرح کا انتظام نہ کرتا تو کیا انسان اس دنیا میں زندہ رہ سکتا تھا؟

انسان زمین پر کھیتی کرتا ہے، اسے جوتتا ہے اور اس کے اندر بیج ڈالتا ہے۔ انسان اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتا کہ وہ زمین کو کھودتا ہے یا اس میں ہل چلاتا ہے اور جو تخم اللہ نے پیدا کر دیئے ہیں، انہیں زمین کے اندر اتار دیتا ہے۔ اس کے سوا سب کچھ اللہ کرتا ہے۔ اسی نے بے شمار نباتات کے بیج پیدا کئے ہیں، وہی ہر جنس کی نباتات کے لئے اس کے مناسب حال غذا بہم پہنچا کر اسے نشو و نما دیتا ہے۔ یہ بیج ان خاصیتوں کے ساتھ اور زمین کی اوپری تہیں ان صلاحیتوں کے ساتھ اللہ نے نہ پیدا کی ہوتیں تو کیا انسان کوئی غذا یہاں پا سکتا تھا؟

ایک انسان جب ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے، اور ہم اور آپ بھی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے، جب ہم نے شکم مادر سے جنم لیا تھا تو زندگی گذارنے کے لئے ہمیں جن جن

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چیزوں کی ضرورت تھی وہ تمام چیزیں لے کر آئے تھے، یعنی پوری طرح مسلح ہو کر۔ دیکھنے کے لئے آنکھیں لائے، سننے کے لئے کان، بولنے کے لئے زبان، سوچنے اور سمجھنے کے لئے دماغ، چلنے کے لئے پاؤں اور کام کرنے کے لئے دو ہاتھ لے کر پیدا ہوئے۔ یہی نہیں بلکہ جب ہم نے زمین پر قدم رکھا تو ہماری ماں کے سینے میں ہماری غذا کے لئے دودھ پہلے سے موجود تھا، ہمارے رہنے بسنے کے لئے یہ زمین پہلے سے موجود تھی، ہمیں روشنی پہنچانے کے لئے سورج پہلے ہی سے چمک رہا تھا، ہمیں آکسیجن پہنچانے کے لئے ہوائیں پہلے ہی سے چل رہی تھیں، ہماری پیاس بجھانے کے لئے پانی پہلے ہی سے موجود تھا۔ اور یہ تمام نعمتیں ہمارے والدین کسی دوکان سے خرید کر نہیں لائے تھے بلکہ یہ سب اسی ارحم الراحمین کی دی ہوئی ہیں۔ اور اس کی بخشی ہوئی ہر نعمت اپنی جگہ پر اتنی کامل اور اس قدر قیمتی ہے کہ اس کا کوئی بدل نہیں۔ مثلاً ہماری یہ دونوں آنکھیں، اگر ہم میں سے کسی انسان سے یہ کہا جائے کہ تم اپنی دونوں آنکھیں دیدو اور اس کے بدلے میں تمہیں ایک بہت بڑے ملک کی بادشاہت مل جائے گی، تو دنیا میں کوئی انسان ایسا نہیں ملے گا جو ان دونوں آنکھوں کے مقابلے میں کسی بہت بڑے ملک کی بادشاہت کو ترجیح دے۔

ایک واقعہ:

ایک بار ایک فقیر نے آواز لگائی ''بابا پیسے دے'' سننے والے نے دیکھا کہ وہ ہاتھ اور پاؤں کا تندرست معلوم ہو رہا تھا۔ اس نے پوچھا کیوں؟ تمہیں پیسے کیوں دیئے جائیں؟ فقیر نے جواب دیا ''اس لئے کہ میں بہت غریب آدمی ہوں'' آدمی نے کہا نہیں تم غریب نہیں ہو، تم تو بہت دولت مند ہو، فقیر نے کہا ''مذاق مت کیجئے، میرے پاس دولت کہاں؟ میں تو بہت غریب آدمی ہوں۔ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں'' آدمی نے کہا ''اچھا جو کچھ تمہارے پاس ہے مجھے دیدو اس کے بدلے میں، میں تمہیں پچاس ہزار روپے دیتا ہوں'' فقیر نے ''اپنی جھولی کندھے سے اتاری اور کہا ''میرے پاس تو بس یہی ہے اسے لے لیجئے۔'' آدمی نے کہا نہیں ''اس کے علاوہ بھی تمہارے پاس بہت کچھ ہے۔ تمہارے پاس دو پاؤں ہیں، ان میں سے ایک مجھے دیدو اور مجھ سے دس ہزار روپے لے لو'' فقیر نے دینے سے انکار کر دیا۔ پھر آدمی نے کہا ''تمہارے پاس دو ہاتھ ہیں۔ ان میں سے ایک مجھے دیدو اور مجھ سے بیس ہزار روپئے لے لو'' فقیر نے دوبارہ انکار کر دیا، آدمی نے کہا ''اچھا تمہارے پاس دو آنکھیں ہیں، ان میں سے ایک مجھے دیدو اور مجھ سے بیس ہزار

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

روپئے لے لو" فقیر نے اب بھی دینے سے انکار کر دیا۔ آدمی نے کہا دیکھو! "اللہ تعالیٰ نے تمہیں دو ہاتھ، دو پاؤں اور دو آنکھیں دی ہیں، میں نے صرف ایک ایک کے دام لگائے تو پچاس ہزار ہو گئے۔ اگر دونوں ہاتھ، دونوں پاؤں اور دونوں آنکھوں کا دام لگایا جائے تو ان کی قیمت ایک لاکھ ہو جائے گی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ جسم جو تمہارے پاس ہے، اس میں بے شمار چیزوں ہیں۔ اس کی صرف تین چیزوں کے دام بھی کم از کم ایک لاکھ روپئے ہیں۔ پھر تم غریب کیسے ہو، تم تو بہت دولت مند ہو۔"

حقیقت یہ ہے کہ آدمی کے پاس کچھ بھی نہ ہو تب بھی اس کے پاس بہت کچھ ہوتا ہے۔ یہ جسم ودماغ جو ہمیں ملا ہے، یہ تمام چیزوں سے زیادہ قیمتی ہے۔ اگر ہمارے پاس ہاتھ ہے جس سے ہم پکڑیں، پاؤں ہے جس سے ہم چلیں، آنکھ ہے جس سے ہم دیکھیں، زبان ہے جس سے ہم بولیں، تو گویا ہمارے پاس بہت کچھ ہے۔ اور ہمارے اندر کی یہ عجیب وغریب صلاحیتیں اللہ تعالیٰ ہی کی بخشی ہوئی ہیں۔

آدمی کے پاس جو کچھ ہے خدا ہی کا دیا ہوا ہے، آدمی کی زندگی اور اس کا تمام تر اثاثہ، سب کچھ خدا کا عطیہ ہیں۔ آدمی دنیا میں جو کچھ کماتا ہے اسی لئے کماتا ہے کہ اللہ نے اسے ہاتھ اور پاؤں دیئے ہیں جن سے وہ عمل کرے، آنکھ اور زبان دی ہے جن سے وہ دیکھے اور بولے، اس کو دماغ دیا ہے جس سے وہ سوچے اور منصوبے بنائے، اسی کے ساتھ اللہ نے انسان کو ایک ایسی دنیا میں رکھا ہے جو پوری طرح اس کے تابع ہے۔ دنیا کی ہر چیز اس طرح بنائی گئی ہے کہ انسان جس طرح چاہے اپنے کام میں لائے۔ اگر ایسا نہ ہو تو آدمی جسم ودماغ کی تمام طاقتیں رکھتے ہوئے بھی دنیا میں کوئی فائدہ حاصل نہ کر سکے گا۔ اگر گیہوں کا دانہ فصل کی صورت میں نہ اگے بلکہ پتھر کے ٹکڑے کی طرح زمین پر پڑا رہے تو انسان کے لئے زمین سے غلہ حاصل کرنا ناممکن ہو جائے گا۔ فطرت کی طاقتیں اگر اپنا مقررہ عمل نہ ظاہر کریں تو نہ بجلی پیدا ہو اور نہ کوئی سواری حرکت کرے۔ غرضیکہ موجودہ دنیا میں انسان جو کمائی کرتا ہے وہ براہ راست اللہ کا احسان ہوتی ہے۔

اللہ کی جو نعمتیں ہمارے سامنے ہیں، یا ہم جنہیں محسوس کرتے ہیں، ان کے علاوہ بھی اللہ کی نعمتیں بے شمار ہیں۔

مشہور صحابی حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا مَنْ لَمْ يَرَ اَنَّ لِلّٰهِ عَلَيْهِ نِعْمَةً

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فِی الْاَکْلِ وَالشُّرْبِ فقد قلَّ فَھْمُہٗ و حضَرَ عذابُہٗ. ''یعنی جس نے یہ نہ جانا کہ کھانے پینے کے سوا بھی اس کے اوپر اللہ کی نعمتیں ہیں، تو اس کی سمجھ بہت کم ہے اور عذاب اس کے لئے تیار ہے۔''

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا ما مِنْ عَبْدٍ یَشْرَبُ الْمَاءَ الْقَرَاحَ بِغَیْرِ اَذیً اِلَّا وَجَبَ الشُّکْرُ. ''یعنی کوئی بندہ سادہ پانی پیئے اور وہ تکلیف کے بغیر باہر نکل آئے تو اس پر اللہ کا شکر واجب ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا عجیب وغریب انداز کی بنائی ہے۔ کسی کو دولت مند بنایا ہے، کسی کو غریب، کسی کو اتنا زیادہ دیا ہے کہ خود اسے اپنی دولت کا حساب معلوم نہیں اور کسی کو بہت کم دیا ہے۔ اس لئے اللہ کی بخشی ہوئی نعمتوں میں ہمیں اپنے سے اوپر والے کی طرف نہیں، بلکہ اپنے سے نیچے والوں کی طرف دیکھنا چاہئے۔ یعنی یہ نہیں سوچنا چاہئے کہ فلاں کو اللہ نے بے حد وحساب دولت دی ہے اور مجھے کم دیا ہے، فلاں شخص شاندار بلڈنگ میں رہتا ہے اور مجھے معمولی مکان میں گذارا کرنا پڑتا ہے، فلاں کے پاس بہت زمین ہے اور میرے پاس اتنی بھی زمین نہیں ہے جس سے میں سال بھر کے اخراجات کے لئے غلہ حاصل کرسکوں، بلکہ یہ سوچنا چاہئے کہ اللہ نے مجھے اگر چہ غریب بنایا ہے مگر اس دنیا میں بہت سے ایسے لوگ ہیں جو نان شبینہ کے محتاج ہیں، میرا مکان اگر چہ بہت چھوٹا ہے لیکن ایسے بہت سے لوگ ہیں جو مکان سے محروم ہیں اور آسمان کے نیچے درختوں کے سایہ میں اپنی راتیں گذارتے ہیں۔ اس طرح اگر آدمی اپنے سے اوپر والے کی طرف دیکھے گا تو اس کے اندر حرص وحسد کا جذبہ پیدا ہوگا اور اگر وہ اپنے سے نیچے والے کی طرف دیکھے گا تو اس کے اندر شکر وسپاس کے جذبات پیدا ہوں گے اور یہی اسلام کو مطلوب ہے۔

ایک واقعہ:

شیخ سعدیؒ نے اپنا واقعہ بیان کیا ہے کہ ایک بار وہ بغداد اس حال میں جارہے تھے کہ ان کے پیر میں جوتا نہیں تھا اور جوتا خریدنے کی قیمت بھی ان کے پاس نہیں تھی، سوچ رہے تھے کہ مجھ جیسا بدنصیب کوئی نہیں جو جوتا کے بغیر چلنے پر مجبور ہے۔ اچانک انہوں نے دیکھا کہ ایک شخص دونوں پیروں ہی سے محروم ہے۔ تب ان کے دل میں ندامت کے جذبات پیدا ہوئے اور انہوں نے اللہ کا شکر ادا کیا اور کہا یا اللہ! اگر چہ میں جوتے کے بغیر ہوں لیکن اس سے کہیں زیادہ بہتر حال

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں ہوں جو دونوں پاؤں سے محروم ہے۔

لیکن انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جتنی نعمتیں ملیں ہیں، ان سب کا پورا حساب دینا ہے کہ اس نے ان کو کس طرح استعمال کیا؟ اور مجموعی طور پر تمام نعمتوں کے متعلق اسے بتانا پڑے گا کہ آیا اس نے اس امر کا اعتراف کیا تھا کہ یہ نعمتیں اللہ کی عطا کردہ ہیں اور ان پر دل، زبان اور اپنے عمل سے اس کا شکر ادا کیا تھا؟ یا یہ سمجھا تھا کہ یہ سب کچھ اس کے اپنے کسب و کمائی کا نتیجہ ہے، یا یہ تمام چیزیں اسے اتفاقیہ مل گئی ہیں۔

جہاں تک آخرت میں ان نعمتوں کے بارے میں جواب دہی کا سوال ہے، اللہ تعالیٰ سورۂ تکاثر میں فرماتا ہے۔ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ. ''یعنی پھر اس روز تم سے ان نعمتوں کے بارے میں ضرور جواب طلبی کی جائے گی۔''

صحابی رسولؐ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کہا، چلو ابو الہیثم انصاری کے یہاں چلیں۔ چنانچہ آپؐ دونوں کو لے کر انصاری کے نخلستان میں تشریف لے گئے۔انہوں نے کھجوروں کا ایک خوشہ لا کر رکھ دیا اور کہا، آپ لوگ خود چھانٹ چھانٹ کر کھجوریں تناول فرمائیں۔ چنانچہ انہوں نے کھجوریں کھائیں اور ٹھنڈا پانی پیا۔ فارغ ہونے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، یہ ان نعمتوں میں سے ہے جن کے بارے میں قیامت کے روز تمہیں جواب دہی کرنی ہوگی، یہ ٹھنڈا سایہ اور یہ ٹھنڈی اور میٹھی کھجوریں۔''

یہی نہیں کہ اللہ نے ہمیں بے شمار نعمتیں دی ہیں۔عقل دی، صحیح اور غلط کی سمجھ عطا کی، بھلے اور برے کی تمیز بخشی، سوچنے، سمجھنے اور زندگی کے راستے پہچاننے کی قابلیت عطا کی۔ بلکہ اس دنیا میں ہمیں جو کچھ ملتا ہے اسی کی مدد سے ملتا ہے۔ بیماری سے شفا اسی کی مدد سے ملتی ہے، مصیبتوں سے نجات اسی کی مدد سے ملتی ہے، اولاد اسی کی مدد سے ملتی ہے، سکون و اطمینان اسی کی مدد سے حاصل ہوتا ہے۔کوئی آدمی بیمار ہو جائے اور وہ اپنے علاج کے لئے دنیا کے تمام ڈاکٹروں کو اکٹھا کر لے، اس کے پاس قیمتی دواؤں کا اسٹاک ہو، لیکن اسے شفا نہیں مل سکتی جب تک اللہ کی مرضی نہ ہو، کسی آدمی کا معاملہ بگڑا ہوا ہو اور پوری دنیا مل کر اس کے بگڑے ہوئے معاملے کو سلجھانا چاہے لیکن وہ سلجھ نہیں سکتا جب تک اللہ کی مدد شامل نہ ہو۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے آخری اور فیصلہ کن ٹکراؤ کا واقعہ بیان فرمایا ہے۔ فرعون نے اپنی تمام فوجوں کو لے کر حضرت موسیٰؑ اور ان کے ساتھیوں کا پیچھا کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں حکم دیا کہ وہ رات کی تاریکی میں جزیرہ نما سینا کی طرف روانہ ہوں۔ جب حضرت موسیٰؑ اپنی قوم کے ساتھ ساحل سمندر پر پہنچے تو ان کی قوم یعنی بنی اسرائیل کے خوف اور ہراسانی کی انتہا نہیں رہی کیونکہ سامنے سمندر کی غضب ناک موجیں تھیں اور پیچھے تعاقب کرتا ہوا فرعون اور اس کا لشکر، وہ چیخ اٹھے ''اے موسیٰؑ ہم تو پکڑ لئے گئے'' قرآن کہتا ہے۔ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ. یعنی موسیٰؑ کے ساتھیوں نے کہا ''ہم تو پکڑ لئے گئے'' بنی اسرائیل کا یہ خوف واقعات اور تجربات کی روشنی میں صحیح تھا۔ اگر فرعون سے بچنے کے لئے وہ سمندر میں کود پڑتے تو انجام ظاہر تھا۔ سمندر بغیر کشتی و جہاز کے بہت پرخطر ہوتا ہے۔ وہ ڈبونے میں ظالم و مظلوم اور حاکم و محکوم کے درمیان امتیاز نہیں برتتا ہے۔ لیکن قوم کی ہراسانی اور خوف کے باوجود حضرت موسیٰؑ نے پورے یقین و اعتماد کے ساتھ فرمایا كَلَّا اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ. یعنی ''ہرگز نہیں، بے شک میرا رب میرے ساتھ ہے۔ وہ ضرور میری رہنمائی فرمائے گا'' تب حضرت موسیٰؑ کو اللہ نے وحی کے ذریعہ حکم دیا اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ. یعنی اپنا عصا سمندر پر مارو، حضرت موسیٰؑ کے عصا کی ضرب سے جو کچھ ہوا قرآن اس طرح بیان کرتا ہے:

فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِیْمِ. وَ اَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِیْنَ. وَ اَنْجَیْنَا مُوْسٰى وَ مَنْ مَّعَهٗۤ اَجْمَعِیْنَ. ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِیْنَ.

''یعنی یکایک سمندر پھٹ گیا اور اس کا ہر ٹکڑا ایک عظیم الشان پہاڑ کی طرح ہو گیا۔ اسی جگہ ہم دوسرے گروہ کو بھی قریب لے آئے اور موسیٰؑ اور ان سب لوگوں کو جو ان کے ساتھ تھے، ہم نے بچالیا اور دوسروں کو غرق کر دیا۔''

اس طرح جو ڈبونے آئے تھے وہ خود ڈوب گئے اور جنہیں ڈوبنا تھا وہ بچا لئے گئے۔ فرعون کے پاس دولت تھی، سلطنت تھی، حکومت تھی، فوجیں تھیں اور بے انتہا وسائل و ذرائع تھے لیکن وہ ناکام رہا۔ اس لئے کہ اگرچہ اس کے پاس سب کچھ تھا لیکن اللہ کی مدد نہیں تھی اور حضرت موسیٰؑ اور ان کے ساتھی نہتے اور بے سروسامان ہونے کے باوجود موت کے منہ میں پہنچ کر بھی زندہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور صحیح سالم رہے کیوں کہ اگر چہ ان کے پاس کچھ نہیں تھا لیکن اللہ تعالیٰ کی مدد تھی۔

الغرض ہم انسانوں پر سب سے بڑا احسان اللہ کا ہے اور ہمارا محسنِ حقیقی وہی ہے۔ ہمیں جو کچھ ملتا ہے اسی سے ملتا ہے۔ اسی نے ہمیں وجود بخشا، وہی زندگی کی ساری ضروریات فراہم کرتا ہے۔ اسی کے کرم سے وہ بے شمار انتظامات ہو رہے ہیں جن میں اگر ایک بھی نہ ہو تو ہمارا جینا ناممکن ہو جائے۔ اگر ہم آنکھیں کھول کر دیکھیں اور غور کریں تو ہمیں محسوس ہو گا کہ رونگٹا رونگٹا اللہ تعالیٰ کے احسان میں جکڑا ہوا ہے۔ ہر سانس جو اندر جاتی ہے زندگی کے لئے تازگی فراہم کرتی ہے اور ہر سانس جب باہر آتی ہے، زندگی کو برقرار رکھنے کا سبب بنتی ہے۔ اس لئے ہر حال میں ہمیں اس کا شکر گزار بننا چاہئے کیونکہ اللہ کا شکر ادا کرنے کا نتیجہ دنیا و آخرت دونوں میں خود کو اس کی رحمتوں کا مستحق بنانا ہے۔ اللہ تعالیٰ سورۂ ابراہیم میں فرماتا ہے۔ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ. یعنی ''اگر تم شکر ادا کرو گے تو ہم تمہیں مزید دیں گے۔''

اس کے علاوہ قرآن کی بہت سی آیات میں شکر گذاری اور احسان مندی پر زور دیا گیا ہے اور ناشکری اور احسان فراموشی کے برے نتائج سے خبردار کیا گیا ہے۔

بخاری میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں تین آدمی تھے۔ جن میں سے ایک برص کا مریض تھا، دوسرا گنجا تھا اور تیسرا نابینا تھا۔ یہ تینوں اپنے ان عیوب سے بہت زیادہ پریشان تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آزمائش کے لئے ان کے پاس ایک فرشتے کو بھیجا جو سب سے پہلے برص والے کے پاس آیا اور اس سے پوچھا، بتا تو کیا چاہتا ہے اور تیری سب سے بڑی خواہش کیا ہے؟ اس نے کہا کہ میری سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ میرا مرض دور ہو جائے، میری جلد کی رنگت اصلی حالت پر آ جائے تا کہ لوگ میرے پاس بیٹھنے یا مجھے اپنے پاس بٹھانے میں کراہت اور ناگواری نہ محسوس کریں۔ فرشتے نے اس کے جسم پر ہاتھ پھیرا، آناً فاناً وہ بالکل تندرست ہو گیا۔ پھر فرشتے نے اس سے پوچھا کہ کون سا مال تجھے زیادہ پسند ہے؟ اس نے کہا اونٹ، فرشتے نے ایک بہترین نسل کی اونٹنی اسے دیدی اور برکت کی دعاء دے کر آگے بڑھ گیا۔

پھر گنجے شخص کے پاس گیا اور اس سے وہی سوالات کئے۔ گنجے نے بھی یہی کہا کہ مجھے شفا مل جائے۔ فرشتے نے اس پر ہاتھ پھیرا تو وہ بھلا چنگا ہو گیا اور اسے ایک عمدہ نسل کی گائے دے کر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کے لئے برکت کی دعا کی۔

پھر وہ فرشتہ نابینا کے پاس گیا تو اس نے اپنی بینائی لوٹنے کی آرزو کی اور بکریوں کی خواہش ظاہر کی۔ فرشتے نے ہاتھ پھیرا تو اس کی بینائی واپس آ گئی اور اسے ہر چیز دکھائی دینے لگی۔ پھر اسے اچھے نسل کی ایک بکری دے کر فرشتے نے اس کے لئے برکت کی دعاء کی۔

اللہ تعالیٰ نے ان تینوں کو نہ صرف بیماری سے شفا دی بلکہ ان کے جانوروں میں ایسی برکت دی کہ کچھ ہی عرصے میں یہ بہت دولت منداور خوشحال ہو گئے۔ ہر ایک کے پاس جانوروں کا اچھا خاصا ریوڑ تھا اور ان کے علاقے میں چاروں طرف انہی کے جانور پھیلے ہوئے نظر آتے تھے۔

کچھ عرصہ گذر جانے کے بعد وہی فرشتہ اپنی شکل میں جس میں وہ ان لوگوں سے مل چکا تھا، ایک بار پھر ان کے پاس گیا۔ سب سے پہلے وہ اس کے پاس پہنچا جو ابرص رہ چکا تھا اور اس سے کہا کہ میں پریشان حال مسافر ہوں اور اس وقت میں تمہاری مدد کا محتاج ہوں۔ تو اس نے ٹالنے کے لئے یہ بہانہ بنایا کہ یہاں خود مستحقین کی کمی نہیں ہے، تمہارے لئے میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ پھر فرشتے نے اسے اس کی گذری ہوئی زندگی یاد دلاتے ہوئے کہا کہ اللہ نے تمہیں ایک موذی مرض سے نجات دے کر بہترین صحت دی اور غریبی کی جگہ امیری اور خوشحالی سے سرفراز کیا تو تمہیں چاہیے کہ اس کے شکر کے طور پر ایک پریشان حال کی مدد کرو۔ یہ سن کر وہ سخت ناراض ہوا اور کہنے لگا تم جھوٹے ہو۔ آج یہ دولت جو میرے پاس ہے میری موروثی ہے جو پشتہا پشت سے چلی آ رہی ہے۔ اس پر فرشتے نے کہا کہ اگر تم جھوٹ بول رہے ہو تو اللہ تعالیٰ تمہیں پچھلی حالت میں لوٹا دے۔

پھر دوسرے شخص کے پاس گیا جو کبھی گنجا تھا، وہاں بھی اسی قسم کے سوال و جواب ہوئے اور اس شخص نے بھی وہی جواب دیا جو ابرص نے دیا تھا۔ تب فرشتے نے وہی بات کہی جو ابرص سے کہہ چکا تھا۔

اور آخر میں تیسرے شخص کے پاس گیا جو کبھی اندھا تھا، اس سے بھی وہی باتیں کہیں جو دونوں سے کہہ چکا تھا اور اسے بھی اس کے پچھلے گذرے ہوئے دن یاد دلائے تو اس نے بڑی عاجزی اور کھلے دل سے اس کا اعتراف کیا کہ وہ ”یقیناً پہلے نابینا ہی تھا۔ اللہ نے اس پر رحم کیا، اسے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بینائی عطا کی، پہلے وہ بے حد غریب تھا، اللہ نے اس کی غربت دور کر کے عزت وخوشحالی کی زندگی عطا فرمائی۔ پھر اس نے کہا کہ میرے پاس جو کچھ ہے وہ سب اللہ کا فضل ہے۔ تمہیں جس چیز کی ضرورت ہو اور میرے مال میں سے جس قدر چاہو شوق سے لے لو۔ اس جواب پر فرشتے نے کہا کہ تم اپنا سارا مال اپنے پاس رکھو، دراصل یہ تم لوگوں کا امتحان تھا جس میں تم کامیاب ہوئے اور اللہ تم سے راضی ہوا۔ لیکن تمہارے دونوں ساتھی اللہ کے غضب کا شکار ہو گئے اور وہ اپنی اصلی حالت پر لوٹا دیئے گئے۔

اس واقعہ میں ہمارے لئے یہ سبق ہے کہ جو لوگ اللہ کی نعمتوں کو پا کر شکر و سپاس کا ثبوت دیتے ہیں وہ اللہ رب العالمین کی مزید نوازشوں کے مستحق بنتے ہیں اور انہیں سب سے بڑی نعمت اللہ کی رضامندی کی شکل میں حاصل ہوتی ہے جو بے بدل انعام ہے اور اس کے برعکس جو لوگ اپنے محسنِ حقیقی کو بھول جاتے ہیں اور احسان مندی کے جذبے سے عاری ہوتے ہیں وہ اپنے حق میں کانٹے بوتے ہیں اور رضائے الٰہی کی جگہ غضبِ الٰہی کا نشانہ بن جاتے ہیں۔

شکر کے معنی اعترافِ نعمت اور احسان مندی کے ہیں۔ شکر کا اصل مطلب یہ ہے کہ ہم دل سے اللہ تعالیٰ کا احسان مانیں، اس کے احسان مند ہو کر دل میں اس کی محبت کو جگہ دیں۔ زبان سے اس کے لطف و کرم کا تذکرہ کریں اور اپنے عمل سے یہ ثبوت دیں کہ ہم احسان فراموش اور ناشکرے نہیں ہیں۔ اس طرح جب آدمی اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کا شکریہ ادا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے مزید نعمتوں سے نوازتا ہے۔ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کا صحیح استعمال نہ کرنا خود کو اس کے انعام سے محروم کرنا ہے۔ مثال کے طور پر ایک طالب علم کو اس کا تعلیمی سلسلہ جاری رکھنے کے لئے آپ کچھ ماہانہ رقم بطور وظیفہ دیتے ہیں لیکن وہ آپ کی دی ہوئی رقم تعلیم اور ضروری امور پر خرچ کرنے کے بجائے ناجائز طریقے سے اور بیجا کاموں میں صرف کرتا ہے تو کیا آپ اس کا وظیفہ بند نہیں کر دیں گے؟

جب اللہ تعالیٰ ہی ہمارا محسنِ حقیقی ہے تو ہمارا سب سے پہلا فرض ہے کہ ہم دل سے اس کے احسانات اور اس کی نعمتوں کا اعتراف کریں اور یقین رکھیں کہ اصل کرم کرنے والا صرف وہی ہے۔ بظاہر اگر ہمیں کوئی چیز کسی دوسرے کی طرف سے ملتی ہے یا پہنچتی ہے تو دراصل یہ بھی اللہ ہی کے حکم سے ملتی ہے۔ اس کے علاوہ جو کچھ بھی ہے محض ایک ذریعہ ہے۔ ہر نعمت اسی کی طرف سے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ ہمیں جو کچھ مل رہا ہے اسی کی دین ہے۔ اس کے علاوہ نہ کوئی محسن ہے نہ کوئی منعم۔ ہر طرح کے شکر کے لائق صرف وہی ہے۔ ہم پر احسانات کی بارش کرنے میں اس کا کوئی شریک نہیں۔

اگر کوئی شخص اپنے کسی محسن کا احسان فراموش کردے اور اس کا حق ادا نہ کرے تو اسے احسان فراموش کہا جاتا ہے۔ ہم انسانوں کے پاس جو کچھ بھی ہے، اللہ ہی کا دیا ہوا ہے۔ اور دنیا میں جتنی چیزیں ہیں، ہم انسانوں کو فائدہ پہنچانے کے لئے ہی بنائی گئی ہیں۔ ہمارے ہاتھ پاؤں، جسم، آنکھیں، دماغ، چمکتا چاند، گرم اور روشن سورج، تیز اور ٹھنڈی ہوائیں، دنیا کو زندگی دینے والی بارش، زمین سے اگنے والے اناج اور ترکاریاں، پیڑ اور پودے وغیرہ یہ سب چیزیں اللہ کی وہ بہترین نعمتیں ہیں جو بلا کسی اجرت و معاوضہ کے ہمیں فائدہ پہنچا رہی ہیں۔ اگر انسان کی ایک آنکھ پھوٹ جائے اور وہ اسے حاصل کرنے کے لئے اپنی پوری جائداد اور اپنی پوری زندگی کی کمائی داؤں پر لگا دے تب بھی وہ پھوٹی آنکھ واپس نہیں پا سکتا۔

اس لئے دنیا کی تمام چیزوں اور انسانوں سے زیادہ ہمارے اوپر اللہ تعالیٰ ہی کے حقوق ہیں اور ان حقوق کی ادائیگی اس کی مکمل اطاعت و فرمانبرداری ہی سے ہو سکتی ہے۔ اللہ رب العالمین ہمیں اس کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلاغ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِسلام

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ كَفٰى وَ سَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى... اَمَّا بَعْدُ

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ.

اسلام تو ہی دینِ خدائے انام ہے | تیرا نظام جامع و مانع نظام ہے
بھیجا خدا نے تجھ کو بھی آدم کے ساتھ ساتھ | تکمیلِ تام تیری ہوئی مصطفیؐ کے ساتھ
لاریب تو نہیں ہے کسی ایک کے لئے | دعوت تیری ہے عام بد و نیک کے لئے
انسانیت کی شمع فروزاں تجھی سے ہے | روحانیت کے گھر میں چراغاں تجھی سے ہے

حضرات! یوں تو اللہ تعالیٰ نے ہم انسانوں پر بے شمار احسانات کئے ہیں اور ہمیں ان گنت نعمتیں عطا کی ہیں لیکن اللہ کی دی ہوئی نعمتوں میں سب سے عظیم نعمت اسلام ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا ہم پر سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اس نے ہمیں اسلام کی دولت سے نوازا ہے۔ کیوں کہ دنیا کی تمام نعمتیں ہمارے لئے تبھی صحیح معنوں میں نعمتیں بنتی ہیں جب ہم اسلام اور اسلامی اصولوں کے مطابق ہی ان کا استعمال کریں۔ اگر یہ نعمتیں اسلام کے خلاف استعمال کی گئیں تو میدانِ حشر میں وہ بجائے نعمت کے وبال اور بجائے نجات کے ذلت وعذاب کا سبب ہوں گی۔

قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے کہ حشر کے میدان میں اللہ تعالیٰ ایک نافرمان بندے کا حساب لے گا اور جب اس کے سامنے اس کے گناہوں اور اس کی خطاؤں کی فہرست رکھی جائے گی تو وہ ان سے مکر جائے گا۔ تب اس کی زبان سے قوتِ گویائی سلب کر لی جائے گی۔ اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی۔ وہ بولنے سے معذور ہو جائے گا۔ پھر اس کے ہاتھ پاؤں اور جسم کے دوسرے اعضاء اس کے گناہوں کی گواہی دیں گے۔ اللہ تعالیٰ سورۂ یٰسین میں فرماتا ہے:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰی اَفْوَاهِهِمْ وَ تُکَلِّمُنَا اَیْدِیْهِمْ وَ تَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ.

یعنی "اس دن ہم ان (مجرموں) کے منہ پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ بولیں گے اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے۔"

معلوم ہوا کہ اگر خدا کی بخشی ہوئی نعمتیں اسلام اور اسلام کے مقرر کردہ اصول کے خلاف استعمال کی گئیں تو وہ انسان کے لئے باعثِ وبال و زحمت بن جائیں گی۔

غور کرنے کی بات ہے کہ ان تمام چیزوں کو جو چیز نعمت بناتی ہے وہ خود کتنی بڑی نعمت ہوگی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے سورۂ مائدہ میں اسلام کو ہمارے لئے اپنی سب سے زیادہ قیمتی نعمت بتاتے ہوئے فرمایا۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْناً.

یعنی "مسلمانو! آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت (اسلام) تم پر پوری کر دی اور اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے پسند کیا"

سورۂ آلِ عمران میں ارشاد ہوتا ہے۔ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ. یعنی "بلاشبہ اللہ کے نزدیک (پسندیدہ اور مقبول) دین اسلام ہی ہے۔ ایک جگہ یوں فرمایا وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْناً فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِیْنَ. یعنی "جو کوئی اسلام کے خلاف کسی اور دین کا طالب ہوگا تو اللہ کے یہاں اس کی طرف سے یہ دین ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور ایسا شخص آخرت میں قطعاً نامراد ہوگا۔"

ان آیات سے معلوم ہوا کہ اسلام اللہ کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ یہی حق ہے۔ یہ ہر پہلو سے کامل ہے اور پوری دنیائے انسانیت کی نجات و فلاح اسلام کی پیروی ہی میں ہے۔

اسلام کے لغوی معنی متعدد ہیں۔ اسلام لفظ سلم سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں امن سے زندگی بسر کرنا، باہمی صلح و محبت سے رہنا، ایک دوسرے کے ساتھ عزت، تکریم اور محبت و اخلاق کے ساتھ پیش آنا۔

اسلام کے خاص معنی اطاعت کے بھی ہیں۔ حکم حاکم پر کاربند ہونا، اس کی منع کی ہوئی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باتوں سے باز رہنا اور حاکم پر کوئی اعتراض نہ کرنا۔ یہ بھی اسلام کا مفہوم ہے۔

لیکن اسلام کا اصطلاحی مفہوم یہ ہے کہ بندہ اپنے اللہ کا ظاہری اور باطنی طور پر فرماں بردار اور مطیع بن جائے، اپنا رخ خالص خدا کی طرف کر لے، تن، من اور دھن کسی چیز کی پرواہ نہ کرے اور ان سب کو خدا کی رضا اور خوشنودی کی خاطر قربان کر دینے کے لئے تیار رہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ اسلام کا مطلب ہے ''گردن نہادن بطاعت'' یعنی اللہ کی عبادت و اطاعت میں خود کو وقف کر دینا۔

اس طرح اس کائنات کی ہر شئی مسلم ہے، کیوں کہ ہر چیز اللہ کی اطاعت میں لگی ہے۔ سورج اللہ کے حکم سے ہی طلوع اور غروب ہوتا ہے، ہوائیں اسی کی مرضی سے چلتی ہیں۔ بارش تبھی ہوتی ہے جب وہ چاہتا ہے، اس کے حکم کے بغیر بارش کا ایک قطرہ بھی زمین پر نہیں گر سکتا۔ اللہ تعالیٰ سورۂ آل عمران میں فرماتا ہے۔ اَفَغَیْرَ دِیْنِ اللّٰہِ یَبْغُوْنَ وَ لَهٗ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. یعنی ''کیا یہ (منکرین حق) اللہ کے دین کے بجائے کسی اور دین کے طالب ہیں؟ جب کہ وہ تمام کے تمام اسی کے مسلم (فرماں بردار) ہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں۔''

سورۂ بنی اسرائیل میں اس حقیقت کو یوں بیان کیا گیا ہے تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَ مَنْ فِیْهِنَّ وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ. یعنی ''ساتوں آسمان اور زمین اور جو ان میں ہیں سب کے سب اللہ کی پاکی اور برتری بیان کر رہے ہیں اور کوئی بھی چیز ایسی نہیں ہے جو اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح نہ بیان کر رہی ہو مگر تم ان کی تسبیحوں کو نہیں سمجھتے۔''

سورۂ حج میں یوں ارشاد ہوتا ہے۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِی الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَ الشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ، یعنی ''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ یقیناً اللہ کو ہی سجدہ کر رہے ہیں۔ وہ جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں، اور سورج اور چاند اور تارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے۔''

قرآن مجید ہمیں بتاتا ہے کہ اللہ کی طرف سے جتنے انبیاء و رسل بھیجے گئے، سب کا دین اسلام ہی تھا اور جو کتاب بھی اللہ کی طرف سے نازل کی گئی اس میں اسلام ہی کی تعلیم دی گئی تھی۔ یعنی اسلام صرف اس دین کا نام نہیں جسے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے تھے اور مسلم کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اصطلاح صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروؤں تک محدود نہیں ہے بلکہ ہمیشہ سے تمام انبیاء کا دین اسلام ہی تھا اور ہر زمانے میں اس کے پیرو مسلمان ہی تھے۔ مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تذکرے میں سورۂ آل عمران میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ مَا كَانَ اِبْرَاهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّ لَانَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفاً مُّسْلِماً. یعنی ''ابراہیمؑ نہ یہودی تھے، نہ نصرانی بلکہ ایسے مسلم تھے جو ہر طرف سے کٹ کر اللہ کے لئے یکسو ہو چکا ہو۔''

سورۂ بقرہ میں حضرت ابراہیمؑ اور ان کی اولاد حضرت اسماعیلؑ، حضرت اسحٰقؑ اور حضرت یعقوبؑ علیہم السلام کے بارے میں فرمایا گیا۔ اِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ. وَ وَصّٰى بِهَا اِبْرَاهِيْمُ بَنِيْهِ وَ يَعْقُوْبُ يَا بَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ.

یعنی 'یاد کرو اس وقت کو جب کہ ابراہیمؑ سے اس کے رب نے کہا تھا کہ مسلم (تابع فرمان) بن جا، تو اس نے جواب دیا تھا کہ میں سارے جہانوں کے پروردگار کا مسلم بن گیا اور پھر ابراہیمؑ نے اپنی اولاد کو اور یعقوب نے اپنی اولاد کو اس امر کی وصیت کی تھی کہ اے میرے بیٹو! اللہ نے تمہارے لئے یہ دین پسند کیا ہے، سو دیکھنا آخری سانس تک مسلم ہی رہنا۔''

حضرت موسیٰؑ کے تذکرے میں آیا ہے کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا تھا۔ يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ آمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْآ اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ. یعنی ''اے میری قوم کے لوگو! اگر تم واقعی اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو اسی پر بھروسہ کرو، اگر تم مسلمان ہو۔'' حضرت نوح علیہ اسلام نے منجملہ تمام باتوں کے اپنی قوم سے کہا تھا۔ اِنْ اَجْرِىَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ. یعنی ''میرا اجر تو اللہ کے ذمہ ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں مسلمان بن کر رہوں۔'' حضرت لوط علیہ اسلام کے قصہ میں ارشاد ہوتا ہے۔ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ. یعنی ''ہم نے قوم لوطؑ کی بستی میں ایک گھر کے سوا مسلمانوں کا کوئی گھر نہ پایا۔'' جب فرعون کے جادوگر ایمان لائے اور فرعون نے انہیں سخت ترین سزا کی دھمکی دی تو انہوں نے خدا سے دعا کی رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْراً وَّ تَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ. یعنی ''اے اللہ! ہم پر صبر کا فیضان کر اور ہمیں دنیا سے اس حالت میں اٹھا کہ ہم مسلمان ہوں۔'' حضرت یوسف علیہ السلام نے اللہ سے دعا کی تھی۔ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اَنْتَ وَلِيِّ فِى الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تَوَفَّنِیْ مُسْلِماً و اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ. یعنی ''اے زمین و آسمان کے پیدا کرنے والے! تو ہی دنیا و آخرت میں میرا سرپرست ہے، میرا خاتمہ اسلام پر کر اور مجھے صالحین سے ملا۔'' حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے اللہ سے دعا کی تھی رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّکَ. یعنی ''اے ہمارے رب! ہم کو اپنا مسلم بنا اور ہماری اولاد سے ایسی امت پیدا کر جو تیری مسلم ہو۔'' فرعون جب سمندر میں غرق ہونے لگا تو اس نے کہا تھا اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ وَ اَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ. یعنی ''میں نے مان لیا کہ معبودِ حقیقی اس کے سوا کوئی نہیں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے اور میں بھی مسلمانوں میں سے ہوں۔''

مذکورہ بالا آیات سے یہ بات بخوبی واضح ہوگئی کہ تمام انبیاء کا دین اسلام تھا اور وہ سارے انسان مسلم ہی تھے جو اللہ کے بھیجے ہوئے کسی بھی نبی کے لائے ہوئے دین کے پیرو تھے۔

لیکن اسلام اور مسلم کے الفاظ جب عرف اور نام کے طور پر بولے جاتے ہیں تو اسلام سے مراد صرف وہ دین ہوتا ہے جسے نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے اور مسلم سے مراد صرف وہ لوگ ہوتے ہیں کہ جو دین قرآن کی شکل میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ آیا، اسے سچے دل سے مان کر اسی کی پیروی کریں۔

اسلام چونکہ خدائے واحد کا دین ہے، اس لئے یہی وہ دین ہے جو اب تک صحیح حالت میں محفوظ ہے۔ پچھلے دور میں آنے والے دین بھی اپنے زمانہ میں اتنے ہی مقبول دین تھے، جتنا آج اسلام مقبول ہے۔ مگر جب ان کی آسمانی کتابوں میں تحریف ہوگئی، ان کے حاملین نے ان میں کمی بیشی کر دی تو اب وہ اللہ کی مرضی جاننے کا مستند ذریعہ نہ رہے۔ اسلام مکمل طور پر ایک محفوظ دین ہے اس لئے وہی اللہ تعالیٰ کے احکام و قوانین جاننے کا مستند ذریعہ ہے۔ یہی واحد وجہ ہے جس کی بنا پر پچھلے تمام ادیان بعد کے زمانہ میں رد کر دیئے گئے اور صرف اسلام ہدایت کے ذریعہ کی حیثیت سے باقی رہا۔ اس طرح اسلام اور دوسرے ادیان میں اصلی فرق یہ ہے کہ اسلام محفوظ ہے اور دوسرے ادیان غیر محفوظ۔ حالانکہ ہر دور میں اسے ختم کرنے کی اور اس کے علم برداروں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کی کوششیں جاری رہیں اور اب بھی جاری ہیں۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز　　　چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مگر اسلام نہ مٹا ہے نہ مٹ سکتا ہے۔ سچ ہے ؎

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے   اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا کہ دبائیں گے

اس کے علاوہ اسلام ہی کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ اپنے مہد اور گہوارہ میں آج تک قائم ہے۔ دنیا میں جتنے مذاہب گذرے ہیں ان کے تمام معدن ومخزن آج دوسروں کے قبضہ میں ہیں اور ان مقامات پر ان مذاہب کا اصلی نام ونشان بالکل نابود ہو چکا ہے۔ اس عبرت آموز حقیقت کے باوجود پوری واقفیت اور وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ ہر ایک وہ مقام جس کی کوئی تاریخی یا مذہبی نسبت ہادی اعظم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے، آج تک مسلمانوں ہی کے قبضہ میں ہے۔ مکہ و مدینہ اور اس کے اطراف و جوانب اور وہ سب مقامات جہاں جہاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم اقدس پہنچے، مسلمانوں ہی کے قبضہ میں ہیں۔ وہاں کی زبان وہی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی۔ وہاں کا تمدن وہی ہے جو مقدس رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا۔

قرآن مجید میں اسلام کو شجرۂ طیبہ سے تشبیہ دی گئی ہے جس کی جڑ قائم ہو اور جس کی شاخیں آسمان کی فضا میں پوری بلندی اور پوری فراخی سے پھیلی ہوں۔ اور ہر دیکھنے والا دیکھ سکتا ہے کہ **اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَ فَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ** کی صورت وحالت آج تک صرف اسلام ہی پر صادق ہے۔

جہاں تک اسلامی تعلیمات کا سوال ہے، اگر وسیع النظری سے ان کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گی کہ یہ اس قدر کامل اور جامع ہیں کہ دنیا کے کسی بھی مذہب کی تعلیمات اتنی جامع و مانع نہیں ہیں۔ مثلاً اس میں حق اللہ وحق العباد، معاملات، اخلاقیات، معاشیات اور ملکی انتظامات وغیرہ کی پوری تفصیل موجود ہے۔ اس کی تعلیمات نہایت آسان، سہل العمل اور فطرت اور عقل سلیم کے مطابق ہیں۔ ان میں دعویٰ کے ساتھ دلیل بھی ہے اور دلیل بھی ایسی جسے عقل سلیم قبول کرے۔

اسلام صرف چند عقائد و رسوم کا مجموعہ نہیں بلکہ یہ ایک عملی فلسفہ ہے جس میں انسانی زندگی کے حقائق اور اس کے تمام مسائل کے لئے واضح ہدایات ہیں اور وہ انسان کے لئے زندگی کے ہر میدان میں واضح اور مکمل لائحہ عمل پیش کرتا ہے کیوں کہ یہ صرف ایک مذہب نہیں کہ انسانی زندگی کے صرف ایک پہلو سے بحث کرے جو خالق ومخلوق کے باہمی تعلق پر مشتمل ہو، جیسا کہ عام مذاہب ہیں۔ بلکہ یہ ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جس میں انسانی زندگی کے کل شعبوں اور تمام

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اعمال و وظائف کے متعلق واضح ہدایات موجود ہیں۔ اور پھر یہ نہ صرف اس زندگی کے مسائل پر ہدایت دیتا ہے اور اس کی گتھیوں کو سلجھاتا ہے بلکہ آنے والی زندگی کے متعلق بھی پوری وضاحت کرتا ہے اور مستقبل اور آخرت کے سنوارنے کے تمام طریقے بتاتا ہے۔

چوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پوری دنیائے انسانیت کے لئے نبی اور رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں اور آپ کی لائی ہوئی تعلیمات تمام دنیا کے لئے اور ہر زمانہ اور ہر قوم کے لئے ہیں۔ اس لئے اسلام صرف ایک خطۂ زمین، یا کسی مخصوص قوم، یا کسی خاص تہذیب وتمدن یا کسی محدود زمانہ سے تعلق نہیں رکھتا، اس کی تعلیمات نہ شرقی ہیں نہ غربی، ہندی ہیں نہ عربی بلکہ یہ ہر زمانہ، ہر قوم، ہر آب وہوا اور ہر خطہ کے لئے شمع ہدایت ہیں۔ کیوں کہ ان کا تعلق انسانوں کے کسی ایک طبقہ سے نہیں بلکہ پورے عالم انسانیت سے ہے۔ اس کے دستور العمل میں کسی خاص طبقے کا مفاد مدنظر نہیں رکھا گیا ہے بلکہ اس کی بنیاد عالمگیر اصول ونظریات پر ہے جن میں عالم انسانیت کی فلاح اور حیات انسانی کے تمام شعبوں کو مدنظر رکھا گیا ہے۔

اسلام وہ سہل اور فیاض دین ہے جس میں نہ تنگی ہے نہ بندش، نہ وہ گراں ہے اور نہ ہی اپنے ماننے والوں کو ترقی سے روکتا ہے۔ اور نہ وہ تجارت اور کاروبار کو پھیلانے پر پابندی لگاتا ہے بلکہ یہ تو ترقی وکامیابی کا زینہ ہے۔ اللہ تعالیٰ سورۂ بقرہ میں فرماتا ہے لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔ یعنی ''اللہ تعالیٰ کسی متنفس پر اس کی مقدرت سے بڑھ کر بوجھ نہیں ڈالتا''۔ دوسری جگہ فرمایا يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ۔ یعنی ''اللہ تعالیٰ تمہارے لئے نرمی، آسانی اور سہولت پیدا کرنا چاہتا ہے۔ تنگی، دشواری اور پریشانی نہیں۔'' سورۂ مائدہ میں فرمایا مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ وَّ لٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَ لِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ۔ یعنی ''اللہ تعالیٰ تم پر تنگی اور دشواری نہیں ڈالنا چاہتا بلکہ وہ تمہیں آسانی فراہم کرنا چاہتا ہے اور پاکیزہ بنانا چاہتا ہے۔ اور تم پر اپنی نعمتوں کے اتمام کا ارادہ رکھتا ہے۔''

چنانچہ اسلام نے نماز کا حکم دیا اور اس کے لئے وضو، غسل اور قیام کو فرض قرار دیا لیکن پانی نہ ملنے کی صورت میں یا پانی بدن پر لگنے سے نقصان کے اندیشہ پر اس نے تیمم کرنے کی اجازت دی۔ اور بیماری یا کسی دوسری مجبوری کے سبب اگر آدمی کھڑا ہو کر نماز ادا کرنے سے معذور ہے تو اس نے بیٹھ کر اور اگر بیٹھ کر بھی نہ ہو سکے تو لیٹ کر نماز پڑھنے کی اجازت دی۔ اس نے رمضان کے پورے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ماہ کے روزے فرض کیے لیکن بیماری اور سفر کی حالت میں اس نے روزہ توڑنے اور اسے بعد میں قضا کرنے کی اجازت دی۔ اس نے حج فرض کیا لیکن صرف ان پر جو اس کی استطاعت رکھتے ہوں لیکن اگر استطاعت بھی ہے مگر راستہ مخدوش ہے، سفر حج میں جان محفوظ نہیں ہے تو اس نے حج کو ملتوی کرنے کی بھی اجازت دی۔ اس نے مالوں کی زکوٰۃ فرض کی مگر صرف انہی پر جو صاحبِ نصاب ہوں۔ اس نے حلال و پاک روزی کھانے کا حکم دیا لیکن اگر حلال روزی نہ ملے اور بھوک کی وجہ سے زندگی خطرہ میں ہو تو اس نے محض جان بچانے کے لئے حرام چیزوں کو بھی کھا لینے کی اجازت دی۔ چنانچہ دشوار حالت میں اسلام مباحات اور تخفیفی احکام کے ذریعہ ہر طرح کی سہولتیں دیتا ہے۔

اسلام کے افضل الادیان ہونے میں بھی کوئی شبہ نہیں، کیوں کہ اس کے عقائد و اعمال، اس کا طریق عبادت و انابت، انسان کو مہذب بنانے کے اصول و قوانین، اس کی سیرت بلند کرنے کے ذرائع اور اس کے تمدنی، معاشرتی، اقتصادی و عمرانی حالات کے سدھارنے کے وسائل سب سے بہتر اور سب سے زیادہ قابل عمل ہیں۔

اسلام کے ہر حکم اور ہر قانون میں اعتدال اور توازن ہے۔ اسلام نماز کا حکم دیتا ہے مگر اس کی اجازت نہیں دیتا کہ تم اپنے بال بچوں کو چھوڑ کر، تسبیح و مصلیٰ لے کر کسی خانقاہ، کسی جنگل یا کسی پہاڑ میں جا بیٹھو، شب و روز نوافل پر نوافل ادا کیے جاؤ اور تمہیں اپنی بیوی کا، اپنے بچوں کا، اپنے کاروبار کا، اپنے پڑوسیوں کا، اپنے مہمانوں کا اور اپنی تجارت کا کوئی خیال نہ ہو۔

وہ انسان کو اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے اور اس پر لامحدود اجر و ثواب کا وعدہ کرتا ہے، مگر یہ اجازت نہیں دیتا کہ آدمی اپنا تمام مال و اسباب اور اپنے گھر کا پورا اثاثہ خرچ کر دے اور اپنے بال بچوں کے حقوق فراموش کر دے، خود بھی مفلس اور تنگدست بن جائے اور انہیں بھی بے سہارا چھوڑ دے۔

وہ روزے کا حکم دیتا ہے مگر مسلسل روزے رکھنے سے منع کرتا ہے تا کہ بدن کو سخت تکلیف اور غیر معمولی مشقت نہ برداشت کرنی پڑے۔

وہ بشرط استطاعت زندگی میں ایک بار حج بیت اللہ کو فرض کرتا ہے مگر وہ اس کی اجازت نہیں دیتا کہ آدمی وہاں پہنچنے کی استطاعت نہ رکھے پھر بھی اپنا گھر بار بیچ کر یا دوسرے سے بھیک مانگ کر جائے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہ جہاد کا حکم دیتا ہے مگر اس کی اجازت نہیں دیتا کہ فتنہ وفساد کے ختم ہو جانے کے بعد آدمی قتل وخوں ریزی جاری رکھے۔ وہ حالت جہاد میں بوڑھوں، بچوں، عورتوں، مریضوں، معذوروں اور اپاہجوں کو قتل کرنے سے منع کرتا ہے۔

اسلام، صفائی، پاکیزگی، پارسائی، تقویٰ، اخلاقِ حسنہ، عفت، پاکبازی، اخوت و مساوات، غیر مسلموں کے ساتھ رواداری، چھوٹوں پر شفقت، بڑوں کا احترام، غلاموں لونڈیوں، یتیموں، مسکینوں، بیواؤں، مزدوروں وغیرہ کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم دیتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ منشیات، منکرات، فواحش، جھوٹ، حرام خوری اور ظلم وغیرہ سے سختی سے منع کرتا ہے۔

اسلام کے پیش کردہ نظام میں نہ صرف شہری امن وسکون کی ضمانت ہے بلکہ اس نظام کو قبول کرنے والے معاشرہ کے افراد کی جان و مال اور عزت وآبرو کی حفاظت کا ذمہ لیا جاتا ہے۔ اس میں شہریوں کے معاشرتی حقوق کی نگہداشت اور اقتصادی خوشحالی کی طرف خاص توجہ دی گئی ہے۔ اور اس کا پورا اہتمام کیا گیا ہے۔ اس کی نظر میں ابن آدم کا یہ پیدائشی حق ہے کہ اس کے پاس رہنے کے لئے مکان، ستر ڈھانپنے کے لئے کپڑا، کھانے کو روٹی اور پینے کو پانی ہو۔ ترمذی کی روایت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَيْسَ لِابْنِ آدَمَ فِيمَا سِوَىٰ هٰذِهِ الْخِصَالِ بَيْتٌ يَكِنُّهُ وَ ثَوْبٌ يُوَارِئ عَوْرَتَهُ وَ جِلْفُ الْخُبْزِ و الْمَاءِ. یعنی ''ابن آدم کا (بنیادی) حق سوائے ان چیزوں کے کسی اور میں نہیں، ایک گھر جس میں وہ رہ سکے، دوسرے کپڑا جس سے وہ ستر پوشی کر سکے، تیسرے خشک روٹی اور پانی۔'' اس ارشاد کا مطلب یہی ہے کہ مملکت کا کوئی شہری بنیادی ضروریات زندگی سے محروم نہ رہنے پائے۔

اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ دنیا کی تمام نسلی اور قبائلی برادریاں، ایک عظیم الشان برادری میں ضم ہو جائیں۔ قومیت اور وطنیت کی تحدید اور زبان ورنگ کا اختلاف، اس اخوت عمومی کے راستہ میں حائل نہ ہو، اس عالمگیر برادری کا نام وحدتِ اسلامی ہے۔ اس طرح اسلام ہی مساوات کا بانی ہے۔ مساوات کا مطلب ہے کہ ہر شخص کو شرعاً، قانوناً واخلاقاً وہ تمام حقوق حاصل ہوں جو کسی دوسرے شخص کو اسی ملک یا اسی دین میں حاصل ہوں۔ اسلام نے عدم مساوات کے تمام احتمالات کا خاتمہ کر دیا ہے اور وحدت اسلامی میں داخل ہونے والے ہر شخص کو خواہ وہ کسی قوم یا ملک کا باشندہ ہو، جملہ حقوق میں مساوی اور برابر کا درجہ دیا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک واقعہ:

خلیفۂ دوم حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتح بیت المقدس کے لئے نکلے تو آپ کی سواری کے لئے ایک اونٹنی تھی، ساتھ میں غلام افلح تھے۔ چوں کہ اونٹنی پر زادراہ یعنی ستو وغیرہ اور اونٹنی کی غذا کے لئے کھجور کی گٹھلیاں وغیرہ لدی تھیں اس لئے دونوں بیک وقت اونٹنی پر سوار نہیں ہوسکتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے غلام سے کہا، کچھ دور میں سوار ہوکر چلوں اور کچھ دور تم۔ اسی طرح سفر شروع ہوا۔ آپؓ کے وہاں پہنچنے سے پہلے مختلف اقوام کے لوگ خلیفہ کے تزک واحتشام کو دیکھنے کے لئے جوق در جوق جمع تھے۔ اس وقت ان تمام تماشائیوں نے دیکھا کہ گردِراہ سے ایک اونٹنی نمودار ہوئی، کسی نے ایک مسلم غازی سے پوچھا کیا آپ کا خلیفہ وہی ہے جو سوار ہے؟ غازی نے نہایت متانت کے ساتھ جواب دیا کہ نہیں، امیر المومنین تو وہ ہیں جو اونٹ کی مہار پکڑے پیدل آرہے ہیں۔ سوار تو ان کا غلام ہے۔

جنگ بدر میں سواریاں کم تھیں، ایک اونٹ تین آدمیوں کے لئے مقرر ہوتا تھا۔ دو آدمی سوار ہوجاتے اور ایک پیدل چلتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری میں حضرت علیؓ اور حضرت ابو لدّرداءؓ کا حصہ تھا۔ جب آپؐ کے پیدل چلنے کی نوبت آتی تو آپؐ پیدل چلتے اور وہ دونوں سوار ہوجاتے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے رسول اس موقع پر مساوات کی تعلیم دے رہے تھے۔ اور اسی تعلیم کا نتیجہ تھا کہ حضرت بلال حبشیؓ نے نکاح کی خواہش کا اظہار کیا، حالاں کہ وہ مہاجر تھے، غلام تھے، حبشی تھے اور بے زر و مال تھے۔ تو بہت سے صحابہ نے درخواست کی کہ بلالؓ ان کے یہاں اپنا رشتہ منظور کرلیں۔ اور جب ان کی وفات ہوئی تو حضرت عمرؓ سیدی سیدی کہہ کر رو رہے تھے۔ بقول شبلی مرحوم ؎

اٹھ گیا آج زمانہ سے ہمارا آقا ۔۔۔ اٹھ گیا آج نقیبِ حشمِ پیغمبر

یہ اسلامی مساوات ہی کا نمونہ تھا کہ مسجد نبوی میں اذان دینے کی سعادت اسی سیاہ فام یعنی حضرت بلالؓ کے حصہ میں آئی جو برسوں غلام رہ چکا تھا اور امیر المومنین حضرت عمر ابن خطابؓ کی نمازِ جنازہ پڑھانے کا شرف صہیبؓ رومی کو حاصل ہوا جو ایک مہاجر تھے۔

جن قوموں نے اسلام کو قبول نہیں کیا، ان میں بہت سی برائیاں رائج ہیں۔ انہی غلطیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ لوگوں نے اللہ کے بندوں کے درمیان حسب ونسب، مال و دولت، رنگ و روپ اور صورت و شکل کی دیواریں کھڑی کردی ہیں۔ ہندوؤں نے شروع سے ہی آج تک

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اپنے سوا سب کو ملیچھ اور ناپاک قرار دیا اور خود کو چار ذاتوں میں تقسیم کر کے ان میں عزت اور حقوق کی ترتیب قائم کی۔ ان چاروں میں شودروں کو سب سے گھٹیا قرار دیا گیا۔

خود یورپ کا دعوائے مساوات کے باوجود یہ حال ہے کہ سفید فام آدمی ہی تہذیب و تمدن کا ٹھیکیدار ہے۔ کالی قومیں اس کی برابری نہیں کر سکتیں۔ سیاہ فام ایشائی قوموں کو ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کی اجازت نہیں۔ امریکہ کے انسانیت پرستوں کی نگاہ میں وہاں کے حبشی باشندوں کو جینے کا بھی حق حاصل نہیں ہے۔ اور جنوبی افریقہ میں تو حبشیوں بلکہ ہندوستانیوں کو بھی انسانی حقوق کی برابری نہیں مل سکتی۔ یہ تفریق صرف دنیاوی حقوق ہی میں نہیں بلکہ خدا کے گھروں میں بھی ہے۔ کالوں کے گرجے الگ ہیں اور گوروں کے الگ۔ خدا کے یہ دونوں کالے اور گورے بندے ایک ساتھ ایک خدا کے آگے نہیں جھک سکتے۔ لیکن اسلام نے ان تمام تفرقوں کو مٹا دیا۔ اس کے نزدیک حسب و نسب، مال و دولت، شکل و صورت، ان میں سے کوئی چیز امتیاز نہیں پیدا کر سکتی۔ وہ قریش جنہیں اپنے حسب و نسب پر غرور و ناز تھا، فتح مکہ کے دن پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا۔ يَا مَعْشَرَ الْقُرَيْشِ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَذْهَبَ عَنْكُمْ نَخْوَةَ الْجَاهِلِيَّةِ. یعنی "اے قریش کے لوگو! اب جاہلیت کا غرور اور نسب کا فخر اللہ نے مٹا دیا۔" حجۃ الوداع کے موقع پر آپ نے فرمایا۔ لَيْسَ لِلْعَرَبِيِّ فَضْلٌ عَلَى الْعَجَمِيِّ وَلَا لِلْعَجَمِيِّ فَضْلٌ عَلَى الْعَرَبِيِّ. كُلُّكُمْ اَبْنَاءِ آدَمَ وَ آدَمُ مِنْ تُرَابٍ. یعنی "عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں ہے، تم سب کے سب آدم کے بیٹے ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے۔" آپ نے یہ بھی فرمایا۔ اِنَّ اللّٰهَ اَذْهَبَ عَنْكُمْ عَصَبَةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَ فَخْرِهَا بِالْآبَاءِ اِنَّمَا هُوَ مُؤْمِنٌ تَقِيٌّ وَ فَاجِرٌ شَقِيٌّ اَلنَّاسُ كُلُّهُمْ بَنِيْ اٰدَمَ وَ آدَمُ خُلِقَ مِنْ تُرَابٍ. یعنی "اللہ نے جاہلیت کے زمانے کے غرور اور نسب کے فخر کو مٹا دیا۔ انسان یا تو پرہیزگار مومن ہے یا گنہ گار بدبخت ہے۔ تمام انسان آدم کے بیٹے ہیں اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے تھے۔" اور قرآن نے تمام انسانوں کو مخاطب کر کے بتایا۔ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ. یعنی "اے انسانو! تم سب کو ہم نے ایک ہی مرد و عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو قبیلہ قبیلہ اور خاندان خاندان صرف اس لئے بنا دیا ہے تا کہ ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔"

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس طرح اسلام نے کالے، گورے، عجمی، عربی، ترکی، تاتاری اور امیر وغریب کا فرق مٹا دیا۔ اس کے گھر میں کوئی تفریق نہیں۔ حسب ونسب کا کوئی فرق نہیں۔ پیشہ اور کام کا کوئی فرق نہیں۔ غربت وامارت کا کوئی فرق نہیں۔ اس کے نزدیک سب برابر ہیں۔ یہاں نہ کوئی برہمن ہے نہ شودر، قرآن ہر ایک اپنے ہاتھ میں لے سکتا ہے، نماز سب کے پیچھے پڑھی جائے گی، رشتہ ناطہ ہر ایک کے ساتھ کیا جائے گا، سب کے حقوق یکساں ہیں بشرطیکہ وہ اسلام میں داخل ہو چکے ہوں۔

اسلام ہی وہ دین ہے جس کی بنیاد قومیت سے بالاتر رکھی گئی ہے۔ دنیا میں عموماً تین چیزیں تمام ممالک اور تمام مذاہب پر اس طرح حکمراں رہی ہیں کہ ان کے دائرہ حکومت سے نکلنے کی جرأت کسی کو نہیں ہوئی۔ نسل، زبان اور رنگت۔ لیکن اسلام نے ان تینوں امتیازات کی دیواروں کو ڈھا دیا اور دنیا کے تمام ملکوں اور سب قوموں کی شیرازہ بندی کر کے صرف دینِ واحد کو پیش کیا اور اپنی تعلیمات سے یہ ثابت کیا کہ اسلام کی بنیادی تعلیم نہ اختلافِ نسل ہے، نہ اختلاف زبان ہے اور نہ اختلاف رنگ، بلکہ اس کی بنیاد خدا ترسی اور خدا شناسی پر ہے اور ہر شخص کو اس بات کی آزادی حاصل ہے کہ وہ تقرب اور رضائے الٰہی کے جس دروازے سے چاہے داخل ہو جائے اور یہ خصوصیت یقیناً اسلام ہی کو حاصل ہے۔

اسلام ہی دینِ تمدن بھی ہے۔ اس میں تمام لوگوں کے حقوق کو بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور ان کی ادائیگی کی سخت تاکید کی گئی ہے۔ اس نے والدین، عزیز واقارب، اولاد، ہمسایہ، یتیم ومسکین، اہلِ قریہ اور اہل وطن کے ساتھ حسنِ معاشرت اور عمدہ اخلاق کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی تعلیم ہے۔ خندہ پیشانی سے ملنا، راستہ سے تکلیف دہ چیزوں کا ہٹانا، کوئیں سے پانی نکال دینا، بھوکے کو کھانا کھلا دینا، بھولے کو راستہ بتا دینا، اندھیرے میں روشنی دکھانا، بوجھ اٹھوا دینا، بیمار کی بیمار پرسی کرنا، مصیبت زدہ کی مدد کرنا، ان تمام کاموں کو نیکی اور رضائے الٰہی کا سبب بتایا گیا ہے۔ دوسروں کو عزت کے ساتھ بلانا، نرم کلامی سے بات کرنا، یہ سب نیکیوں میں شمار کئے گئے ہیں۔ باپ کا اپنی اولاد کو تعلیم دلانا صدقہ سے بہتر بتایا گیا ہے۔ بیٹیوں اور بہنوں کو اچھی تعلیم و تربیت دینے والے کو جنت کا مستحق بتایا گیا ہے۔ ایک بلی کو عذاب دینے والے کے لئے دوزخ اور ایک پیاسے کتے کو پانی پلانے والے کے لئے جنت کا اعلان کیا گیا ہے۔ سچ ہے ۔

پناہِ دہر ہے اسلام ہی کے سایے میں　　یہ وہ چمن ہے جہاں گل ہی گل ہیں خار نہیں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلام ہی دِیْنُ التَّقْوٰی یعنی پارسائی کا مذہب ہے۔ چنانچہ اس نے ان تمام چیزوں اور کاموں پر پابندی لگادی جوتقویٰ کے خلاف راستوں پر لے جاتے ہوں۔ مثلاً اس نے شراب کو رِجس، عمل الشیطان اورام الخبائث بتایا اور ایسے نشہ کی تھوڑی مقدار کوبھی حرام قرار دیا۔ اس نے زنا کوبھی حرام کیا اور اس کی حرمت کومضبوط اور مستحکم کرنے کے انتہائی شدید احکام دیئے۔ یہی نہیں بلکہ ان وسائل اور اسباب کوبھی حرام کردیا جوزنا تک لے جانے والے ہوں۔ مثلاً مردوں اور عورتوں کا اختلاط اور ہنسی مذاق، ایک ہی مکان کے اندر غیرمحرم مردوں کا رہن سہن، دل ربائی اور حسن نمائی کے طریقے اور نظر بازی وغیرہ۔ اور اس حرمت کومضبوط کرنے کے لئے زنا کو سَـــاءَ سَبِيْلًا یعنی بہت برا راستہ کہا گیا اور بتایا گیا کہ جوکوئی زنا کرتا ہے وہ اپنے گھر تک زنا کے لئے ایک سڑک بناتا ہے۔ یعنی جس سڑک پرچل کروہ دوسروں کے یہاں اس برے مقصد سے جاتا ہے اسی پرچل کر دوسرے اس کے گھر تک آتے ہیں۔

اسلام ہی سچائی کا مذہب ہے۔ اس نے سچائی کواللہ کی صفات میں سے ایک صفت اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف میں سے ایک وصف بتایا ہے۔ اس نے اہل اسلام کو تاکید کی كُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِيْنَ. یعنی سچے لوگوں کے ساتھ رہو۔

یہ اسلام کی بے داغ تعلیمات کا نتیجہ تھا کہ عرب کے بے آب وگیاہ صحراؤں میں بسنے والے لوگ جن کی وحشت وبربریت زمانے بھر میں مشہور تھی، اسلام کی برکت سے بامِ ارتقاء اور معراجِ ترقی پر پہنچ گئے اور دنیا کے تمام کمالات اور خوبیوں کے مالک بن گئے۔ وہ سب سے زیادہ حقیر تھے، اسلام نے انہیں سب سے زیادہ مہذب بنادیا۔ اسلام سے پہلے ان کی زندگی اونٹ کے دودھ اور اس کے سوکھے گوشت پر بسر ہوتی تھی، اسلام لانے کے بعد انہیں کرۂ ارض کی نعمتوں سے لبریز خزانوں کی کنجیاں مل گئیں۔ اسلام نے ان کی زندگیوں میں ایسا انقلاب برپا کردیا کہ وہ بہترین سیرت، اعلیٰ کردار اور بلند اخلاق کا نمونہ اور تہذیب وشائستگی کا مجسمہ بن گئے۔ آرام طلبی، عیش پرستی، ایذا رسانی اور تن آسانی سے انہیں دلی نفرت ہوگئی۔

اسلام نے عرب کے وحشیوں کی ایسی کایا پلٹی کہ وہ باہمی تعلقات میں مہربان باپ، اطاعت گذار بیٹے، وفادار خاوند، جاں نثار بھائی، ہمدرد رفیق، بہترین پڑوسی، فیاض آقا، نمک حلال غلام، مسکین پرور، یتیم نواز، معاملات میں صادق القول، عہد کے پکے، بغض وحسد سے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پاک، بلند ہمت، عالی حوصلہ، غرور سے نفرت کرنے والے مگر خود دار اور مذہب اور عزتِ قوم پر جان دینے والے بن گئے اور انسانی زندگی میں جو چیزیں برائی سے تعبیر کی جاسکتی ہیں ان سب سے ان کا دامن بالکل پاک وصاف ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں جب حکومت عطا کی تو انہوں نے اقتدار کو شان وشوکت کی زندگی بسر کرنے کا ذریعہ نہیں بنایا۔ حالاں کہ وہ قدرت واختیار کے اعتبار سے بادشاہوں سے زیادہ طاقتور تھے لیکن اس قدرت واختیار کو انہوں صرف خدمتِ خلق کے لئے استعمال کیا۔ ان میں سے کسی نے اپنے لئے کوئی قصر نہیں بنایا، بیت المال سے ایک حبہ بھی خیانت نہیں کی، اپنے اعزہ واقارب میں سے کسی کو انہوں نے نفع رسانی کے معاملہ میں تمام مسلمانوں پر ترجیح نہیں دی، مرتبے کے اعتبار سے عام مسلمانوں پر کوئی فوقیت نہیں جتائی اور نہ اپنے ماتحت عاملوں اور حاکموں کو ایسا کرنے دیا، عام رعایا کے راحت وآرام اور فلاح وخوشحالی کے وہ بہ نفس نفیس نگراں تھے۔ انصاف اور دادرسی کے لئے ان کے یہاں کوئی کورٹ فیس نہیں تھی۔ انہوں نے اس کا بھی اہتمام کیا کہ خود ان تک اور ان کے ماتحت حکام وعمال تک پہنچنے میں سائل کو کوئی زحمت اور رکاوٹ نہ ہو۔ حاکموں اور خلیفہ پر نکتہ چینی کرنے میں عام لوگ ایسے بے باک تھے کہ سر منبر خلیفہ کو بار بار ٹوکا گیا اور خلیفہ کو بار بار صفائی پیش کرنی پڑی۔ حالیؔ نے خوب کہا ہے ۔

وہ دیں جس نے اعداء کو اخواں بنایا وحوش اور بہائم کو انساں بنایا
درندوں کو غم خوار انساں بنایا گڈریوں کو عالم کا سلطاں بنایا

عرب جو کہ ڈھوروں کا تھا ایک گلہ
گراں کردیا اس کا عالم میں پلہ

اسلام اغیار کی نظروں میں:

قرن اول کے مسلمانوں کے محاسنِ اخلاق کے متعلق ایک رومی جاسوس نے جو کچھ بچشم خود دیکھا تھا اسے اس طرح بیان کیا ہے۔ ''یہ لوگ رات میں عابد شب زندہ دار ہیں، دن میں معرکۂ جنگ کے سپاہی اور شہسوار ہیں، انصاف ایسا بے رورعایت کرتے ہیں کہ ان کے بادشاہ کا بیٹا بھی اگر چوری کرے تو ہاتھ کٹوادیں اور زنا کرے تو سنگسار کردیں۔''

اسلام کے ان محاسن اور خوبیوں کی وجہ سے غیر مسلم بھی اس کی صداقت وحقانیت کے معترف ہیں۔ مثلاً مشہور مسیحی مورخ کانٹ ہنری کا بیان ہے کہ ''اسلام میں فتوحات کے بعد نہ تو

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کسی کو تلوار سے مجبور کیا گیا، نہ ہی مسلمان بننے کے لئے جبر کیا گیا بلکہ اسلام ان کے شوق سے ان کے دلوں میں داخل ہوا۔ اور یہ اسلامی تعلیمات کی خوبیوں کا نتیجہ تھا۔"

پروفیسر بیوان لکھتے ہیں کہ "محمد اور اسلام کے بارے میں وہ کتابیں جو یورپ میں ۱۹ویں صدی کے آغاز سے پہلے چھپتی تھیں ان کو محض قلمی عجوبہ سمجھا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر اسلام اور تلوار کا نظریہ آج کہیں بھی قابلِ لحاظ نہیں سمجھا جاتا۔ اسلام کا یہ اصول کہ مذہب میں کوئی زبردستی نہیں، آج سب کو معلوم ہے۔"

مسٹر چیمبر اپنی انسائیکلو پیڈیا میں لکھتے ہیں کہ "مذہب اسلام کا وہ حصہ جس سے اس کے پیغمبر کی پاک دامنی کا اندازہ ہوتا ہے، نہایت کامل اور مؤثر ہے۔ اس سے ہماری مراد ان کی کامل نصیحتیں ہیں اور یہ نصیحتیں صرف ایک یا دو صورتوں ہی پر منحصر نہیں ہیں بلکہ اسلام کی عالیشان عمارتوں میں سونے کی کڑیوں کی طرح پھیلی ہوئی ہیں۔ ناانصافی، دروغ گوئی، غرور، استہزاء، چوری، زناکاری وغیرہ کی سخت مذمت کی گئی ہے۔ اس کے برخلاف خیر اندیشی، پاکدامنی، حیا، بردباری، کفایت شعاری، راست بازی، عالی ہمتی، صلح کوشی، حق پسندی و حق گوئی، توکل اور اطاعتِ خداوندی کو ایمان کی بنیاد اور سچے مومن کی نشانی قرار دیا گیا ہے۔"

مشہور عیسائی محقق سر ولیم میور نے اپنی کتاب "لائف آف محمد" میں لکھا ہے کہ "ہم بے تامل اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اسلام نے ہمیشہ کے واسطے تو ہمات باطلہ کو، جن کی تاریکی مدتوں سے عربوں پر چھائی ہوئی تھی، کالعدم کر دیا۔

معاشرت کے لحاظ سے بھی اسلام میں کچھ کم خوبیاں نہیں ہیں۔ چنانچہ اس نے ہدایت دی کہ سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ وہ ایک دوسرے کے ساتھ برادرانہ محبت رکھیں، یتیموں اور کمزوروں کے ساتھ نیک سلوک کیا جائے۔ غلاموں کے ساتھ انتہائی شفقت سے پیش آیا جائے۔ یہی نہیں بلکہ اس نے نشہ کو جو فساد کی جڑ ہے، مطلق حرام قرار دیا۔ مذہبِ اسلام اس بات پر فخر کر سکتا ہے کہ اس میں پرہیزگاری کا ایک ایسا درجہ موجود ہے جو کسی اور مذہب میں نہیں پایا جاتا۔۔"

ایڈورڈ گبن لکھتے ہیں کہ "اسلام کی تاریخ میں ایک ایسی خصوصیت پائی جاتی ہے جو دوسرے کو غیر آزاد رکھنے کے بالکل خلاف ہے۔ اسلام کی تاریخ کے ہر صفحہ اور ہر ایک ملک میں جہاں اس کو وسعت ہوئی، دوسرے مذہب سے مزاحمت نہ کرنا پایا جاتا ہے یہاں تک کہ فلسطین

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں ایک عیسائی شاعر لامارٹین نے علانیہ کہا تھا کہ صرف مسلمان ہی روئے زمین پر وہ قوم ہے جو دوسرے مذہب میں خلل نہیں ڈالتی۔'' انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ مسلمانوں کی طرف ایک مجرمانہ اصول منسوب کیا جاتا رہا ہے کہ ہر مذہب کو تلوار کے ذریعہ ختم کر دیا جائے مگر جہالت اور تعصب کا یہ الزام قرآن سے، مسلم فاتحین کی تاریخ سے اور مسلم عوام کے رد یہ سے غلط ثابت ہوتا ہے جو کہ ہمیشہ قانونی اور سماجی طور پر مسیحی عبادت کے ساتھ رواداری کا طریقہ اختیار کرتے رہے ہیں۔ محمد کی زندگی کی عظیم کامیابی صرف اخلاقی طاقت کے ذریعہ ہوئی، تلوار کی مار کے بغیر۔''

مسٹر جان ڈیون پورٹ نے اپنی کتاب ''اپالوفار دی محمد اینڈ دی قرآن'' میں لکھا ہے کہ ''اس امر میں کوئی شبہ نہیں ہوسکتا کہ جن لوگوں نے مذہب اسلام اور عیسائیت کو بمقابلہ ایک دوسرے کے تحقیق کیا ہے اور ان پر غور کیا ہے، ان میں بہت سے ایسے بھی ہیں جو اس بات کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ مذہب اسلام کے احکام بہت ہی عمدہ اور مفید ہیں۔ بلکہ اس بات کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ آخرکار اسلام سے پوری انسانیت کو فائدہ ہوگا۔''

مہاتما گاندھی نے کہا تھا کہ ''جس وقت یورپ پر اندھیرا چھایا ہوا تھا اس وقت ایک روشن ستارہ مشرق کے آسمان پر چمکا۔ اس نے نہ صرف ساری دنیا کو روشن کیا بلکہ مصیبت زدہ مخلوق کو راحت و آرام دیا۔ اسلام ان مذاہب میں سے نہیں جو جھوٹے کہے جاتے ہیں۔ اگر ہندو دھرم کے ماننے والے لوگ اسلام کا مطالعہ کریں تو وہ بھی میری طرح اسلام کا احترام کرنے لگیں۔'' موصوف نے ایک موقع پر یہ بھی کہا کہ ''اسلام نے تلوار کے بل پر رسوخ حاصل نہیں کیا بلکہ پیغمبر اسلام کی انتہائی سادگی، بے نفسی، عہد و پیمان کا انتہائی احترام، اپنے رفقاء کے ساتھ گہری وابستگی، اللہ پر کامل بھروسہ اور اپنے نصب العین پر پورا اعتماد، اسلام کی کامیابی کے اصل اسباب ہیں۔''

انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ ''کسی نے کہا ہے کہ جنوبی افریقہ کے لوگ اسلام کے ظہور سے ڈر رہے ہیں۔ وہ اسلام جس نے اسپین کو مہذب بنایا، وہ اسلام جو روشنی کی شمع کو مراکش تک لے گیا اور دنیا کو اخوت کا مقدس پیغام دیا۔ جنوبی افریقہ کے لوگ اس اسلام کے ظہور سے ڈر رہے ہیں کیوں کہ اسلام آئے گا تو وہ کالے اور گوروں میں برابری کا اعلان کرے گا۔ ان کو اس سے ڈرنا ہی چاہئے۔ اگر اخوت ایک گناہ ہے، اگر مختلف نسلوں میں برابری وہ چیز ہے جس سے وہ ڈرتے ہیں تب ان کا ڈر بالکل بجا ہے۔''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسٹر رام دیو پروفیسر گورکل کانگڑی یونیورسٹی نے لکھا ہے کہ ''یہ غلط ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔ اور یہ امر واضح رہے کہ اسلام کی اشاعت کے لئے کبھی تلوار نہیں اٹھائی گئی۔''

مسٹر ستیہ موری وائس چانسلر آندھرا یونیورسٹی نے لکھا ہے کہ ''رسول پاک کا کام تہذیب و قومیت کا عظیم الشان قوت ثابت ہوا، ان کی تعلیم کا اثر یورپ تک پہنچا اور ایشیا پر بھی اور جہاں کہیں پہنچا وہاں کے لوگوں کو مہذب اور شائستہ بنا دیا۔''

مہاشے سنت رام جی نے لکھا ہے کہ ''اسلام کروڑوں اچھوتوں اور شودروں کے لئے ایک اوتار تھا جس نے انہیں، انسانی مساوات کا حق دیا۔ اس لئے یہ لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہوئے۔''

ہندوستان کی مشہور شاعرہ سروجنی نائیڈو نے اسلام کی خوبیوں پر بولتے ہوئے کہا تھا کہ ''اسلام وہ پہلا مذہب ہے جس نے جمہوریت کی تبلیغ کی اور اس کو عملی صورت دی۔ کیوں کہ جب مسجد میں اذانیں بلند ہوتی ہیں اور نمازی ایک ساتھ جمع ہوتے ہیں تو اسلامی جمہوریت روزانہ پانچ بار مجسم ہوتی ہے۔ جب کہ معمولی آدمی اور بادشاہ ایک ہی صف میں شامل ہو کر جھکتے ہیں اور کہتے ہیں اللہ سب سے بڑا ہے۔''

یہی شاعرہ مزید لکھتی ہیں کہ ''میں اسلام کی اس ناقابل تقسیم وحدت کو دیکھ کر بار بار حیران ہوتی ہوں کہ جو آدمی کو طبعی طور پر بھائی بھائی بنا دیتی ہے۔ جب آپ ایک مصری، ایک الجیریائی، ایک ہندوستانی یا ترکی مسلمان سے ملتے ہیں تو ان میں جو فرق ملے گا وہ صرف اتنا کہ ایک کی پیدائش مصر میں ہوئی ہے دوسرے کی ہندوستان میں۔''

تھامس کارلائل کہتا ہے کہ ''طلوع اسلام کے ساتھ عرب کی بت پرستی اور نصرانیت کا جدلیاتی فلسفہ ختم ہو کر رہ گیا اور ہر وہ چیز جو حق نہیں تھی خشک لکڑی ثابت ہوئی جسے اسلام کی آگ نے بھسم کر دیا۔ لکڑی تو جل گئی البتہ آگ روشن رہی۔ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ذریعہ عربوں کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف نکالا اور اسی کی بدولت خوابیدہ امت اور خشک و بنجر زمین کو زندگی کی رونق ملی۔ ایک امت کو دنیا کی ابتداء کے وقت سے ہی جن کی نہ کوئی آواز تھی اور نہ جن کے اندر حرارت اور حرکت تھی، اللہ نے ان کے درمیان ایک نبی اپنے حکم اور اپنی رسالت کے ساتھ بھیجا۔ دیکھتے ہی دیکھتے گمنامی شہرت و ناموری میں، مدہوشی و غفلت بیداری و ہوشیاری میں اور پستی اور ذلت بلندی و

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رفعت میں بدل گئی۔ اسلام کا نور تمام اطراف میں پھیل گیا اور اس کی ضیا پاشیاں زمین کے ہر چپہ پر ہوئیں۔ اس کی کرنوں نے شمال و جنوب اور مشرق و مغرب کو ایک کر دیا۔ اور یہ سب کچھ ظہور اسلام کے بعد ایک ہی صدی کے اندر ہو گیا یہاں تک کہ اسلام کا ایک نمائندہ ہندوستان میں ہے تو دوسرا سرزمین اندلس میں ہے۔ اسلام کی عظیم سلطنت، فضل و شرافت، مروت و قوت اور بہادری کے نور اور حق و ہدایت کی رونق سے نصف عالم پر صدیوں اور زمانوں تک روشن رہی۔''

پروفیسر میسی نن نے کہا تھا کہ ''اسلام مبالغہ آمیز انتہاؤں کے درمیان توازن کو برقرار رکھتا ہے اور ہمیشہ کردار کی تعمیر پر زور دیتا ہے جو کہ تہذیب کی بنیاد ہے۔ اس کی ضمانت چند بنیادی احکام کے ذریعہ دی گئی ہے۔ مثلاً وراثت کا قانون، زکوٰۃ کا نظم اور لازمی نظام، اقتصادیات میں تمام سماج دشمن طریقوں کو غیر قانونی قرار دینا جیسے اجارہ داری، سود، پیشگی طور پر طے کی ہوئی اور بغیر کمائی ہوئی آمدنیاں، بازار کا سب کا سامان خرید لینا، ذخیرہ اندوزی، کسی چیز کی مصنوعی قلت پیدا کرنا تاکہ قیمتوں میں اضافہ ہو۔ اسی طرح جوا غیر قانونی ہے۔ اس کے برعکس تعلیم گاہوں، عبادت خانوں، اسپتالوں، کنوؤں اور یتیم خانوں کو امداد دینا بہت بڑی نیکی قرار دیا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ پہلی بار ایسا ہوا کہ پیغمبر اسلام کی تعلیم کے تحت یتیم خانے قائم ہوئے۔ دنیا اپنے یتیم خانوں کے لئے اسی پیغمبر اسلام کی احسان مند ہے جو خود بھی ایک یتیم تھے۔''

پروفیسر مارس لکھتے ہیں کہ ''کوئی بھی چیز روم کے عیسائیوں کو اس گمراہی کے خندق سے جن میں وہ گر پڑے تھے، نہیں نکال سکتی تھی بجز اسلام کی آواز کے، اعلاء کلمۃ اللہ جس سے یونانی انکار کر رہے تھے، اسی آواز سے ہوا اور ایسے عملی پیرایہ میں جس سے بہتر ناممکن تھا۔''

بہرحال اسلام کے محاسن کا اعتراف متعصب سے متعصب غیر مسلم دانشوروں نے بھی کیا ہے، جس کے چند نمونے آپ کے سامنے رکھے گئے۔

آخر میں یہ بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ کسی کو یہ مغالطہ نہ ہو کہ اسلام کی تعلیمات کا دفتر انہی چند باتوں میں محصور ہے جو پیش کئے گئے۔ حاشا وکلا۔ جس طرح سورج کی عالمتاب شعاؤں کو مٹھی میں بند نہیں کیا جا سکتا اسی طرح اسلام کی روشن تعلیمات کا احاطہ کرنا ناممکن ہے۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلامی زندگی

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ..... اَمَّا بَعْدُ

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً.

نہ تو زمیں کے لئے ہے نہ آسماں کے لئے　　جہاں ہے تیرے لئے تو نہیں جہاں کیلئے
مقامِ پرورش آہ و نالہ ہے یہ چمن　　نہ سیرِ گل کے لئے ہے نہ آشیاں کے لئے
نشانِ راہ دکھاتے تھے جو ستاروں کو　　ترس گئے ہیں کسی مردِ راہ داں کے لئے
نگہ بلند، سخن دلنواز، جاں پرسوز　　یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لئے

برادرانِ اسلام! اللہ کا ہزار ہزار شکر ہے جس نے ہمیں اپنی سب سے بڑی نعمت عطا کی، یعنی مسلمان بننے کا شرف بخشا۔ اس لئے ہماری یہ سب سے بڑی ذمہ داری ہے کہ ہم اس کی قدر کریں اور اسے اپنے لئے سب سے قیمتی نعمت سمجھیں۔ جیسے ہمارے اسلاف بالخصوص صحابہ کرام نے اپنے عمل سے کر دکھایا، جسے ہم ایک مثال کے ذریعہ بآسانی سمجھ سکتے ہیں۔

اگر ہم میں سے کسی آدمی سے یہ کہا جائے کہ تمہیں اپنے ہاتھ کی بندھی ہوئی گھڑی پیاری ہے یا ہاتھ پیارا ہے، یعنی اگر گھڑی کو بچانے کے لئے ہاتھ کٹوانا پڑے تو تم اس کے لئے تیار ہو جاؤ گے؟ یا ہاتھ بچانے کے لئے گھڑی قربان کر دینی پڑے تو اسے قربان کر دو گے؟ تو ہر آدمی یہی جواب دے گا کہ ہمیں گھڑی بہت پیاری ہے لیکن گھڑی کے مقابلے میں ہاتھ زیادہ پیارا ہے۔ ہم گھڑی کو بچانے کے لئے ہاتھ نہیں کٹوا سکتے البتہ ہاتھ کو بچانے کے لئے گھڑی دے سکتے ہیں۔

لیکن اگر کسی آدمی سے یہ پوچھا جائے کہ تمہیں اپنا ہاتھ زیادہ محبوب ہے یا اپنی جان، یعنی اگر ہاتھ کو بچانے کے لئے جان دینی پڑے تو اس کے لئے تیار ہو جاؤ گے یا اگر جان کو بچانے کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لئے ہاتھ کٹوانا ناگزیر ہو جائے تو تم اسے کٹوا کر اپنی جان بچالو گے؟ تو ہر شخص یہی جواب دے گا کہ چونکہ ہمیں ہاتھ کے مقابلہ میں جان زیادہ عزیز ہے اس لئے ہم تو یہ تو نہیں کر سکتے کہ ہاتھ کو بچانے کے لئے جان دیدیں مگر یہ ضرور کریں گے کہ جان کو بچانے کے لئے ہاتھ کٹوا دیں اور صرف ہاتھ ہی کیا، اگر جان کی حفاظت کے لئے ہاتھ کے علاوہ جسم کے دوسرے اعضا بھی کٹوانے پڑیں تو ہم اس پر تیار ہو جائیں گے۔

معلوم ہوا کہ ہر انسان کے نزدیک سب سے پیاری چیز اس کی جان ہے۔ مگر تاریخ کے اوراق پلٹئے تو معلوم ہوگا کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جہاد کا اعلان فرماتے اور صحابہ کرام کو دین کی خاطر سر کٹانے اور جان دینے کے لئے میدانِ جنگ کی طرف بلاتے تو یہ نہتے ہونے کے باوجود اپنی جانوں کو ہتھیلیوں پر رکھ کر پیٹ پر پتھر باندھ کر، بھوکے پیاسے میدانِ جنگ میں جاتے اور بہ رضا و رغبت اپنی جانیں دین پر قربان کر دیتے اور پھر بھی یہی سمجھتے کہ ؎

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

گویا صحابہ کرامؓ نے اپنے عمل سے ثابت کر دکھایا کہ جان ہمیں پیاری ہے، مال ہمیں پیارا ہے، اولاد اور بیویاں ہمیں محبوب ہیں، لیکن ان تمام چیزوں کے مقابلے میں اسلام ہمیں زیادہ عزیز ہے۔ ہم جان و مال اور بیوی بچوں کے لئے اسلام کا سودا نہیں کر سکتے مگر اسلام کے لئے سب کچھ قربان کر سکتے ہیں۔

ایک واقعہ:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی کا واقعہ ہے کہ ایک بار جہاد کے موقع پر صحابہؓ کرام کو میدانِ جنگ میں چلنے کا حکم دیا گیا۔ مدینہ میں ایک گھر ایسا تھا جس میں ایک بوڑھا باپ تھا اور اس کا نوجوان بیٹا، دونوں جنگ میں شریک ہونا چاہتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے ایک جہاد میں شریک ہو اور دوسرا گھر رہ کر بال بچوں کی دیکھ بھال کرے، پھر بھی دونوں جہاد میں جانے کے لئے اصرار کرتے رہے۔ چنانچہ آپؐ نے قرعہ کا حکم صادر فرمایا، یعنی جس کا نام قرعہ میں نکلے وہ جہاد میں شریک ہونے کا مستحق ہوگا۔ قرعہ اندازی میں یہ شرف بیٹے کو حاصل ہوا۔ بوڑھا باپ مایوس ہو گیا۔ اس نے اپنے نوجوان بیٹے سے کہا، بیٹا! میں تمہارا بوڑھا باپ ہوں تم مجھے اپنے پر ترجیح دیدو۔ یعنی اپنی جگہ مجھے جہاد میں جانے دو۔ بیٹے نے جواب دیا۔ ابا جان!

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قسم ہے خدائے وحدہٗ لاشریک کی، اگر دنیا کے کسی فائدے کی بات ہوتی تو میں یقیناً آپ کو ترجیح دیتا، لیکن چونکہ آج اسلام پر قربان ہونے کی سعادت نصیب ہو رہی ہے اس لئے اسے میں اپنے ہاتھ سے نہیں دینا چاہتا۔ چنانچہ نوجوان بیٹا جہاد میں شریک ہوا اور لڑتے لڑتے اپنی جان دین پر قربان کر دی۔

حضرات! اس دنیا میں ہمارے اور آپ کے پاس بہت سی نعمتیں ہیں۔ بعض ایسی ہیں جن کی قیمت کم ہے اور بعض ایسی ہیں جن کی قیمت بہت زیادہ ہے۔ لیکن جو چیز جتنی زیادہ قیمتی ہے اس چیز کے ساتھ ہمارا لگاؤ اتنا ہی زیادہ ہوتا ہے۔

ایک مثال:

مثلاً آپ کے پاس ایک چھوٹا سا چاقو ہے جس سے آپ سبزی کاٹنے یا قلم بنانے کا کام لیتے ہیں، ساتھ ہی آپ کے گھر میں سونے یا چاندی کی ایک اینٹ بھی ہے۔ دونوں آپ ہی کی چیزیں ہیں اور دونوں سے آپ کا تعلق ہے۔ لیکن جس قدر لگاؤ آپ کو سونے کی اینٹ سے ہوگا اس قدر لگاؤ آپ کو معمولی چاقو کے ساتھ نہیں ہوگا، جتنی حفاظت کی فکر آپ کو سونے کی اینٹ کی ہوگی اتنی فکر چاقو کی حفاظت کی نہیں ہوگی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جہاں ہمیں دنیا کی تمام چیزوں سے محبت ہے، وہیں ہمیں ہر چیز سے زیادہ اسلام سے محبت اور اس کی حفاظت اور اس کے احکام پر چلنے کی فکر ہونی چاہئے۔

انسان کا معمول ہوتا ہے کہ وہ بڑی چیز کو پالینے کے لئے چھوٹی چیز کو قربان کر دیتا ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہوتا ہے کہ آدمی چھوٹی چیز کو پانے کے لئے بڑی اور بیش قیمت چیز کو قربان کر دے۔

مثلاً آپ اپنے کھیت میں کام کرنے کے لئے گئے، جب وہاں سے لوٹے تو آپ کو معلوم ہوا کہ آپ کا چار روپے کا قلم کھیت میں کام کرتے وقت کہیں گر گیا ہے۔ اب آپ گھر جانے کے بجائے اپنے کھیت کی طرف لوٹ پڑے تاکہ آپ کا کھویا ہوا قلم آپ کو مل جائے، لیکن جیسے ہی آپ نے کھیت کی طرف لوٹنا چاہا اچانک آپ کے کانوں میں یہ آواز آئی کہ جس بکرے کو آپ نے قربانی کے لئے پال رکھا ہے وہ دو ہزار روپئے کی قیمت کا بکرا ابھی ابھی کنوئیں میں گر گیا ہے، اب آپ کیا کریں گے؟ آپ کھیت جانے کا ارادہ ترک کر دیں گے، اس وقت آپ قلم کو بھلا دیں گے اور بکرے کو بچانے کی فکر کریں گے، کیوں؟ اس لئے کہ قلم بھی ایک چیز ہے اور بکرا بھی ایک چیز ہے،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن چونکہ قلم کے مقابلے میں بکرے کی زیادہ قیمت ہے اس لئے آپ کو قلم سے زیادہ بکرے کی فکر ہوگی۔ تو جب اسلام ہمارے لئے سب سے قیمتی نعمت ہے تو ہمارا کام یہ نہیں ہے کہ ہم دنیا اور اس کے فائدوں کے لئے اسلام اور اسلامی اصولوں کو چھوڑ دیں، بلکہ ہماری اصل ذمہ داری یہ ہے کہ ہم اسلام اور اسلامی اصولوں کے لئے دنیا کی تمام چیزیں قربان کر دینے کے لئے تیار رہیں۔

مشہور صحابی رسول حضرت صہیب رومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ روم کے رہنے والے ایک مہاجر تھے جو مکہ میں آباد ہو گئے تھے۔ انہوں نے مکہ میں رہ کر تجارت سے کافی دولت کمائی۔ بعد میں انہیں اللہ نے اسلام کی بھی دولت عطا کی۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے، تو دین کے لئے وہ بھی مال و اسباب لے کر عازمِ مدینہ ہوئے۔ جب کفارِ مکہ کو ان کے ارادے کا پتہ چلا تو انہوں نے حضرت صہیبؓ کو گھیر لیا اور کہا صہیبؓ! تم نے یہ ساری دولت مکہ میں رہ کر کمائی ہے اس لئے اس مال پر تصرف کا حق تمہیں تبھی حاصل ہوگا جب تم مدینہ جانے کا ارادہ ترک کر دو، اگر تم ہجرت کے ارادے سے باز نہ آئے تو تمہاری کمائی ہوئی دولت کا ایک ایک پیسہ تم سے چھین لیا جائے گا۔ بتاؤ تمہیں اپنے گاڑھے پسینہ سے کمائی ہوئی دولت پیاری ہے یا دین کے لئے ہجرت؟ تو انہوں نے بڑے پر اعتماد لہجے میں جواب دیا کہ نادانو! مجھے حق یعنی اسلام مل گیا ہے جس کی قیمت پوری کائنات اور اس کی تمام نعمتیں نہیں ہوسکتیں۔ میرے نزدیک دین کے مقابلے میں سونے چاندی اور زر و جواہرات کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ مجھ سے یہ سب کچھ لے لو لیکن نہ تو میں دین کو چھوڑ سکتا ہوں اور نہ ہی ہجرت کا ارادہ ترک کر سکتا ہوں۔ چنانچہ اسلام کی خاطر انہوں نے مال و زر کو ٹھکرا دیا اور خالی ہاتھ مدینہ چلے گئے۔

حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ جن کی حکومت اتنی بڑی تھی کہ اس کے حدود سندھ سے لے کر فرانس تک پھیلے ہوئے تھے، ایک بار انہوں نے دیکھا کہ ان کی لونڈی اپنے ہاتھ میں پیالہ لئے جارہی ہے، انہوں نے پوچھا، تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟ لونڈی نے جواب دیا یہ تھوڑا سا دودھ ہے جو میں بیت المال سے لے آئی ہوں۔ دراصل آپ کی بیوی حاملہ ہیں اور انہوں نے دودھ پینے کی خواہش ظاہر کی ہے اور حالت حمل میں عورت کی ہر خواہش پوری کر دینی چاہئے ورنہ حمل کے ضائع ہو جانے کا خطرہ رہتا ہے۔ چوں کہ دودھ مجھے کہیں سے نہیں ملا اس لئے بیت المال سے لے آئی ہوں۔ لونڈی کا یہ جواب سن کر حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے اس کے ہاتھ سے دودھ کا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پیالہ چھین لیا اور کہا جا کر میری اہلیہ کو بتا دو کہ ان کا وہ حمل جو بیت المال کے دودھ سے باقی رہ سکتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ ضائع ہو جائے لیکن مجھے یہ گوارہ نہیں کہ اسلام کے اصولوں کو بالائے طاق رکھ کر بیت المال سے خیانت کا مرتکب بنوں۔ انہوں نے بیوی کے حمل کا ضائع ہو جانا گوارا کر لیا مگر اسلامی اصولوں کی خلاف ورزی گوارا نہیں کی۔

اللہ والے چونکہ اسلام کو اپنے لئے سب سے قیمتی نعمت سمجھتے تھے اس لئے ان کا شیوہ تھا کہ وہ ہر طرح کے نقصانات برداشت کر لیتے تھے مگر اسلامی اصولوں سے ذرہ بھر بھی انحراف انہیں گوارا نہیں تھا۔

انسان کے پاس جو کچھ بھی ہے، اللہ رب العالمین ہی کا دیا ہوا ہے۔ اس کی زندگی اور اس کا اثاثہ سب کچھ اللہ کی بخشش اور عطیہ ہے۔ آدمی دنیا میں جو کچھ کماتا ہے اسی لئے کماتا ہے کہ اللہ نے اسے دو ہاتھ اور دو پاؤں دئے ہیں جن سے وہ عمل کرے، اس کو زبان اور آنکھ دی ہے جس سے وہ دیکھے اور بولے، اس کو دماغ دیا ہے جس سے وہ سوچے اور منصوبے بنائے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اسے ایک ایسی دنیا میں رکھا ہے جو پوری طرح اس کے تابع ہے، دنیا کی ہر چیز اسی طرح بنائی گئی ہے کہ انسان جس طرح چاہے اسے کام میں لائے۔ اگر ایسا نہ ہو تو آدمی جسم و دماغ کی ساری طاقتیں رکھتے ہوئے بھی دنیا سے کوئی فائدہ حاصل نہ کر سکے گا۔ اگر گیہوں کا دانہ فصل کی صورت میں نہ اگے بلکہ پتھر کے ٹکڑے کی طرح زمین میں پڑا رہے تو انسان کے لئے زمین سے غلہ حاصل کرنا ناممکن ہو جائے۔ فطرت کی طاقتیں اگر اپنا مقررہ عمل ظاہر نہ کریں تو نہ بجلی پیدا ہو اور نہ کوئی سواری حرکت کرے۔

ہم رات دن دیکھتے ہیں اور اس پر یقین بھی رکھتے ہیں کہ کائنات میں جو کچھ موجود ہے اور جو کچھ ظہور میں آتا ہے۔ اس میں ہر چیز کوئی نہ کوئی خاصہ رکھتی ہے اور ہر پیدا ہونے والی چیز کی کوئی نہ کوئی تاثیر ہے۔ اور پھر ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ یہ تمام خواص اور تمام تاثیریں کچھ اس طرح واقع ہوئی ہیں کہ ہر ایک خاصہ ہماری کوئی نہ کوئی ضرورت پوری کرتا ہے اور ہر تاثیر ہمارے لئے کوئی نہ کوئی فیضان رکھتی ہے۔ سورج، چاند، تارے، ہوا، بارش، دریا، سمندر، پہاڑ، سب کے خواص اور فوائد ہیں۔ اور یہ سب ہمارے لئے طرح طرح کی راحتوں اور آسانیوں کا سامان بہم پہنچا رہے ہیں۔ جیسے زمین، جس کی سطح پھولوں اور پھلوں سے لدی ہوئی ہے، تہ میں میٹھے پانی کے سوتے بہہ رہے ہیں، گہرائی سے چاندی سونا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نکل رہا ہے۔ وہ اگرچہ گول ہے مگر اس کا ہر ایک حصہ ہمارے سامنے ہموار فرش ہے۔ سمندر کی طرف جب ہماری نظریں اٹھتی ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ اس کی سطح پر جہاز تیر رہے ہیں، تہہ میں مچھلیاں اچھل رہی ہیں، گہرائی میں مونگے اور موتی پرورش پا رہے ہیں۔ اور حیوانات میں بھی زمین کے چار پائے فضاؤں کے پرندے، پانی کی مچھلیاں سب اسی لئے ہیں کہ اپنے اپنے وجود سے ہمیں فائدہ پہنچائیں، غذا کے لئے ان کا گوشت اور دودھ سواری کے لئے ان کی پیٹھ، پہننے کے لئے ان کی کھال اور اون اور برتنے کے لئے ان کے جسم کی ہڈیاں تک مفید ہیں۔

اب ہم اپنے گرد و پیش پر نگاہ ڈالیں...... ایک انسان کتنی ہی محدود اور غیر متمدن زندگی رکھتا ہو، لیکن اس حقیقت سے بے خبر نہیں ہو سکتا کہ اس کا گرد و پیش اسے۔ بے مثال اور لامحدود فائدے پہنچا رہا ہے۔ ایک لکڑ ہارا اپنی جھونپڑی میں بیٹھا ہوا نظر آتا ہے تو گو وہ اپنے احساس کے لئے بہترین تعبیر نہ پائے لیکن یہ حقیقت ضرور محسوس کر لیتا ہے کہ کائنات کا یہ تمام ساز و سامان اس کے لئے ہے اور کارخانہ قدرت کی تمام کاریگریاں اس کو آرام پہنچانے کے لئے ہیں۔ وہ جب دھوپ کی تیزی محسوس کرتا ہے تو درختوں کے سایہ میں آرام کرتا ہے، بیکار ہوتا ہے تو پتوں کی سرسبزی اور پھولوں کی خوشنمائی سے آنکھیں سینکنے لگتا ہے۔ یہی درخت اپنی شادابی میں اسے پھل دیتے ہیں، پختگی میں لکڑی کے تختے بن جاتے ہیں، پرانے ہو جانے پر ایندھن کے کام آتے ہیں۔ ایک ہی مخلوق جو نگاہوں کو تازگی اور دل و دماغ کو سرور بخشتی ہے، اپنی خوشبو سے ہوا کو معطر کر دیتی ہے، اپنے پھل میں طرح طرح کی غذائیں رکھتی ہے، اپنی لکڑی سے سامان تعمیر مہیا کرتی ہے اور جب خشک ہو جاتی ہے تو اس کے جلانے سے آگ بھڑکتی ہے، چولہے گرم ہوتے ہیں اور اپنی حرارت سے بے شمار اشیاء کے پگھلانے کا ذریعہ بنتی ہے۔ پھر یہ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ افادیت اور فیضان کا نظام کچھ اس طرح بنا ہوا ہے کہ یک وقت ہر مخلوق کو نفع پہنچاتا اور ہر مخلوق کی یکساں طور پر رعایت ملحوظ رکھتا ہے۔ اگر ایک انسان اپنے عالیشان محل میں بیٹھ کر محسوس کرتا ہے کہ یہ تمام کارخانہ ہستی اسی کی کار براریوں کے لئے ہے تو ٹھیک اسی طرح ایک چیونٹی بھی اپنے بل میں کہہ سکتی ہے کہ فطرت کی ساری کارفرمائیاں صرف اسی کی کار براریوں کے لئے ہیں اور کون ہے جو اسے جھٹلانے کی جرأت کر سکے۔

اور یہ بھی ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ موجودہ دنیا میں انسان جو کچھ کمائی کرتا ہے وہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

براہ راست اللہ کا احسان ہوتی ہے۔ اس احسان کا صحیح معنوں میں شکر یہ تبھی ادا ہو گا جب ہم اللہ کی بندگی اور فرمانبرداری کریں۔ یعنی اس کی بخشی ہوئی صلاحیتوں کو اس کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق استعمال کریں۔ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے کیا خوب کہا ہے ۔

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند تاتو نانے بکف آری د بہ غفلت نہ خوری

ایں ہمہ بہر تو سرگشتہ و فرمانبردار شرط انصاف نہ باشد کہ تو فرماں نہ بری

''یعنی بادل، ہوا، چاند، سورج اور آسمان اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں تاکہ تو روزی کمائے اور غافل ہو کر نہ کھائے۔ یہ تمام چیزیں تیرے لئے مصروف اور تیری فرماں بردار ہیں۔ اس لئے یہ بات انصاف کے خلاف ہوگی کہ تو اللہ کی فرماں برداری نہ کرے۔''

انسانی زندگی کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ احکام کا دارو مدار حکم پر ہوتا ہے کہ حکمت وعلت پر، اس اصول کی توضیح ہم یوں کر سکتے ہیں کہ کوئی بھی حکومت جو قانون بناتی ہے۔ عوام کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ اس کی پوری پوری پابندی کریں، چاہے حکمت وعلت سے وہ واقف ہوں یا نہیں۔ ان کے مطیع ہونے کے لئے تو یہی کافی ہے کہ ان کی حکومت نے یہ قانون بنایا ہے۔ حتیٰ کہ اگر انہیں قانون کی حکمت بھی معلوم ہو جائے تب بھی ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہر صورت میں اس قانون پر عمل کریں چاہے ان کے خیال میں وہ حکمت کسی خاص معاملہ میں پائی جا رہی ہو یا نہ پائی جا رہی ہو۔

ایک مثال:

مثلاً حکومت نے یہ قانون بنایا ہے کہ جس جگہ سگنل لگے ہوں وہاں گاڑی چلانے والوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ سگنل کی ہدایات کے مطابق عمل کریں۔ جب لال بتی جلے تو تمام گاڑیاں رک جائیں اور جب ہری بتی جلے تو تمام گاڑیاں چل پڑیں اور جو شخص ان ہدایات کی خلاف ورزی کرے گا اس پر جرمانہ عائد کیا جائے گا اور اس کی گاڑی کا چالان بھی ہو سکتا ہے۔ حکومت نے یہ قانون اس لئے بنایا ہے تاکہ ٹریفک کے حادثات کی روک تھام کی جا سکے اور گاڑیوں کو نظم وضبط کے ساتھ چلایا جا سکے۔ عوام کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہر صورت میں سگنل کی ہدایات پر عمل کریں۔ ان کے لئے قانون کی حکمتیں تلاش کرنا اور پھر حکمت دیکھ کر عمل کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ اگر کوئی شخص کسی خاص موقع پر حکمت کو نہ پائے تب بھی قانون کی پابندی اس کے لئے لازم ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مثلاً کوئی شخص دیکھ رہا ہے کہ دائیں بائیں جانب کوئی گاڑی نہیں آرہی ہے اور دونوں طرف کی سڑک بالکل خالی ہے، پھر بھی سڑک پر سرخ بتی جلی ہوئی ہے، اگر وہ سرخ بتی کی پرواہ نہ کرے اور سگنل کی خلاف ورزی کر جائے اور کسی قسم کا کوئی حادثہ نہ ہو تب بھی وہ سگنل سے لاپرواہی کے نتیجے میں مجرم قرار پائے گا۔

یہی معاملہ احکامات الٰہیہ کا بھی ہے۔ ہر وہ شخص جو کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا اور اس نے اللہ تعالیٰ کو اپنا معبود اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول مان لیا۔ تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی بے چون و چرا پابندی کرے۔ کسی بھی انسان کے لئے یہ مسئلہ تو قابل غور ہو سکتا ہے کہ وہ اسلام قبول کرنے سے پہلے خوب اچھی طرح تحقیق کر لے کہ جس مذہب کو وہ قبول کر رہا ہے وہ حق بھی ہے یا نہیں؟ لیکن جب اس نے اللہ رب العالمین کی معبودیت اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو مان لیا تو اب اس کے لئے ان احکام کی اطاعت بغیر کسی ہچکچاہٹ کے فرض ہے۔ اگر وہ ان کے کسی حکم کی پابندی کرنے سے انکار کر دے یا ان کے کسی حکم کو غلط قرار دے تو وہ کافر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں ایک بڑا حصہ ہمیں ایسا نظر آتا ہے جس میں اللہ کی معبودیت و وحدانیت، انبیاء کی حقانیت اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت، جزاوسزا وغیرہ کا بیان ہے۔ کیونکہ جب ان امور کو مان کر اسلام قبول کر لیا گیا تو اس کا مطلب یہی ہے کہ بندے نے اپنے اختیارات کالعدم کر دیئے اور اللہ کی اطاعت قبول کر لی اور اپنے جذبات و خواہشات احکام الٰہی کے تابع کر دیئے۔ اب اس کی مرضی اور خواہش کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اس کے لئے اگر کوئی چیز اہمیت رکھتی ہے تو وہ صرف احکام الٰہی ہیں۔ قرآن کریم کی سورۂ احزاب میں ارشاد ہوا ہے:

وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ؕ

یعنی ''اور کسی ایماندار مرد اور ایماندار عورت کو گنجائش نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسولؐ کسی کام کا حکم دیدیں کہ ان کا اس کام میں اختیار باقی رہے اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کا کہنا نہ مانے وہ صریح طور پر گمراہ ہو گیا۔''

اب ہر مسلمان پر فرض ہے کہ جس چیز کے بارے میں اسے یقین ہو جائے کہ اللہ کا حکم

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس بارے میں یہ ہے تو اس پر عمل کرے۔ احکام الٰہی کی حکمتیں تلاش کرنا کسی مومن کا فریضہ نہیں ہے۔ ایک سچا مومن تو ہمہ وقت احکام الٰہی کی تلاش میں رہتا ہے تاکہ ان پر چلے اور ان کے مطابق زندگی گذارے نہ کہ اگر کوئی حکم مل جائے تو اس کی حکمتوں کا متلاشی ہوتا ہے تاکہ اپنی عقل کو تسکین دے سکے یا اس کے دائرہ کار کو محدود کردے۔ اس کے حکم میں حکمت تلاش کرنا ضعف ایمانی کی دلیل ہے، صحابہ کرامؓ، تابعینؒ عظام اور تبع تابعین اور دوسرے اکابرین امت کی پوری زندگی میں یہ طرز فکر نہیں ملے گا کہ پہلے حکم الٰہی کی حکمت تلاش کی جائے اور پھر اس پر عمل کیا جائے۔ ان کے یہاں تو صرف ایک ہی چیز تھی اطاعت، وہ اس امر کی تحقیق نہیں کرتے تھے کہ اس حکم کی مصلحت کیا ہے۔ وہ جانتے تھے کہ ہماری عقل چھوٹی ہے اور اس علیم وبصیر کے احکام کی حکمتوں کی گرفت کرنا ہمارے بس سے باہر ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ معاملہ صرف اسلام کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ دنیاوی امور میں بھی اس پر عمل ہوتا ہے۔ کسی بھی شخص کو کسی ریاست یا کسی ادارے کا فرد بننے سے پہلے یہ حق حاصل ہے کہ وہ اچھی طرح سوچے کہ اس کا اس ریاست یا اس ادارے کے ساتھ منسلک ہونا اس کے لئے مفید ہے یا نہیں مگر جب اس نے کسی ریاست یا ادارے کے ساتھ منسلک ہونا منظور کرلیا تو اب اس کے لئے ان قوانین کی پابندی کرنا لازم ہے جو اس ریاست یا اس ادارے کے سربراہ نے تشکیل کیے ہیں۔ اگر وہ ان کی خلاف ورزی کرے گا تو مجرم ٹھہرے گا اور اگر وہ ان کی حکمتیں تلاش کرے گا تو گویا اپنے عمل سے ثابت کرے گا کہ وہ ذمہ دار حضرات اور قانون سازوں کے فہم و دانش پر اعتماد نہیں کرتا۔ انسان کے بنائے قوانین کی حکمتیں تلاش کرنا تو کسی حد تک درست بھی ہے اس لئے کہ ہر انسان سے غلطی ہوسکتی ہے۔ ممکن ہے قانون سازوں سے غلطی ہوگئی ہو اور وہ کسی معاملہ کی تہہ تک نہ پہنچ پائے ہوں، مگر علیم وبصیر کے قوانین میں یہ طرز عمل کسی بھی مومن کے شایانِ شان نہیں ہے۔ اس لئے کہ ہر مسلمان کا یہ ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کی علم وحکمت سب سے بڑھ کر ہے اور اس کے قوانین میں غلطی کا کوئی امکان نہیں ہے۔

لیکن اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کا مطلب صرف یہی نہیں ہے کہ مسلمان کچھ معاملات میں اس کے احکام کی تعمیل کرے اور بعض کو اس سے مستثنیٰ کرلے۔ جب آسانی دیکھے تو مسلمان بن جائے اور جب نفس کے خلاف کوئی حکم پائے تو اسے ٹھکرادے۔ اللہ کے نزدیک مسلمان بننے کا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مطلب صرف یہی نہیں ہے کہ آدمی اسلام کو صرف اس حد تک اختیار کر لے جس حد تک اسلام اس کی زندگی سے نہ ٹکراتا ہو وہ اس اسلام کو لے لے جو اس کے لئے مفید یا کم از کم بے ضرر ہو اور اس اسلام کو چھوڑ دے جو اس کے محبوب عقائد، اس کی پسندیدہ عادات، اس کے دنیوی فائدے، اس کے شخصی مقام اور اس کی مصلحتوں کو مجروح کرتا ہو۔

ایک مثال:

فرض کیجئے بجلی کا ایک پول ہے جس پر ابھی بجلی کے تار نہیں دوڑائے گئے ہیں، اچانک آندھی آتی ہے اور آم کے کچھ پتے ٹوٹ ٹوٹ کر اس پر چپک جاتے ہیں۔ کیا اس پول کو دیکھ کر آپ اسے آم کا درخت کہہ دیں گے؟ نہیں، بلکہ اگر کوئی شخص آم کے چپکے ہوئے پتوں کو دیکھ کر اسے آم کا پیڑ کہہ دے تو آپ اس کی عقل کا مذاق آڑائیں گے۔ آپ کہیں گے کہ بجلی کا ایک کھمبا آم کے چند پتوں کو اپنے اوپر چپکا لینے سے آم کا پیڑ نہیں بن جاتا۔ آم کا درخت تو وہ ہے جو اپنی جڑوں میں بھی آم ہو، اپنی شاخوں میں بھی آم ہو، اپنے پتوں میں بھی آم ہو اور آم کا پھل بھی دیتا ہو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے نزدیک کامل مسلمان وہ ہے جو اپنی پوری زندگی اور زندگی کے ہر شعبہ میں اللہ کی اطاعت کرے، جس کا نام بھی اسلامی ہو اور کام بھی اسلامی ہو، جس کی گفتگو بھی اسلامی ہو اور اخلاق بھی اسلامی ہو، جس کی معیشت بھی اسلامی ہو اور طرزِ معاشرت بھی اسلامی ہو۔ اللہ تعالیٰ سورۂ بقرۃ میں فرماتا ہے۔ يَـآ اَيُّهَـا الَّذِيْنَ آمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَافَّةً یعنی ''اے ایمان والو! تم پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ''۔ یعنی اپنی پوری زندگی اسلام کے تحت لے آؤ، تمہارے طور طریقے وہی ہوں جن کی تعلیم اسلام نے دی ہے، تمہاری سعی وعمل کے راستے سب کے سب اسلام کے تابع ہوں، تمہارے معاملات انہی خطوط پر انجام پائیں جو اسلام نے کھینچ دیئے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ تم اپنی زندگی کو مختلف حصوں میں تقسیم کر کے بعض میں اسلام کی پیروی کرو اور بعض کو اس کی پیروی سے مستثنیٰ کر لو۔ اسلام کو اختیار کرنے کی صورت یہ ہے کہ مصلحتوں کا لحاظ کئے بغیر اس کو اپنایا جائے، اسلام جس کام کے کرنے کو کہے اسے کیا جائے اور جس چیز کے چھوڑنے کو کہے اسے چھوڑ دیا جائے۔ یہ ہے اسلام میں پورے کا پورا داخل ہونا۔

ایک نکتہ:

پانی کے گلاس میں اگر پتھر کا ٹکڑا ڈال دیا جائے تو وہ پانی کے اندر اتر کر ایک طرف بیٹھ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بائے گا۔ وہ پانی کے اندر ہونے کے باوجود پانی سے الگ رہے گا۔ پتھر، پتھر رہے گا اور پانی، پانی۔ لیکن پانی کے گلاس میں اگر رنگ ڈال دیا جائے تو رنگ اور پانی دونوں مل کر ایک ہو جائیں گے۔ اب پانی رنگ سے الگ نہیں ہوگا بلکہ دونوں اس طرح مل جائیں گے کہ دیکھنے والا کوئی فرق نہیں محسوس کر سکتا۔

اسلام اور مسلمان کا معاملہ پتھر اور پانی جیسا معاملہ نہیں ہے بلکہ رنگ اور پانی جیسا معاملہ ہے۔ مسلمان کی زندگی میں اسلام ایک علیحدہ ضمیمہ کی طرح نہیں ہوتا بلکہ وہ اس کی پوری ہستی میں سمایا ہوا ہوتا ہے۔ وہ اس کے جذبات میں شامل ہو کر اس کے دل کی دھڑکن بن جاتا ہے، وہ اس کی سوچ میں اس طرح داخل ہو جاتا ہے کہ اس کا ذہن اس کے مطابق ڈھل جاتا ہے، اسلام اس کی آنکھ بن جاتا ہے جس سے وہ دیکھتا ہے، وہ اس کی زبان بن جاتا ہے جس سے وہ بولتا ہے، وہ اس کا ہاتھ بن جاتا ہے جس سے وہ پکڑتا ہے اور ہر طرح کے کام کرتا ہے، وہ اس کا پاؤں بن جاتا ہے جس سے وہ چلتا ہے اور جس سے وہ اپنی تمام کارروائیاں کرتا ہے۔ اسلام وہی ہے جو آدمی پر اس طرح چھا جائے کہ اس کی کوئی چیز اس سے باہر نہ رہے۔ اس کے ہر بول میں اس کی جھلک ہو، اس کا ہر عمل اسلام کے رنگ میں رنگا ہوا ہو۔ اس کا بولنا، اس کا چلنا پھرنا، اس کا معاملہ کرنا، حتیٰ کہ بے جان اور بے زبان چیزوں کو کام میں لانا بھی اسلام اور اسلامی اصولوں کے مطابق ہو۔ جو اسلام پانی میں پتھر کی طرح رہے وہ اسلام نہیں ہے۔ اسلام وہی ہے جو پانی میں رنگ کی طرح پگھل جائے۔ اسی طرح جب کوئی شخص اسلام کو حقیقی معنوں میں اپناتا ہے تو وہ اس کے وجود کا مسئلہ بن جاتا ہے، وہ کہیں بھی اسلام سے الگ نہیں ہوتا اور نہ اسلام اس سے۔

اسلام یہ ہے کہ آدمی اللہ سے ڈرتا رہے، اسی کی بڑائی کو مانے، اپنے خوف، اپنی محبت، اپنے اعتماد اور اپنی جدوجہد کا مرکز اللہ تعالیٰ کی ذات ہی کو بنائے۔ وہ تمام معاملات میں اللہ سے رجوع کرنے والا ہو۔ وہ اس طرح زندگی گزارے گویا وہ اپنے آپ پر اللہ کی نگرانی قائم کئے ہوئے ہے۔ وہ اللہ کو نہ دیکھتے ہوئے بھی تمام دیکھنے والی طاقتوں سے زیادہ اس کا اندیشہ رکھتا ہو۔ اگر اس سے کوتاہیاں سرزد ہو جائیں یا اس کے درست کاموں میں غلط کام بھی شامل ہو جائیں تو اس کمزوری کے باوجود ڈھیٹ نہ بنے، وہ اپنی غلطی کا اعتراف کر کے اللہ سے معافی مانگتا رہے اور بار بار اس کی طرف پلٹنے کی کوششیں کرتا رہے۔ وہ اپنی زبان اسی وقت کھولے جب سچ اور حق کہنا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہو ورنہ اپنی زبان اللہ کے لئے بند رکھے۔ اس کے قدم اللہ کے لئے اٹھیں اور اسی کے لئے رکیں۔ وہ اللہ سے اس قدر قریب ہو جائے کہ ہر وقت اسے اللہ کی یاد آتی رہے، جنت و جہنم کا اسے اتنا یقین ہو جائے کہ دنیا کے آرام و تکلیف سے زیادہ اسے آخرت کے آرام و تکلیف کی فکر رہنے لگے۔ اسے اپنی غلطیاں اس طرح دکھائی دینے لگیں جس طرح اسے کسی دشمن کی غلطیاں دکھائی دیتی ہیں۔ وہ اپنے کو نفسیاتی گرہوں سے اس طرح آزاد کر لے کہ اختلاف و شکایت کے باوجود دوسروں کے لئے اس کے دل سے دعائیں نکلیں، وہ دوسروں کے نقصان کو اپنا نقصان اور دوسروں کی بے عزتی کو اپنی بے عزتی سمجھے۔ دوسروں کا آشیانہ اجاڑنا اسے ایسا لگے جیسے کہ اپنے آشیانے کو آگ لگا رہا ہے۔ اس کا جب کسی انسان سے سابقہ پیش آئے، خواہ وہ کمزور ہو یا طاقت ور، تو اس کے وہ تمام حقوق ادا کرے جو اسلام نے ایک انسان کے لئے دوسرے انسان پر مقرر کئے ہیں۔ وہ جب کسی جانور کو اپنے استعمال میں لائے اس وقت بھی وہ مہربانی کے وہ تمام آداب ملحوظ رکھے جس کی تعلیم اسلام نے دی ہے، حتیٰ کہ موذی جانوروں کو مارنا پڑے تو اس وقت بھی ان کو بے رحمی کے ساتھ تکلیف دے دے کر مارنا اپنے لئے جائز نہ سمجھے۔ یہی اسلامی زندگی ہے اور اس طرح زندگی گذارنے والا ہی صحیح معنوں میں مسلمان ہے۔

مسلمان وہ ہے جو قیامت کو اس کے آنے سے پہلے دیکھ لے۔ ایسا شخص دنیا میں اس طرح زندگی گذارتا ہے جیسے وہ اللہ کو اپنے اوپر نگرانی کرتے ہوئے دیکھ رہا ہو۔ جب وہ زبان کھولتا ہے تو اس کا ایمان اس کی زبان پکڑ لیتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ بولو تو حق اور سچ بولو ورنہ چپ رہو، وہ جب چلنا چاہتا ہے تو اللہ کا خوف اس کے سامنے آ کھڑا ہوتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ چلو تو صحیح سمت چلو ورنہ اپنے قدموں کو روک لو۔ اس کا یہ احساس کہ اللہ اس کو دیکھ رہا ہے، اس کے اوپر نگراں بن کر چھا جاتا ہے۔ وہ وہی کرتا ہے جس سے اللہ راضی ہو اور جو کام اللہ کی ناراضگی کا سبب ہو، اس کے کرنے کی ہمت اسے نہیں ہوتی۔

آج مسلمان ذلیل و خوار ہیں، مغلوب ہیں، پریشان ہیں، اس کی وجہ اسلامی تعلیمات اور اسلامی اصولوں سے ان کی دوری ہے۔

صحیح بخاری میں روایت ہے کہ جب غار حرا میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا نزول شروع ہوا تو آپؐ ڈر گئے۔ گھر لوٹتے ہی ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''مجھے کمبل اڑھادو، مجھے کمبل اڑھادو''۔ جب کچھ اطمینان ہوا تو فرمایا، کہ مجھے اپنی جان کا خوف ہے۔ حضرت خدیجہؓ اس واقعہ کو سن کر کہنے لگیں کہ ناامیدی اور خوف کی کوئی وجہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ آپؐ کو رسوا نہیں کرے گا، کیوں کہ آپؐ رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہیں۔ لوگوں کی مصیبتوں میں ان کی دستگیری کرتے ہیں، ناداروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، غریبوں، مسکینوں اور بیواؤں کی مدد کرتے ہیں۔ مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور ہمیشہ حق و انصاف کا ساتھ دیتے ہیں۔

کم وبیش ہر مسلمان میں ان اوصاف کا پایا جانا ضروری ہے۔ وہی شخص کامل مومن ہوسکتا ہے جو سچا ہو، وہی صحیح معنوں میں اللہ کا بندہ بن سکتا ہے جو اپنے کسی بات میں جھوٹ نہ بولتا ہو، جو معاملات میں عدل وانصاف کا خوگر ہو، جس کا دل مخلوق کی ہمدردی، شفقت اور بھلائی کے لئے بے چین ہو اور حسب استطاعت اس میں جاں نثاری کا جذبہ پایا جاتا ہو۔

یہ ہے وہ عملی پہلو، جس پر ہمارا اسلام اور ایمان جانچا جاسکتا ہے اور یہی ایک مسلمان کے اسلام کی دلیل ہے۔

حضرت خدیجہؓ نے کہا تھا کہ چونکہ آپؐ میں یہ اوصاف پائے جاتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی ضائع نہ فرمائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں میں یہ اوصاف پائے جائیں گے اللہ ان کی مدد کرے گا۔

آج کیا وجہ ہے کہ مسلمانوں کی حالت نہیں سدھرتی؟ سب سے پہلے ہر شخص کو چاہئے کہ وہ اپنے ایمان کو اسی کسوٹی پر پرکھے اور دیکھے کہ اس کا یہ پہلو تاریک ہے یا روشن؟ وہ جھوٹ تو نہیں بولتا؟ وہ عدل وانصاف کا کہاں تک خوگر ہے؟ بندگانِ خدا کے ساتھ ہمدردی، شفقت، بھلائی اور جذبہ ایثار سے اس کا دل کہاں تک آشنا ہے؟ اس سوال کے بعد یقیناً یہ مسئلہ حل ہوجائے گا کہ مسلمان کیوں ذلیل وخوار ہیں اور اللہ کی طرف سے ان کی مدد کیوں نہیں ہورہی ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کا مستقبل صرف اسلام اور اس کی تعلیمات پر عمل ہی سے وابستہ ہے۔ اسلام کو چھوڑ کر مسلمانوں کا کوئی مستقبل نہیں۔

مسلمان ایک ہزار سال تک دنیا کی فکری اور سیاسی قیادت کرچکے ہیں لیکن وہ انتہائی پستی کا شکار ہیں۔ کل تک جس قوم کی دنیا میں دھاک بیٹھی ہوئی تھی، آج ہر چھوٹی بڑی قوم سے ڈرتی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔کل تک جس قوم کی دنیا میں ساکھ تھی، آج اس کا کوئی وزن نہیں رہ گیا ہے۔اس کی وجہ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ آج کا مسلمان نسلی اور خاندانی مسلمان ہے اور اسلام کے تقاضوں کو اس نے پس پشت ڈال دیا ہے۔مسلمان اگر صحیح معنوں میں اللہ کا بندہ اور زندگی کے تمام معاملات اور کاموں میں اسی کا فرماں بردار بن جائے تو دنیا کی تمام کامیابیاں اسی کے لئے ہیں۔

حضرات! ہم مسلمان ہیں اور ہمارے لئے یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ اللہ نے ہمیں مسلمان بنایا ہے۔مگر یاد رہے کہ مسلمان ہونا یا مسلم گھرانے میں پیدا ہونا صرف یہ معنی رکھتا ہے کہ آپ کو ایمان واسلام کی زمین حاصل ہے مگر ہر کسان جانتا ہے کہ صرف زمین کا مالک ہونا ہی کافی نہیں ہے بلکہ اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس میں کاشت کی جائے اور اس کی زمین کو پانی کی سہولت بھی حاصل ہو۔صحرا میں ہر طرف زمین ہی زمین ہوتی ہے مگر وہ کھیتی کے لئے بیکار ہوتی ہے، وہاں ہری بھری فصل کے بجائے ہر وقت ریت اڑتی رہتی ہے کیوں کہ وہاں پانی کا ایک قطرہ نہیں۔ایک کسان صرف اس کو کافی نہیں سمجھتا کہ اس کے پاس کھیت ہے خواہ یہ کھیت ہزاروں ایکڑ سے زیادہ کیوں نہ ہو۔کھیت سے فصل اگانے کے لئے ضروری ہے کہ اللہ کی بارش اسے سینچے۔

اسی طرح ہمارے لئے صرف یہ بات کافی نہیں ہے کہ ہم ایمان واسلام کی زمین کے مالک ہیں، اس کے ساتھ لازمی طور پر یہ بھی ضروری ہے کہ ہماری اسلامی زمین پر اللہ کی توفیق کی بارش بھی ہو رہی ہو۔اس لئے ہم میں سے ہر شخص کو یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ اللہ کی اس بارش سے اس کو حصہ مل رہا ہے یا نہیں، اس کے اوپر خدائی رحمتوں کا وہ فیضان برس رہا ہے یا نہیں، جس سے پسندیدہ اعمال کا شوق پیدا ہوتا ہے اور اللہ کی عبادت کی طرف بے انتہا رغبت پیدا ہوتی ہے۔

اگر آپ کو اللہ کی زندہ عبادت کی توفیق نہ مل رہی ہو، اگر راہ خدا میں خرچ کرنے کا شوق آپ سے رخصت ہو گیا ہو، اگر دوسروں کا بھلا دیکھ کر آپ خوش نہ ہوتے ہوں، اگر اپنے بھائیوں کی خدمت کا جذبہ آپ کے اندر نہ ابھرتا ہو، اگر اپنے فائدے کے پیچھے دوسروں کا نقصان آپ بھول جاتے ہوں، اگر اپنے صاحب معاملہ کے ساتھ انصاف کرنا آپ کو گوارہ نہ ہوتا ہو، کسی سے شکایت پیدا ہونے کے بعد آپ اگر اسے معاف کر دینے پر راضی نہ ہوتے ہوں، تو سمجھ لیجئے کہ آپ کے اسلام وایمان کی زمین سوکھی پڑی ہے۔اللہ تعالیٰ آپ کے اوپر اپنی توفیق کی بارش نہیں برسا رہا ہے۔ اللہ کی رحمتوں کے چھینٹے سے محرومی نے آپ کے اسلام کے پودے کو خشک کر دیا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس طرح آپ کو اس وقت بے چین ہو جانا چاہئے جب کہ آپ اپنا یہ حال پائیں کہ آپ کے لئے انہی دینی کاموں میں رغبت ہو جس سے آپ کی دنیا کھنڈت نہیں ہوتی، جس میں آپ کے دنیوی مفادات پورے طور پر محفوظ رہتے ہیں، جس میں سستی قیمتوں پر جنت کے دروازے کھلے ہوئے نظر آتے ہیں، جس میں کچھ کئے بغیر کرنے کا تمغہ مل جاتا ہے، جس میں الفاظ بول کر عمل کا کریڈٹ حاصل ہوتا ہے، اس قسم کے ''دین'' کی طرف لپکنا اور نفس کو دبانے اور جذبات کی قربانی دینے والے دین سے بے پرواہ ہونا دینداری کی حالت نہیں بلکہ غفلت کی حالت ہے۔ ایسی تمام حالتوں میں ہمیں مطمئن ہونے کا موقع نہیں، ہمیں بے تاب ہو کر اللہ کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ ہمیں اللہ کی بارشِ رحمت کو اپنی طرف مائل کرنا چاہئے اس سے پہلے کہ ہمارا سوکھا ہوا پودا اللہ کے باغ سے اکھاڑ کر پھینک دیا جائے۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلاَّ الْبَلاَغ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایمان

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ الَّذِی وَحْدَہٗ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَہٗ. اَمَّا بَعْدُ.

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوا وُجُوْھَکُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَلٰکِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ وَالْکِتٰبِ وَ النَّبِیّٖنَ.

غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں — جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں
کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زورِ بازو کا — نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
ولایت، پادشاہی، علم اشیاء کی جہانگیری — یہ سب کیا ہیں فقط اک نکتۂ ایماں کی تفسیریں
یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتحِ عالم — جہادِ زندگانی میں، یہ ہیں مردوں کی شمشیریں

حضرات! اسلام جن تعلیمات پر مشتمل ہے، اصولی حیثیت سے اس کی اہمیت کے درجے الگ الگ ہیں۔ بعض کو بنیاد کی حیثیت حاصل ہے، بعض کو دیواروں کی، بعض کو چھت کی اور بعض کو ظاہری زیب و زینت کی۔

اسلام کی بنیاد ایمان و عقائد پر ہے۔ عقائد کی درستگی پر اسلامی زندگی کی درستگی اور اس کی بقا کا دارومدار ہے۔

اسلامی زندگی کا آغاز ایمان سے ہوتا ہے۔

کعبہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت یعنی ظہورِ اسلام کے بہت پہلے سے تمام عربوں کے نزدیک، مقدس چلا آ رہا تھا، اس سے معمولی انتساب بھی ایک قابلِ ذکر چیز سمجھا جاتا تھا۔ کعبہ کی زیارت اتنا مقدس عمل تھا جسے آدمی فخر کے ساتھ بیان کر سکتا تھا۔ کعبہ کا خادم اور منتظم ہونا ایک ایسا مسلّم اعزاز تھا کہ جسے حاصل ہو جائے اس کو قوم کا سردار بنانے کے لئے کافی ہو، جو لوگ کعبہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے منتظم اور خادم تھے وہ خود کو دنیا کا سب سے محترم و معزز انسان سمجھتے تھے اور انہیں اس بات پر ناز تھا کہ ان کی دینی حیثیت مسلّم ہے اور ان کی خدا پرستی میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں۔

دوسری طرف اسلام تھا، جس کی ابھی کوئی تاریخ نہیں بنی تھی۔ اگر اس کی کچھ تصویر لوگوں کے ذہن میں تھی تو صرف اتنی کہ ایک شخص یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور کچھ کمزور قسم کے لوگ ان کا ساتھ دے رہے ہیں۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوئی۔ اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَ عِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ. ''کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کی خدمت کرنے کو اس شخص کے برابر ٹھہرا لیا ہے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لایا۔'' یعنی اگرچہ تمہارے پاس خدمت کعبہ کا بہت بڑا اعزاز ہے لیکن ایمان والوں کے مقابلہ میں تمہارا یہ اعزاز کوئی حقیقت نہیں رکھتا، اس لئے کہ ایمان کے بغیر خانہ کعبہ کی خدمت یا انتظام کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔

معلوم ہوا کہ اعمالِ صالحہ کی بنیاد ایمان پر ہے اور ایمان ہی اسلام اور شریعت حقہ کی روح ہے، ایمان نہیں ہے تو کوئی عبادت مقبول اور معتبر نہیں ہے۔ انسان کا کوئی بھی عمل بادی النظر میں کتنا ہی دلکش اور کتنا ہی مستحسن ہو، اگر وہ ایمان کے نور سے خالی ہے تو اللہ کے یہاں بے قیمت ہے۔ جس طرح بیج کے بغیر درخت یا پودے کا وجود میں آنا ممکن نہیں ہے، اسی طرح جب تک ایمانیات اور عقائد وجود میں نہ آجائیں اس وقت تک باقی اسلام کے وجود میں آنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ قرآن مجید کہتا ہے۔ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَ النَّبِيّٖنَ. ''بلکہ نیکی اس شخص کی ہے جو ایمان رکھتا ہو اللہ پر، آخری دن پر، فرشتوں پر، آسمانی کتابوں پر اور نبیوں پر۔''

بخاری شریف میں حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص سر سے پاؤں تک لوہے سے ڈھکا ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! کیا میں جہاد کروں یا پہلے ایمان لے آؤں پھر جہاد کروں؟ آپؐ نے فرمایا پہلے ایمان لاؤ پھر جہاد کرو، چنانچہ وہ ایمان لایا پھر جہاد کیا اور راہِ خدا میں شہید ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کام اس نے تھوڑا کیا مگر اجر بہت دیا گیا۔

ایمان کا تعلق اسلام کے ساتھ ایسا ہی ہے جیسے بنیاد کا تعلق عمارت سے یا بیج کا تعلق

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

درخت یا پودوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ بنیاد ہی پر عمارت کھڑی ہوتی ہے اور بیج ہی سے درخت اور پودے اگتے ہیں، پلتے ہیں، بڑھتے ہیں اور نشو ونما پاتے ہیں۔ جب کسی درخت کی جڑیں سوکھ جاتی ہیں تو وہ درخت اپنی شاخوں اور پتوں سمیت سوکھ جاتا ہے اور اس طرح کے کسی سوکھے درخت کی شاخ پر ہزاروں لیٹر پانی ڈال دیا جائے تب بھی وہ سرسبز وشاداب نہیں ہوسکتا، کیوں کہ اس کی جڑوں میں اب روح باقی نہیں رہی۔ اسی طرح جس درخت کی جڑیں کمزور ہوتی ہیں وہ درخت اتنا کمزور ہوتا ہے کہ ہوا کا ایک معمولی جھونکا بھی برداشت نہیں کرسکتا۔ دیکھئے آپ کے سامنے آم کا جو یہ بڑا درخت کھڑا ہے، آج آپ اسے اکھاڑنا چاہیں تو اس کے لئے سیکڑوں آدمی درکار ہوں گے لیکن جب یہ لگایا گیا تھا اس دن اکھاڑا جاتا تو ایک آدمی کی معمولی طاقت ہی اسے اکھاڑ دینے کے لئے کافی تھی۔ اس فرق کی وجہ سوائے اس کے کوئی نہیں کہ آج اس کا اکھاڑنا اس لئے مشکل ہے کہ اس کی جڑیں مضبوط ہو چکی ہیں اور اس دن اس کا اکھاڑنا اس لئے آسان تھا کہ اس کی جڑیں کمزور تھیں۔

یہی حال ایمان اور اسلامی زندگی کا ہے۔ جب ایمان کمزور ہوتا ہے تو دنیاوی حوادث کا ایک معمولی جھونکا بھی انسان کے لئے ناقابل برداشت بن جاتا ہے اور جب ایمان مضبوط ہوتا ہے تو اسے کوئی خوف، کوئی لالچ، کوئی دباؤ اور خواہشات نفسانی کا کوئی بھی تقاضہ سیدھے راستہ سے ہٹا نہیں سکتے۔ جب ایمان کمزور ہوتا ہے تو انسان تھوڑے سے فائدے کے لئے اللہ اور اس کے رسول کے احکام کو ٹھکرا دیتا ہے لیکن جب ایمان مضبوط ہوتا ہے تو انسان اللہ اور اس کے دین کے لئے بڑی سے بڑی چیز قربان کر دیتا ہے۔ جب ایمان کامل اور مستحکم ہوتا ہے تو مومن راہ خدا میں بڑی سے بڑی قربانی آسان سمجھتا ہے۔ آیئے ہم اس زندہ حقیقت کو تاریخ کی روشنی میں سمجھیں۔

چند واقعات:

ایک بار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں، مدینہ میں قحط سالی پڑ گئی۔ لوگ بہت زیادہ پریشان ہوئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا: گھبراؤ نہیں، اللہ تعالیٰ کوئی نہ کوئی سبب ضرور پیدا فرمائے گا۔ پھر ایک روز ایسا ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ایک تجارتی قافلہ شام سے مدینہ آیا جس میں ایک ہزار اونٹ تھے اور ہر اونٹ پر غذائی سامان لدا ہوا تھا۔ جب مدینہ کے تاجروں کو پتہ چلا تو وہ وفد کی شکل میں حضرت عثمانؓ کے پاس آئے اور اپنا مدعا بیان کرتے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوئے کہا کہ آپ کے پاس شام سے آیا ہوا غذائی سامان ہم خریدنا چاہتے ہیں تاکہ اسے مدینہ کے ضرورت مندوں تک پہنچایا جاسکے۔ حضرت عثمانؓ نے پوچھا، آپ لوگ شام کی خریداری پر مجھے کتنا نفع دیں گے؟ تاجروں نے کہا، دس درہم پر بارہ درہم۔ یعنی جو مال آپ نے دس درہم میں خریدا ہوگا ہم اسے بارہ درہم دے کر خریدیں گے۔ حضرت عثمانؓ نے کہا مجھے اس سے زیادہ مل رہا ہے۔ تاجروں نے کہا ہم آپ کو دس درہم پر چودہ درہم دیں گے۔ انہوں نے کہا مجھے اس سے بھی زیادہ قیمت مل رہی ہے۔ تب تاجروں نے آخری دام لگاتے ہوئے کہا ہم آپ کو دس درہم پر پندرہ درہم دیں گے۔ حضرت عثمانؓ نے کہا مجھ کو اس سے کہیں زیادہ قیمت مل رہی ہے، اس لئے میں اپنا مال آپ کے ہاتھ نہیں فروخت کروں گا۔ تاجروں نے حیران ہوکر پوچھا کہ ابھی شام کو آپ کا مال آیا ہے اور مدینہ کے تمام تاجر یہاں موجود ہیں، پھر آپ کو ہم سے زیادہ قیمت کون دے رہا ہے؟ حضرت عثمانؓ نے کہا کہ میرا خدا قرآن پاک میں فرماتا ہے مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ اَمْثَالِهَا۔ یعنی ''جو شخص ایک نیکی لائے گا ہم اسے دس گنا اجر و ثواب دیں گے۔'' آپ لوگ مجھے ایک کا ڈیڑھ دے رہے ہیں اور اللہ کے یہاں مجھے ایک کا دس ملے گا۔ اس لئے اے تاجرو! آپ لوگ گواہ رہئے کہ میں نے اللہ کے لئے یہ تمام غذائی سامان مدینہ کے ضرورت مندوں پر صدقہ کر دیا۔''

غزوہ تبوک کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی سربلندی کے لئے صحابہؓ کرام سے مالی تعاون کی اپیل کی۔ صحابہ حسب استطاعت زیادہ سے زیادہ لائے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے گھر کا سارا اثاثہ اٹھا لائے اور رسول پاکؐ کے قدموں میں ڈال دیا۔ آپؐ نے پوچھا، ابوبکر! اپنے گھر والوں کے لئے کیا چھوڑ کر آئے ہو؟ انہوں نے عرض کیا: ''اللہ اور اس کے رسول کا نام چھوڑ آیا ہوں۔''

یہ پختہ یقین کا نتیجہ تھا۔ انسان کو جب اللہ کے وعدوں پر کامل یقین ہوتا ہے تو اس کے حوصلے اتنے بلند ہوتے ہیں کہ وہ راہِ خدا میں کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کرتا۔

جب ایمان کمزور ہوتا ہے تو آدمی معمولی سے حادثے پر لرز اٹھتا ہے، کانپ جاتا ہے، بوکھلاہٹ کا شکار ہو جاتا ہے، مگر جب ایمان مضبوط ہوتا ہے تو آدمی موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر حق کا اعلان کرتا ہے کیوں کہ اس کا ایمان اسے غیر متزلزل بنا دیتا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تاریخ اسلام کے ابتدائی واقعات میں سے ایک واقعہ حضرت عمر فاروقؓ کے اسلام قبول کرنے کا ہے۔

نبوت کے چھٹے سال جب کہ ابھی اسلام کی کوئی تاریخ نہیں بنی تھی، آنحضرتؐ کے چچا حضرت حمزہؓ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ مشرکین مکہ ان کے مسلمان ہونے کی خبر سن کر بوکھلا گئے اور دارالندوہ میں بیٹھ کر انہوں نے طے کیا کہ اسلام کا سیلاب اب رک نہیں سکتا، اس کے روکنے کی واحد صورت یہی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتمہ کردیا جائے۔ اس کام کا بیڑا اٹھانے کے لئے سو سرخ اونٹوں کے انعام کا اعلان کیا گیا۔ عرب کا یہی نوجوان (عمرؓ ابن خطاب) جس کا دامن ابھی دولت ایمان سے خالی تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا بیڑہ اٹھاتا ہے۔ ہاتھ میں ننگی تلوار ہے اور مقصد ہے اس عظیم شخصیت کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینا جو سارے عالم کے لئے رحمت بنا کر بھیجی گئی تھی۔ راستے میں ایک مسلمان نے عمرؓ کے اس تیور کو دیکھ کر پوچھا، کہاں کا ارادہ ہے؟ انہوں نے کہا کہ آج میں اس آگ کو بجھادوں گا جس کی لپیٹ میں سارا عرب آتا جارہا ہے، عمرؓ کے خطرناک ارادے کو بھانپ کر صحابیؓ نے کہا: کہ جس آگ کو تم بجھا دینا چاہتے ہو وہ آگ تمہارے گھر کو بھی پکڑ چکی ہے۔ یعنی جس نبی کو تم قتل کرنے جارہے ہو اسی نبی کا کلمہ تمہاری بہن فاطمہؓ اور تمہارے بہنوئی سعیدؓ پڑھ چکے ہیں، اس لئے پہلے اپنے گھر کی فکر کرو بعد میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر لینا۔ حضرت عمر نے راستہ بدل دیا اور بہن کے یہاں پہنچے، وہاں انہوں نے دیکھا کہ وہ دونوں قرآن مجید پڑھ رہے ہیں۔ شدید غصہ سے مغلوب ہوکر بلا کچھ کہے سنے بہنوئی پر ٹوٹ پڑے اور انہیں انتہائی بے دردی کے ساتھ مارا۔ جب ان کی بہن فاطمہؓ اپنے شوہر کو بچانے کے لیے بڑھیں تو بہن کو بھی مار مار کر لہولہان کردیا۔ فاطمہؓ جب زخموں سے چور ہوکر زمین پر گر پڑیں، تو انہوں نے عمرؓ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا "اے عمر! سن لو ہم مسلمان ہوگئے ہیں، جو بن آئے کرلو، مگر اسلام اب ہمارے دل سے نہیں نکل سکتا" ؎

بہن بہنوئی کو آخر عمر نے اس قدر مارا — کہ زخموں سے نکل کر خون کی بہنے لگی دھارا

بہن بولی عمر ہم کو اگر تو مار بھی ڈالے — شکنجوں میں کسے یا بوٹیاں کتوں سے نچوالے

مگر ہم اپنے دین حق سے ہرگز پھر نہیں سکتے — بلندی معرفت کی مل گئی ہے گر نہیں سکتے

یہ استقامت بھرا جواب اور اس طرح کا پر اعتماد لہجہ اسی کا ہوسکتا ہے جس کا دل ایمان و

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یقین سے معمور ہو۔

تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ صحابہ کرام جب دین حق پر ایمان لائے تو مشرکین مکہ نے انہیں راہِ حق سے ہٹانے کے لئے ان پر بے پناہ مظالم ڈھائے۔ ان کا مقصد صرف یہی نہیں تھا کہ اس تحریک کی راہ میں روڑے اٹکائے جائیں بلکہ اس بات کی پوری کوشش کی جارہی تھی کہ اس تحریک کو صفحۂ ہستی سے کھرچ کر پھینک دیا جائے اور اس کے علم برداروں کو نیست و نابود کر دیا جائے۔ انہیں کس طرح ستایا جاتا تھا، اس کا ایک ہلکا سا نقشہ حفیظ جالندھری نے یوں کھینچا ہے ؎

کوئی جلاد کیا کرتا جو یہ جلاد کرتے تھے ستم ایجاد تھے لاکھوں ستم ایجاد کرتے تھے
زمین و آسماں جب دھوپ کی گرمی میں تپتے تھے غضب کی دل لگی تھی ریت پر مسلم تڑپتے تھے
نشانِ سجدۂ توحید تھا جن کی جبینوں پر دھرے رہتے تھے پہروں سخت پتھر انکے سینوں پر
جو ابراہیم کے پوتوں کو پھول اور باغ دیتے تھے سلاخیں سرخ کر کے لوگ ان کو داغ دیتے تھے

چنانچہ کسی کی ناک میں دھواں دیا جاتا، کسی کو چٹائیوں میں باندھ کر بے دردی سے پیٹا جاتا، کسی کے پاؤں میں رسی باندھ کر سڑکوں پر گھسیٹا جاتا اور کسی کو ننگی پیٹھ انگاروں پر لٹایا جاتا، لیکن ان کے جسم سے نکلنے والی چربی سے آگ کے انگارے تو بجھ گئے لیکن ان کے ایمان کے شعلے کو کوئی نہیں بجھا سکا اور ان کی جلی ہوئی پیٹھ بزبانِ حال یہ کہتی تھی ؎

اسلام کا پرچم نہ جھکا ہے نہ جھکے گا فانوس یہ پھونکوں سے بجھا ہے نہ بجھے گا
ایمان کی خاموش زبانی پہ نہ جانا یہ شعلۂ بے باک دبا ہے نہ دبے گا

آخر وہ کون سی چیز تھی جس نے انہیں عزیمت کا پہاڑ بنا دیا تھا؟ وہ کون سا جذبہ تھا جس کی وجہ سے وہ ننگی پیٹھ انگاروں پر لیٹنے کے باوجود راہِ حق سے نہیں ہٹائے جاسکے؟ وہ یقین کامل تھا، وہ ایمانِ مستحکم تھا۔

اس دنیا میں انسان مختلف قسم کے حادثات سے دوچار ہوتا رہتا ہے اور دنیا کی رزم گاہ میں بہادر بننے کا راز یہ نہیں ہے کہ آدمی پر مشکلات نہ آئیں کیوں کہ مشکلات تو دنیا میں ہر ایک کے لیے آتی ہیں۔ بہادری کا راز یہ ہے کہ آدمی کے پاس کوئی ایسا یقین ہو جو اپنے مقصد کے مقابلے میں مشکلات کو اس کے لئے حقیر بنا دے۔ دکھوں کی اس دنیا میں مشکلات کو وہی شخص جھیل سکتا ہے جسے مشکلات سے بڑی کوئی چیز مل گئی ہو۔ مومن کو یہ چیز بدرجہ کمال حاصل ہوتی ہے۔ اس کے پاس

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایسا حق ہوتا ہے جس کی عظمت وصداقت پر اسے ادنیٰ شبہ نہیں ہوتا۔ مزید یہ کہ اسے یقین ہوتا ہے کہ اس راہ میں ہر قربانی آخرت میں اس کی کامیابیوں میں اضافہ کرنے کے ہم معنی ہوگی۔ یہ یقین اس کے لئے حق کے اعلان کو ایک ایسی لذت بنا دیتا ہے جس کا سرور کبھی ختم نہ ہو۔

قرآن مجید میں متعدد جگہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے ٹکراؤ کے واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ انہی میں سے وہ مشہور واقعہ بھی ہے جب فرعون نے وقت کے تمام مشہور جادوگروں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بالمقابل کھڑا کر دیا تھا۔ یہ جادوگر جب فرعون کے پاس جمع ہوئے تو انہوں نے فرعون سے کہا "اگر ہم موسیٰ کے مقابلے میں کامیاب ہو گئے اور غالب رہے تو ہم کو اس کا انعام تو ضرور ملے گا؟" فرعون نے کہا "ہاں، اس وقت تم لوگ میرے مقرب بن جاؤ گے۔" اس کے بعد جادوگروں نے اپنی رسیاں اور لکڑیاں پھینکیں جو دیکھنے والوں کو رینگتے ہوئے سانپ کی طرح نظر آنے لگیں۔ اب حضرت موسیٰ نے اپنا عصا ڈالا، ان کا عصا اژدہا بن کر گھوما تو اس کا اثر یہ ہوا کہ جادوگروں کی ہر لکڑی بلکڑی اور ہر رسی، رسی بن کر رہ گئی۔ جادوگر سمجھ گئے کہ موسیٰ نے جو چیز دکھائی ہے وہ جادو نہیں بلکہ خدائی معجزہ ہے۔ ان کا سینہ حق کے لئے کھل گیا اور انہوں نے اسی وقت ایمان قبول کر لیا۔ فرعون غضب ناک ہو کر بولا: "تم لوگ مومن بن گئے قبل اس کے کہ میں اجازت دوں، یہ تم لوگوں کی خفیہ سازش ہے۔ میں تمہارے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمتوں سے کٹواؤں گا اور پھر تم سب کو سولی پر چڑھا دوں گا۔" جادوگروں نے جواب دیا: "اس ذات کی قسم جس نے ہمیں پیدا کیا ہے، یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ اللہ کی روشن نشانیوں کے مقابلہ میں ہم تم کو ترجیح دیں، تم جو کرنا چاہو کر لو، تم صرف اسی دنیا کی زندگی کا فیصلہ کر سکتے ہو اور اللہ زیادہ اچھا ہے اور باقی رہنے والا ہے۔"

ابھی تھوڑی دیر پہلے ان جادوگروں کے ذہن وفکر کی پستی کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنے آبائی دین کی صداقت اور اس کی حقانیت ثابت کرنے کے لئے بڑے طمطراق سے اپنے گھروں سے چل کر آئے تھے اور فرعون سے خوشامدانہ انداز میں پوچھ رہے تھے کہ اگر ہم نے اپنے کو موسیٰ کے حملہ سے بچالیا تو سرکار سے ہمیں اس کا انعام تو ملے گا نا؟ اب ایمان کی دولت نصیب ہوئی تو ان کی حق پرستی اور اولوالعزمی اس حد تک پہنچ گئی اور وہ اتنے حوصلہ مند ہو گئے کہ فرعون ان کی نگاہ میں ہیچ ہو گیا اور اس جیسے ظالم و جابر کی پرواہ انہیں نہیں رہی، حتیٰ کہ فرعون کی طرف سے سخت ترین سزاؤں کی دھمکی بھی انہیں مرعوب نہ کر سکی۔ ابھی کچھ دیر پہلے وہ جس بادشاہ کے آگے لالچ کے مارے بچھے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جا رہے تھے، اب اس کی کبریائی اور جبروت کو ٹھوکر مار رہے ہیں اور ان بدترین سزاؤں کو بھگتنے کے لئے تیار ہیں جن کی وہ دھمکی دے رہا ہے، مگر اس حق کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہیں جن کی صداقت ان پر عیاں ہو چکی ہے۔

وہ کیا چیز تھی جس نے جادوگروں کو اچانک پستی سے بلندی اور بزدلی سے بہادری تک پہنچا دیا، وہ ایمان ویقین کی طاقت تھی، ان کی جھولی میں ایمان کی نعمت آ گئی تھی پھر انہیں انسانوں اور ان کی طرف سے عائد کردہ سزاؤں کا خوف کیوں کر ہو سکتا تھا۔

جب آدمی کو ایمان ویقین کی دولت مل جاتی ہے تو اسے اللہ کی نصرت پر کامل بھروسہ ہوتا ہے اور یہ بھروسہ اسے عزیمت کا ایسا فولاد بنا دیتا ہے کہ بڑے سے بڑے حادثے کا مقابلہ اس کے لئے آسان بن جاتا ہے۔ جس کا اعتماد خدائے لازوال پر ہو وہ ہر حال میں شجاعت وعزیمت کا چٹان بنا رہتا ہے، خواہ مادّی سہاروں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا ہو۔ اگر اللہ کی مدد کا یقین دلوں میں زندہ ہو تو آدمی کبھی مایوسی کا شکار نہیں ہو سکتا، وہ طاقتور دشمنوں میں گھر کر بھی عزم وہمت کی چٹان بنا رہے گا، قاتلوں اور غارت گروں اور جانی دشمنوں کے بیچ میں بھی وہ اس طرح زندہ اور سلامت نکل آئے گا جیسے وہاں کسی کا وجود ہی نہیں تھا، کیوں کہ تمام مادّی سہاروں سے زیادہ بڑی طاقت ایمان ویقین کی طاقت ہے۔

فرض کیجئے آپ کے گاؤں یا محلّہ میں کوئی تھانیدار آ جائے جو بالکل نہتہ ہو، نہ اس کے پاس ریوالور ہو نہ رائفل، مگر وہ اکیلا ہونے کے باوجود پورے گاؤں پر بھاری ہوگا، وہ ڈانٹے گا، گالیاں دے گا، دھمکیاں دے گا، آپ اتنی بڑی تعداد میں ہونے کے باوجود اس کے آگے بھیگی بلی بنے رہیں گے۔ وہ اکیلا ہونے کے باوجود اپنے آپ کو اتنا طاقتور کیوں سمجھتا ہے؟ اسی لئے نا کہ اسے یقین ہے کہ وہ حکومت کی ڈیوٹی پر ہے اور حکومت اس کے ساتھ ہے، یہ یقین اسے اتنا طاقتور بنا دیتی ہے کہ وہ اکیلا سو پر بھاری ہوتا ہے۔

اسی طرح ایمان ویقین کی دولت رکھنے والا، بے سروسامان ہونے کے باوجود اتنا طاقتور ہوتا ہے کہ اسے مصائب وآلام کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔

ایک واقعہ:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات میں سے ایک غزوہ ''ذاتِ الرقاع'' ہے جو

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۴ھ میں پیش آیا تھا۔ اس کا ایک واقعہ ہے کہ ایک شخص جس کا تعلق بنی غطفان کے ساتھ تھا اور جس کا نام غوث ابن الحارث تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے ارادہ سے نکلا اور وہاں پہنچا جہاں آپؐ اپنے صحابہؓ کے ساتھ پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے۔ اس مقام پر درخت اور جھاڑیاں تھیں۔ صحابہؓ جھاڑیوں کے سایہ میں لیٹے ہوئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک درخت کے نیچے آرام فرمارہے تھے اور اپنی تلوار آپؐ نے درخت کی شاخ سے لٹکا دی تھی۔ اتنے میں وہ شخص آپ کو تلاش کرتا ہوا وہاں پہنچا اور جب اس نے دیکھا کہ آپ تنہا لیٹے ہیں اور آپ کی تلوار بھی آپؐ سے الگ درخت کے اوپر لٹک رہی ہے تو اس نے بڑھ کر تلوار اپنے ہاتھ میں لے لی۔ پھر تلوار کھینچ کر آپ کی طرف بڑھا اور کہا: یا مُحَمَّدُ مَنْ یَمْنَعُکَ مِنِّیْ. اے محمد! تم کو مجھ سے کون بچائے گا؟ آپؐ نے فرمایا اللہ عزوجل۔ کافر نے تلوار ہلاتے ہوئے کہا: اپنی اس تلوار کی طرف دیکھو جو اس وقت میرے ہاتھ میں ہے، کیا تم کو اس سے ڈر نہیں معلوم ہوتا؟ آپؐ نے فرمایا نہیں، میں تم سے کیوں ڈروں جب کہ مجھے یقین ہے کہ اللہ مجھے بچائے گا۔ آپؐ کے اس پراعتماد جواب کے بعد کافر کو آپؐ پر حملہ کرنے کی جرأت نہیں ہوئی، جیسے اس کے بدن کی ساری طاقت ختم ہوگئی، اس کے جسم پر لرزہ طاری ہوگیا اور تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر گئی۔ اب آپؐ نے اسے بٹھایا اور لوگوں کو آواز دی، جب لوگ جمع ہوئے تو دیکھا کہ ایک اعرابی آپؐ کے پاس بیٹھا ہے، آپؐ نے پورا قصہ سنایا، غوث سہما ہوا تھا کہ شاید اب یہ تلوار میری گردن پر چلے گی، مگر آپؐ نے اسے چھوڑ دیا اور کوئی سزا نہ دی۔

جو لوگ اللہ پر بھروسہ کرلیں ان کو کسی دوسری چیز کا ڈر نہیں ہوتا، اللہ پر ایمان ان کو ہر دوسری طاقت کے مقابلہ میں نڈر بنا دیتا ہے۔

جب ایمان کمزور ہوتا ہے تب آدمی جزا و سزا کے تصور کو ذہن سے نکال دیتا ہے، تب وہ ہر معاملہ میں آخرت کو نظر انداز کیے رہتا ہے، اس پر فکر آخرت سے زیادہ فکر دنیا سوار رہتی ہے۔ وہ اُخروی مفاد پر دنیوی مفاد کو ترجیح دیتا ہے لیکن جب ایمان و یقین مضبوط ہوتا ہے تو اپنا ہر قدم اٹھانے سے پہلے آخرت کو ضرور سوچ لیتا ہے، وہ اپنے کاموں کا نقشہ بناتے وقت آخرت کو نہیں بھولتا۔ جب اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو یہ سوچ کر تڑپ اٹھتا ہے کہ جب معمولی تکلیف کا یہ عالم ہے تو آخرت کی تکلیف کیسے برداشت ہوگی؟ اور جب اسے کوئی آرام ملتا ہے تو یہ سوچ کر کانپ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اٹھتا ہے کہ معلوم نہیں آخرت میں کیا ہوگا، کیونکہ وہ آخرت کے آنے سے پہلے اسے اپنی یقین کی نگاہوں سے دیکھ لیتا ہے۔

۲۵/ذی الحجہ ۲۲ھ کو مدینہ میں فجر کی نماز شروع ہونے جا رہی تھی۔ امیر المومنین حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ امامت فرما رہے تھے۔ ایک کافر ابولولو فیروز، جو حضرت مغیرہؓ ابن شعبہ کا غلام تھا، جسے کسی بات پر حضرت عمرؓ سے شکایت ہوگئی تھی، اپنے کپڑوں میں خنجر چھپا کر آیا اور جیسے ہی حضرت عمرؓ نے نماز شروع کی، ان پر حملہ کر دیا، جس کے نتیجہ میں حضرت عمرؓ بری طرح زخمی ہو گئے۔ ابولولو حملہ کر کے بھاگا۔ جب نمازیوں نے اسے پکڑنا چاہا تو اسی جھونک میں اس نے بہت سے نمازیوں کو زخمی کر دیا۔ اچانک ایک مسلمان نے اپنا کمبل اس کے اوپر پھینک دیا۔ جب وہ اس میں الجھ گیا اور اسے اپنے پکڑے جانے کا یقین ہو گیا تو اس نے وہی خنجر اپنے پیٹ میں بھونک لیا اور وہیں مر گیا۔

زخم لگنے کے تیسرے دن یعنی ۲۷/ذی الحجہ ۲۲ھ کو امیر المومنین حضرت عمرؓ فاروق کی وفات ہوگئی۔ آپؓ کی آخری سانس آنے سے تھوڑی دیر پہلے کا واقعہ ہے، آپؓ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنے والد کے سر کو اپنے زانو پر رکھے ہوئے تھے، اچانک حضرت عمرؓ نے فرمایا اَلْصِقْ خَدِّیْ بِالْاَرْضِ یَا عَبْدَ اللّٰہِ۔ ''اے عبداللہ! میرے گالوں کو زمین پر رکھ دو'' بیٹے نے باپ کے حکم کی تعمیل کی اور حضرت عمرؓ کا چہرہ زمین پر رکھ دیا۔ تب حضرت عمرؓ نے کہا ''اے عمر! کاش کہ تو مٹی ہوتا، اے عمر! کاش کہ تیری ماں نے تجھے جنا نہ ہوتا، اے عمر! تیری ماں تجھے ضائع کرے اگر اللہ نے تیری مغفرت نہ کی'' یہ کہتے ہوئے آپؓ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

یہ واقعہ ہمیں بتاتا ہے کہ مومن، موت کے بعد آنے والی دنیا کو اسی دنیا میں دیکھ لیتا ہے اور اللہ کے عذاب کو دیکھے بغیر لرز جاتا ہے کیوں کہ اسے آخرت کے دن پر یقین کامل ہوتا ہے۔

الغرض، ایمان کمزور ہو تو راہِ خدا میں چند پیسے خرچ کرنا مشکل ہوتا ہے اور ایمان مضبوط ہو تو رضائے الٰہی کے لئے جان دیدینا آسان ہوتا ہے۔ ایمان نہ ہو تو نماز تک کی پابندی مشکل ہوتی ہے لیکن ایمان ہو تو راہِ حق میں انگاروں پر لیٹ جانا آسان ہوتا ہے۔ سچ ہے ؎

نہ ہو ایمان تو آنسو بہاتے بھی نہیں بنتا   جو ایماں ہو تو سر دینا بھی ہے آسان اے ساقی

دوسری جنگ عظیم میں جب اتحادیوں کے ذریعہ جرمنی کی شکستِ فاش ہوئی تو تمام نازی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیڈروں کو اسی برلن میں پھانسی دے دی گئی جس میں بیٹھ کر وہ ساری دنیا کے قتل کے منصوبے بنایا کرتے تھے۔ ہٹلر اور اس کے دست راست گوئرنگ نے تو خودکشی کر لی تھی۔ اس کے بعد بہت سے نازی لیڈر ایک ایک کر کے پھانسی کے تختہ پر لٹکا دیئے گئے یا انہیں گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا۔ یہ وہ لیڈر تھے جنہوں نے چالیس لاکھ یہودیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا اور مقتول بچوں، بوڑھوں، عورتوں، معذوروں اور بیمار لوگوں کی لاشوں سے اٹے ہوئے گڑھوں اور بیواؤں اور یتیموں کے غول دیکھ کر کبھی ان کے دل میں ہمدردی کے جذبات نہیں امڈے اور نہ ہی ان کا دل پسیجا۔ مگر جب یہی لیڈر پھانسی کے تختہ پر لائے گئے تو ان کے جسم کانپ رہے تھے۔ وہ کچھ کہنا چاہ رہے تھے مگر زبان ان کا ساتھ نہ دے رہی تھی۔ جن لوگوں نے دوسروں کی زندگیوں کو کھلونا بنا لیا تھا وہ اپنا بدترین انجام دیکھ کر پاگل ہو گئے تھے کیوں کہ انہیں صرف مادّی سہاروں پر بھروسہ تھا اور جس بہادری کا انحصار مادّی سہاروں پر ہو وہ اس وقت بزدلی میں تبدیل ہو جاتی ہے جب کہ مادّی سہارا اس سے چھن جائے۔ البتہ جسے اللہ پر یقین کامل ہو اور جس کا اعتماد خدائے لازوال پر ہو وہ ہر حال میں شجاعت وعزیمت کا مجسمہ ثابت ہوتا ہے۔

انسان کے دل میں جب ایمان راسخ ہو جاتا ہے تو وہ موت سے کبھی نہیں ڈرتا اور نہ موت سر پر آ جانے سے اسے کوئی گھبراہٹ ہوتی ہے کیوں کہ اسے یقین ہوتا ہے کہ اس کے لئے دوسرا گھر ہے جو اس کے دنیاوی گھر کے مقابلہ میں بلند مرتبہ اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔ اور وہاں کا آرام دنیا کے عیش وآرام کے مقابلہ میں بہتر اور وافر ہے۔ جس شخص کے خیالات یہ ہوں وہ دنیا کی جدائی سے کبھی نہیں گھبرائے گا۔

جبارؓ بن سلمیٰ ایک صحابی تھے۔ جب وہ اسلام لائے تو کسی نے ان سے پوچھا کہ آپ تو اپنے مذہب میں اتنے سخت تھے، پھر آبائی دین کو چھوڑ کر اسلام کیسے قبول کر لیا؟ انہوں نے کہا: ایک فقرہ میرے ایمان لانے کا سبب بن گیا۔ واقعہ یہ پیش آیا کہ میں نے ایک مسلمان (عامرؓ بن فہیرہ) کو نیزہ مارا اور وہ نیزہ ان کے ایک پہلو سے گھس کر دوسرے پہلو سے نکل گیا اور وہ تڑپ کر گر پڑے۔ زمین پر گرتے گرتے اور جان دیتے دیتے ان کی زبان سے ایک جملہ نکلا ''کعبہ کے رب کی قسم، میں تو کامیاب ہو گیا۔'' میں نے سوچا کامیابی کسے کہتے ہیں، کیا کامیابی کے دو معیار ہیں۔ ایک شخص جان کنی کے عالم میں ہے اور تھوڑی دیر میں وہ دنیا اور اس کی تمام نعمتوں سے محروم

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہو جائے گا، وہ جانتا ہے کہ اس کی بیوی بیوہ ہو جائے گی، اس کے بچے یتیم ہو جائیں گے پھر کس چیز کو دیکھ کر کہتا ہے کہ میں کامیاب ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ تمام دنیا کی ناکامیاں اس کے لئے جمع ہو گئی ہیں اور اس نے ہر چیز سے ہاتھ دھو لیا ہے، مگر ایسے وقت میں جب کوئی جھوٹ نہیں بول سکتا، کہتا ہے کہ میں کامیاب ہو گیا۔ میں نے لوگوں سے پوچھا کہ اس نے کیا دیکھ کر یہ جملہ کہا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ تم نہیں جانتے، اس کو خوشی تھی کہ میں نے حق کے لئے جان دی۔ یہ مسلمان اللہ، رسولؐ اور یوم آخرت پر پورا یقین رکھتے ہیں اور یہ جانتے ہیں کہ جو راہ خدا میں شہید ہوتے ہیں وہ جنت میں جاتے ہیں۔ اس زخمی مسلمان نے یقین کی نگاہوں سے جنت دیکھی ہوگی اور یہ یقین اس کے دل میں بیٹھا ہوگا کہ میں شہید ہو جاؤں گا تو جنت میں جاؤں گا تو اس نے کہا کہ میں کامیاب ہو گیا۔ جبارؓ بن سلمٰی کہتے ہیں کہ اس جملہ نے میرے دل کو پکڑ لیا اور مجھے کھینچ کر دائرۂ اسلام میں لے آیا۔

ایمان، انسان کی سیرت و کردار میں حیرت انگیز تبدیلی پیدا کر دیتا ہے۔ چنانچہ تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے عرب کے لوگ بداخلاقی، بدکرداری اور بدعملی کی انتہا کو پہنچ گئے تھے، مگر ایمان لانے کے بعد ان کی ایسی کایا پلٹی اور ان کے اندر ایسا انقلاب رونما ہوا کہ جو جھوٹے تھے وہ سچے بن گئے، جو ظالم تھے وہ عادل بن گئے، جو چور اور ڈاکو تھے وہ دوسروں کے محافظ ہو گئے۔ اسلام سے پہلے بت پرستی کا یہ عالم تھا کہ اللہ کے پاک گھر خانۂ کعبہ میں تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے جن کی پوجا ہوتی تھی، مگر ایمان کی دولت پا کر ایمان والوں نے ہر طرح کے بتوں کو توڑ ڈالا جنہیں وہ اور ان کے آباء واجداد صدیوں سے پوجتے چلے آ رہے تھے۔ اسلام سے پہلے عربوں میں حسب ونسب پر فخر کرنے کا عام رواج تھا مگر ایمان لانے کے بعد ایمان والوں میں ذات پات کا امتیاز باقی نہیں رہا۔ اسلام سے پہلے لوگ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے، بات بات پر لڑائی شروع ہو جاتی اور انسانی خون پانی کی طرح بہنے لگتا، لیکن ایمان لانے کے بعد لوگ ایک دوسرے کے بھائی بن گئے۔ ان میں الفت ومحبت پیدا ہو گئی۔ عربوں میں شراب پینے کا بہت رواج تھا۔ ؎ ''شراب ان کی گھٹی میں گویا پڑی تھی'' لیکن جب شراب کی حرمت کی آیت نازل ہوئی تو ایمان والوں نے شراب کو گھر سے نکال کر پھینک دیا اور پوری زندگی اسے ہاتھ نہیں لگایا۔ اسلام میں زنا کے لئے سخت ترین سزا کی وعید ہے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور یہ حکم ہے کہ اگر کوئی شادی شدہ زنا کا مرتکب ہو تو اسے سنگسار کر دیا جائے اور شادی شدہ نہیں ہے تو اسے کوڑے مارے جائیں۔ مگر ایمان والوں کا یہ حال تھا کہ اگر کبھی ان سے یہ گناہ ہو گیا تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! ہم پر حد لگایئے تا کہ ہم اس گناہ سے پاک ہو جائیں۔ چنانچہ ان پر حد لگائی گئی۔ یہ سب قوتِ ایمانی کی بنا پر تھا۔

انسان کے اقوال و افعال پر بھی ایمان کے زبردست اثرات پڑتے ہیں۔ جو شخص سچے دل سے اللہ پر ایمان رکھتا ہو، اسی کو روزی کے خزانوں کا مالک سمجھتا ہو، وہ کبھی اس غم میں مبتلا نہیں ہو سکتا جس میں خدا بیزار اور منکرینِ خدا لوگ مبتلا ہوتے ہیں۔ اسے کشادہ رزق ملے گا، اس کے پاس دولت کی فراوانی ہو گی تو وہ پھولے گا نہیں بلکہ شکر خداوندی بجا لائے گا، خلق خدا کے ساتھ تواضع اور فیاضی سے پیش آئے گا اور اللہ کے دیئے ہوئے مال کو اس کی راہ میں خرچ کرنے سے دریغ نہیں کرے گا کیوں کہ وہ اعتقاد رکھے گا کہ وہ جو کچھ خرچ کرے گا اس کا بدلہ اللہ کے یہاں ضرور ملے گا۔ تنگی کے ساتھ روزی ملے یا فاقہ کی نوبت آ جائے تب بھی وہ صبر سے کام لے گا، دیانت داری، امانت داری اور خودداری کو ہاتھ سے نہیں جانے دے گا اور زندگی کی آخری سانس تک اللہ کے فضل و کرم کی آس لگائے رکھے گا۔ یہ بلند اخلاقی نہ کسی دہریئے کو نصیب ہو سکتی ہے نہ مشرک کو۔ یہ اخلاقی بلندی صرف مومن ہی کے حصہ میں آتی ہے۔

ایمان کامل کے نتیجہ میں صحیح افعال صادر ہونے لگتے ہیں اور اچھے اوصاف پیدا ہونے لگتے ہیں۔ مثلاً خرچ کرنے میں فراخ دلی، صدقات و خیرات، جرأت مندی، دلیری اور شجاعت وغیرہ۔

ایمان، سوسائٹی کے ہر فرد کو صحیح نقطۂ نظر دیتا ہے اور ہر ہر فرد میں سنجیدگی پیدا کرتا ہے۔ اس لئے وہ ہر شخص کو اس قابل بناتا ہے کہ وہ کرے جو بحیثیت مجموعی پوری انسانیت کے لئے مفید ہو۔ اور وہ نہ کرے جو انسانیت کے لئے مضر ہو۔

احساسِ محرومی ایک ایسی چیز ہے جو آدمی کو مستقل طور پر غیر مطمئن رکھتی ہے۔ وہ اس خیال میں رہتا ہے کہ اسے جو کچھ پانا چاہئے ابھی تک نہیں پا سکا ہے۔ اکثر حالات میں یہی احساس محرومی ہر طرح کی سماجی برائیوں کا سبب ہے۔ سماج کے اندر ظلم و فساد کی حقیقت دوسرے لفظوں میں یہ ہے کہ آدمی اپنی بےچینی اور نفسیاتی جھنکوار کو دوسروں پر انڈیل دینا چاہتا ہے۔ ایک آدمی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اپنی محروم خواہشوں کی تکمیل کے لئے دوسروں کی بربادی کے منصوبے بناتا ہے، لیکن اگر ایمان کامل اس کے دل میں اتر جائے تو اس کے بعد وہ تمام نفسیاتی پیچیدگیوں سے آزاد روح بن جاتا ہے، اس کے بعد اگر اس کے پاس کم ہو تو اس کے اندر احساس کمتری اور اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی برائیاں پیدا نہیں ہوتیں۔ اگر اس کے پاس زیادہ ہو تو وہ احساسِ برتری کے اندر مبتلا نہیں ہوتا، وہ ہر حال میں ایک معتدل انسان رہتا ہے اور یقینی طور پر یہی وہ چیز ہے جو کسی شخص کو محبوب سماجی فرد بناتی ہے۔

دوسری چیز احساسِ ذمہ داری ہے۔ یہ احساس اسی وقت پیدا ہوتا ہے جب کہ آدمی یہ محسوس کرے کہ اس کے اوپر کوئی طاقت ہے جو اس کو اپنی پکڑ میں لے سکتی ہے۔ اس طرح اللہ کے سامنے جواب دہی کا احساس، انسان کو اس بات پر مجبور کرتا ہے کہ وہ ہر حال میں سچائی پر قائم رہے۔

انسان سب برابر نہیں ہیں۔ کوئی کمزور ہے تو کوئی طاقت ور، اسی فرق کی وجہ سے ہر قسم کا ظلم وفساد پیدا ہوتا ہے۔ جو طاقت ور ہوتا ہے وہ کمزور پر چڑھ دوڑتا ہے۔ لیکن ایمان اس برائی کی جڑ کاٹ دیتا ہے۔ کیوں کہ وہ بتاتا ہے کہ اصل معاملہ انسان اور انسان کے درمیان نہیں، اصل معاملہ اللہ اور انسان کے درمیان ہے۔ یہاں ایک طرف اللہ ہے جو تمام قوتوں کا مالک ہے تو دوسری طرف انسان ہے جس کو اللہ کے مقابلہ میں کوئی طاقت حاصل نہیں ہے۔ ایمان آدمی کے ذہن کو یکسر بدل دیتا ہے، اس لئے کہ مومن اپنے معاملہ کو دوسرے انسانوں کی نسبت سے دیکھنے کے بجائے اللہ کی نسبت سے دیکھنے لگتا ہے کیوں کہ آخر کار جس سے معاملہ پیش آنے والا ہے وہ اللہ ہی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی کے اندر سے تمام ظالمانہ خواہشیں ختم ہونے لگتی ہیں اور وہ اپنی حقیقی سطح پر آجاتا ہے۔ دراصل حقیقت پسندی ہی میں زندگی کی اصلاح کا سب سے بڑا راز ہے اور یہ حقیقت پسندی صرف ایمان ہی سے حاصل ہوسکتی ہے۔

ایک مثال:

اگر آپ کسی تیز رفتار ٹرک پر سوار ہو کر سفر کریں تو سڑک پر دوڑتا ہوا ٹرک آپ کو بار بار جھٹکے دے گا جس کے نتیجے میں آپ کو برابر چوٹ محسوس ہوگی۔ اس کے برخلاف آپ اگر کسی اچھی کار پر سوار ہوں تو وہ جھٹکے اور چوٹ نہیں پہنچائے گی۔ آپ اس پر آرام سے سفر کرسکیں گے۔ اس

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فرق کی وجہ یہ ہے کہ کار کے پہیوں کے ساتھ ایک اچھے قسم کی اسپرنگ لگی ہوتی ہے جو کار کے تمام جھٹکوں کو خود سہ لیتی ہے دوسروں کی طرف نہیں جانے دیتی۔ لیکن ٹرک کے پہیوں کے ساتھ لگی ہوئی اسپرنگ اتنی کمزور ہوتی ہے کہ وہ کسی قسم کے جھٹکے کو خود نہیں سہ پاتی ہے اور سواریوں کی طرف منتقل کر دیتی ہے۔ ایمان والے بندوں کی مثال اچھی کار جیسی ہوتی ہے یہ لوگ ہر طرح کے نفسیاتی جھٹکوں کو خود برداشت کر لیتے ہیں۔ دوسروں کی طرف منتقل نہیں ہونے دیتے۔ لیکن جو لوگ دولت ایمان سے محروم ہوں ان کی مثال ٹرک جیسی ہے۔ اس قسم کے لوگ کسی قسم کے نفسیاتی جھٹکوں کو برداشت کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے بلکہ دوسروں کی طرف منتقل کرتے رہتے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے انہیں یعقوب علیہ السلام سے جدا کر دیا۔ اس کے بعد ان کے بھائی بنیامین بھی اسی طرح کے حالات کا شکار ہوئے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے لئے ان کے دونوں بیٹوں کی جدائی سخت ترین صدمہ کا سبب بنی یہاں تک کہ روتے روتے ان کی آنکھوں کی پتلیاں سفید ہو گئیں۔ اس ناخوشگوار واقعہ کے بعد قدرتی طور پر حضرت یعقوب علیہ السلام کے دل میں شدید جذبات پیدا ہوئے، مگر آپ نے ان جذبات کا نشانہ حضرت یوسف علیہ السلام کے ان بھائیوں کو نہیں بنایا، جنہوں نے عزیز بیٹے کو ان سے جدا کر دیا تھا، بلکہ آپؑ نے اپنے جذبات کے ہجوم کو اللہ کی طرف موڑ دیا اور کہا اِنَّمَا اَشْكُوْا بَثِّي وَ حُزْنِيٓ اِلَى اللّٰهِ. یعنی ”میں اپنی پریشانی اور اپنے غم کی فریاد اللہ کے سوا کسی سے نہیں کرتا۔“

حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں اسلامی جنرل حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو معزول کر دیا۔ یہ حضرت خالدؓ جیسے شخص کے لئے زبردست جھٹکا تھا، مگر انہوں نے اپنے تمام جذبات کو اللہ کی طرف موڑ دیا اور کہا اِنِّي لَا اُقَاتِلُ فِي سَبِيْلِ عُمَرَ وَلٰكِنْ اُقَاتِلُ فِي سَبِيْلِ رَبِّ عُمَرَ. یعنی ”میں عمرؓ کے راستے میں نہیں لڑتا بلکہ اللہ کے راستے میں لڑتا ہوں۔“

یہی وہ جذبہ ہے جس کی وجہ سے آدمی اپنی شکایات کی تلافی کے لئے اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ کیوں کہ اس نے جو کچھ انسان سے نہیں پایا وہ خدا سے پانے کی امید کر لیتا ہے۔ اس طرح اس کے منفی جذبات اپنے ہم جنسوں کی طرف مڑنے کے بجائے اللہ کی طرف مڑ جاتے ہیں اور بلاشبہ اس قسم کے جذبات عقیدۂ خدا و عقیدۂ آخرت کی دین ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جارج برناڈ شا نے بجا طور پر کہا تھا کہ ”محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو جس چیز نے محمدؐ بنایا وہ اللہ پر ایمان تھا۔ آپؐ کی زندگی مومن کامل کا نمونہ تھی۔ آج دنیا میں اگر صحیح طور پر خدا کو ماننے والے پیدا ہو جائیں تو یقیناً دنیا میں امن قائم ہو جائے گا جس کی آج دنیا کو سب سے زیادہ ضرورت ہے۔“

دنیا میں ہر روز خودکشی کے واقعات ہوتے ہیں۔ خودکشی کے ان واقعات کی اصلی وجہ ہوتی ہے موجودہ دنیا میں اپنی آرزوؤں کی تکمیل سے مایوسی۔ مگر تاریخ میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ اللہ پر سچا عقیدہ رکھنے والوں نے خودکشی کی ہو۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ اللہ کا عقیدہ آدمی کو موجودہ دنیا میں اور اس کے بعد آنے والی دنیا میں امید عطا کرتا ہے، کیونکہ اللہ کی اسکیم میں زندگی صرف موجودہ دنیا کی زندگی نہیں ہے بلکہ وہ موت کے بعد بھی جاری رہتی ہے۔ اللہ پر ایمان رکھنے والے کو اگر اس دنیا میں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ آئندہ یعنی موت کے بعد آنے والی زندگی سے لو لگا لیتا ہے۔ وہ انسانوں کی دنیا سے مایوس ہو کر اللہ کی دنیا کو اپنی توجہ کا مرکز بنا لیتا ہے۔

ایمان و یقین کے نتیجہ میں انسان کو بصیرت و شعور حاصل ہوتا ہے۔ ایمانِ کامل کی حیثیت ایسی ہے جیسے اندھیرے کمرہ میں بجلی کا جل جانا، بلب پورے کمرہ کو اس طرح روشن کر دیتا ہے کہ اس کی ہر چیز واضح طور پر دکھائی دینے لگے۔ اسی طرح ایمان آدمی کو ربانی شعور عطا کرتا ہے جس کے بعد وہ تمام حقیقتوں کو ان کی اصلی صورت میں دیکھنے لگتا ہے۔ ایمان و یقین کے نتیجہ میں آدمی زندگی اور موت کی حقیقت کو سمجھ لیتا ہے۔ وہ جان لیتا ہے کہ اصل چیز حیات دنیا نہیں بلکہ حیاتِ آخرت ہے۔ یہ چیز اس کو بے پناہ حد تک نڈر بنا دیتی ہے، وہ موت کو اس نظر سے دیکھنے لگتا ہے کہ وہ اس کے لئے جنت میں داخلے کا دروازہ ہے۔ مومن شہادت کو جنت کا مختصر راستہ سمجھتا ہے۔ اللہ کی راہ میں جان دینا اس کے لئے مطلوب چیز بن جاتا ہے۔ جب کہ غیر مومن کی جنت یہی موجودہ دنیا ہے۔ وہ زندہ رہنا چاہتا ہے تا کہ اپنی جنت کا لطف اٹھا سکے۔

لڑائی اور مقابلہ کے وقت غیر مومن قومی اور وطنی شعور کے ساتھ لڑتا ہے اور مومن جنتی شعور کے ساتھ۔ اور قومی شعور کے ساتھ لڑنے والا اتنی بے جگری کے ساتھ نہیں لڑ سکتا ہے جتنی بے جگری کے ساتھ جنتی شعور والا لڑ سکتا ہے۔

مومن اللہ سے ڈرنے والا ہوتا ہے۔ وہ آخرت کی فکر کرنے والا ہوتا ہے۔ یہ مزاج اس کو

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہر قسم کے منفی جذبات سے پاک کرتا ہے، وہ ضد، تعصب، انتقام اور گھمنڈ جیسی چیزوں سے اوپر اٹھ جاتا ہے۔ دوسری طرف غیر مومن کا معاملہ سراسر اس کے برعکس ہوتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ غیر مومن کے اقدام منفی نفسیات کے تحت ہوتے ہیں اور مومن کے اقدام ایجابی نفسیات کے تحت۔ غیر مومن جذباتی انداز سے عمل کرتا ہے اور مومن حقیقت پسندانہ انداز سے۔ غیر مومن انسانوں کا دشمن ہوتا ہے اور مومن صرف انسانوں کی برائی کا۔ غیر مومن تنگ ظرفی کے ساتھ معاملہ کرتا ہے اور مومن وسعتِ ظرف کے ساتھ۔

چنانچہ تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ مسلمان اپنے ایمان اور عقیدہ کی صحت کی وجہ سے پہلی تین صدیوں میں، جب کہ ان کی سرگرمیوں کا آغاز ہوا تھا، اپنی بے مثال شجاعت اور استقلال کے ساتھ آگے بڑھے، دنیا کے مشرق و مغرب میں دور دور کے ممالک تک انہوں نے پیش قدمی کی۔ وہ قیادت کے منصب پر فائز ہو گئے حتیٰ کہ وہ نہایت مختصر مدت میں اس قابل ہو گئے کہ قیصر و کسریٰ کے تخت ان کے قبضہ میں آ گئے۔ حالاں کہ یہ قومیں طاقت و تمدن، نظامِ حکومت، عددی قوت اور سروسامانی کے لحاظ سے انتہائی ترقی یافتہ تھیں۔

مسلمان جو میدان جنگ میں بے خطر کود پڑتے تھے اور بڑے سے بڑے خطرات کی پرواہ نہیں کرتے تھے، اس کی وجہ سوائے اس کے کچھ نہیں تھی کہ ان کا ایمان و یقین مستحکم تھا۔ ان کو یقین کامل تھا کہ کوئی متنفس اپنا رزق پورا کیے بغیر نہیں مرتا، اس اعتقاد نے ان کے قدم جما دیے تھے۔ حالاں کہ دشمن کے لشکر کے سامنے ان کی تعداد کم تھی اور وسائل بھی کم تھے۔ بارہا ایسا ہوا کہ دشمن کے لشکر کا یہ حال تھا کہ ان کی کثرت سے فضا بھر گئی تھی اور زمین و آسمان ان کی کثافتوں سے غبار آلود ہو گئے تھے، لیکن مسلمانوں نے اپنی قوت ایمانی کے سبب انہیں ہٹا دیا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ موجودہ دور میں مسلمانوں کی عملی کوتاہی اپنی انتہا کو پہنچ گئی ہے۔ لیکن جب ہم صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ ان کا جذبۂ عمل اپنی انتہا کو پہنچا ہوا تھا۔ حالاں کہ وہ مسلمان تھے اور ہم بھی خود کو مسلمان کہتے ہیں، وہ جس قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے ہم بھی اپنی نمازیں اسی قبلہ کی طرف رخ کر کے ادا کرتے ہیں، وہ جس رسولؐ کے امتی تھے ہم بھی خود کو اسی رسول کا امتی بتلاتے ہیں، وہ جس دین کے پیرو کار تھے ہم بھی اسی دین کے پیروکار ہونے کا دعویٰ کرتے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں، وہ جس قرآن کے ماننے والے تھے ہم بھی اسی قرآن کے ماننے والے ہیں، پھر آخر کیا وجہ ہے کہ وہ اللہ کی رضا کے لئے اور دین کی سربلندی کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دینے کے لئے تیار رہتے تھے مگر ہم راہِ خدا میں معمولی سی تکلیف گوارہ نہیں کر پاتے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان کا ایمان و یقین مضبوط تھا۔ انہیں اللہ اور اس کے رسول کے وعدوں اور باتوں پر کس طرح یقین کامل تھا اسے سمجھانے کے لئے اسلامی تاریخ کے دو اہم واقعات آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک بیٹے کا نام ابراہیمؑ تھا۔ یہ حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے ۹ھ میں پیدا ہوئے تھے اور صرف ڈیڑھ سال کی عمر پا کر ۱۰ھ میں وفات پا گئے تھے۔ جب ان کا انتقال ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انہیں دفنا کر لوٹے تو آپؐ نے دیکھا کہ بیٹے کی جدائی میں حضرت ماریہؓ زاروقطار رو رہی ہیں۔ آپؐ نے پوچھا مَا یُبْکِیْکِ یَا مَارِیَۃُ۔ ''اے ماریہ! تمہیں کس چیز نے رلایا؟'' انہوں نے جواب دیا، ''یا رسول اللہ، میں اس بات پر رو رہی ہوں کہ میرا اکلوتا معصوم بیٹا اس حال میں دنیا سے رخصت ہو گیا کہ اس کی جھولیاں نیکیوں سے خالی ہیں۔ کاش میرا بیٹا کچھ دن زندہ رہتا، نمازیں پڑھتا، روزے رکھتا، جہاد کرتا اور نیکیاں لے کر اللہ کے پاس جاتا۔ میرے رونے کی وجہ یہی ہے کہ میرا لخت جگر خالی ہاتھ دنیا سے چلا گیا۔'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ماریہؓ! تم ایسی باتیں کر رہی ہو حالاں کہ تمہارے بچے ابراہیمؑ کو جنت کی حوریں اپنی گود میں جھولا جھلا رہی ہیں اور اگر تمہیں اس بات پر یقین نہ آئے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں کہ آسمان کے پردے پھٹ جائیں اور تم اسی دنیا میں اپنی آنکھوں سے دیکھ لو۔'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بات کو سن کر حضرت ماریہ مسکرانے لگیں اور بیٹے کی جدائی کے غم میں ان کی آنکھوں سے بہنے والے آنسو تھم گئے۔ انہوں نے کہا ''یا رسول اللہ! بس کیجئے میرا سارا غم غلط ہو گیا، مجھے آپؐ کی باتوں پر اس قدر ایمان و یقین ہے کہ معلوم ہو رہا ہے کہ آسمان کے پردے پھٹ چکے ہیں اور میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی ہوں کہ میرا بیٹا جنت کی حوروں کی گود میں جھولا جھول رہا ہے۔''

عرب میں جانوروں کے بازار لگتے تھے، اسی طرح کے ایک بازار میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک گھوڑے کی خریداری کے لئے تشریف لے گئے۔ ایک بدوی کا گھوڑا آپ کو پسند آ گیا،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آپؐ نے اسے خرید لیا اور بدوی سے فرمایا کہ میرے ساتھ چلو اور قیمت گھر پر لے لو، آپؐ بدوی کے ساتھ چلے، گھوڑا بھی ساتھ تھا۔ راستہ میں آپؐ نے اس سے کہا کہ اگر تم اجازت دیدو تو میں گھوڑے پر سوار ہو جاؤں۔ اس نے کہا گھوڑا تو میں آپؐ کے ہاتھ بیچ چکا ہوں پھر آپ کو سواری سے کیسے روک سکتا ہوں۔ آپؐ گھوڑے پر سوار ہو گئے، گھوڑا تیز رفتار تھا اس لئے آپؐ بدوی سے آگے نکل گئے۔ گھوڑے کی اس نمایاں تیز رفتاری کو دیکھ کر ایک دوسرے گاہک نے گھوڑے کا زیادہ دام لگا دیا۔ بدوی کے دل میں لالچ پیدا ہو گئی، اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آواز دی اور کہا، گھوڑا خریدو گے یا میں اسے دوسرے کے ہاتھ بیچ دوں؟ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تو اسے خرید چکا ہوں، اس نے کہا تمہارا دعویٰ جھوٹا ہے، اگر واقعی تم اسے خرید چکے ہو تو کوئی گواہ لاؤ جس کے سامنے خرید و فروخت کا معاہدہ ہوا ہے۔ حالاں کہ جب معاملہ طے ہوا تھا تو وہاں کوئی گواہ نہیں تھا۔ لوگوں نے بہت سمجھایا مگر وہ نہیں مانا اور برابر گواہی لانے پر اصرار کرتا رہا۔ اسی درمیان ایک صحابی حضرت ابو خزیمہ انصاری رضی اللہ عنہ آ گئے۔ انہوں نے یہ ماجرا سنا تو کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اس بدوی نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ گھوڑا بیچ دیا ہے۔ اس طرح گواہی ملنے پر بدوی لاجواب ہو گیا اور گھوڑا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مل گیا۔ آپؐ نے ابو خزیمہؓ سے پوچھا کہ جب تم معاملہ کرتے وقت میرے ساتھ نہیں تھے تو تم نے کیسے گواہی دی؟ انہوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ جب ہمیں خبر دیتے ہیں کہ اللہ ہے اور وہ ایک ہے تو ہم گواہی دیتے ہیں کہ واقعی اللہ ہے۔ آپؐ نے جب ہم کو بتایا کہ ایک دن دنیا فنا ہو جائے گی، سب مردے زندہ کئے جائیں گے، نیکی بدی تولی جائے گی، نیک لوگ جنت میں جائیں گے اور برے لوگ جہنم میں ڈالے جائیں گے تو ہم نے ان باتوں کو بن دیکھے سچ مانا اور ہمیں پورا یقین ہے کہ یہ سب کچھ ضرور ہوگا۔ اسی طرح آپؐ سے سن کر ہم اس کی بھی گواہی دیتے ہیں کہ آپؐ نے گھوڑا ضرور خریدا ہے اور یہ بدوی جھوٹ بول رہا ہے۔

ایمان آدمی کو حوصلہ مند اور غیور بناتا ہے۔ جس کے اندر ایمانی غیرت ہوتی ہے وہ قوم و ملت کے خلاف ہونے والے معمولی واقعہ پر تڑپ اٹھتا ہے۔

جنگ قادسیہ ۱۴ھ میں ہوئی، اس کے واقعات میں ایک واقعہ یہ ہے کہ حضرت سعدؓ بن وقاص کی فوج میں ایک شخص ابو محجن ثقفی تھے۔ وہ بڑے بہادر، نڈر، جری اور بے باک تھے، مگر کبھی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کبھی شراب پی لیا کرتے تھے جس کی وجہ سے انہیں کوڑے لگتے تھے۔ آخر کار حضرت سعدؓ نے انہیں بیڑیاں پہنا کر ایک خیمہ میں قید کر دیا۔ ایک روز حضرت سعدؓ کی طبیعت خراب تھی اور وہ اپنے خیمہ کے پاس بلندی پر بیٹھ کر فوج کو ہدایات دے رہے تھے۔ اس دن ایرانی فوج کا زور بہت زیادہ تھا اور مسلمان انہیں پسپا کرنے میں کامیاب نہیں ہو رہے تھے۔ ابو محجن بیڑیاں پہنے ہوئے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے دکھ کے عالم میں کہا کہ ''غمگین ہونے کے لئے یہ کافی ہے کہ سوار نیزوں کے ساتھ جنگ میں شریک ہوں اور مجھے بیڑیوں میں باندھ کر چھوڑ دیا جائے۔''

انہوں نے حضرت سعدؓ کی بیوی کے پاس ایک باندی کے ذریعہ یہ پیغام بھیجا کہ آج میری بیڑیاں کھول دو اور مجھ کو سعد کا گھوڑا اور ہتھیار دے دو۔ اگر میں زندہ رہا تو ابو محجن پہلا شخص ہوگا جو تمہاری طرف لوٹ آئے گا اور دوبارہ بیڑیاں پہن لے گا۔ حضرت سعدؓ کی بیوی کو یہ پیغام ملا تو انہوں نے ابو محجن کی بیڑیاں کھلوا دیں اور گھوڑا اور ہتھیار بھی ان کے حوالے کر دیا۔ اب وہ گھوڑا دوڑاتے ہوئے نکلے اور مسلمانوں کے لشکر میں جا کر شامل ہو گئے۔ وہ اتنی بے جگری کے ساتھ لڑے کہ جدھر گھستے دشمنوں کا صفایا کر دیتے۔ حضرت سعدؓ انہیں دور سے دیکھ رہے تھے اور تعجب کر رہے تھے کہ یہ سوار کون ہے؟ بالآخر مسلمانوں کو کامیابی ملی۔ ابو محجن فوراً لوٹے اور گھوڑا اور ہتھیار واپس کر کے دوبارہ بیڑیاں پہن لیں۔ حضرت سعدؓ شام کو گھر آئے تو ان کی بیوی نے پوچھا کہ آج تمہاری جنگ کیسی رہی؟ انہوں نے کہا کہ آج کی لڑائی بہت سخت تھی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ایک شخص کو چتکبرے گھوڑے پر سوار کر کے بھیج دیا اور اس نے میدان میں گھستے ہی جنگ کا پانسہ پلٹ دیا۔ اگر میں ابو محجن نے کو زنجیروں میں باندھا نہ ہوتا تو میں سمجھتا کہ یہ ابو محجن کے حملے ہیں۔ بیوی نے کہا خدا کی قسم وہ ابو محجن ہی تھے۔ اس کے بعد انہوں نے سارا واقعہ بتایا۔ حضرت سعدؓ نے ابو محجن کو بلایا اور ان کی زنجیریں کھول دیں اور کہا: اللہ کی قسم اب شراب پینے پر تم کو سزا نہیں دوں گا۔ ابو محجن نے کہا میں اب کبھی شراب نہیں پیوں گا۔

جب ایمانی غیرت بیدار ہوتی ہے تو آدمی معمولی سے واقعہ پر تڑپ اٹھتا ہے مگر جو شخص غیرت ایمانی سے خالی ہو، اسے راہِ راست پر لانے کے لئے بڑی سے بڑی تدبیریں اور دلائل کئے انبار بھی ناکافی ہوتے ہیں۔

یہ جذبہ کو آپ دیکھیں تو مختلف اوقات میں مختلف سرگرمیوں میں دکھائی دے گا۔ کہیں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خاموش، نہیں بولتا ہوا، نہیں خرچ کرتا ہوا، نہیں کسی سے بحث کرتا ہوا۔ تاہم اس کی بظاہر تمام تر سرگرمیوں کا حاصل صرف ایک ہے، دولتِ دنیا حاصل کرنا۔ اسی طرح ایک مومن مختلف وقتوں میں بظاہر مختلف عبادات واعمال میں لگا رہتا ہے مگر ان سب کا مقصد ایک ہوتا ہے، دولتِ آخرت پانا۔ گویا ہر مومن کا مطلوب ومقصود اور اس کی تمام تر مساعی اور جد وجہد کا مقصد فلاحِ آخرت اور حصولِ جنت ہے۔

لیکن آخرت انہی لوگوں کی کامیاب ہوگی، میدان حشر میں نجات یافتہ اور مستحقین جنت وہی لوگ ہوں گے جو دنیا کی زندگی میں سیدھے راستہ پر چلے، ہر کام اور ہر معاملہ میں انہوں نے صحیح رویہ اختیار کیا اور باطل طریقوں اور خلافِ سنت کاموں کو ترک کر دیا۔

مگر زندگی کے ہر موڑ پر ان کو صحیح اور غلط، حق و باطل، راست و ناراست کی تمیز اور پھر اس تمیز کے مطابق راست روی پر ثبات اور کج روی سے پرہیز کی طاقت اللہ ہی کی طرف سے ملتی ہے، بغیر اس کی مدد کے نہ تو کوئی شخص صحیح اور غلط کی تمیز کر سکتا ہے اور نہ ہی وہ برے کاموں اور غلط راہوں سے بچ سکتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ہدایت وتوفیق ایمان ہی کی وجہ سے ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سورۂ یونس میں فرماتا ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یَهْدِیْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِیْمَانِهِمْ ”بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے انہیں ان کا رب ان کے ایمان کی وجہ سے سیدھی راہ چلائے گا۔“

بلکہ پورے قرآن کو ایمان والوں کے لئے ہدایت وبشارت بتایا گیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِیْنَ. ”یہ (قرآن) ایمان والوں کے لئے ہدایت اور کامیابی بن کر آیا ہے۔“

انسان کی اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے، جہاں اسے ہمیشہ رہنا ہے۔ اس لئے آخرت کی کامیابی ہی انسان کی اصل کامیابی ہے اور آخرت کی کامیابی کا انحصار تمام تر ایمان اور عمل صالح پر موقوف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن میں مختلف جگہوں پر ایمان ویقین والوں کے لئے اخروی کامیابی کی ضمانت دی گئی ہے۔ مثلاً سورۂ کہف میں ارشاد ہوا:

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا. خٰلِدِیْنَ فِیْهَا لَا یَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ”بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میز بانی کے لئے فردوس کے باغ ہوں گے جن میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے اور کبھی اس جگہ سے نکل کر کہیں جانے کو ان کا جی نہ چاہے گا۔''

سورۂ ابراہیم میں فرمایا گیا: یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ فِی الْاٰخِرَةِ ''ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ ایک ثابت قول کی بنیاد پر ثابت قدم رکھتا ہے۔''

سورۂ احزاب کی آیت ہے: بَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ بِاَنَّ لَهُمْ فَضْلًا كَبِیْرًا ''ایمان والوں کو خوشخبری سنا دیجئے کہ ان کے لئے اللہ کے یہاں بہت بڑا فضل ہے۔''

یہی نہیں بلکہ قرآنی تعلیمات کے بموجب، انسان کی دنیوی کامیابی کی ضمانت بھی ایمان پر موقوف ہے اور مومنوں کے لئے فلاحِ آخرت کے ساتھ فلاحِ دنیا کا بھی کھلا وعدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے بارے میں فرماتا ہے: وَكَانَ حَقًّا عَلَیْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ. یعنی ''ایمان والوں کی مدد کرنا ہم پر لازم ہے۔''

سورۂ یونس میں ارشاد ہوا۔ اَلَا اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ. اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا یَتَّقُوْنَ. لَهُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ فِی الْاٰخِرَةِ. یعنی ''بے شک اللہ کے دوست، جو ایمان لائے اور جنہوں نے تقویٰ کی روش اختیار کی، ان کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقع نہیں ہے، دنیا اور آخرت دونوں زندگیوں میں ان کے لیے بشارت ہی بشارت ہے۔''

سورۂ نور میں ارشاد ہوتا ہے۔ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَ لَیُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِیْنَهُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَهُمْ وَ لَیُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا. یعنی ''اللہ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ ان کو اسی طرح زمین کا خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے گذرے ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے اور ان کے لئے ان کے اس دین کو مضبوط بنیادوں پر قائم کر دے گا جسے اس نے ان کے حق میں پسند کیا ہے اور ان کی (موجودہ) حالتِ خوف کو امن سے بدل دے گا۔''

سورۂ اعراف میں فرمایا۔ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰی اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَیْهِمْ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بـرکـت مِنَ السَّماءِ وَ الْاَرْض. یعنی ''اگر بستیوں کے لوگ ایمان لاتے اور تقویٰ کی روش اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمانوں اور زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔''

سورۂ منافقون میں ارشاد ہوتا ہے: وَلِلّٰہِ الْعِزَّۃُ وَ لِرَسُوْلِہٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ. یعنی ''دراصل عزت تو اللہ اور اس کے رسولؐ اور ایمان والوں کے لئے ہے۔''

ایمان والوں کے تحفظ، ان کی سلامتی، ان کی سالمیت، ان کی بقا اور ان کی فلاح کی ضمانت دیتے ہوئے سورۂ آل عمران میں یوں فرمایا: وَلَاتَھِنُوْا وَلَاتَحْزَنُوْا وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُؤْمِنِیْنَ. یعنی ''دل شکستہ نہ ہو، غم نہ کرو، تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن رہو۔''

اور یہ ضمانت اس لئے دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف انہی لوگوں کی بھرپور حمایت اور مدد کا وعدہ فرمایا ہے جو صاحبِ ایمان ہوں۔ سورۂ مومن میں ارشاد ہوا: اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَیَوْمَ یَقُوْمُ الْاَشْھَادُ. یعنی ''ہم دنیا میں بھی اپنے رسولوں اور مومنین کی مدد کرتے ہیں اور جس روز گواہ قائم ہوں گے۔''

سورۂ نحل میں فرمایا: مَنْ عَمِلَ صَالِحاً مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثیٰ وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْیِیَنَّہٗ حَیٰوۃً طَیِّبَۃً. یعنی ''جو کوئی ایماندار بن کر نیک عمل کرے چاہے وہ مرد ہو یا عورت، تو ہم اس کو پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے۔''

یہ ایمان ہی کی برکت تھی کہ مسلمانوں کی مٹھی بھر جماعت بے سروسامانی کے باوجود کافروں کی اس فوج پر غالب آتی رہی جس کے پاس بے شمار مادّی وسائل تھے۔

یہ ایمان ہی کا ثمرہ تھا کہ مختلف موقعوں پر مسلمانوں کی امداد و تسلی کے لئے آسمان سے فرشتوں کا نزول ہوتا رہا جیسے غزوۂ بدر و احزاب میں ہوا۔

یہ ایمان ہی کا فیض تھا کہ مسلمانوں کا رعب پوری دنیا پر چھایا ہوا تھا اور ان کی طاقت و قوت اس قدر بڑھ گئی تھی کہ قیصر و کسریٰ کی زبردست سلطنتیں ان کے ہاتھوں میں آ گئی تھیں۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

بات کیا تھی کہ نہ روما سے نہ ایراں سے ڈرے — چند بے تربیت اونٹوں کے چرانے والے
بھید کیا تھا کہ جو آپس میں ملے تھے نہ کبھی — ہو گئے مشرق و مغرب کو ملانے والے
جن کو کافور پہ ہوتا تھا نمک کا دھوکا — ہو گئے خاک کو اکسیر بنانے والے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پیشوائی کو نکل آئی خدائی ساری   گھر سے نکلے جو محمدؐ کے گھرانے والے

چنانچہ مکہ، بحرین، خیبر، جزیرۂ عرب اور یمن وغیرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک ہی میں فتح ہو گئے تھے۔ ہجر کے مجوسیوں نے آپ کو جزیہ دے کر آپ کی اطاعت قبول کر لی تھی، شام کا بھی یہی حال تھا، بحرین کا مال بانٹتے بانٹتے آنحضرت کو صبح سے شام ہو گئی اور مال ختم نہیں ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ملی جنہوں نے جزیرۂ عرب کی سلطنت کو مضبوط کیا، باغیوں، مرتدوں اور منکرین زکوٰۃ سے جہاد کیا۔ آپؓ ہی کے دور خلافت میں مدعی نبوت مسیلمہ کذاب قتل کیا گیا۔ یرموک کے مقام پر رومیوں سے مقابلہ ہوا جن کی تعداد تین لاکھ تھی اور مسلمانوں کی تعداد کل چالیس ہزار۔ رومی بڑی بے جگری کے ساتھ لڑے لیکن مسلمانوں کے حملہ کی تاب نہ لا سکے اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ حضرت خالد ابن ولیدؓ کی قیادت میں ایک لشکر ایران کی طرف روانہ کیا گیا جس نے چند ہی دنوں میں اس کا بہت بڑا حصہ فتح کر لیا۔ حضرت ابوعبیدہ ابن الجراحؓ کی ماتحتی میں شام کی طرف فوج روانہ کی گئی جہاں پہنچ کر مسلمانوں نے محمدی جھنڈا لہرادیا اور صلیبی نشانات اوندھے رہ گئے۔ حضرت عمروؓ ابن عاص کی قیادت میں مصر کی طرف فوج کشی کی گئی اور مصر فتح ہوا، پھر بصرہ، دمشق وغیرہ کی فتوحات کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے وفات پائی۔ ان کے بعد خلافت کی باگ ڈور حضرت عمر فاروقؓ نے سنبھالی اور آپ کو بھی بے شمار فتوحات حاصل ہوئیں۔ انہی میں سے موصل، حمص، قنسرین، قیساریہ، اسکندریہ، شام، روم، آذربائیجان، طرابلس، رے، کرمان، سجستان، مکران وغیرہ ہیں۔ یہاں تک کہ آپؓ کی خلافت میں ۲۲ لاکھ ۵۱ ہزار تیس مربع میل پر مسلمانوں کا قبضہ تھا۔ پھر خلیفہ سوم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا دور آیا، جس میں اندلس، قبرص، عراق، مدائن، خراسان، اہواز وغیرہ فتح ہوئے اور زمین کے مشرقی اور مغربی کونوں کے خزانے بارگاہ عثمانی میں پہنچ گئے اور لوگ اس قدر خوشحال ہو گئے کہ زکوٰۃ و صدقات کے مستحقین کا ملنا مشکل ہو گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئی پوری ہوئی کہ ''میرے لئے زمین سمیٹ دی گئی یہاں تک کہ میں نے مشرق و مغرب کو دیکھ لیا اور عنقریب میری سلطنت وہاں تک پہنچے گی جہاں تک مجھے اس وقت دکھایا گیا۔''

اور یہ سب کچھ اس لئے ہوتا رہا کہ یہی اللہ کا وعدہ ہے جیسا کہ سورۂ انفال میں ارشاد ہوا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

يايُها النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ و من اتبعك من الْمُؤمنين ٭ يَايُّها النَّبِيُّ حرّض المؤمنين على القتال ان يَّكُنْ مِّنْكُمْ عشرون صابرون يغلبوا مائتين و ان يَّكُنْ مِّنْكُمْ مائة يغلبوا الفاً من الَّذين كفروا بانّهم قومٌ لاّيفقهون. یعنی ''اے نبی! تمہارے لئے اللہ کافی ہے اور وہ مومنین جنہوں نے تمہارا ساتھ دیا ہے۔ اے نبی! مومنین کو لڑائی پر ابھارو، اگر تم میں بیس آدمی ثابت قدم ہوں گے تو دو سو پر غالب آجائیں گے اور اگر تم میں سے سو ہوں گے تو ہزار منکروں پر غالب آجائیں گے۔ اس واسطے کہ یہ لوگ (منکرین) سمجھ نہیں رکھتے۔''

اہلِ ایمان کی کم تعداد کے غیر اہلِ ایمان کی زیادہ تعداد پر غالب آنے کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ اہلِ ایمان کے اندر سمجھ ہوتی ہے۔ اس سے مراد وہ بصیرت و شعور ہے جو ایمان کے نتیجہ میں ایک شخص کو حاصل ہوتا ہے۔ اور غیر مومن اس طرح کی بصیرت سے خالی ہوتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات میں سے ایک غزوۂ خندق ہے جس کا دوسرا نام غزوۂ احزاب بھی ہے۔ یہ شوال ۵ھ میں پیش آیا تھا۔ اس جنگ میں عرب کے مختلف قبیلوں، قبائل قریش، قبائل غطفان اور قبائل یہود نے دس ہزار سے بھی زیادہ کی تعداد میں مدینہ پر حملہ کیا تھا۔ یہ حملہ کتنا شدید تھا اس کا اندازہ قرآن کی سورۂ احزاب کی اس آیت سے ہوتا ہے: اِذْ جاؤكم مّن فوقكم و من اسفل منكم و اِذْ زاغت الابصار و بلغت القلوب الحناجر و تظنّون باللّٰه الظنونا. هنالك ابتلى المؤمنون و زلزلوا زلزالاً شديداً. یعنی ''جب وہ اوپر سے اور نیچے سے تمہارے اوپر چڑھ آئے، اس وقت ڈر کی وجہ سے تمہاری آنکھیں پتھرا گئیں اور کلیجے منہ کو آ گئے اور تم لوگ اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔ اس وقت اہل ایمان کی بڑی آزمائش ہوئی اور بہت ہلا مارے گئے۔''

دشمنانِ اسلام کا یہ لشکر پورے طور پر ہتھیار بند تھا، اس میں ساڑھے چار ہزار اونٹ اور تین سو گھوڑے تھے۔ انہوں نے مدینہ کو اس طرح گھیرے میں لے لیا کہ باہر سے ہر قسم کی امداد آنا بند ہو گئی۔ سامانِ ضرورت کی اس قدر کمی ہو گئی کہ لوگ فاقہ کرنے لگے۔ اسی دوران کا واقعہ ہے کہ ایک صحابیؓ نے بھوک کی شکایت کی اور کرتا اٹھا کر دکھایا کہ پیٹ پر ایک پتھر باندھ رکھا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں اپنا کرتہ اٹھایا تو آپؐ کے پیٹ پر دو پتھر بندھے تھے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ خبر ملی کہ مختلف قبائل ایک ساتھ مل کر مدینہ پر حملہ کرنے والے ہیں تو آپؐ نے اس صورت حال سے نمٹنے کے لئے صحابہؓ سے مشورہ کیا۔ حضرت سلمان فارسیؓ نے مشورہ دیا کہ مدینہ میں رہ کر مقابلہ کیا جائے، کیوں کہ اس وقت مدینہ تین طرف سے پہاڑوں، گھنے درختوں اور مکانات سے گھرا ہوا تھا۔ شمالی مغربی حصہ خالی تھا۔ طے یہ ہوا کہ اس کھلے ہوئے حصہ میں دو پہاڑوں کے درمیان خندق کھودی جائے۔ چنانچہ چھ دن کی لگاتار محنت سے ایک خندق کھود کر تیار کی گئی۔ یہ خندق دشمنوں کے یلغار روکنے کے لئے اس قدر موثر ثابت ہوئی کہ اس کا نام غزوۂ خندق پڑ گیا۔

سیرت کی کتابوں میں جب ہم خندق کی تفصیلات پڑھتے ہیں تو ایک اہم سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک معمولی خندق دشمنوں کی اتنی بڑی فوج کو روکنے کا سبب کیسے بن گئی؟ یہ خندق تقریباً چھ کلومیٹر لمبی تھی اور اس کی گہرائی اور چوڑائی ایک معمولی نہر سے زیادہ نہیں تھی۔ یہ تقریباً ڈھائی میٹر گہری اور تین میٹر چوڑی تھی۔ اس قسم کی خندق ایک مسلح فوج کے لئے ایک نالی سے زیادہ کی حیثیت نہیں رکھتی۔ وہ لوگ اسے عبور کر کے بہ آسانی مدینہ میں داخل ہو سکتے تھے۔ واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ اس خندق کے باوجود مسلمان دشمن کی تیروں کی زد میں تھے۔ یہ محاصرہ تقریباً ایک مہینہ جاری رہا۔ اس کے بعد اتنی تیز آندھی آئی کہ دشمن کے لشکر میں بدحواسی پیدا ہوگئی۔ یہاں تک کہ ابوسفیان نے اونٹ کی رسی کھولے بغیر اونٹ پر بیٹھ کر اسے ہانکنا شروع کر دیا۔ پھر یہ سوال بھی اپنی جگہ باقی ہے کہ دس ہزار سے زیادہ تعداد کی مسلح فوج خندق کو عبور کر کے مدینہ میں کیوں داخل نہ ہو سکی جہاں تین ہزار انسانوں کا بے سروسامان قافلہ ان کی یلغار روکنے میں بالکل ناکافی تھا۔

اس سوال کا جواب اللہ تعالیٰ کی ایک سنت میں ملتا ہے۔ وہ سنت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کی طاقت ان کے دشمنوں کو بڑھا کر دکھاتا ہے تاکہ وہ مرعوب اور ہیبت زدہ ہو جائیں۔ سورۂ آل عمران میں ارشاد ہوا ہے: سَنُلْقِىْ فِىْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَا اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطَانًا۔ یعنی ''ہم منکروں کے دل میں تمہارا رعب ڈال دیں گے۔ کیوں کہ انہوں نے ایسی چیز کو اللہ کا شریک ٹھہرالیا ہے جس کے حق میں اس نے کوئی دلیل نہیں اتاری۔ اللہ تعالیٰ کی یہ نصرتِ رعب غزوۂ خندق میں اور دوسرے موقعوں پر ظاہر ہوئی۔ اس غزوہ میں ایمان والوں کی کھودی ہوئی نالی ان کے دشمنوں کو بہت بڑی صورت میں اور ناقابل عبور دکھائی دی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایمان کوئی ساکن اور جامد چیز نہیں، بلکہ جس طرح ہر چیز میں گھٹنے اور بڑھنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ اسی طرح ایمان میں بھی کمی بیشی ہوتی ہے۔ یعنی جب آدمی کے سامنے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا کوئی حکم آتا ہے، چاہے وہ گوارا ہو یا ناگوار، آسان ہو یا دشوار، موافق ہو یا ناموافق اور وہ اس کی تصدیق کر کے بے چون و چرا تسلیم کر لیتا ہے۔ اپنا سر اطاعت جھکا دیتا ہے اور بلا کسی حیل و حجت کے اسے قبول کر لیتا ہے تو آدمی کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔ ہر اس موقع پر جب کہ آدمی اپنی مرضی، اپنی رائے، اپنے نظریات، اپنی مانوس عادتوں، اپنے مفادات، اپنی لذتوں، آسائشوں اور اپنی محبتوں اور دوستیوں کے خلاف قرآن و حدیث سے احکام پائے اور انہیں سچے دل سے مان کر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کو بدلنے کے بجائے خود کو بدل ڈالے۔ اور اس قبولیت میں ہر طرح کی دشواریوں اور پیش آنے والی مصیبتوں کو جھیل لے، تو یہ چیزیں اس کے ایمان میں اضافہ کا سبب بنتی ہیں۔ اس کے برعکس اگر ایسا نہ کر سکے یا ایسا کرنے میں دریغ کرے تو اس کا ایمان گھٹنے لگتا ہے۔ اس حقیقت کو قرآن میں مختلف جگہوں پر بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً سورۂ فتح میں ارشاد ہوا:

هُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ فِیْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِیْنَ لِیَزْدَادُوْٓا اِیْمَانًا مَّعَ اِیْمَانِهِمْ.

یعنی ''وہی اللہ ہے جس نے مومنین کے دلوں میں سکون نازل کیا تاکہ ان کے ایمان کے ساتھ اور زیادہ ایمان بڑھا دے۔''

سورۂ توبہ میں یوں فرمایا: فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِیْمَانًا. یعنی ''جو لوگ ایمان لائے ان کا ایمان اور زیادہ ہوا۔''

سورۂ آل عمران کی آیت ہے: اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِیْمَانًا. یعنی ''اور جن لوگوں نے کہا کہ تمہارے خلاف بڑی فوجیں جمع ہوئی ہیں ان سے ڈرو تو (یہ سن کر) ان کا ایمان اور بڑھ گیا۔''

سورۂ انفال میں آیا: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْهِمْ اٰیٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِیْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ. یعنی ''سچے اہل ایمان تو وہ لوگ ہیں جن کے دل اللہ کا ذکر سن کر لرز جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیات ان کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو ان کا ایمان اور بھی بڑھ جاتا ہے۔''

اکثر لوگ سوال کرتے ہیں کہ ایمان اور اسلام میں کیا فرق ہے؟ کیا دونوں ایک ہیں یا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک ہی چیز کے دو نام ہیں؟

دراصل یہ غلط فہمی کتاب وسنت کے گہرے مطالعہ کے نہ ہونے کا نتیجہ ہے۔ اسلام کبھی اپنے حقیقی اور شرعی معنی میں استعمال ہوتا ہے، اس وقت اس کے معنی وہی ہوتے ہیں جو ایمان کے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ آل عمران میں فرمایا: اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامَ. یعنی "اللہ کے نزدیک دین، صرف اسلام ہے۔" اور کبھی لغوی معنی میں استعمال ہوتا ہے جس کے معنی ظاہری تابعداری کے ہیں جیسا کہ سورۂ حجرات میں آیا ہے: قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰکِنْ قُوْلُوْا اَسْلَمْنَا. یعنی "بدویوں نے کہا کہ ہم ایمان لے آئے۔ اے پیغمبر! ان سے کہہ دو کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ یوں کہو کہ ہم اسلام لائے۔"

معلوم ہوا کہ اعضاء سے عمل کرنے کا نام اسلام ہے۔ اگر اسلام اپنے شرعی معنیٰ میں استعمال ہو تو اس میں اور ایمان میں کوئی فرق نہیں ہے۔ فرق جو ہے وہ لغوی معنیٰ کے لحاظ سے ہے۔ قسطلانی نے کہا ہے کہ اہل سنت کا اتفاق ہے کہ جو مومن ہے وہ مسلم ہے اور جو مسلم ہے وہ مومن ہے۔

ایمان صرف دل سے تصدیق کرنے ہی کا نام نہیں ہے بلکہ زبان سے اس کا اقرار بھی ضروری ہے۔ اگر دل کا یقین ہی کافی ہوتا تو ابوطالب بھی مومن ہوتے۔ کیوں کہ انہیں کامل یقین تھا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے رسولؐ ہیں اور ان کا لایا ہوا دین سچا ہے مگر چوں کہ انہوں نے اس عقیدہ کا زبان سے اقرار نہیں کیا اس لئے وہ اللہ کے یہاں مومن اور مسلم نہیں قرار پا سکے۔

ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ آدمی ایمان کے مطابق عمل بھی کرے۔ کیوں کہ اصطلاح شرع میں ایمان نام ہے تصدیق بالجنان، اقرار باللسان اور عمل بالارکان کا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری شفاعت کا مستحق وہ شخص ہے جو خلوصِ دل سے لا الٰہ الا اللہ کہے۔ پوچھا گیا کہ اخلاص کیا ہے؟ فرمایا کہ وہ اس کو اللہ کے محارم یعنی ممنوعات سے روک دے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ "جب وہ کبیرہ گناہ سے بچے۔"

معلوم ہوا کہ صرف زبان سے کلمۂ توحید وکلمہ شہادت پڑھ لینا کافی نہیں ہے جب تک عقیدہ وعمل درست ہو۔ چوں کہ عمل ایمان میں داخل ہے اس لئے ایمان بغیر عمل کے مکمل نہیں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوتا، ایمان رہتا ہے مگر ناقص۔

ایمان کے لئے صرف تصدیق اور اقرار ہی کافی نہیں ہے بلکہ اس عقیدہ صالحہ پر موت کی آخری سانس تک جمار ہنا بھی ضروری ہے کیوں کہ یہی اصل ایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ حٰم سجدہ میں ارشاد فرمایا: اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ. یعنی ”بیشک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر اسی پر جم گئے۔ ان کے پاس فرشتے آتے ہیں (اور کہتے ہیں) کہ خوف زدہ اور رنجیدہ نہ ہو بلکہ تمہیں اس جنت کی بشارت ہو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ. یعنی ”کہو کہ میں ایمان لایا پھر اسی پر جمے رہو۔“

قرآن کے مطابق ایمان کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو زبان سے ایمان کے کلمات بول دینے کے ہم معنی ہو۔ دوسری وہ جب کہ آدمی کا ایمان اس کے قلب کے اندر داخل ہو جائے۔ ایک کو قولی ایمان اور دوسرے کو قلبی ایمان کہہ سکتے ہیں۔

قولی ایمان کا مطلب ہے کہ آدمی زبان سے ایمان کا کلمہ بول دے مگر اس کا ایمان عملی اطاعت نہ بنے۔ وہ زبان سے کہے کہ میں اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لے آیا مگر روز مرہ کی زندگی میں اس کی دلچسپیاں اور مختلف معاملات میں اس کی سرگرمیاں اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام اور فیصلوں کے خلاف ہوں، اس کی زندگی بھی عملاً ویسی ہی ہو جیسی ان لوگوں کی ہوتی ہے جنہوں نے ایمان کا اقرار نہیں کیا ہے۔ اس کا قلب اللہ کی یاد سے خالی ہو اور اس کی کارروائیاں اللہ کے رنگ میں رنگی ہوئی نہ نظر آئیں۔

جب کسی کا یہ حال ہو تو کہا جائے گا کہ اس نے ایمان کا کلمہ تو پڑھ لیا ہے مگر وہ اس کے دل میں اس طرح داخل نہیں ہوا ہے کہ وہ اس کی پوری ہستی میں سما جائے اور اس کی زندگی کو بدل دے۔

قلبی ایمان جب کسی کو ملتا ہے تو وہ ایسا ہی ہوتا ہے جیسے گلاس کے پانی میں رنگ پڑ جائے۔ ایسا ایمان اس کی پوری ہستی میں تیر جاتا ہے۔ وہ اس کے قلب و دماغ میں سما جاتا ہے۔ وہ اس کی آنکھ بن جاتا ہے جس سے وہ دیکھتا ہے، وہ اس کا کان بن جاتا ہے جس سے وہ سنتا ہے، وہ اس کا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ذہن بن جاتا ہے جس سے وہ سوچتا اور غور وفکر کرتا ہے، وہ اس کی توجہات کا مرکز ہوتا ہے، وہ اسی کی یاد لے کر سوتا ہے اور اسی کی یاد لے کر جاگتا ہے۔ ایسا ایمان آدمی کو فکر وخیال کی ایک ابدی دنیا دیتا ہے جس میں وہ جئے، وہ اس کو نظر آنے والی کائنات کے اندر ایک اور کائنات کا تجربہ کراتا ہے جس کا وہ باسی بنے۔ ایسے آدمی کے قدم دنیا میں چلتے ہیں مگر اس کے احساسات اللہ تعالیٰ میں گم رہتے ہیں۔ وہ بظاہر دنیا کی چیزوں کو برتتا ہے مگر حقیقتاً وہ عالمِ آخرت میں سانس لیتا ہے۔ اس کا ایمان اس کے لئے اللہ سے ملنے کے ہم معنی بن جاتا ہے۔

قرآن مجید کی سورۂ نساء میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا. یعنی ''اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ پر، اور اس کے رسول پر، اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر اتاری، اور اس کتاب پر جو اس نے پہلے [illegible] ی۔ اور جو شخص انکار کرے اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کی کتابوں کا اور اس کے رسولوں کا اور آخرت کے دن کا، تو وہ بہک کر دور جا گرا۔''

''ایمان والو ایمان لاؤ'' ایسا ہی ہے جیسے کہا جائے کہ مسلمانو! مسلمان بنو۔ اپنے کو مومن کہنا یا مومن سمجھنا اس بات کے لئے کافی نہیں ہے کہ آدمی اللہ کے یہاں بھی مومن قرار پائے۔ اللہ کے یہاں صرف وہ شخص مومن قرار پائے گا جو اللہ کو اس طرح پائے کہ وہی اس کے یقین، اس کے اعتماد، اس کی توجہ اور اس کی امیدوں کا مرکز بن جائے۔ جو رسول کو اس طرح مانے کہ ہر دوسری رہنمائی اس کے لئے بے حقیقت بن جائے، جو آسمانی کتاب کو اس طرح اپنائے کہ اس کی سوچ اور جذبات بالکل اس کے تابع ہو جائیں، جو فرشتوں کے عقیدہ کو اس طرح اپنے دل میں بٹھائے کہ اس کو محسوس ہونے لگے کہ اس کے دائیں بائیں ہر وقت اللہ کے چوکیدار کھڑے ہیں، جو آخرت کا اس طرح اقرار کرے کہ اپنا ہر قدم اٹھانے سے پہلے آخرت کو ضرور سوچ لے، وہ اپنے ہر قول وفعل کو آخرت کے میزان میں جانچنے لگے، جب اسے کوئی آرام ملے تو یہ سوچ کر بے چین ہو جائے کہ معلوم نہیں آخرت میں کیا ہوگا اور جب اسے کوئی تکلیف پہنچے تو یہ محسوس کرکے تڑپ اٹھے کہ جب دنیا کی معمولی تکلیف نا قابل برداشت ہوتی ہے تو آخرت کی تکلیف کیسے برداشت ہوگی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مومن وہ ہے کہ جب وہ کھانا کھائے اور پانی پئے تو اس کی پوری ہستی شکر کی کیفیت سے بھر جائے، اس پر کوئی مصیبت آپڑے تو اللہ ہی کو مدد کے لئے پکارے، اس کو حاجتیں پیش آئیں تو اللہ ہی سے امید رکھے، اسے نفع پہنچے تو اللہ کی نوازشوں کو یاد کرے، کوئی نقصان پہنچے تو اسے قدرت کا کرشمہ سمجھے، جب اسے کوئی نعمت ملے تو وہ مغرور نہ بنے، ہر چیز میں اسے اللہ کا کرشمہ نظر آئے اور ہر عطیہ اسے اللہ کی طرف سے ملی ہوئی چیز دکھائی دے، بڑی سے بڑی مصلحت اسے اللہ سے بے پروانہ کرے۔

جو شخص اس طرح مومن بنے وہی اللہ کے نزدیک اس راستہ پر ہے جو ہدایت و کامیابی کا راستہ ہے۔ اور جو اس طرح مومن نہ بنے وہ ایک بھٹکا ہوا انسان ہے، خواہ وہ خود کو کتنا ہی مومن اور مسلم سمجھتا ہو۔

الغرض ایمان کے بغیر کوئی نیکی قبول نہیں ہوتی، ایمان اللہ کی رضامندی اور اس کی خوشنودی کا ذریعہ ہے، ایمان والے اللہ کی نصرت اور مدد کے مستحق بن جاتے ہیں۔ ایمان سے دنیا میں عزت، حکومت، سلامتی، سالمیت، فلاح و کامیابی اور آخرت میں مغفرت اور نجاتِ ابدی حاصل ہوتی ہے۔

وما علینا الا البلاغ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

توحید

اَلحَمدُ لِلّٰہِ وحدہٗ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَن لَا نَبِیَّ بَعدَہٗ. اَمَّا بَعدُ.

اَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیطٰنِ الرَّجِیمِ. بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

قُل ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ. اَللّٰہُ الصَّمَدُ. لَم یَلِد. وَلَم یُولَد. وَلَم یَکُن لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ.

یہ نغمہ فصل گل و لالہ کا نہیں پابند　　بہار ہو کہ خزاں لا الٰہ الا اللہ
ذرا حریم دل و جاں میں جھانک کر دیکھو　　وہی ہے جلوہ نما لا الٰہ الا اللہ
اسی کی قدرت و رحمت کے سب کرشمے ہیں　　زمیں، ہو کہ خلا لا الٰہ الا اللہ

حیات و دولت و عزت تمام ہے بے کار
اگر تو کہہ نہ سکا لا الٰہ الا اللہ

حضرات! آدمی جن باتوں پر ایمان لاکر مسلمان بنتا ہے، یعنی مسلمان بننے کے لئے جن باتوں پر ایمان لانا ضروری ہے وہ یہ ہیں۔ اللہ پر ایمان، اللہ کے تمام فرشتوں پر ایمان، اللہ کی طرف سے نازل کی گئی تمام آسمانی کتابوں پر ایمان، اللہ کی طرف سے بھیجے گئے تمام رسولوں پر ایمان، آخرت کے دن پر ایمان اور تقدیر پر ایمان۔

ایمانیات میں سب سے پہلے ایمان باللہ یعنی اللہ پر ایمان لانا ہے۔ لیکن اللہ پر ایمان لانے کا مطلب صرف یہی نہیں ہے کہ بندہ اس بات کو مان لے کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اس پر بھی ایمان لانا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں، اپنی صفات میں، اپنے اختیارات میں اور اپنی عبادت میں بھی اکیلا اور لاشریک ہے۔ ان تمام چیزوں میں اس کا کوئی شریک نہیں۔

یوں تو مشرکین مکہ بھی اللہ کے وجود کے قائل تھے، اسے زمین و آسمان اور دنیا کی تمام

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چیزوں کا خالق و مالک سمجھتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد جگہ اس حقیقت کو بیان فرمایا ہے۔ سورۂ زخرف کی آیت ہے۔ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ. ''اور اگر تم ان سے پوچھو کہ زمین و آسمان کو کس نے پیدا کیا تو یہ ضرور کہیں گے عزیز و علیم نے۔''

سورۂ عنکبوت میں ارشاد ہوا: وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ..... وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ. ''اور اگر تم ان سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے اور چاند و سورج کو کس نے مسخر کر رکھا ہے تو یہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے ...... اور اگر تم ان سے پوچھو کہ کس نے آسمان سے پانی برسایا اور اس کے ذریعہ سے مردہ پڑی ہوئی زمین کو جلا اٹھایا تو یہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے۔''

سورۂ زخرف میں یوں ارشاد ہوا: وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ. ''اور اگر تم ان سے پوچھو کہ انہیں کس نے پیدا کیا ہے تو یہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے۔''

سورۂ مومنون میں آیا: قُلْ لِمَنِ الْأَرْضُ وَمَنْ فِيهَا إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ. سَيَقُولُونَ لِلّٰهِ..... قُلْ مَنْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ. سَيَقُولُونَ لِلّٰهِ..... قُلْ مَنْ بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ سَيَقُولُونَ لِلّٰهِ. ''ان سے کہو، بتاؤ اگر تم جانتے ہو کہ یہ زمین اور اس کی ساری آبادی کس کی ہے؟ یہ ضرور کہیں گے اللہ کی ...... ان سے پوچھو ساتوں آسمانوں اور عرش عظیم کا مالک کون ہے؟ یہ ضرور کہیں گے اللہ ...... ان سے کہو، بتاؤ اگر تم جانتے ہو کہ ہر چیز پر اقتدار کس کا ہے؟ اور کون ہے جو پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلے میں کوئی پناہ نہیں دے سکتا؟ یہ ضرور کہیں گے کہ یہ بات تو اللہ ہی کے لئے ہے۔''

سورۂ یونس کی آیت ہے: قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمَّنْ يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَمَنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ فَسَيَقُولُونَ اللّٰهُ. ''ان سے پوچھو کون تم کو آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے؟ یہ سماعت اور بینائی کی قوتیں (جو تمہیں حاصل ہیں) کس کے اختیار میں ہیں؟ اور کون زندہ کو مردہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے؟ اور کون اس نظم عالم کی تدبیر کر رہا ہے؟ یہ ضرور کہیں گے کہ اللہ۔"

یہ آیت بھی سورۂ یونس کی ہے: حَتّٰی اِذَا کُنْتُمْ فِی الْفُلْکِ وَ جَرَیْنَ بِھِمْ بِرِیْحٍ طَیِّبَۃٍ وَّ فَرِحُوْا بِھَا جَآءَتْھَا رِیْحٌ عَاصِفٌ وَّجَآءَھُمُ الْمَوْجُ مِنْ کُلِّ مَکَانٍ وَّ ظَنُّوْآ اَنَّھُمْ اُحِیْطَ بِھِمْ دَعَوُا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ. لَئِنْ اَنْجَیْتَنَا مِنْ ھٰذِہٖ لَنَکُوْنَنَّ مِنَ الشّٰکِرِیْنَ. فَلَمَّآ اَنْجٰھُمْ اِذَا ھُمْ یَبْغُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ "جب تم کشتیوں پر سوار ہو کر بادِ موافق پر شاداں و فرحاں سفر کر رہے ہوتے ہو، پھر یکا یک بادِ مخالف کا زور ہوتا ہے اور ہر طرف سے موجوں کے تھپیڑے لگتے ہیں اور مسافر سمجھ لیتے ہیں کہ طوفان میں گھر گئے، اس دن سب اپنے دین کو اللہ ہی کے لئے خالص کر کے اس سے دعائیں مانگتے ہیں کہ اگر تو نے ہمیں اس بلا سے نجات دے دی تو ہم تیرے شکر گذار بندے بنیں گے۔ مگر جب وہ ان کو بچا لیتا ہے تو پھر وہی لوگ حق سے منحرف ہو کر زمین میں بغاوت کرنے لگتے ہیں۔"

مشرکین مکہ بتوں کی پوجا کرتے تھے، انہیں حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ کر ان کے سامنے سر نیاز خم کرتے تھے لیکن کہتے یہ تھے مَا نَعْبُدُھُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَآ اِلَی اللّٰہِ زُلْفٰی. یعنی "ہم تو ان کی پوجا اس لئے کرتے ہیں کہ وہ ہم کو اللہ کا قریبی بنا دیں۔"

مشرکین کے اس عقیدہ کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَیَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَا یَضُرُّھُمْ وَ لَا یَنْفَعُھُمْ وَ یَقُوْلُوْنَ ھٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰہِ. یعنی "(مشرکین) اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ان کو نقصان پہنچا سکیں نہ نفع اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے تقریباً پچاس روز پہلے ابرہہ نے ہاتھیوں کے بہت بڑے لشکر کے ساتھ خانۂ کعبہ پر حملہ کیا تھا۔ اس وقت حالاں کہ کعبہ میں ۳۶۰ بت رکھے ہوئے تھے جن کی پوجا ہوتی تھی، مگر اس پریشان کن گھڑی میں مشرکین مکہ خانۂ کعبہ گئے اور بجائے بتوں کے پکارنے کے، انہوں نے خدائے واحد سے ابرہہ کے لشکر کے پسپا کرنے کی دعا کی۔ گویا وہ اپنے دلوں میں اچھی طرح جانتے تھے کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ اس نازک وقت میں اس کی مدد نہیں کر سکتا۔ کعبہ کو بھی وہ الٰہوں کی نسبت سے بیت الٰہ نہیں بلکہ بیت اللہ کہتے تھے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس موقع پر ابرہہ نے عبدالمطلب کے اونٹوں کو پکڑ والیا تھا۔اس نے عبدالمطلب کو بلایا اوران سے کہا کہ ہم خانۂ کعبہ کومنہدم کرنے آئے ہیں آپ کیا چاہتے ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا تھا، مجھے صرف میرے اونٹ چاہئیں۔ابرہہ نے کہا میں آپ کوایک اچھااور بہترین کردار کاانسان سمجھتا تھامگر آپ تو بہت گرے ہوئے انسان ہیں،آپ کعبہ کے متولی ہیں اورآپ کوکعبہ سے زیادہ اپنے اونٹوں کی فکر ہے۔عبدالمطلب نے جواب دیا تھا کہ مجھے اپنے اونٹوں کی فکراس لئے ہے کہ وہ میرے ہیں اور خانۂ کعبہ کی فکراس لئے نہیں ہے کہ وہ اللہ کا گھر ہے وہ اپنے گھر کی حفاظت خود فرمائے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔اللہ تعالیٰ نے ابرہہ کے لشکر کو کھائے ہوئے بھوسہ کی طرح برباد کردیا اور کعبہ محفوظ رہا۔

جب مکہ میں ایک مسلسل اور بلاانگیز قحط پڑا تو اس مصیبت سے اہل مکہ چیخ پڑے تھے۔ اس قحط کے دوران قریش کے متکبرین کی اکڑی گردنیں جھک گئی تھیں،دعاوزاریاں کرتے تھے، بت پرستی میں کمی آ گئی تھی،خدائے واحد کی طرف رجوع بڑھ گیا تھا،یہاں تک کہ ابوسفیان نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی تھی کہ وہ خدا سے دعا کریں۔

تو مشرکین مکہ بھی اللہ کے وجود کے قائل تھے،اسے زمین وآسمان کا خالق و مالک جانتے تھےاوراسے تمام مخلوقات کا مربی اور پالنہار سمجھتے تھے مگر چونکہ وہ خدا کی صفات،اس کے اختیارات اوراس کی عبادت میں دوسروں کوبھی شریک ٹھہراتے تھےاس لئے وہ کافراور مشرک گردانے گئے۔ معلوم ہوا کہ خدا کو ماننا اور پھراس کے ساتھ کسی کوشریک کرنا،اسے ماننا نہیں بلکہ اس کا انکار کرنا ہے۔

اب آیئے اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات پرایک نگاہ ڈال لیں ویسے تو اللہ کی صفات،اس کے کمالات اوراس کی قدرتوں کا احاطہ کرنا انسان کے بس سے باہر ہے۔پڑھے لکھے حضرات اس بات کواچھی طرح سے جانتے ہیں کہ اس زمین پر تین حصہ پانی ہےاور صرف ایک حصہ خشکی ہے۔ مگر دنیا میں جتنا پانی ہے،چاہے وہ سمندروں کا پانی ہو،دریاؤں کا پانی ہو،تالاب کا پانی ہو،کنویں اور گڈھے کا پانی ہو،چشموں اور جھیل کا پانی ہو۔اگر سب کی روشنائی بن جائے اوراس سے اللہ کی حمد وثناء لکھی جائے،اس کے کلمات لکھے جائیں،اس کی نعمتیں لکھی جائیں تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّىْ. یعنی ساری روشنائی خشک ہوجائے گی،تمام پانی سوکھ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جائے گا مگر اللہ کی حمد و ثناء مکمل نہیں ہوگی، اس کے کلمات مکمل نہیں ہو گے اور اس کی نعمتوں کا ذکر مکمل نہیں ہوگا۔

اللہ کی ذات ہر عیب اور ہر قسم کے نقص سے پاک ہے۔ اس دنیا میں کوئی مخلوق، کوئی شخصیت اور کوئی سیارہ ایسا نہیں ہے جو بے عیب ہو۔ یہاں تک کہ یہ چاند جس کی تشبیہ لوگ اپنی محبوبہ سے دیتے ہیں، جی بے عیب نہیں ہے، اس کے اندر بھی کالا داغ ہے، مگر بے عیب صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

وہی علیم و بصیر ہے۔ ہر طرح کا علم صرف اسی کے پاس ہے۔ دلوں کے بھید وہی جانتا ہے، زمین کے اندرونی حالات کی خبر صرف اسی کو ہے، آسمان کے اوپر کیا ہو رہا ہے وہی جانتا ہے، کل کیا ہو چکا وہی جانتا ہے، کل کیا ہونے والا ہے وہی جانتا ہے، صحراؤں، سمندروں اور خشکی و تری میں جو کچھ ہو رہا ہے سب کی خبر اسے ہے، زمین پر جھڑنے والے پتوں میں سے کوئی پتہ ایسا نہیں ہے جو اس کے علم میں نہ ہو۔ دھرتی کے سینہ سے اگنے والا کوئی دانہ ایسا نہیں ہے جو اس کے علم سے باہر ہو۔ وہ خود فرماتا ہے قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ. یعنی ''اے نبی! کہہ دو کہ زمین و آسمان میں غیب کی باتیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔'' سورۂ بقرہ میں فرمایا: وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖ. یعنی ''اور وہ اس کے علم میں سے کسی چیز پر دسترس نہیں رکھتے۔''

وہی لطیف و خبیر ہے۔ یعنی تمام پوشیدہ باتوں کا جاننے والا اور ہر چیز سے باخبر ہے۔ وہ غیر محسوس طریقوں سے اپنے ارادوں کا پورا کرنے والا ہے۔ اس کی تدبیریں ایسی ہوتی ہیں کہ اس کے کسی کام کے آغاز سے اس کام کے انجام کا علم سوائے اس کے کسی کو نہیں ہو سکتا۔ مثلاً بادل اٹھتے ہیں لیکن کون جان سکتا ہے کہ آندھی آئے گی، طوفان آئے گا، موسلا دھار بارش ہوگی، اولے پڑیں گے، یا یہ بادل بغیر برسے ختم ہو جائیں گے۔ اس دنیا میں کروڑوں بچے پیدا ہوئے اور ہوتے ہیں، مگر انہیں دیکھ کر کون بتا سکتا ہے کہ ان میں کون ابراہیم خلیل اللہ ہے جو تین چوتھائی دنیا کا روحانی پیشوا ہوگا اور ان میں سے کون چنگیز خاں ہے جو یورپ اور ایشیا کو تہ و بالا کر ڈالے گا، ان میں کون عیسیٰ ہے جو زندہ آسمان پر اٹھا لیا جائے گا اور کون قارون ہے جو اپنے خزانے سمیت زمین میں دھنسا دیا جائے گا، ان میں کون ابوجہل ہے جو چاند کے دو ٹکڑے ہوتا ہوا دیکھ کر بھی ایمان نہیں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اا ئے گا اور کون بلال حبشی ہے جو دہکتے ہوئے انگاروں پر ننگی پیٹھ لیٹنے کے باوجود ایمان سے نہیں ہٹے گا۔ اللہ تعالیٰ ہی ہر کام کے آغاز اور اس کے انجام سے باخبر ہے۔

وہی حکیم ہے، یعنی اس کا کوئی فیصلہ، اس کا کوئی حکم، اس کی کوئی تخلیق حکمت سے خالی نہیں۔ چنانچہ انسان اس دنیا میں ہر وقت مشاہدہ کرتا ہے کہ ہر چہار طرف بامعنیٰ سرگرمیاں جاری ہیں اور ہری بھری گھاس سے لے کر نیلے آسمان تک ایک اتھاہ حکمت نظر آتی ہے۔

بعض لوگوں نے اعتراض کیا کہ زمین کی قوت کشش بہت زیادہ ہے جس کی وجہ سے آدمی جب چند فٹ کی بلندی سے زمین پر گرتا ہے تو اسے بہت زیادہ چوٹ لگتی ہے، لیکن کہنے والا اس بات کو بھول گیا کہ اگر زمین میں اتنی قوت کشش نہ ہوتی تو ہم زمین پر باقاعدہ چل پھر نہیں سکتے تھے، تب پانی دریاؤں اور سمندروں میں ٹھہر نہیں سکتا تھا، تب ہمارے کارخانے اور مکانات اپنی جگہ قائم نہیں رہ سکتے تھے، تب ہماری ریلیں پٹریوں پر اور موٹریں سڑکوں پر نہیں دوڑ سکتی تھیں۔ اس طرح اگر زمین میں اتنی غیر معمولی قوت کشش نہ ہوتی تو کائنات کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔

ایک دلچسپ واقعہ:

چند ملحد قسم کے نوجوان گرمی کے موسم میں کسی سفر پر جا رہے تھے، راستہ میں انہیں ایک آموں کا باغ نظر آیا، دھوپ کی شدت کی وجہ سے وہ لوگ آرام کرنے کے لئے آم کے ایک پیڑ کے نیچے لیٹ گئے۔ جب ان کی نظر اوپر گئی تو آم کے پھل دیکھ کر وہ اللہ کی تخلیق پر تبصرہ کرتے ہوئے کہنے لگے کہ اس میں حکمت نہیں ہے، کیونکہ کدو کا پیڑ بہت چھوٹا اور پتلا ہوتا ہے مگر اس میں اتنے بڑے بڑے پھل لگتے ہیں، جب کہ آم کا پیڑ اتنا موٹا اور بڑا ہوتا ہے مگر اس میں اتنے چھوٹے چھوٹے پھل لگتے ہیں۔ دراصل آم کے پیڑ میں کدو جیسے بڑے پھل اور کدو کے بیل میں آم جیسے چھوٹے پھل لگنے چاہئیں۔ اس طرح کی باتیں کرتے کرتے وہ سو گئے۔ اتنے میں آندھی آ گئی اور آم کے پھل ٹوٹ ٹوٹ کر ان کے اوپر گرنے لگے جس کی وجہ سے ان کی آنکھیں کھل گئیں اور وہ بے اختیار پکار اٹھے۔ ”اللہ کی کوئی تخلیق حکمت سے خالی نہیں۔ اگر آم کے پیڑ میں کدو جیسے بڑے بڑے پھل لگے ہوتے تو ہماری ہڈیاں اور پسلیاں چور چور ہو جاتیں۔“

اللہ تعالیٰ ہی ازلی اور ابدی ہے۔ یعنی وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اس کے سوا ہر چیز فانی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ہندوستان کی راجدھانی دہلی میں ایک تاریخی قلعہ ہے جو لال قلعہ کے نام سے موسوم اور مشہور ہے۔ جب ایک شخص لال قلعہ کی سیر کو جاتا ہے اور اس کی بلند و بالا عمارتوں سے گزر کر اس کے میوزیم میں داخل ہوتا ہے تو وہاں اسے جو چیزیں دیکھنے کو ملتی ہیں، ان میں ایک ٹوٹا ہوا پتھر بھی ہے جو میوزیم کے ایک کونے میں رکھا ہوا ہے۔ یہ ٹوٹا ہوا پتھر دہلی کے پرانے قلعہ میں پایا گیا تھا جسے اب لال قلعہ کے میوزیم میں رکھ دیا گیا ہے۔ اس پتھر پر کسی خاص محل کی تاریخ کندہ ہے جسے کسی مغل بادشاہ نے ۱۶۱۲ء میں بنوایا تھا۔ اس پتھر پر فارسی کا ایک مصرعہ درج ہے۔ ''ہمیشہ باد بزیر سپہر بوقلموں'' یعنی اس خاص محل کے بنوانے والے بادشاہ کی بادشاہت اس آسمان کے نیچے ہمیشہ باقی رہے۔ لیکن آج نہ وہ خاص محل ہے، نہ خاص محل کا بنوانے والا بادشاہ، اور نہ وہ شاعر ہے جس نے بادشاہ اور اس کے محل میں دائمی عظمت کا نشان دیکھا تھا۔ اب اس شاندار محل کا یہی ٹوٹا ہوا پتھر ہے جو اپنے ہر دیکھنے والے کو اس بات کا سبق دیتا ہے کہ آج کی یہ زندگی جو کامیاب اور خوشنما نظر آتی ہے کل ایک ٹوٹا ہوا پتھر بن جائے گی۔ یہاں ہر کلی مرجھاتی ہے، یہاں ہر درخت سوکھ کر ختم ہو جاتا ہے، یہاں ہر عمارت کی قسمت میں لکھا ہے کہ وہ کھنڈر بن جائے۔ یہ ٹوٹا ہوا پتھر ہر دیکھنے والے کو یہ تاثر دیتا ہے کہ اس دنیا میں لاکھوں تخت و تاج والے آئے اور چند دن حکومت کرنے کے بعد چلے گئے، علم و حکمت والے پیدا ہوئے اور زمین کی آغوش میں سما گئے، فاتح اور سائنسٹ پیدا ہوئے اور قضا کے گھاٹ اتر گئے، مال و دولت والے آئے اور چند روزہ زندگی کی بہاریں دیکھ کر آخر کار وہیں پہنچ گئے جہاں پہنچ کر کوئی واپس نہیں آتا ؎

کسی کا کندہ نگینے پہ نام ہوتا ہے — کسی کے عمر کا لبریز جام ہوتا ہے
عجب سرا ہے یہ دنیا کہ اس میں شام و سحر — کسی کا کوچ کسی کا مقام ہوتا ہے

قارون اتنا بڑا دولت مند تھا کہ اس کے خزانے کی کنجیاں چالیس خچروں پر لادی جاتی تھیں مگر ایک دن وہ اپنے خزانے سمیت زمین میں دھنسا دیا گیا۔

فرعون اپنے تمام لشکر سمیت سمندر میں غرق کر دیا گیا۔

جرمنی کا ڈکٹیٹر ہٹلر، جس نے ایک ایسی جنگ چھیڑی تھی جس کے نتیجہ میں تین کروڑ انسان مارے گئے، ایک وقت تھا کہ یورپ کا ہر شہر ہٹلر کی فوجوں کی زد پر تھا، وہ جہاں جاتا تھا فتوحات کے جھنڈے گاڑ دیتا تھا، مگر ایک وقت ایسا آیا کہ ہٹلر کو اپنی محبوبہ سمیت خودکشی کرنی پڑی اور جرمنی ہی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں بلکہ اس کی راجدھانی برلن کے بھی دو ٹکڑے ہو گئے، ایک حصہ پر روس نے قبضہ کرلیا اور دوسرے حصہ پر امریکہ نے۔

مغربی ایشیا کا پٹرول پیدا کرنے والا ملک عراق، جہاں کچھ عرصہ پہلے وزیراعظم نوری السعید کی حکومت تھی۔ نوری السعید نے کافی عرصہ تک انتہائی طاقتور حکمراں کی حیثیت سے حکومت کی لیکن اچانک فوج نے بغاوت کردی۔ باغی فوجی لیڈر کا نام بریگیڈیر عبدالکریم قاسم تھا۔ اس نے نوری السعید کو قتل کرایا اور ان کی لاش کو عراق کی سڑکوں پر گھسیٹا گیا۔ حکومت قاسم نے سنبھالی۔ کچھ دنوں تک انہوں نے بھی انتہائی شان وشوکت کے ساتھ حکومت کی۔ ایک بار پھر اچانک فوج نے بغاوت کردی۔ اب کی بار باغی فوجی افسر کرنل عبدالسلام عارف تھے۔ انہوں نے عبدالکریم قاسم کو نہ صرف حکومت سے معزول کردیا بلکہ انہیں قتل کیا اور ان کی لاش بھی عراق کے سڑکوں پر گھسیٹی گئی۔ اب زمام حکومت پورے طور پر کرنل عبدالسلام عارف کے ہاتھ میں تھی۔ اپنی حکومت کے دوران ایک بار وہ کسی سفر پر نکلے۔ اچانک اس ہوائی جہاز کو حادثہ پیش آگیا جس پر وہ سفر کررہے تھے۔ اس طرح ہوائی جہاز فضا میں پھٹ کر گر پڑا اور کرنل عبدالسلام عارف کے جسم کے چیتھڑے اڑ گئے۔

الغرض دنیا میں جو بھی مخلوق وجود میں آتی ہے اپنی زندگی کی مقررہ مدت گذار کر قضا کے گھاٹ اتر جاتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ باقی رہے گی۔ قرآن مجید کی سورۂ رحمٰن میں ارشاد ہوا ہے: كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ. وَّ يَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ. یعنی کائنات میں جتنی چیزیں، جتنی مخلوقات اور جتنے انسان ہیں سب فانی ہیں۔ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہمیشہ باقی رہ جانے والی ہے۔'' سورۂ بقرہ کی آیت ہے۔ اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ. یعنی ''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ زندہ قائم رہنے والا ہے۔''

وہی قادر مطلق ہے۔ یعنی دکھ اور سکھ، عزت اور ذلت، بیماری اور شفا، زندگی اور موت، عروج اور زوال، ہدایت وگمراہی، امیری وغریبی، سب اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ وہ جسے غم دینا چاہتا ہے خوشی اس کے گھر کا راستہ بھول جاتی ہے اور جسے خوشیاں اور مسرتیں عطا کرتا ہے، غم اس کے قریب بھی نہیں پھٹک سکتا۔ وہ جسے بیمار رکھنا چاہتا ہے، ڈاکٹروں کی فوج اور دواؤں کا اسٹاک اس کے لئے موجب شفا نہیں بن سکتے لیکن جسے شفا دینا چاہتا ہے اس کے لئے زہر کو بھی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تریاق بنادیا ہے۔ وہ جسے مارنا چاہتا ہے پوری دنیا مل کر اسے نہیں بچا سکتی، لیکن جسے زندہ رکھنا چاہتا ہے اسے موت کے منہ میں بھی بچالیتا ہے۔

وہ جسے چاہے کمزور پیدا کرے، جسے چاہے طاقت ور بنائے، جسے چاہے بچپن سے جوانی تک نہ پہنچنے دے اور جس کو چاہے جوانا مرگ دے، جسے چاہے لمبی عمر دے کر بھی توانا اور تندرست رکھے اور جسے چاہے جوانی کے بعد بڑھاپا میں اس طرح ایڑیاں رگڑوائے کہ دوسروں کو دیکھ کر عبرت ہو۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ''بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

فرعون بہت بڑا ظالم اور جابر حکمراں تھا، جس نے خدائی کا دعویٰ کیا تھا۔ ایک بار اس کے نجومیوں نے اسے خبر دی کہ اس عظیم الشان سلطنت میں ایک ایسا بچہ پیدا ہونے والا ہے جو مستقبل میں اس عظیم سلطنت کے عظیم حکمراں کی بربادی کا سبب بنے گا۔ فرعون اپنے مستقبل اور اپنی سلطنت کی بربادی محسوس کر کے خوف زدہ ہوگیا اور اس نے حکم دیا کہ ملک میں جتنے بچے پیدا ہوں سب قتل کر دیئے جائیں تا کہ وہ بچہ نہ زندہ رہے نہ بڑا ہو اور میری خدائی پر ضرب نہ آنے پائے۔ چنانچہ فرعون کا حکم پا کر اس کے سپاہی تلواریں لے کر ملک میں گھومنے لگے۔ جس کسی عورت کے بچہ پیدا ہوتا اسے قتل کر دیتے۔ اس طرح سیکڑوں بچے دھرتی پر قدم رکھتے ہی موت کا شکار بنا دیئے گئے۔ اسی دوران ایک عورت کے یہاں بچہ پیدا ہوتا ہے، وہ تین روز تک کسی نہ کسی طرح اپنے بچے کو فرعون کے جلادوں سے چھپا کر رکھتی ہے لیکن جب اسے یقین ہو جاتا ہے کہ اس کا چھپانا ناممکن ہے، کسی نہ کسی وقت فرعون کے سپاہیوں کو پتہ چل جائے گا اور میرا بچہ میری گود سے چھین کر ذبح کر دیا جائے گا تو اسے ایک تدبیر سوجھتی ہے، وہ اپنے جگر کے ٹکڑے کو لکڑی کے صندوق میں تیرا کر دریائے نیل کے بہاؤ پر چھوڑ دیتی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ بچہ اگر میرے پاس رہے گا تو اس کی زندگی خطرے میں رہے گی اور اس طرح شاید کسی آدمی کو مل جائے اور وہ اس کی پرورش کرے، میرے پاس نہیں رہا تو کیا ہوا کم از کم اس کی جان تو بچ جائے گی۔ اتفاق سے دریائے نیل فرعون کے محل کے پاس سے ہو کر گذرتا تھا۔ فرعون کی بیوی نے جب دریا میں صندوق تیرتے ہوئے دیکھا تو اسے اپنی لونڈیوں کے ذریعہ اٹھوایا، اسے کھولا گیا تو اس میں ایک خوبصورت نوزائیدہ بچہ ملا، بچہ محل میں لایا گیا۔ فرعون کی بیوی نے فرعون سے کہا کہ ہمارے پاس کوئی اولاد نہیں ہے اس لئے ہم اسے اپنی اولاد بنالیں، فرعون نے کہا کہ ہم بچوں کو قتل کرتے ہیں اور تم ان کی پرورش کرنا چاہتی ہو،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لا ڈالے اسے بھی قتل کر دیں، لیکن فرعون کی بیوی نے سختی سے منع کیا اور کہا جس بچے سے تمہیں خطرہ ہے یہ بچہ وہ نہیں ہے، اس کی بے پایاں محبت میرے دل میں گھر کر چکی ہے، اب اسے اپنے سے جدا کرنا میرے لئے ممکن نہیں رہا۔ فرعون اپنی بیوی کی التجا سے متاثر ہو کر قتل سے باز آ گیا اور پھر اس بچے کی پرورش فرعون کے محل میں ہونے لگی اور یہ بچہ جب بڑا ہوا تو یہی موسیٰ پیغمبر بنا، جس کی وجہ سے فرعون اپنے تمام لشکر سمیت سمندر میں غرق ہو گیا اور اس کی جھوٹی خدائی ختم ہو گئی۔

غور کرنے کی بات ہے کہ فرعون نے جس موسیٰ کے لئے سیکڑوں بچوں کو قتل کرایا اسی موسیٰ کی پرورش فرعون کی گود اور اس کے محل میں ہوئی، اس لئے کہ مارنے اور جلانے کی قدرت فرعون یا کسی بھی طاقتور شخصیت کے اندر نہیں ہے بلکہ خدائے واحد کے پاس ہے، وہ جسے بچانا چاہتا ہے اسے موت کے منہ میں بچا لیتا ہے۔ لیکن جب وہ مارنا چاہتا ہے تو پھر دنیا کی کوئی طاقت نہیں بچا سکتی۔

۱۹۵۷ء کا ایک چشم دید واقعہ ہے کہ گورکھپور سے گونڈہ جانے والی ٹرین کو اپور ریلوے اسٹیشن سے چھوٹی اور جب اس نے بلرام پور سے پہلے راپتی ندی کے پل کو پار کیا تو ٹرین کے ڈرائیور نے دیکھا کہ ایک نوجوان لڑکی دوڑتی ہوئی آئی اور خودکشی کے ارادہ سے ریل کی پٹری پر لیٹ گئی۔ ہوشیار ڈرائیور نے پوری طاقت سے بریک لگا دیئے اور ٹرین کو لڑکی کے جسم پر گذرنے سے پہلے ہی روک لیا۔ جب وہ اترا تو اس نے دیکھا لڑکی پٹری پر لیٹی ہے اور اس کا جسم انجن سے صرف ایک بالشت دور رہ گیا ہے۔ اس نے لڑکی کو ہلا کر اسے آواز دی تو اسے محسوس ہوا کہ لڑکی مر چکی ہے کیوں کہ انجن کے گذرنے سے پہلے ہی مارے خوف کے اس کی حرکتِ قلب بند ہو چکی تھی۔ ڈرائیور محمد قاسم نے اپنے زانو پر ہاتھ مار کر کہا کہ میں بیس سال سے ریلوے میں ملازمت کر رہا ہوں لیکن جتنی طاقت اور تیزی کے ساتھ میں نے ٹرین کو روکا ہے اس سے پہلے کبھی اس طرح کی نوبت نہیں آئی ہے۔ میری پوری کوشش تھی کہ میں اس لڑکی کو مرنے سے بچا لوں، لیکن وہ قادرِ مطلق جس کے ہاتھ میں زندگی اور موت ہے، جب وہ نہیں بچانا چاہتا تھا تو میری ساری تدبیریں فیل ہو گئیں۔

ہدایت اور گمراہی بھی اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ وہ جسے چاہے ہدایت دے اور جسے چاہے اس سے محروم کر دے۔ وہ چاہے تو آذر جیسے بت فروش اور بت پرست کے یہاں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابراہیم خلیل اللہ کو پیدا کردے اور چاہے تو نوح پیغمبر کے بیٹے کنعان کو ہدایت سے محروم کر کے راندۂ درگاہ کردے۔ اللہ کے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہر خطبہ میں یہ فرمایا کرتے تھے۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَ مَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ. یعنی جسے اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا اور جسے وہ گمراہ کردے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر اس بات کی بڑی تڑپ تھی کہ مکہ والے اللہ تعالیٰ کے دین کو قبول کر کے نجات اخروی اور فلاحِ دنیا کے مستحق بن جائیں، اس کے لئے آپؐ صبح وشام مکہ کی گلیوں میں دیوانہ وار پھرا کرتے تھے کہ کوئی اللہ کا بندہ مل جائے اور اللہ کے پیغام کو قبول کرلے، آپ کی اس پگھلا دینے والی بے قراری کا یہ عالم تھا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ کہف میں فرمایا فَلَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ عَلٰٓی اٰثَارِھِمْ اِنْ لَّمْ یُؤْمِنُوْا بِھٰذَا الْحَدِیْثِ اَسَفاً. یعنی ''اے نبی! شاید تم ان مشرکوں کے پیچھے پڑ کر (مارے غم کے) اپنے آپ کو ہلاک کرڈالو گے۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے فرمایا لَیْسَ عَلَیْکَ ھُدَاھُمْ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ. یعنی ''اے نبی! تم پر ان کو ہدایت دینے کی ذمہ داری نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے گا ہدایت دے گا۔ یہ بھی فرمایا وَمَآ اَنْتَ بِھٰدِی الْعُمْیِ عَنْ ضَلٰلَتِھِمْ. یعنی ''اور اے پیغمبر! تم اندھوں کو گمراہی سے (روک کر) راہ نہیں دکھا سکتے۔''

نبوت کے دسویں سال آپؐ کے مشفق چچا ابوطالب کا انتقال ہوا، وفات سے کچھ پہلے آپؐ نے ان سے کہا چچا! آپ میرے کان میں لا الٰہ الا اللہ کہہ دیجئے تو میں اللہ کے یہاں اس بات کی گواہی دوں گا کہ میرے چچا نے کلمۂ توحید پڑھا تھا۔ لیکن ابوطالب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس قیمتی پیش کش کو قبول کرنے سے انکار کردیا اور کہا اِخْتَرْتُ النَّارَ عَلَی الْعَارِ. ''میں نے آگ کو پسند کرلیا ہے عار پر'' یعنی مجھے جہنم میں جلنا منظور ہے لیکن یہ گوارا نہیں ہے کہ دنیا مجھے طعنہ دے کہ ابوطالب اپنے باپ دادا کے دین کو چھوڑ کر بھتیجے کے دین پر آگیا۔ اس طرح ابوطالب ہدایت کی دولت سے محروم رہے۔

عزت اور ذلت بھی اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جسے چاہے عزت دے جسے چاہے ذلیل کردے۔ وہ جسے چاہے پلک جھپکتے بادشاہ بنادے اور جس سے چاہے تختِ شاہی چھین کر اسے دردر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور کردے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت یوسف علیہ السلام بارہ بھائی تھے۔ان کے علاوہ گیارہ بھائی تھے جو مختلف سوتیلی ماؤں سے تھے۔حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسفؑ سے نسبتاً زیادہ محبت تھی۔ بھائیوں کو یہ بات بہت ناگوار تھی۔انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ یوسفؑ کو باپ سے جدا کر دیا جائے۔ حضرت یعقوبؑ کو دھوکہ دے کر وہ لوگ حضرت یوسفؑ کو لے گئے اور ایک ویران کنوئیں میں ڈال دیا۔شام کو روتے ہوئے باپ کے پاس واپس آئے اور کہنے لگے یٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَ تَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ. وَ مَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَ لَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ. یعنی ''ابا جان،ہم دوڑ کا مقابلہ کرنے میں لگ گئے اور یوسفؑ کو ہم نے اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا تھا کہ اتنے میں بھیڑیا آکر اسے کھا گیا،آپ ہماری بات کا یقین نہیں کریں گے چاہے،ہم سچے ہی ہوں۔'' ثبوت کے لئے انہوں نے یوسفؑ کے اس خون آلود کرتے کو پیش کر دیا، جسے وہ کسی جانور کے خون سے رنگ لائے تھے۔

دوسری طرف ایک قافلہ آیا۔اور جب اس کا ایک آدمی پانی لینے کنویں پر گیا اور اس نے ڈول ڈالا تو یوسفؑ پر اس کی نگاہ پڑی۔وہ چلایا یٰبُشْرٰى هٰذَا غُلٰمٌ. مبارک ہو یہاں تو ایک لڑکا ہے۔اس طرح حضرت یوسفؑ کنویں سے نکالے گئے۔اب وہ لوگ انہیں مصر کے بازار میں لے گئے اور عزیز مصر کی بیوی نے انہیں چند درہم میں خرید لیا۔

جب جوان ہوئے تو حسن و جمال کے اس مجسمہ پر وہ فریفتہ ہوگئی،اس نے بار بار انہیں اپنی طرف مائل کرنا چاہا مگر وہ خود کو اس سے بچاتے رہے۔ پھر مصر کی عورتوں میں یہ بات پھیل گئی کہ عزیز مصر کی بیوی اپنے غلام پر فریفتہ ہوگئی ہے اور اس کی محبت نے اسے دیوانہ بنا دیا ہے۔عزیز مصر کی بیوی نے جب اپنے خلاف عورتوں کی اس طرح کی گفتگو کو سنا تو اس نے ایک دن سب کی دعوت کی اور ان کے لئے تکیہ دار مجلس آراستہ کی اور ضیافت میں ہر ایک کے سامنے ایک ایک چھری رکھ دی۔ پھر عین اس وقت جب کہ وہ پھل کاٹ کاٹ کر کھا رہی تھیں،اس نے حضرت یوسفؑ کو اشارہ کیا کہ ان کے سامنے نکل آ۔ جب عورتوں کی نگاہ ان پر پڑی تو وہ دنگ رہ گئیں اور بدحواسی کے عالم میں چھریوں سے پھل کاٹنے کے بجائے اپنے ہاتھ کاٹ بیٹھیں اور بے ساختہ پکار اٹھیں ''حَاشَ لِلّٰهِ یہ کوئی انسان نہیں ہے،یہ تو کوئی بزرگ فرشتہ ہے۔'' عزیز کی بیوی نے کہا'' دیکھ لیا، یہ ہے وہ شخص جس کے بارے میں تم مجھے ملامت کرتی تھیں، بے شک میں نے اسے رجھانے کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کوشش کی مگر یہ بچ نکلا۔ اگر یہ میرا کہنا نہ مانے گا تو قید کرلیا جائے گا اور بہت ذلیل وخوار ہوگا۔''

اب حضرت یوسفؑ کے سامنے دو ہی راستے تھے، ایک معصیت کا راستہ تھا دوسرا مصیبت کا۔ اگر اللہ کی نافرمانی سے بچنا چاہتے ہیں تو جیل جانا پڑتا ہے اور جیل خانے سے بچنا چاہتے ہیں تو اللہ کی نافرمانی کرنی پڑتی ہے۔ اب وہ اللہ سے دعا کرتے ہیں۔ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْهِ وَ اِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ كَیْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَیْهِنَّ وَ اَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِیْنَ. یعنی'' اے میرے رب! مجھے قید منظور ہے اس کام سے جو یہ لوگ مجھ سے چاہتے ہیں۔ اور اگر تو نے ان کی چالوں کو مجھ سے دفع نہ کیا تو میں ان کے دام میں پھنس جاؤں گا اور جاہلوں میں شامل رہوں گا۔''

اب حضرت یوسفؑ ایک اخلاقی جرم میں جھوٹا الزام لگنے کے بعد قید خانہ میں ڈال دیے گئے۔ کافی عرصہ تک وہاں رہے۔ حالات نے پلٹا کھایا۔ قید خانہ سے باعزت طور پر رہا ہوئے اور ملکِ مصر کے بادشاہ بن گئے اور دو چار سال تک نہیں، دس بیس سال تک نہیں بلکہ پورے اسی سال تک مصر کے حکمراں رہے۔

بھائیوں نے جب انہیں کنویں میں ڈالا تھا تو وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ وہ اپنے راستہ کا کانٹا ہٹا رہے ہیں۔ حالاں کہ وہ اپنے راستہ کا کانٹا نہیں ہٹا رہے تھے بلکہ یوسفؑ کو بامِ عروج کے پہلے زینہ پر پہنچا رہے تھے۔ جب عزیز مصر کی بیوی نے ان پر جھوٹا الزام لگا کر انہیں قید خانہ میں ڈالا تھا تو وہ سمجھ رہی تھی کہ وہ یوسفؑ کو ذلیل کر رہی ہے اور ان سے انتقام لے رہی ہے حالاں کہ وہ انتقام نہیں لے رہی تھی بلکہ سلطنتِ مصر پر پہنچنے کے لئے راستہ ہموار کر رہی تھی۔

پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ بھائیوں کے یہاں قحط سالی پڑ گئی، لوگ بھوکوں مرنے لگے۔ یہ لوگ معمولی پونجی لے کر غلہ لینے مصر پہنچے اور حضرت یوسفؑ سے کہنے لگے یٰٓاَیُّهَا الْعَزِیْزُ مَسَّنَا وَ اَهْلَنَا الضُّرُّ وَ جِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَیْلَ وَ تَصَدَّقْ عَلَیْنَا. اِنَّ اللّٰهَ یَجْزِی الْمُتَصَدِّقِیْنَ. یعنی'' اے سردار باقتدار، ہم اور ہمارے اہل وعیال سخت مصیبت میں مبتلا ہیں، اور ہم کچھ حقیری پونجی لے کر آئے ہیں۔ آپ ہمیں بھرپور غلہ عنایت فرمائیں اور ہم کو خیرات دیں۔ حضرت یوسفؑ نے ان سے پوچھا هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِیُوْسُفَ وَ اَخِیْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ. یعنی ''تمہیں کچھ یہ بھی معلوم ہے کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیا تھا جب کہ تم نادان تھے؟" وہ چونک کر بولے ءَ اِنَّکَ لَاَنْتَ یُوْسُفُ کیا تم یوسف ہو؟ انہوں نے کہا اَنَا یُوْسُفُ وَ هٰذَا اَخِیْ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَیْنَا اِنَّهٗ مَنْ یَّتَّقِ وَ یَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ. یعنی "میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ اللہ نے ہم پر احسان فرمایا۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر کوئی تقویٰ اور صبر سے کام لے تو اللہ کے یہاں ایسے نیک لوگوں کا اجر ضائع نہیں جاتا۔"

غور کرنے کی بات ہے کہ جو یوسفؑ بھائیوں کے حسد کا شکار ہو کر کنویں میں ڈال دیا گیا وہ ملکِ مصر کا بادشاہ بن گیا اور جن بھائیوں نے اس کے ساتھ یہ بدسلوکی کی تھی وہ بھیک مانگنے اسی یوسفؑ کے در پر پہنچے۔ کیوں کہ عزت اور ذلت کسی انسان کے بس میں نہیں ہے بلکہ یہ اللہ کے اختیار میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِیَدِكَ الْخَیْرُ. اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ. یعنی "اے نبی! کہو، اے مالک الملک تو جسے چاہے ملک دے اور جس سے چاہے ملک چھین لے اور جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلیل کر دے، ساری بھلائیاں تیرے ہاتھ میں ہیں، بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔"

وہی بیمار کرتا ہے اور وہی بیماروں کو شفا بھی دیتا ہے۔ وہ جسے بیمار رکھنا چاہتا ہے ڈاکٹروں کی فوج اور دواؤں کا اسٹاک اس کے لئے موجبِ شفا نہیں بن سکتے لیکن جسے شفا دینا چاہتا ہے معمولی سی دوا سے اس کی صحت واپس آ جاتی ہے۔ ہر دوا اللہ تعالیٰ کے اذن اور حکم ہی سے نفع بخش ہوتی ہے۔ کسی دوا میں اپنے طور پر کوئی تاثیر نہیں ہوتی۔ تاثیر پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے، وہ جس دوا کو جس مریض کے لئے چاہتا ہے مفید بنا دیتا ہے اور جس دوا کو چاہتا ہے غیر مفید بنا دیتا ہے ورنہ اگر ہر دوا مفید ہوتی اور ہر طبی معالجہ نفع بخش ہوتا تو نہ تو کوئی دوا بے اثر ہوتی اور نہ کوئی ڈاکٹر ناکام ہوتا اور نہ کوئی مریض اسپتال میں دم توڑتا۔

وہی اولاد دیتا ہے اور وہی جسے چاہے بانجھ رکھتا ہے۔ وہ جسے اولاد دینا چاہے اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جسے وہ بانجھ بنا دے اسے کسی در سے اولاد نہیں مل سکتی۔ اللہ تعالیٰ سورۂ شوریٰ میں ارشاد فرماتا ہے: لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ. یَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اِنَاثاً وَّ یَھَبُ لِمَنْ یَّشَاءُ الذُّکُوْرَ. اَوْ یُزَوِّجُھُمْ ذُکْرَانًا وَّ اِنَاثًا وَّیَجْعَلُ مَنْ یَّشَاءُ عَقِیْمًا. اِنَّهٗ عَلِیْمٌ قَدِیْرٌ. یعنی 'اللہ ہی کے لئے زمین اور آسمانوں کی بادشاہت ہے۔ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے لڑکیاں دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے لڑکے دیتا ہے۔ یا لڑکے اور لڑکیاں دونوں دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بانجھ بنا دیتا ہے۔ وہ جاننے والا اور ہر چیز پر قادر ہے۔''

چنانچہ اس نے حضرت شعیب علیہ السلام کو لڑکیاں ہی لڑکیاں دیں۔ حضرت یعقوبؑ کو لڑکے ہی لڑکے دیئے، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو لڑکے بھی دیئے اور لڑکیاں بھی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بے اولاد رکھا نہ لڑکا دیا نہ لڑکی۔

روزی کی کنجی بھی اسی کے ہاتھ ہے۔ جس کے لئے چاہے روزی کشادہ کر دے اور جس کے لئے چاہے تنگ کر دے۔ سورۂ روم میں ارشاد ہوتا ہے: اَنَّ اللّٰهَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یَقْدِرُ. یعنی ''بے شک اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہتا ہے روزی کشادہ کر دیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔''

اس کا خزانہ اتنا بڑا ہے کہ اس میں کسی چیز کی کمی نہیں ہوتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''دنیا میں جتنے انسان اس وقت موجود ہیں اور جتنے انسان اس سے پہلے پیدا ہو چکے ہیں اور قیامت تک جتنے انسان پیدا ہونے والے ہیں، سب کے سب مل کر اللہ تعالیٰ سے اپنی مرادیں مانگیں، اپنی ضروریات کی چیزیں طلب کریں اور اتنا نہ مانگیں جتنی ان کو ضرورت ہو بلکہ اتنا مانگیں جتنی ان کے حساب میں آسکتی ہو، اور اللہ تعالیٰ سب کی مرادیں پوری کر دے، سب کو ان کے حساب سے دیدے تب بھی اس کے خزانہ میں اتنی بھی کمی واقع نہ ہوگی جتنا سمندر میں انگلی ڈال کر نکال لینے سے انگلی میں پانی لگ جائے۔''

لیکن یہ مادہ پرست لوگ کہتے ہیں کہ اگر دنیا میں آبادی پر آبادی بڑھتی چلی جائے گی تو ان کی روٹی روزی کا انتظام کیسے ہوگا؟ اس طرح کی باتیں وہی لوگ کہہ سکتے ہیں جو اللہ کے بجائے انسان کو روزی رساں سمجھتے ہیں۔ کیوں کہ جو اللہ فضاؤں میں اڑنے والے پرندوں کو، سمندر کی مچھلیوں کو اور زمین کے اندر رینگنے والے کیڑوں کو روزی بہم پہنچاتا ہے، کیا اس کی خدائی اتنی اندھیر نگری ہے کہ وہ آبادی پر آبادی بڑھاتا چلا جائے اور ان کی روزی کا انتظام نہ کر سکے؟

غور کرنے کا مقام ہے کہ ۱۹۴۷ء سے پہلے جب ہندوستان کی تقسیم نہیں ہوئی تھی،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش تینوں ایک ہی ملک تھے اور اس وقت متحدہ ہندوستان کی کل آبادی تقریباً تیس کروڑ تھی، بنگال میں قحط سالی پڑی جس کے نتیجہ میں تیس لاکھ آدمی بھوک سے مر گئے۔ اب یہ ملک تین حصوں میں بٹ چکا ہے اور صرف ہندوستان کی آبادی ایک ارب تک پہنچ گئی ہے مگر ہندوستان میں بھکمری نہیں ہے۔ اتنی کثیر آبادی کی نہ صرف غذائی ضروریات پوری ہو رہی ہیں بلکہ ہندوستان اب دوسرے ملکوں کو غلہ سپلائی کرنے کا اہل بن چکا ہے۔ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب کھانے والے پیدا کیے تو انہی زمینوں میں بیس گنی اور پچاس گنی پیداوار کی صلاحیت بھی بخشی۔

الغرض لینے والا بھی وہی ہے اور دینے والا بھی وہی ہے، مارنے والا بھی وہی ہے اور جلانے والا بھی وہی ہے، بیمار کرنے والا بھی وہی ہے اور شفا دینے والا بھی وہی ہے، عزت دینے والا بھی وہی ہے اور ذلت دینے والا بھی وہی ہے، اٹھانے والا بھی وہی ہے اور گرانے والا بھی وہی ہے، قارون کو زمین میں دھنسانے والا وہی ہے اور حضرت موسیٰ کو دریا کی لہروں سے بچانے والا بھی وہی ہے، فرعون کو دریا میں غرق کرنے والا وہی ہے اور حضرت عیسیٰ کو زندہ آسمان پر اٹھا لے جانے والا بھی وہی ہے، ابوجہل وابولہب کو ہدایت سے محروم رکھنے والا وہی ہے اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر خاتم النبیین کا تاج رکھنے والا بھی وہی ہے۔

وہی تنہا کائنات کا اور کائنات کی ایک ایک چیز کا خالق ہے، تخلیق میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ وہی اکیلا مالک الملک ہے، نظامِ عالم کا مدبر و منتظم وہی ہے، اپنی تمام مخلوقات کا رزق رساں اور پالنہار وہی ہے اور آڑے وقت میں ہر ایک کی مدد کرنے والا اور فریاد رس صرف وہی ہے۔ خدائی کے ان کاموں میں کسی دوسرے کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ اخلاص میں فرمایا: قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ. اَللّٰهُ الصَّمَدُ. لَمْ يَلِدْ. وَلَمْ يُوْلَدْ. وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ. یعنی ''کہو وہ اللہ ہے یکتا، اللہ سب سے بے نیاز ہے اور سب اس کے محتاج ہیں، نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد، اور اس کا کوئی ہمسر نہیں ہے۔''

حضرت انس کا بیان ہے کہ خیبر کے کچھ یہودی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور انہوں نے کہا اے ابوالقاسم! اللہ نے ملائکہ کو نور سے، آدم کو سڑے ہوئے گارے سے، ابلیس کو آگ کے شعلہ سے، آسمان کو دھوئیں سے اور زمین کو پانی کے جھاگ سے بنایا۔ اب ہم کو اپنے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رب کے متعلق بتایئے کہ وہ کس چیز سے بنا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا، پھر حضرت جبرئیل آئے اور یہ سورۂ نازل ہوئی۔

روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ یہودیوں کے کچھ علماء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور انہوں نے کہا اے محمد! اپنے رب کی کیفیت ہمیں بتایئے، شاید کہ ہم اس پر ایمان لے آئیں۔ آپ بتایئے وہ کس چیز سے بنا ہے، کس جنس سے ہے، سونے سے بنا ہے یا تانبے سے، پیتل سے یا لوہے سے، یا چاندی سے؟ اور وہ کیا کھاتا ہے اور کیا پیتا ہے اور کس سے دنیا میں اس نے وراثت پائی ہے اور اس کے بعد کون اس کا وارث ہوگا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ سورۂ نازل فرمائی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی دعوت لے کر اٹھے تھے اس وقت دنیا کے مذہبی تصورات کا یہ عالم تھا کہ بت پرست مشرکین ان خداؤں کو پوج رہے تھے جو پتھر، لکڑی، سونے، چاندی وغیرہ مختلف چیزوں سے بنے تھے۔ شکل وصورت اور جسم رکھتے تھے، دیوی دیوتاؤں کی باقاعدہ نسل چلتی تھی۔ کوئی دیوی بے شوہر نہ تھی اور نہ کوئی دیوتا بے زوجہ تھا۔ ان کو کھانے پینے کی ضرورت بھی لاحق ہوتی تھی اور ان کے پرستاران کے لئے اس کا انتظام بھی کرتے تھے۔ مشرکین کی بڑی تعداد اس بات کی قائل تھی کہ خدا انسانی شکل میں ظہور کرتا ہے اور کچھ لوگ اس کے اوتار ہوتے ہیں۔ عیسائی اگرچہ ایک خدا ماننے کے مدعی تھے، مگر وہ بھی خدا کا ایک بیٹا مانتے تھے اور باپ بیٹا کی خدائی میں روح القدس کو بھی حصہ دار ہونے کا شرف حاصل تھا، حتیٰ کہ خدا کی ماں بھی ہوتی تھی اور اس کی ساس بھی۔ یہودی بھی ایک خدا کو ماننے کا دعویٰ کرتے تھے مگر ان کا خدا بھی مادیت اور جسمانیت اور دوسری صفاتِ انسانی سے خالی نہ تھا، وہ ٹہلتا تھا، انسانی شکل میں نمودار ہوتا تھا وغیرہ۔ یہودیوں اور عیسائیوں کے علاوہ مجوسی آتش پرست تھے اور صابی ستاروں کی پوجا کرتے تھے۔ ان حالات میں جب اللہ وحدہ لاشریک کو ماننے کی دعوت دی گئی تو ان کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہونا لازمی امر تھا کہ وہ رب ہے کس قسم کا، جسے ارباب اور معبودوں کو چھوڑ کر تنہا ایک ہی رب اور معبود تسلیم کرنے کی دعوت دی جارہی ہے۔ قرآن نے ان کے اس طرح کے سوالات کا جواب چند الفاظ میں دے کر خدا کی ہستی کا ایسا واضح تصور پیش کر دیا جو تمام مشرکانہ تصورات کا قلع قمع کر دیتا ہے، اور اس کی ذات کے ساتھ مخلوقات کی صفات میں سے کسی صفت کی آلودگی کے لئے کوئی گنجائش باقی نہیں رہنے دیتا۔ اس لئے بتایا کہ وہی اکیلا رب ہے، کسی دوسرے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کار بوبیت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔اور چونکہ الٰہ یعنی معبود وہی ہو سکتا ہے جو رب یعنی پروردگار ہو، اس لئے ربوبیت میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں ہے، وہی خدا ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، نہ اس سے پہلے کوئی خدا تھا نہ اس کے بعد کوئی خدا ہوگا، اس کا کوئی ہم جنس نہیں ہے، نہ وہ کسی سے پیدا ہوا ہے اور نہ اس نے کسی کو جنا ہے، ساری دنیا اس کی محتاج ہے اور وہ کسی کا محتاج نہیں، دنیا کی ہر چیز اپنے وجود و بقا اور اپنی حاجات وضروریات کے لئے شعوری یا غیر شعوری طور پر اسی کی طرف رجوع کرتی ہے اور سب کی حاجات پوری کرنے والا وہی ہے، وہ غیر فانی اور لازوال ہے، رزق دیتا ہے لیتا نہیں ہے، ساری کائنات پر اس کی سیادت قائم ہے اور وہ سب سے برتر ہے۔

یہی نہیں کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے، بلکہ اس کائنات میں کسی انسان کے اندر یا کسی سیارے کے اندر، یا کسی بھی مخلوق کے اندر جتنی خوبیاں ہیں، جتنے محاسن اور کمالات ہیں ان تمام خوبیوں اور کمالات کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہے۔ مثلاً انسان، جس کے اندر بڑی بڑی خوبیاں ہیں، یہ بولتا ہے، اس کے اندر قوت گویائی ہے، یہ اپنے سامنے کی چیزوں کو دیکھ کر ان کی رنگت اور شکل معلوم کر لیتا ہے، اس کے اندر قوتِ بصارت ہے، یہ اپنے آس پاس کی آواز کو سن لیتا ہے، اس کے اندر قوتِ سماعت ہے، یہ اپنے دماغ سے کام لے کر بھلے برے کی تمیز کر لیتا ہے، اس کے اندر قوتِ تخیّل ہے۔

لیکن انسان کی یہ تمام غیر معمولی صلاحیتیں انسان کا ذاتی کمال نہیں ہیں بلکہ یہ سب اللہ کا عطیہ اور اسی کی دین ہیں۔ وہ چاہے تو زبان ہونے کے باوجود قوتِ گویائی چھین کر انسان کو گونگا بنا دے۔ وہ چاہے تو آنکھ ہونے کے باوجود قوتِ بصارت چھین کر انسان کو اندھا بنا دے، وہ چاہے تو کان ہونے کے باوجود قوتِ سماعت چھین کر انسان کو بہرا بنا دے، وہ چاہے تو دماغ ہونے کے باوجود قوتِ تخیّل چھین کر انسان کو پاگل بنا دے۔

اسی طرح سے یہ سورج، جو چوتھے آسمان پر اور ہماری اس زمین سے ۹ کروڑ ۳۰ لاکھ میل کی دوری پر ہے، اس کے باوجود اس کی کرنیں تین آسمانوں کا سینہ چیرتی ہوئی پوری دنیا کو منور کرتی ہیں۔

لیکن سورج کی یہ غیر معمولی خوبی، اس کی ذاتی خوبی نہیں ہے بلکہ یہ بھی اللہ کے حکم اور اس کی مرضی سے ہے، وہ جب چاہتا ہے سورج کو روشن رکھتا ہے اور جب چاہتا ہے اسے غروب کر کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دنیا میں اندھیرا کر دیتا ہے۔

اس لئے جو ذات ایسی ہے کہ ہم اس کے گرویدہ اور پرستار بنیں، جس کے احسان مند اور شکر گذار بنیں، جسے اپنی امیدوں اور اپنے اعتماد کا مرکز بنائیں، جس کی رضا چاہیں، جسے ولی اور کارساز، حاجت روا اور مشکل کشا سمجھیں، جس سے دعائیں اور حاجتیں مانگیں، جسے غیبی مدد کے لئے پکاریں، جس پر توکل اور بھروسہ کریں، دل میں جس کا خوف اور تقویٰ رکھیں، جس سے امیدیں وابستہ کریں اور جس سے حقیقی محبت رکھیں تو وہ اللہ اور صرف اللہ کی ذات ہے۔ یہی عقیدۂ توحید ہے اور اس طرح کا عقیدہ رکھنے والے اور اس عقیدہ کے بنیادی تقاضوں کو پورا کرنے والے کو موحد کہا جاتا ہے۔

نہ صرف تمام انبیاء بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ۲۳ سالہ نبوی دور کی تعلیمات کا نچوڑ یہی ہے، لوگوں کو توحید کی دعوت دینا۔ حالی مرحوم نے خوب لکھا ہے۔

یہ سنتے ہی تھرا گیا گلہ سارا
یہ راعی نے للکار کر جب پکارا

کہ ہے ذاتِ واحد عبادت کے لائق — زبان اور دل کی شہادت کے لائق
اسی کے ہیں فرماں اطاعت کے لائق — اسی کی ہے سرکار خدمت کے لائق

لگاؤ تو لو اپنی اس سے لگاؤ
جھکاؤ تو سر اس کے آگے جھکاؤ

اسی پر ہمیشہ بھروسہ کرو تم — اسی کے سدا عشق کا دم بھرو تم
اسی کی طلب میں مرو گر مرو تم — اسی کے غضب سے ڈرو گر ڈرو تم

مبرا ہے شرکت سے اس کی خدائی
نہیں اس کے آگے کسی کی بڑائی

قرآن مجید میں سب سے زیادہ جس چیز کا بیان ہے وہ توحید ہے۔ جگہ جگہ مختلف انداز سے اس کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے۔ مثلاً سورۂ بقرہ کی آیت ہے:

اِلٰـهُكُمْ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ. یعنی "تمہارا معبود ہی ایک معبود ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، بہت رحم کرنے والا مہربان ہے۔" سورۂ آلعمران میں ارشاد

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوا شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا ۢ بِالْقِسْطِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ. یعنی ''اللہ نے گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتے اور علم والے بھی، (گواہ ہیں) انصاف کے ساتھ حکومت کر رہا ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں زبردست حکمت والا ہے۔'' سورۂ نحل کی آیت ہے وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ. یعنی ''اور اللہ نے فرمایا کہ دو خدا مت بناؤ بس وہی ایک خدا ہے۔'' سورۂ مائدہ میں ارشاد ہوا: لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ. یعنی ''وہ لوگ تو کافر ہو چکے جو کہتے ہیں کہ اللہ تین میں کا ایک ہے، حالاں کہ ایک خدا کے سوا کوئی معبود نہیں۔'' سورۂ بقرہ میں یوں فرمایا گیا: اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ. یعنی ''کیا تجھے نہیں معلوم کہ زمین اور آسمانوں میں اللہ ہی کی بادشاہت ہے اور اس کے سوا کوئی تمہارا حمایتی اور مددگار نہیں ہے۔'' سورۂ انعام میں ارشاد ہوا: وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ، وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ. یعنی ''اللہ اگر تجھے کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا کوئی اس کا دور کرنے والا نہیں اور اگر تجھ کو کوئی بھلائی پہنچائے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے۔'' سورۂ مومنون میں ارشاد ہوا قُلْ مَنْ ۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۔ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ. یعنی ''ان سے کہو، بتاؤ اگر تم جانتے ہو کہ ہر چیز پر اقتدار کس کا ہے اور کون ہے جو پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلے میں کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔ یہ ضرور کہیں گے کہ یہ بات تو اللہ ہی کے لئے ہے۔'' اسی سورۂ کی ایک آیت ہے وَهُوَ الَّذِيْ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ. یعنی ''وہی زندگی بخشتا ہے اور وہی موت دیتا ہے اور گردش لیل ونہار اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔'' سورۂ ذاریات میں یوں آیا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ یعنی ''بے شک روزی دینے والا بس اللہ تعالیٰ ہی ہے جو طاقت والا مضبوط ہے۔'' سورۂ انبیاء میں فرمایا گیا: لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا. یعنی ''اگر آسمان اور زمین میں اللہ کے سوا دوسرے خدا بھی ہوتے تو دونوں برباد ہو جاتے۔'' سورۂ نمل میں یوں ارشاد ہوا اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ مَّا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ. یعنی ''بھلا وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اورتمہارے لئے آسمان سے پانی برسایا پھراس کے ذریعہ خوشنما باغ اگائے جن کے درختوں کا اگانا تمہارے بس میں نہ تھا کیا اللہ کے سوا دوسرا خدا بھی (ان کاموں میں شریک) ہے؟'' اسی سورۃ میں یہ بھی آیا: اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَاراً وَّ جَعَلَ خِلٰلَهَا اَنْهٰراً وَّ جَعَلَ لَهَا رَوَاسِیَ وَ جَعَلَ بَیْنَ الْبَحْرِ حَاجِزاً ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ یعنی ''اورکون ہے جس نے زمین کو جائے قرار بنایا اوراس کے اندر دریا رواں کئے اوراس میں (پہاڑوں کی میخیں) گاڑ دیں اور پانی کے دو ذخیروں کے درمیان پردے حائل کردیئے۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا بھی (ان کاموں میں) شریک ہے؟'' سورۂ نمل ہی کی آیت ہے اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَ یَکْشِفُ السُّوْٓءَ وَ یَجْعَلُکُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ. یعنی ''کون ہے جو بے قرار کی دعا سنتا ہے جب کہ وہ اسے پکارے اورکون اس کی تکالیف کو رفع کرتا ہے اور (کون ہے جو) تمہیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے، کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا بھی (یہ کام کرنے والا) ہے؟'' یہ آیت بھی اسی سورۂ کی ہے: اَمَّنْ یَّهْدِیْکُمْ فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ مَنْ یُّرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْراً بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ. یعنی ''اورکون ہے جو خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں تمہیں راستہ دکھاتا ہے اورکون اپنی رحمت کے آگے ہواؤں کو خوشخبری کے لئے بھیجتا ہے، کیا اللہ کے سوا کوئی دوسرا خدا بھی (یہ کام کرتا) ہے؟'' اسی سورۃ میں یہ بھی ارشاد ہوا: اَمَّنْ یَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ وَ مَنْ یَّرْزُقُکُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ. یعنی ''اورکون ہے جو خلق کی ابتدا کرتا اور پھراس کا اعادہ کرتا ہے اورکون تمہیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے، کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا بھی (ان کاموں میں حصہ دار) ہے؟''

قُلْ یٰٓاَهْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَ بَیْنَکُمْ اَنْ لَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشْرِکَ بِهٖ شَیْئاً وَّ لَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضاً اَرْبَاباً مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ. یعنی ''اے نبی! کہہ دو، اے اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) ایسی بات پر آجاؤ جو ہم میں اور تم میں برابر ہے یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کو نہ پوجیں اور کسی کو اللہ کا شریک نہ بنائیں اور نہ ہم آپس میں اللہ کے سوا ایک دوسرے کو اپنا رب بنائیں۔''

توحید سب سے بڑا خیر ہے، توحید سب سے بڑا معروف ہے، توحید کا عقیدہ فطرت انسانی کے عین مطابق ہے۔ بخاری کی روایت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کُلُّ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ وَ يُنَصِّرَانِهٖ وَ يُمَجِّسَانِهٖ. یعنی ہر بچہ اپنی فطرت (توحید) پر پیدا کیا جاتا ہے، لیکن اس کے ماں باپ اسے یہودی، نصرانی اور مجوسی (وغیرہ) بنا دیتے ہیں۔

چنانچہ کوئی بچہ پیدا ہو اور اسے ماں باپ سے ہٹا کر، اس کی پرورش کسی غیر جانبدار ماحول میں کی جائے اور جب وہ سن شعور کو پہنچ جائے اور اس کے سامنے تمام مذاہب کے عقیدے (مثلاً توحید، بت پرستی اور تثلیث وغیرہ) رکھ دیئے جائیں تو وہ تمام عقائد کو چھوڑ کر اسلام کے عقیدۂ توحید ہی کو قبول کرے گا۔ جیسے کسی دودھ پیتے بچے کو چند عورتوں میں چھوڑ دیا جائے تو وہ صرف اپنی ماں کے پاس جائے گا کسی دوسری عورت کے پاس نہیں۔

چوں کہ عقیدہ توحید انسان کا فطری عقیدہ ہے اس لئے جو لوگ اللہ کی ذات وصفات میں دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہیں، وہ بھی اپنے دل میں دوسرے خداؤں کی بے بسی کا احساس رکھتے ہیں اور ان کے دل میں بھی یہ حقیقت چھپی رہتی ہے کہ سارے اختیارات اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں۔

چنانچہ کٹر سے کٹر مشرک پر بھی جب کوئی مصیبت یا موت کی گھڑی آتی ہے تو وہ تمام سہاروں کو چھوڑ کر صرف خدائے واحد کو پکارتا ہے کیوں کہ اس کا دل گواہی دیتا ہے کہ مصیبتوں سے چھٹکارا دلانے والی ذات خدائے واحد کے سوا کوئی نہیں ہے۔ توحید کے برحق ہونے کی نشانی ہر انسان کے نفس میں موجود ہے جب تک اسباب سازگار رہتے ہیں انسان خدا کو بھولا اور دنیا کی زندگی پر پھولا رہتا ہے۔ جہاں اسباب اور وسائل نے ساتھ چھوڑا اور وہ سب سہارے جن کے بل پر وہ جی رہا تھا، ٹوٹ گئے، تو پھر بڑے سے بڑا مشرک اور سخت سے سخت دہریے کے قلب سے یہ شہادت ابلنے لگتی ہے کہ اس سارے اسبابِ عالم پر کوئی خدا کارفرما ہے اور وہ ایک ہی خدائے غالب وتوانا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّا اِيَّاهُ فَلَمَّا نَجّٰكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ. یعنی "جب سمندر میں تم پر کوئی مصیبت آتی ہے تو اس ایک کے سوا دوسرے جن جن کو تم پکارتے ہو، وہ سب گم ہو جاتے ہیں، مگر جب وہ تم کو بچا کر خشکی پر پہنچا دیتا ہے تو تم اس سے منہ موڑ جاتے ہو۔"

ابوجہل کے بیٹے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کو اسی نشانی کے مشاہدہ سے ایمان کی دولت نصیب ہوئی تھی۔ جب مکہ فتح ہوا تو بہت سے کافر اپنی جانیں بچا کر بھاگ گے۔ بھاگنے والوں میں یہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی تھے۔ یہ جدہ پہنچے اور وہاں سے ایک کشتی کے ذریعہ حبشہ کے لئے روانہ ہوئے۔ جس کشتی سے یہ سفر کر رہے تھے اس میں اور بھی مسافر تھے۔ بیچ سمندر میں پہنچ کر یہ کشتی شدید طوفانی لہروں کے بیچ ہچکولے کھانے لگی۔ کشتی کے مسافروں کو یہ یقین ہو گیا کہ اب ہم ڈوب جائیں گے۔ اس مصیبت سے چھٹکارا پانے کے لئے لوگ دیوی دیوتاؤں کی دہائی دینے لگے۔ لیکن جب طوفان کی شدت میں کوئی کمی نہیں آئی تو کشتی کے تمام مسافروں نے یہ مشورہ کیا کہ دیوی دیوتاؤں کو پکارنے سے یہ موت کی گھڑی نہیں ٹل سکتی، بلکہ ہمیں اس بلائے ناگہانی سے تبھی چھٹکارہ مل سکتا ہے جب ہم خدائے واحد کو پکاریں اور اسی سے تضرع اور عاجزی کریں۔ اس وقت عکرمہ کی آنکھیں کھلیں اور انہوں نے سوچا کہ اگر اس مصیبت سے بچانے والا صرف خدائے تعالیٰ ہے تو دوسری جگہوں پر یہ دیوی دیوتا کیسے ہماری حفاظت کر سکتے ہیں۔ یہ عکرمہؓ کی زندگی میں فیصلہ کن لمحہ تھا۔ پھر انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ اگر میری جان بچ گئی تو میں بجائے حبشہ کے مکہ واپس جاؤں گا اور اپنا ہاتھ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں دے دوں گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کشتی کی مصیبت سے رہائی پانے کے بعد وہ مکہ واپس لوٹ آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا اور اپنی بقیہ زندگی اسلام کے لیے جہاد کرتے کرتے گذار دی۔

اس حقیقت کو قرآن مجید کی سورۂ انعام میں اس طرح بیان کیا گیا ہے قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ. بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَ تَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ. یعنی ”ذرا غور کر کے بتاؤ۔ اگر کبھی تم پر اللہ کی طرف سے کوئی بڑی مصیبت آتی ہے یا آخری گھڑی آپہنچتی ہے تو اللہ کے سوا کسی اور کو پکارتے ہو؟ بولو اگر تم سچے ہو۔ اس وقت تم اللہ ہی کو پکارتے ہو، پھر وہ اگر چاہتا ہے تو اس مصیبت کو تم پر سے ٹال دیتا ہے۔ ایسے موقعوں پر تم اپنے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کو بھول جاتے ہو۔“

یہ تو مشرکین کی حالت ہے لیکن جو خدا کا سرے سے منکر ہوتے ہیں وہ بھی مصیبت کے وقت اپنے مادی سہاروں کو بھول کر خدا ہی کے آگے دعا کے لئے ہاتھ پھیلا دیتے ہیں۔ روس کے منکرینِ خدا بھی جنہوں نے خدا پرستی کے خلاف ایک باقاعدہ مہم شروع کر رکھی تھی، ان کا بھی یہی حال تھا کہ جب ہٹلر نے روس پر حملہ کیا تو انہیں خدا کو پکارنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چوں کہ عقیدۂ توحید انسان کا فطری عقیدہ ہے اس لئے جو لگ اللہ کی ذات وصفات میں دوسروں کو شریک کرتے ہیں ان کا تعلق اپنے دوسرے معبودوں کے ساتھ بہت سطحی ہوتا ہے۔ چنانچہ مشرک آدمی اپنی حاجتوں کے لیے کبھی اس در پر جاتا ہے کبھی اس در پر۔ یہاں سے مرادنہیں پوری ہوئی تو وہاں سر جھکالیا، وہاں سے بھی نامراد رہا تو دوسرے کے آستانے پر سرنیاز خم کر دیا۔ مگر ایک موحد کا تعلق اپنے خدا سے اس قدر مضبوط ہوتا ہے کہ وہ ہر حال میں صابر وشاکر رہتا ہے۔ خوشی کے موقع پر اسی کا شکر یہ ادا کرتا ہے اور مصیبت کے وقت بھی اسی کو پکاراتا ہے۔ شدید سے شدید تکالیف کا سامنا ہو مگر وہ خدائے واحد کے سوا نہ تو کسی پر بھروسہ کرتا ہے نہ ہی دوسروں سے کوئی امید رکھتا ہے۔ آیئے اس بات کو ہم تاریخ کی روشنی میں سمجھیں۔

چند واقعات:

مشرکین عرب کے یہاں بت پرستی کا بہت رواج تھا۔ ہر قبیلہ کا بت الگ الگ تھا اور ہر کام کے لیے الگ الگ خداؤں کی پرستش ہوتی تھی۔ ایک بت خانہ میں ایک بت تھا جس کا نام ذوالخلصہ تھا۔ ایک بار ایک شخص کے باپ کا قتل ہو گیا، وہ اپنے باپ کے قاتل سے بدلہ لینا چاہتا تھا۔ اس نے ذوالخلصہ کے بت کے سامنے فال نکالی کہ باپ کے قاتل سے بدلہ لیا جائے یا نہیں، فال یہ نکلی کہ بدلہ نہ لیا جائے۔ اس پر وہ ذوالخلصہ پر اس قدر ناراض ہوا کہ اس نے بت کے سر کو جھکا دے کر کہا ذوالخلصہ! بتا اگر تیرا باپ قتل کر دیا گیا ہوتا تو کیا تو پسند کرتا کہ تیرے باپ کے قتل کا بدلہ نہ لیا جائے"

اسی طرح ایک بت خانہ میں سعد نامی بت تھا۔ ایک بار ایک مشرک اپنے اونٹوں کو سعد کے پاس لایا اور منت کی کہ وہ اس کے اونٹوں میں برکت کی دعا کر دے۔ اونٹوں نے دیکھا کہ سعد کے مجسمہ پر قربانی کا گوشت اور خون لگا ہے چنانچہ وہ بدک کر بھاگے اور اس طرح بھاگے کہ سب تتر بتر ہو گئے۔ مشرک نے جب یہ ماجرا دیکھا تو اس نے پتھر اٹھا اٹھا کر بت کو مارنا شروع کر دیا اور کہا تیرا ستیاناس ہو، میں نے کہا تھا کہ میرے اونٹ بڑھ جائیں اور تو نے اس کے خلاف بددعا کر کے میرے اونٹ ہی بھگا دیئے۔"

شاہِ یونان کے یہاں مختلف کام کے لئے الگ الگ بت تھے۔ خشکی کا دیوتا الگ تھا اور سمندر کا دیوتا الگ، امن کا معبود دوسرا تھا تو جنگ کا معبود کوئی دوسرا، بارش کرنے کے لیے کوئی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسرا بت مقرر تھا تو دھوپ کرنے کے لیے کوئی دوسرا۔ ایک دیوتا کا نام نیپچون تھا جس کا قد آدم مجسمہ یونان کے ایک بڑے چوراہے پر لگا تھا۔ اس پر چڑھاوے چڑھائے جاتے تھے۔ یہ سمندر کا دیوتا تھا۔ ایک بار شاہِ یونان کا ایک بحری بیڑہ غرق ہو گیا تو اس نے نیپچون کے مجسمہ کے سامنے آکر کہا کہ ''کیا ہم تجھ پر اسی لئے چڑھاوے چڑھاتے ہیں کہ تو ہمارے بحری بیڑے کی حفاظت نہ کر سکے۔'' اس کے بعد اس نے نیپچون کے اس مجسمہ کو توڑ کر پھینکوا دیا۔

لیکن جو موحد ہوتا ہے جس کے دامن میں دولتِ توحید ہوتی ہے وہ ہر حال میں صابر و شاکر ہوتا ہے۔ مصیبت کی گھڑی میں اس کے پائے استقلال کو لغزش نہیں ہوتی۔ شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب گلستاں میں لکھا ہے کہ کسی زمانے میں ایک جنگل میں ایک فقیر رہتا تھا جس پر شیر نے حملہ کر کے اسے بری طرح زخمی کر دیا تھا، پھر جسم پر لگنے والے تمام زخم پک گئے جس کی وجہ سے اسے بڑی تکلیف رہتی تھی مگر پھر بھی وہ ہر وقت الحمد للہ الحمد للہ کہا کرتا تھا۔ کسی نے پوچھا کہ اس مصیبت کی گھڑی میں خدا کا شکر ادا کرنے کا کیا سوال؟ اس نے کہا ''الحمد للہ بمصیبتے گرفتارم نہ بمعصیتے۔ اللہ کا شکر اس بات پر ہے کہ میں مصیبت کے اندر مبتلا ہوں معصیت یعنی اللہ کی نافرمانی کے اندر مبتلا نہیں ہوں۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی تھے جن کا نام ابوطلحہؓ تھا۔ ان کے ایک ہی بچہ تھا، بہت پیارا، بڑا بھولا بھالا اور کمسن۔ ایک روز بچے کی طبیعت خراب ہو گئی۔ ادھر حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو کسی کام کے لئے گھر سے باہر جانا پڑا۔ ان کی عدم موجودگی ہی میں بچے کا انتقال ہو گیا۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے بچے کی لاش کو ایک چادر میں لپیٹ کر ایک کونے میں رکھ دیا اور گھر کے کام کاج میں مشغول ہو گئیں۔ جب حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ گھر واپس لوٹے تو انہوں نے سب سے پہلے اپنی بیوی سے بچے کے متعلق پوچھا کہ وہ کس حال میں ہے؟ بیوی نے جواب دیا، ہمارا پیارا بچہ اب پہلے سے بہت بہتر حال میں ہے۔ پوچھا بچہ کہاں ہے؟ بیوی کی طرف سے جواب ملا بچہ بڑے آرام سے میٹھی نیند سو رہا ہے۔ اس گفتگو کے بعد حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے ان کے سامنے کھانا رکھا۔ جب وہ کھانے سے فارغ ہو گئے تو بیوی نے کہا ابوطلحہؓ! یہ بتاؤ اگر تمہیں کوئی شخص کوئی امانت دیدے اور بلا اطلاع وہ امانت تم سے واپس لے لے تو کیا تمہیں امانت واپس لینے والے سے کسی شکایت کا حق ہے؟ حضرت ابوطلحہؓ نے کہا نہیں بیوی جس

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی امانت ہے وہ جب چاہے واپس لے لے مجھے کسی شکایت کا کیا حق ہے جب کہ چیز میری نہیں ہے اس کی ہے۔ یہ سن کر بی بی ام سلیمؓ نے ان کا ہاتھ پکڑا اور وہاں لے گئیں جہاں بچہ تھا۔ انہوں نے چادر الٹ کر لاش دکھادی اور کہا یہی وہ امانت تھی جسے اللہ نے ہمیں دیا تھا اور آج اچانک واپس لے لیا۔ حضرت ابوطلحہؓ نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور صبر کا سل اپنے سینے پر رکھ لیا۔

ہندوستان کے سابق وزیراعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے ہندوستان کے حالات پر مبنی ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے ''ڈیسکوری آف انڈیا'' اس میں انہوں نے عام طور پر ہندوستان کی آزادی سے پہلے کے واقعات درج کئے ہیں۔ اس میں ایک واقعہ جنگِ آزادی کے مشہور مجاہد مولانا محمد علی جوہرؒ کے متعلق ہے۔ ۱۹۳۱ء میں مولانا محمد علی جوہر انڈین نیشنل کانگریس کے صدر تھے اور مسٹر نہرو پرائیوٹ سکریٹری کی حیثیت سے ان کے ساتھ کام کر رہے تھے۔ مسٹر نہرو لکھتے ہیں کہ مولانا کا دورِ صدارت بہت ہی پر آشوب تھا۔ اس مدت میں ان پر پیہم مصیبتیں آتی رہیں، ان کی بیٹی آمنہ دق کے مرض میں مبتلا ہو کر اسپتال میں داخل ہو گئی، ادھر مولانا کو تحریکِ آزادی میں حصہ لینے کے جرم میں انگریزوں نے جیل میں ڈال دیا۔ آمنہ کی حالت اسپتال میں دن بہ دن خراب سے خراب تر ہوتی جارہی تھی۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ وہ زندگی کی آخری سانسیں لینے لگی۔ زندگی سے مایوس و نامراد بیٹی نے اپنے باپ کے پاس خط لکھا۔ ''ابا جان! میں موت کے بالکل قریب پہنچ چکی ہوں۔ میری خواہش ہے کہ میں آپ کو دیکھ لوں تا کہ اطمینان سے مر سکوں۔'' مولانا کو انگریزوں نے بیٹی سے ملنے کی اجازت دیدی مگر مولانا اسپتال نہیں گئے اور وہیں جیل سے اپنی بیٹی کو ایک منظوم خط لکھا جس کے تین اشعار یہ تھے۔

میں ہوں مجبور پر اللہ تو مجبور نہیں — تجھ سے میں دور سہی وہ تو مگر دور نہیں
امتحاں سخت سہی پر دلِ مومن ہی وہ کیا — جو ہر اک حال میں امید سے معمور نہیں
تیری صحت ہمیں مطلوب ہے لیکن اس کو — نہیں منظور تو پھر مجھ کو بھی منظور نہیں

پنڈت نہرو لکھتے ہیں کہ باپ کی محبت ایک موحّد کی شانِ توکل اور شانِ سپردگی کے نیچے دبی ہوئی ہے۔

دنیا کے ہر ملک اور ہر زمانہ میں جتنے نبی، مصلح اور پیشوا گذرے ہیں وہ سب کے سب ایک ہی ہستیِ واجب الوجود کے قائل تھے۔ اور حضرت آدمؑ، حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ اور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانوں میں اگر چہ سینکڑوں برس کا فرق ہے مگر سب کی تعلیم میں توحیدِ باری کا مسئلہ مشترک ہے۔ کرشن جی، رام چندر جی، گوتم بدھ اور گرونانک ہندوستان میں پیدا ہوئے، زرتشت ایران میں گذرے، لقمان یونان میں، یوسفؑ مصر میں، لوط شام و فلسطین میں گذرے لیکن توحیدِ باری سب کی تعلیمات میں موجود ہے۔

دنیا میں جتنے انبیاء و رسول آئے سب کی اولین دعوت یہی تھی توحید کی طرف بلانا اور ان کی بعثت کا مقصد یہی تھا کہ شرک کا خاتمہ کر کے توحید کو ایک غالب فکر بنا دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ انبیاء میں ارشاد فرمایا: وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ. ''ہم نے تم سے پہلے جو بھی رسول بھیجا ہے اس کو یہی وحی کی ہے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے پس تم لوگ میری ہی بندگی کرو۔'' حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں خبر دیتے ہوئے اللہ نے سورۂ ہود میں فرمایا۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖٓ اِنِّیْ لَکُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ. اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْکُمْ عَذَابَ یَوْمٍ اَلِیْمٍ. ''اور ہم نے نوحؑ کو ان کی قوم کے پاس رسول بنا کر بھیجا (کہ وہ کہیں) کہ اللہ کے سوا اور کسی کی عبادت مت کرو۔ میں تم کو (غیر اللہ کی عبادت سے) صاف صاف ڈراتا ہوں، میں تمہارے حق میں ایک بڑے تکلیف دینے والے دن کے عذاب کا اندیشہ کرتا ہوں۔'' حضرت ہودؑ کی بابت فرمایا گیا وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ''اور قومِ عاد کی طرف ان کے بھائی ہودؑ کو بھیجا، انہوں نے کہا میری قوم کے لوگو اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں۔'' وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ. ''اور قومِ ثمود کی طرف ان کے بھائی صالحؑ کو بھیجا۔ انہوں نے کہا اے میری قوم والو اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، حضرت شعیبؑ کی بابت فرمایا وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ. ''اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا انہوں نے کہا اے میری قوم والو اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں'' حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بابت فرمایا جب انہوں نے فرعون سے بحث کی قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا اِنْ کُنْتُمْ مُّوْقِنِیْنَ. ''فرعون نے کہا اور رب العالمین کی حقیقت کیا ہے؟ حضرت موسیٰ نے فرمایا وہ پروردگار ہے آسمانوں اور زمین کا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اگر تم یقین کرنے والے ہو۔'' نیز حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا کہ انہوں نے بنی اسرائیل سے کہا اَغَیْرَ اللّٰہِ اَبْغِیْکُمْ اِلٰھاً وَّ ھُوَ فَضَّلَکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ. ''کیا اللہ کے سوا تمہارا دوسرا معبود تجویز کردوں جب کہ اس نے تم کو سارے جہان پر فضیلت بخشی ہے۔'' اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بابت فرمایا اِنَّ اللّٰہَ رَبِّیْ وَ رَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْہُ ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ. ''بے شک اللہ ہی میرا اور تمہارا رب ہے۔ اس کی بندگی کرو یہی سیدھا راستہ ہے'' اور اللہ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا قُلْ یٰاَھْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَاءٍ بَیْنَنَا وَ بَیْنَکُمْ اَنْ لَا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ وَ لَا نُشْرِکَ بِہٖ شَیْئاً وَّ لَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضاً اَرْبَاباً مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ. ''اے نبی کہہ دیجئے، اے اہلِ کتاب آؤ ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے وہ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سوا اپنا رب بنائے۔'' اور دنیا کی گذری ہوئی تمام قوموں کے متعلق فرمایا وَمَآ اُمِرُوْا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ. ''اور ان کو اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ اللہ کی بندگی کریں اپنے دین کو اس کے لیے خالص کر کے، یکسو ہو کر۔''

انسانوں کی ہدایت کیلئے جتنے انبیاء و رسل آئے سب نے توحید کی ترویج و اشاعت میں اپنی عمریں کھپا دیں، اسی میں انہوں نے اپنی قوتیں نچوڑ دیں اور اپنی تمام تر صلاحیتیں صرف کر دیں۔ اسی کی دعوت کے صلے میں انہوں نے ناقابلِ برداشت اذیتیں برداشت کیں لیکن سب کچھ سہنے کے بعد بھی نقطۂ توحید سے بال برابر بھی نہیں ہٹے۔ توحید ہی کی تعلیم و تبلیغ کے جرم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو زندہ آگ میں جھونک دیا گیا، اسی کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر لٹکایا گیا، اسی کیلئے اللہ کے آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بے پناہ اذیتیں پہنچائی گئیں اور آپؐ پر ایسے مظالم ڈھائے گئے کہ مکہ کے در و دیوار آپؐ کے خون کے پیاسے ہو گئے، آپ کی راہوں میں کانٹے بچھائے گئے، آپ کو مجنوں اور دیوانہ کہا گیا، آپ پر پتھروں کی بارش کی گئی، آپ کو اپنا وطن مکہ چھوڑ کر مدینہ جانے پر مجبور کر دیا گیا۔ توحید اختیار کرنے کے جرم میں آپؐ پر ایمان لانے والے بھی مشرکین کی اذیتوں سے محفوظ نہیں رہ سکے۔ حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کا آقا امیہ ابن خلف اس جرم میں انہیں ننگی پیٹھ سخت دوپہر میں تپتی ریت پر لٹا دیتا اور کئی من کے وزن کا پتھر ان کے سینے پر رکھ کر اتنے زور سے دباتا کہ ان کی زبان نکل پڑتی اور ان سے کہتا یا تو دینِ محمدیؐ (توحید) کو چھوڑ دو یا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یوں ہی جلتے جلتے مرجاؤ تو بلالؓ کی لڑکھڑاتی ہوئی زبان سے یہی لفظ نکلتا احد، احد، اللہ ایک ہے یعنی مجھے جلتے جلتے مرجانا منظور ہے مگر توحید چھوڑنا منظور نہیں ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے پورا عرب برائیوں، بداخلاقیوں، شرانگیزیوں اور فسادات کا گہوارہ بن چکا تھا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنی تعلیمات کی ابتدا کی تو دعوت توحید سے، جیسے کسی اچھے ڈاکٹر یا حکیم کے سامنے کوئی ایسا مریض پیش کیا جائے جس کے ہاتھ، پاؤں اور چہرے پر ورم ہو، آنکھیں پیلی ہوگئی ہوں اسے مستقل بخار بھی رہتا ہو۔ تو معالج سمجھ جاتا ہے کہ یہ ورمِ جگر کا مریض ہے جس کے نتیجے میں اسے اس طرح کی شکایات ہوگئی ہیں۔ اب وہ ان ظاہری بیماریوں کا علاج نہ کر کے پوری توجہ ورمِ جگر کے علاج پر صرف کر دیتا ہے اور جب مریض کا ورمِ جگر ختم ہو جاتا ہے تو اصلی مرض کے ختم ہونے کے بعد اس کے ہاتھ، پاؤں اور چہرے کا ورم بھی ختم ہو جاتا ہے، اس کی آنکھوں کا پیلا پن اور بخار بھی جاتا رہتا ہے۔ اسی طرح عربوں میں جو برائیاں تھیں وہ توحید کی دولت نہ ہونے کی وجہ سے تھیں۔ لیکن جب انہیں وحدانیت کی دولت مل گئی تو اس عقیدہ نے انہیں کچھ سے کچھ بنا دیا۔

حضرات! یوں تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں بیشمار نعمتیں دی ہیں لیکن بحیثیت مسلمان، اللہ تعالیٰ نے ہم پر جو سب سے بڑا احسان کیا ہے وہ یہ کہ ہمیں توحید کی دولت سے نوازا ہے کیونکہ توحید اس کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ توحید اسلام کی جان ہے۔ توحید ایمان کا جوہر ہے، توحید تمام عبادات اور اعمال کا سرچشمہ ہے، اگر اس میں خرابی آ گئی یا خدانخواستہ یہ عقیدہ مجروح ہوگیا تو ایمان، اسلام اور تقویٰ سب نامعتبر قرار پائیں گے۔ اور یہ وہ خسارہ ہوگا جسے نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پر کر سکتی ہے، نہ کسی ولی کی عقیدت اور نہ ہی کوئی نیکی اس کا بدل بن سکتی ہے۔

مومن کا سب سے بڑا سرمایہ توحید ہے۔ اس کی نجات کا سب سے بڑا سہارا توحید ہے۔ انسان کے نامۂ اعمال میں توحید سے زیادہ وزنی کوئی چیز نہیں، یہی جنت کی کنجی ہے، یہی دنیا کی سعادت ہے اور اسی پر شفاعت موقوف ہے۔

توحید اخروی کامیابی کی ضمانت ہے۔ بخاری کی روایت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "قیامت کے دن جب فرشتے، انبیاء اور مومنین شفاعت کر چکیں گے تو اللہ رب العالمین اپنا دستِ قدرت دوزخ میں ڈال کر ایسی قوم (موحدین) کو نکالے گا جنہوں نے کبھی کوئی عمل نہیں کیا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوگا۔'' مسلم کی روایت ہے: آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ ''جو شخص گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں تو اللہ تعالیٰ اس پر جہنم کی آگ حرام کردے گا۔''

بخاری کی روایت ہے۔ آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ''ایک آنے والا (فرشتہ) میرے مالک کے پاس سے آیا اور مجھ کو خوشخبری دی کہ میری امت میں سے جو کوئی اس حال میں مرے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا ہو تو وہ جنت میں جائے گا۔ پوچھا گیا کہ اگرچہ وہ زنا کرے، اگرچہ وہ چوری کرے۔ فرمایا اگرچہ وہ زنا کرے، اگرچہ وہ چوری کرے۔''

مطلب یہ ہے کہ جو توحید پر مرا وہ ہمیشہ دوزخ میں نہ رہے گا اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد ایک نہ ایک دن وہ جہنم سے نکال کر جنت میں پہنچایا جائے گا۔

اسی لئے قرآن وحدیث میں کلمہ توحید کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''حضرت موسیٰ نے اللہ سے عرض کیا کہ اے اللہ! مجھے کوئی ایسا وظیفہ سکھا جس کے ذریعہ میں تجھے یاد کروں۔ فرمایا لا الٰہ الا اللہ کہو، حضرت موسیٰ نے کہا اے اللہ! اس کو تو تیرے تمام بندے پڑھتے ہیں میں ایسی دعا چاہتا ہوں جس کے ذریعہ تو مجھ کو خاص کرلے، اللہ نے فرمایا، موسیٰ! اگر ساتوں زمین اور ساتوں آسمان ترازو کے ایک پلڑے میں رکھے جائیں اور لا الٰہ الا اللہ دوسرے پلڑے میں، تو یہ کلمہ سب پر بھاری ہوگا۔''

آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ ''میری شفاعت کا زیادہ مستحق وہ ہے جو خلوصِ دل سے لا الٰہ الا اللہ کہے۔''

الغرض توحید اللہ کی سب سے بڑی دولت ہے، توحید سے محرومی انسان کی سب سے بڑی محرومی ہے۔ ابولہب جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سگا چچا تھا قرآن اس کے متعلق کہتا ہے تَبَّتْ يَدَآ اَبِىْ لَهَبٍ وَّ تَبَّ. یعنی ''ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ نامراد ہوگیا۔'' آخر ابولہب کو قرآن نے نامراد کیوں قرار دیا جب کہ وہ اندھا، لولا، لنگڑا، اپاہج، خستہ حال اور مسکین ومحتاج نہیں تھا؟ اس لئے کہ وہ اس نعمت سے محروم رہا جسے توحید کہتے ہیں۔ سچ ہے۔

حیات و دولت و عزت تمام ہے بیکار   اگر تو کہہ نہ سکا لا الٰہ الا اللہ

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم

شرک

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَ مَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَا اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ.

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْم. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم

اِنَّ اللّٰهَ لَایَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ.

مسلمانو! بھلا سمجھا ہے تم نے کیا بلا ہے شرک — بنی آدم کی سب بدیوں سے بدتر اور برا ہے شرک

خدا ہی کی صفت ہے حاجتیں بندوں کی بر لانا — سوا اس کے سمجھنا غیر کو حاجت روا، ہے شرک

نبی ہو، یا ولی ہو، یا پری ہو، یا فرشتہ ہو — کسی کو واقف اسرار غیبی جاننا ہے شرک

بجز اک سنگِ اسود اور بیت اللہ اشرف کے — کسی کی تربت و گھر کا طواف اور چومنا ہے شرک

حضرات! پچھلے خطبہ میں آپ نے توحید کا مفصل بیان سنا لیکن کسی بھی نظریہ کو سمجھنے کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ اس کے مخالف نظریہ کو بھی سمجھا جائے۔ ذہنوں میں کوئی بھی تصور پورے طور پر تبھی واضح ہو پاتا ہے جب اس کے مخالف تصور کو بھی اچھی طرح جان لیا جائے۔

چونکہ عقیدۂ توحید سب سے اہم نظریہ اور عقیدہ ہے اور یہ اتنی اہمیت رکھتا ہے کہ کلی یا جزوی طور پر اس کا انکار اللہ پر ایمان رکھنے کے دعویٰ کو بے معنی کر دیتا ہے اور کوئی شخص صحیح معنوں میں مسلمان ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ یہ عقیدہ اپنے پورے مفہوم کے ساتھ اس کے دل میں نہ اتر چکا ہو۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس کے مخالف نظریہ یعنی شرک کو بھی اچھی طرح سمجھ لیا جائے۔ یہی انداز قرآن حکیم نے اختیار کیا ہے۔ چنانچہ اس نے توحید کی تعلیم دیتے ہوئے بات صرف یہیں نہیں ختم کر دی کہ توحید کسے کہتے ہیں، اس کے دلائل کیا ہیں، اس کے فوائد اور اس کے نقصانات کیا ہیں۔ بلکہ پوری تفصیل کے ساتھ یہ بھی بتایا ہے کہ شرک کیا ہے، اس کی علامتیں کیا ہیں، اس کے نقصانات کیا ہیں اور وہ ایک سراسر باطل اور بے اصل نظریہ کیوں ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چنانچہ قرآن مجید میں جگہ جگہ توحید کے اثبات کے ساتھ ساتھ شرک کی نفی بھی کی گئی ہے۔
یعنی اس نے صرف یہی نہیں کہا ہے کہ صرف اللہ ہی معبود ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتایا ہے کہ لا الٰہ الا اللہ یعنی نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے۔ اس طرز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ توحید کا تصور پیدا ہی نہیں ہوسکتا جب تک شرک کی پوری نفی نہ ہو جائے۔ اور شرک کی نفی ضروری ہے تو لازماً اس کا پوری طرح سمجھ لینا بھی ضروری ہے۔

شرک کے معنیٰ ساجھے پن کے ہیں اور اصطلاحِ شرع میں شرک کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ کی ذات، اس کی صفات، اس کے اختیارات اور اس کی عبادت میں اس کے سوا دوسروں کو بھی شریک کرنا۔ یعنی یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ کے سوا دوسری بہت سی ہستیاں بھی خدائی میں شریک ہیں۔ خدا کی صفات سے متصف ہیں، خداوندانہ اختیار رکھتی ہیں اور اس کی مستحق ہیں کہ انسان ان کے آگے عبدیت کا رویہ اختیار کرے یا یہ گمان کہ اللہ نے فلاں فلاں ہستیوں کو اپنا مقرب خاص قرار دیا ہے اور اسی نے یہ حکم دیا ہے یا کم از کم یہ کہ وہ اس پر راضی ہے کہ ان کی طرف خدائی صفات منسوب کی جائیں اور ان کے ساتھ وہ معاملہ کیا جائے جو بندے کو اپنے مالک حقیقی یعنی اللہ رب العالمین سے کرنا چاہیے۔ یہی شرک ہے۔

شرک کی پہلی قسم ہے اللہ کی ذات میں دوسروں کو شریک کرنا۔

اس کا مطلب ہے کہ کسی کو اللہ کا بیٹا مانا جائے جیسے عیسائیوں کا عقیدہ کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں۔ یا کسی کو اللہ کی بیٹی مانا جائے جیسے مشرکینِ مکہ کا یہ کہنا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ یا اللہ کو کسی کی اولاد قرار دینا، یا کسی کو اس کا ہم جنس سمجھنا وغیرہ۔

قرآن نے اس طرح کے عقیدوں کی مکمل تردید کی ہے۔ ارشاد ہوا لَمْ يَلِدْ، وَلَمْ يُولَدْ، وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ كُفُوًا اَحَدٌ. یعنی ''نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد، اور نہ کوئی اس کا شریک ہے۔''

ان آیات سے مشرکین کے اس مفروضہ کی جڑ کٹ جاتی ہے جس میں انہوں نے اس جاہلانہ تصور کی وکالت کی، یعنی اللہ رب العالمین کو بھی پاک اور بالاتر نہیں سمجھا اور اس کے لیے اولاد تجویز کی۔

پھر چونکہ ذاتِ باری تعالیٰ کے حق میں اس طرح کے عقائد شرک کے اہم ترین اسباب

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں سے ہیں اس لئے قرآن حکیم نے اس کی تردید کے لئے صرف انہی آیات پر اکتفا نہیں کیا بلکہ جگہ جگہ اسے مختلف انداز سے بیان کیا تا کہ لوگ اس حقیقت کو پوری طرح سمجھ لیں۔ مثلاً سورۂ نساء میں ارشاد ہوا:

اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ یَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ. یعنی ''بے شک اللہ تو صرف ایک ہی معبود ہے۔ وہ پاک ہے اس سے کہ کوئی اس کا بیٹا ہو۔ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اس کی ملک ہے۔''

سورۂ صافات میں آیا اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ وَلَدَ اللّٰهُ وَ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ. یعنی ''خوب سن رکھو، یہ لوگ دراصل اپنی من گڑھت سے یہ بات کہتے ہیں کہ اللہ اولاد رکھتا ہے، فی الواقع یہ قطعی جھوٹے ہیں۔'' اسی سورۃ کی آیت ہے وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَ بَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ. یعنی ''اور انہوں نے اللہ اور فرشتوں کے درمیان نسب کا رشتہ بنا رکھا ہے، حالاں کہ فرشتے خوب جانتے ہیں کہ یہ لوگ (مجرموں کی حیثیت سے) پیش کئے جانے والے ہیں۔'' سورۂ زخرف میں آیا: وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ. یعنی ''لوگوں نے اس کے بندوں میں سے بعض کو بعض کا جز بنا ڈالا۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان کھلا ہوا احسان فراموش ہے۔'' سورۂ انعام کی آیت ہے: وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَ خَلَقَهُمْ وَ خَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَ بَنٰتٍۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ. بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ۚ وَ خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ. یعنی ''اور لوگوں نے جنوں کو اللہ کا شریک ٹھہرا دیا، حالاں کہ وہ ان کا خالق ہے۔ اور انہوں نے بلا جانے بوجھے اس کے لئے بیٹے اور بیٹیاں گھڑ لیں، حالاں کہ وہ پاک اور بالاتر ہے ان باتوں سے جو وہ کہتے ہیں۔ وہ تو آسمانوں اور زمین کا موجد ہے۔ اس کا کوئی بیٹا کیسے ہو سکتا ہے جب کہ اس کی کوئی شریک زندگی ہی نہیں ہے، اس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے۔'' سورۂ انبیاء میں ارشاد ہوا: وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ۚ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ. یعنی ''اور ان لوگوں نے کہا کہ خدائے رحمٰن نے کسی کو بیٹا بنایا ہے، پاک ہے وہ بلکہ (جن کو یہ اس کی اولاد کہتے ہیں) وہ تو بندے ہیں جنہیں عزت دی گئی ہے۔'' سورۂ یونس میں یوں ارشاد ہوا: قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ۖ هُوَ الْغَنِيُّ ۖ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۖ اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍۢ بِهٰذَا ۚ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَالَا تَعْلَمُوْنَ. یعنی ''لوگوں نے کہہ دیا کہ اللہ نے کسی کو بیٹا بنایا ہے۔ سبحان اللہ! وہ تو بے نیاز ہے۔ آسمانوں میں جو کچھ ہے اور زمین میں جو کچھ ہے سب اس کی مِلک ہے۔ تمہارے پاس اس قول کی آخر دلیل کیا ہے؟ کیا تم اللہ کے بارے میں وہ باتیں کہتے ہو جنہیں تم نہیں جانتے۔'' سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ہے: وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَ لَمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ. یعنی ''اور (اے نبی) کہو تعریف ہے اس خدا کے لئے جس نے نہ کسی کو بیٹا بنایا ہے، نہ کوئی بادشاہی میں اس کا شریک ہے اور نہ وہ عاجز ہے کہ کوئی اس کا پشتیبان ہو۔ سورۂ مومنون میں فرمایا گیا: مَااتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّ مَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ. یعنی ''اللہ نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا ہے اور کوئی دوسرا خدا اس کے ساتھ نہیں ہے۔''

شرک کی دوسری قسم ہے اللہ کی صفات میں شریک کرنا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جو صفتیں اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہیں ان میں سے کوئی صفت کلی یا جزوی طور کسی دوسری مخلوق کے اندر مان لینا اور اسی معنی ومفہوم میں ماننا جس معنی ومفہوم میں وہ اللہ کے لئے استعمال ہوتی ہیں۔

مثلاً علم اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے، وہ اپنے علم کے اعتبار سے ہر جگہ حاضر وناظر ہے، اس کے لیے حاضر بھی حاضر ہے اور غائب بھی حاضر ہے۔ وہ ہر مخلوق کی حرکات اور ان کے ارادوں سے پورے طور پر باخبر ہے۔ اس سے کسی کی حرکت، کسی کی نیت اور کسی کے دل کا بھید چھپا نہیں رہ سکتا، اس کے لیے یکساں ہے خواہ چپکے سے بات کہی جائے یا زور سے، وہی جانتا ہے کہ قیامت کب برپا ہوگی، اس کے سوا کسی جن، فرشتے، نبی، ولی یا شہید کو غیب کا علم حاصل نہیں۔ آسمان وزمین میں جو بھی مخلوقات ہیں خواہ وہ فرشتے ہوں یا جن، یا انبیاء اور اولیاء یا دوسرے انسان اور غیر انسان، سب کا علم محدود ہے، سب سے کچھ نہ کچھ پوشیدہ ہے، سب کچھ جاننے والا، تمام حقائق کا علم رکھنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے جس سے اس کائنات کی کوئی چیز اور کوئی بات پوشیدہ نہیں ہے، جو ماضی وحال ومستقبل سب کو جانتا ہے، اس دھرتی سے اگنے والا کوئی دانہ ایسا نہیں جس کا علم اسے نہ ہو، درخت سے گرنے والا کوئی پتہ ایسا نہیں جس کی پوری خبر اسے نہ ہو۔ قرآن حکیم میں جگہ جگہ اس حقیقت پر مفصل روشنی ڈالی گئی ہے۔ مثلاً سورۂ ہود میں آیا: وَلِلّٰهِ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَالْاَرْضِ. یعنی ''اور آسمانوں اور زمین میں جو غیب کی باتیں ہیں ان کا جاننے والا اللہ ہی ہے۔''
سورۂ یونس میں یوں ارشاد ہوا: وَیَقُوْلُوْنَ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَیْهِ اٰیَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَیْبُ لِلّٰهِ. یعنی ''اور یہ جو کہتے ہیں کہ اس نبی پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہ اتاری گئی، تو ان سے کہو، غیب کا مالک و مختار تو اللہ ہی ہے۔'' سورۂ انعام کی آیت ہے: وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَایَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ ط وَیَعْلَمُ مَا فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا یَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ. یعنی ''اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جنہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ بر و بحر میں جو کچھ ہے سب سے وہ واقف ہے۔ درخت سے گرنے والا کوئی پتہ ایسا نہیں جس کا اسے علم نہ ہو، زمین کے تاریک پردوں میں کوئی دانہ ایسا نہیں جس سے وہ باخبر نہ ہو۔'' سورۂ کہف میں ارشاد ہوا: لَهٗ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. اَبْصِرْ بِهٖ وَ اَسْمِعْ. یعنی ''آسمانوں اور زمین کا غیب اسی کو ہے۔ وہ کیا ہی دیکھنے والا اور سننے والا ہے۔'' سورۂ نمل کی آیت ہے: قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ. وَ مَایَشْعُرُوْنَ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ. یعنی ''(اے نبی) ان سے کہو، اللہ کے سوا آسمانوں اور زمین میں کوئی غیب کا علم نہیں رکھتا اور وہ نہیں جانتے کہ کب وہ اٹھائے جائیں گے۔'' سورۂ بقرہ میں ارشاد ہوا: یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ، وَلَایُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖ اِلَّا بِمَاشَاءَ. یعنی ''وہ جانتا ہے جو کچھ مخلوقات کے سامنے ہے اور جو کچھ ان سے اوجھل ہے اور اس کے علم میں سے کسی چیز پر وہ احاطہ نہیں کر سکتے، الا یہ کہ وہ جس چیز کا چاہے انہیں علم دیدے۔'' سورۂ جن میں فرمایا گیا: عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖ اَحَداً. اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ یَسْلُکُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ رَصَداً. لِیَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ. یعنی ''وہ عالم الغیب ہے پس وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا سوائے اس رسول کے جس کو اس نے پسند کیا ہے، پھر وہ اس رسول کے آگے پیچھے نگرانی کرنے والا لگا دیتا ہے تاکہ وہ جانے کہ ان رسولوں نے اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیے۔'' سورۂ لقمان کی آیت ہے: اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَ یُنَزِّلُ الْغَیْثَ وَیَعْلَمُ مَا فِی الْاَرْحَامِ. وَمَاتَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَکْسِبُ غَداً وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌۢ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ. یعنی ''اللہ ہی کے پاس ہے قیامت کا علم اور وہی بارش نازل کرنے والا ہے۔ اور وہی جانتا ہے کہ ماؤں کے رحم میں کیا (پرورش پا رہا ہے) ہے اور کوئی متنفس نہیں جانتا کہ کل وہ کیا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کمائی کرے گا اور کسی متنفس کو خبر نہیں ہے کہ کس سرزمین میں اس کی موت آئے گی۔" سورۂ احزاب میں ارشاد ہوا: یَسْئَلُکَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَ مَا یُدْرِیْکَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَکُوْنُ قَرِیْبًا یعنی "اے نبی! لوگ تم سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں، کہو اس کا علم تو صرف اللہ کو ہے اور اے نبی! تمہیں کیا خبر شاید کہ قیامت قریب ہی ہو۔"

فرشتے اللہ تعالیٰ کی وہ مخلوق ہیں جن کی تخلیق نور سے ہوئی ہے۔ وہ معصوم عن الخطاء ہوتے ہیں یعنی ان سے گناہ کے کام نہیں ہوتے۔ انہیں بھی علم غیب حاصل نہیں۔ قرآن میں بتایا گیا ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام پیدا کیے گئے تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے اشیاء کا نام پوچھا، انہوں نے جواب دیا سُبْحٰنَکَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمِ. یعنی "اے اللہ! تو پاک ذات ہے، جو تو نے ہمیں بتایا ہے اس کے سوا ہمیں کچھ بھی معلوم نہیں۔"

انسانوں کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء بھیجے۔ جو نبی جس قوم میں آتا تھا وہ اس قوم کا برگزیدہ، سب سے زیادہ اہل اور باصلاحیت ہوتا تھا لیکن کسی کو بھی علم غیب حاصل نہیں تھا کہ وہ کسی کے دل کا حال یا آئندہ پیش آنے والی جس حالت کو جب چاہے معلوم کر لے۔ میدانِ حشر کے متعلق قرآن مجید کی سورۂ مائدہ میں آیا ہے: یَوْمَ یَجْمَعُ الرُّسُلَ فَیَقُوْلُ مَاذَا اُجِبْتُمْ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا اِنَّکَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ. یعنی "جس دن (قیامت) اللہ تعالیٰ رسولوں کو جمع کرے گا اور فرمائے گا تم کو کیا جواب دیا گیا تو وہ کہیں گے ہم کو علم نہیں تو ہی غیب کی باتوں کو جاننے والا ہے۔"

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا وَلَا اَقُوْلُ لَکُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَا اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَا اَقُوْلُ اِنِّیْ مَلَکٌ وَّلَا اَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ تَزْدَرِیْ اَعْیُنُکُمْ لَنْ یُّؤْتِیَهُمُ اللّٰهُ خَیْرًا اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِیْ اَنْفُسِهِمْ. یعنی "اور میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں، نہ یہ کہتا ہوں کہ میں غیب کا علم رکھتا ہوں اور نہ یہ میرا دعویٰ ہے کہ میں فرشتہ ہوں، اور یہ بھی میں نہیں کہتا کہ جن لوگوں کو تمہاری نگاہیں حقارت سے دیکھتی ہیں انہیں اللہ تعالیٰ نے کوئی بھلائی نہیں دی، ان کے نفس کا حال اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔"

انسان اشرف المخلوقات ہے اور انبیاء اشرف الانسان ہوتے ہیں، اور اللہ کے آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشرف الانبیاء ہیں۔ آپؐ کے علم غیب کی نفی کرتے ہوئے اللہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تعالیٰ نے قرآن حکیم میں مختلف جگہ فرمایا۔ مثلاً سورۂ انعام میں ارشاد ہوا: قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّیْ مَلَكٌ. اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ. یعنی ''اے نبی! ان سے کہو میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں، نہ میں غیب کا علم رکھتا ہوں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں تو صرف اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر نازل کی جاتی ہے۔'' سورۂ اعراف میں آیا: قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ. وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ. وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ. یعنی ''اے نبی! کہو کہ میں اپنے لئے کسی نفع یا ضرر کا اختیار نہیں رکھتا مگر اتنا ہی جتنا اللہ نے چاہا۔ اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا تو بہت سی بھلائیاں جمع کر لیتا اور مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچتی۔'' سورۂ انبیاء میں فرمایا گیا: فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰی سَوَآءٍ وَ اِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ اَمْ بَعِیْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ. یعنی ''پس یہ لوگ اگر سرتابی کریں تو (اے نبی) تم کہو کہ میں تم کو صاف بتا چکا ہوں اور میں نہیں جانتا کہ جس (سزا) کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے آیا وہ قریب ہے یا دور۔'' سورۂ توبہ کی آیت ہے: وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِیْنَةِ مَرَدُوْا عَلَی النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ. یعنی ''اور مدینہ میں کچھ ایسے منافق ہیں جو نفاق کی حد کمال کو پہنچے ہوئے ہیں تم (اے نبی) ان کو نہیں جانتے ہم ہی جانتے ہیں۔'' سورۂ احقاف میں ارشاد ہوا: قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَ مَآ اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِكُمْ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ. یعنی ''اے نبی! کہو کہ میں پیغمبروں میں انوکھا تو ہوں نہیں اور میں نہیں جانتا کہ آئندہ میرے اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ میں تو اس کی پیروی کرتا ہوں جو بذریعہ وحی مجھ پر نازل کی جاتی ہے۔'' سورۂ اعراف میں یوں فرمایا: یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسٰهَا. قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ. یعنی ''اے نبی! یہ لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ آخر وہ قیامت کی گھڑی کب آئے گی؟ کہو اس کا علم میرے رب ہی کے پاس ہے۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی مختلف موقعوں پر بتایا کہ اللہ کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں ہے اور مجھے بھی غیب کا علم نہیں ہے۔ آپؐ نے ایک بار فرمایا: اِنِّیْ لَآ اَدْرِیْ مَا بَقَآئِیْ فِیْكُمْ. یعنی ''میں نہیں جانتا کہ تمہارے درمیان میری کتنی عمر ہے۔''

ایک شادی کے موقع پر چند لڑکیاں دف بجا بجا کر ان بزرگوں کا ذکر کر رہی تھیں جو بدر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں شہید ہوئے تھے۔ایک لڑکی نے یہ مصرعہ پڑھا وَفِينَا نَبِيٌّ يَعْلَمُ مَا فِي غَدٍ. یعنی ہم میں ایک پیغمبر ہیں جو کل کی باتیں جانتے ہیں۔ یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دَعِيْ هٰذِهٖ وَ قُوْلِيْ بِالَّذِيْ كُنْتِ تَقُوْلِيْنَ. یعنی ''یہ مت کہو اور وہی کہو جو پہلے کہہ رہی تھیں۔'' گویا آپؐ نے اس بات کی سختی سے تردید کی کہ اللہ کے سوا کسی کو بھی عالم الغیب نہیں کہا جا سکتا۔

صحیح بخاری میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر منافقین کی طرف سے بہتان پر ایک طویل واقعہ کا ذکر ہے جو غزوۂ بنی مصطلق سے متعلق ہے۔

یہ غزوہ ۶ھ میں پیش آیا۔ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ امی المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی شریک تھیں۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ جنگ سے واپسی پر مدینہ کے قریب، رات میں ایک جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑاؤ کیا۔ ابھی پوری رات گذرنے نہ پائی تھی کہ چلنے کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ میں اٹھ کر رفع حاجت کے لئے چلی گئی۔ واپس آئی تو محسوس ہوا کہ میرے گلے کا ہار کہیں گم ہو گیا ہے۔ میں اس کی تلاش میں لگ گئی۔ ادھر قافلہ روانہ ہو گیا۔ جس ہودج میں میں بیٹھی تھی اسے لوگوں نے یہ سمجھ کر اونٹ پر لاد دیا کہ میں اس میں موجود ہوں، کیوں کہ اس زمانے میں عورتیں غذا کی کمی کی وجہ سے بہت ہلکی پھلکی ہوتی تھیں۔ وہ بے خبری میں خالی ہودج لے کر روانہ ہو گئے۔ آخر کار مجھے ہار مل گیا۔ جب میں واپس لوٹی تو میں نے دیکھا کہ سب لوگ جا چکے تھے وہاں کوئی نہیں تھا۔ پھر یہ سوچ کر میں وہیں لیٹ گئی کہ جب لوگ مجھے نہیں پائیں گے تو ڈھونڈھتے ڈھونڈھتے یہاں ضرور آئیں گے۔ پھر مجھے نیند آ گئی۔ ایک صحابی حضرت صفوان بن معطل سلمیؓ، جو پیچھے رہ گئے تھے، نے مجھے دیکھا تو ان کی زبان سے نکلا ''انا للہ و انا الیہ راجعون، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی یہیں رہ گئیں۔'' ان کی آواز سے میری آنکھ کھل گئی۔ پھر میں نے اپنے منہ پر چادر ڈالی۔ انہوں نے مجھ سے کوئی بات نہ کی، اپنا اونٹ میرے پاس لا کر بٹھا دیا اور خود الگ کھڑے ہو گئے۔ میں اونٹ پر بیٹھ گئی اور وہ نکیل پکڑ کر روانہ ہو گئے۔ اس طرح ہم دوپہر تک لشکر والوں کے پاس پہنچے جب کہ لشکر والوں کو ابھی تک پتہ نہ تھا کہ میں پیچھے رہ گئی ہوں۔ اس پر بہتان اٹھانے والوں نے بہتان اٹھا دیئے۔ اس میں عبداللہ ابن ابی منافق پیش پیش تھا۔ مدینہ پہنچ کر میں بیمار ہو گئی۔ ایک مہینہ بستر پر پڑی رہی۔ مدینہ میں اس بہتان کی خبریں اڑ رہی تھیں مگر مجھے اس کی کوئی خبر نہیں تھی۔ لیکن مجھے اس پر حیرت تھی کہ بیماری کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوران میرے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ توجہ نہ تھی جو عام طور پر ان حالات میں رہا کرتی تھی۔ آپ گھر میں تشریف لاتے تو مجھ سے کلام نہ کرتے صرف دوسروں سے میری خیریت کے بارے میں پوچھ لیتے۔ اس سے مجھے شبہ ہو گیا کہ کوئی بات ضرور ہے۔ آخر آپؐ سے اجازت لے کر میں اپنی ماں کے گھر چلی گئی تاکہ وہ میری تیمارداری اچھی طرح کر سکیں۔

ایک روز رات کے وقت حاجت کے لئے میں مدینہ سے باہر گئی۔ اس وقت ہمارے گھروں میں بیت الخلاء نہ تھے اور ہم لوگ جنگل ہی میں جایا کرتے تھے۔ میرے ساتھ مسطح ابن اثاثہ کی ماں بھی تھیں جو میرے والد کی خالہ زاد بہن تھیں۔ (دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پورے خاندان کی کفالت حضرت عائشہؓ کے والد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے ذمہ لے رکھی تھی، مگر اس کے باوجود مسطح بھی ان لوگوں میں شریک ہو گئے تھے جو ام المومنین کے خلاف اس طرح کے بہتان کو پھیلا رہے تھے) راستہ میں مسطح کی والدہ کو ٹھوکر لگی اور بے ساختہ ان کے منہ سے نکلا ''غارت ہو مسطح''۔ میں نے حیرت سے کہا اچھی ماں ہو جو بیٹے کو کوستی ہو اور بیٹا بھی وہ جو جنگِ بدر میں حصہ لے چکا ہے۔ انہوں نے کہا بیٹا! کیا تجھے اس کی باتوں کی خبر نہیں ہے؟ پھر انہوں نے سارا قصہ سنایا کہ افترا پرداز لوگ میرے متعلق کیا کیا باتیں اڑا رہے ہیں۔ یہ داستان سن کر میرا خون خشک ہو گیا اور وہ حاجت بھی بھول گئی جس کے لئے آئی تھی۔''

آگے چل کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''میرے پیچھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی اور حضرت اسامہ ابن زید کو بلایا۔ حضرت اسامہؓ نے میرے حق میں کلمۂ خیر کہا اور عرض کیا ''یارسول اللہ! آپ کی بیوی میں، میں نے بھلائی کے سوا کچھ نہیں پایا، یہ جھوٹا بہتان ہے جو لگایا جا رہا ہے۔'' حضرت علیؓ نے کہا ''یارسول اللہ! آپ کے لئے عورتوں کی کمی نہیں ہے آپ ان کی جگہ دوسری بیوی کر سکتے ہیں اور تحقیق کرنا چاہیں تو خدمتگار لونڈی کو بلا کر دریافت کر لیں۔'' چنانچہ لونڈی بریرہؓ کو بلایا گیا۔ اس نے کہا ''خدا کی قسم، میں نے ان کے اندر کوئی برائی نہیں دیکھی جس پر حرف رکھا جا سکے سوائے اس کے کہ میں آٹا گوندھ کر کسی دوسرے کام کو چلی جاتی ہوں اور ان سے کہہ دیتی ہوں کہ اس کا خیال رکھنا مگر وہ سو جاتی ہیں اور پڑوس کی بکریاں آٹا کھا جاتی ہیں۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ''اس بہتان کی افواہیں کم وبیش ایک مہینہ تک شہر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں اڑتی رہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سخت اذیت میں مبتلا رہے۔ میں روتی رہی، میرے والدین انتہائی پریشانی اور رنج میں مبتلا رہے۔ آخر کار ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور مجھ سے فرمایا، عائشہ! مجھے تمہارے متعلق اس طرح کی خبریں پہنچی ہیں، اگر تم بے گناہ ہو تو عنقریب اللہ تعالیٰ تمہاری برأت کی آیت نازل فرمائے گا۔ اور اگر تم واقعی کسی گناہ میں مبتلا ہو تو اللہ سے توبہ کرو اور معافی مانگو۔ بندہ جب اپنے گناہ کا اعتراف کر کے توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے معاف کر دیتا ہے۔ اس پر میں نے کہا کہ آپ لوگوں نے ادھر ادھر کی باتیں سنی ہیں میری بات کا کیسے یقین ہوگا۔ میں صبر کرتی ہوں جو کچھ خدا کو منظور ہوگا وہی ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے میری برأت میں سورۂ نور کی آیتیں نازل فرمائیں۔"

اس واقعہ سے یہ بات اچھی طرح معلوم ہوگئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غیب داں نہیں تھے۔ جو کچھ اللہ تعالیٰ بتاتا تھا وہی جانتے تھے۔ اس کے ماسوا آپ کا علم اتنا ہی تھا جتنا ایک بشر کا ہوسکتا تھا۔ اگر آپ غیب داں ہوتے تو حضرت عائشہؓ کے بارے میں قافلہ والوں کو بتا دیتے کہ وہ ہودج میں نہیں ہیں ابھی ٹھہر جاؤ۔ دوسرے یہ کہ آپ ایک مہینہ تک اس معاملہ پر پریشان رہے۔ کبھی خادمہ سے پوچھتے، کبھی ازواجِ مطہرات سے، کبھی حضرت علیؓ سے، کبھی اسامہؓ بن زید سے، آخر کار حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ اگر تم نے گناہ کیا ہو تو توبہ کرو اور نہیں تو اللہ تعالیٰ تمہاری بے گناہی ثابت کر دے گا۔ اگر آپ عالم الغیب ہوتے تو یہ پریشانی، یہ پوچھ گچھ اور یہ تلقین توبہ کیوں ہوتی۔؟ البتہ جب وحی الٰہی نے ساری حقیقت بتادی تو آپ کو وہ علم حاصل ہوگیا جو مہینہ بھر تک حاصل نہ تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب معراج سے لوٹے اور بیت المقدس میں نماز پڑھنے اور انبیاء کی امامت کرنے کی بات لوگوں سے بتائی تو قریش نے آپ کی ان باتوں کو جھٹلا دیا اور ان کی صداقت پرکھنے کے لیے بیت المقدس کا نقشہ پوچھا کہ اس میں کتنی صفیں ہیں، کتنے دروازے ہیں؟ وغیرہ۔ اس وقت آپ ان سوالات کا جواب نہ دے سکے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کا نقشہ آپ کے سامنے پیش کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حَتّٰی جَلّٰی اللّٰهُ لِیْ بَیْتَ الْمُقَدِّسِ یعنی یہاں تک کہ بیت المقدس کا نقشہ اللہ نے میرے لئے کھول دیا۔ پھر آپ ان کے سوالوں کا جواب دیتے رہے اور وہ لوگ خاموش ہو گئے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگر آپ غیب داں ہوتے تو قریش کے سوالوں پر آپ کو گھبرانے کی کیا ضرورت تھی؟ پھر آپ کے سامنے بیت المقدس کا نقشہ کھولنے کا کیا سوال تھا؟

خیبر میں ایک یہودیہ نے آپ کو گوشت میں زہر ملا کر کھلا دیا تھا۔ ایک صحابی بھی اس کھانے پر آپؐ کے ساتھ شریک تھے۔ اس زہر آلود گوشت کے کھانے سے صحابیؓ کو اس قدر تکلیف ہوئی کہ وہ اسی کی وجہ سے شہید ہو گئے اور آپؐ پر اس زہر کا اتنا اثر ہوا کہ حضرت عائشہؓ نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے وقت فرما رہے تھے کہ میرے تالو میں سخت تکلیف ہے اور یہ اسی زہریلے گوشت کے کھانے کی وجہ سے ہے جسے یہودیہ نے کھلایا تھا۔

اگر آپ عالم الغیب ہوتے تو آپ کو کھانے سے پہلے معلوم ہو جاتا کہ کھانا زہر آلود ہے۔ اس طرح آپؐ اسے نہ کھاتے اور نہ صحابیؓ کو کھانے دیتے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا رہے ہے۔ یکا یک آپؐ نے نماز ہی کی حالت میں اپنے نعلین کو نکال کر اپنے بائیں رکھ لیا۔ آپ کو دیکھ کر صحابہ کرامؓ نے بھی اپنے اپنے نعلین نکال دیئے۔ نماز ختم ہو جانے کے بعد آپؐ نے صحابہؓ سے نعلین نکالنے کی وجہ پوچھی تو انہوں نے جواب دیا کہ آپ کو نکالتے دیکھ کر ہم نے بھی ایسا ہی کیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ نماز کی حالت میں حضرت جبرئیلؑ نے مجھے اس بات کی خبر دی کہ میرے نعلین میں گندگی لگی ہے اس لئے میں نے اسے نکال دیا۔''

اگر آپؐ غیب داں ہوتے تو نجس آلود نعلین پہن کر نماز نہ ادا کرتے بلکہ یا تو اسے صاف کر کے نماز پڑھتے یا اسے نکال کر۔

ایک بار آپ کو غسل کی حاجت تھی لیکن غسل کرنا بھول گئے، جب مصلیٰ پر نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہوئے تب آپ کو یاد آیا۔ آپؐ نے مقتدیوں سے فرمایا کہ ''تم سب اپنی اپنی جگہ پر رہو میں جنبی ہوں، غسل کرنا بھول گیا تھا، ابھی غسل کر کے آتا ہوں۔''

اگر آپ کو غیب کی باتوں کا علم ہوتا تو کم از کم اپنی حالت کی خبر آپ کو ضرور ہوتی اور جنابت کی حالت میں مصلیٰ پر تشریف نہ لے جاتے۔

حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار خچر پر سوار ہو کر بنونجار کے باغ میں پہنچے اور ہم بھی آپؐ کے ہمراہ تھے۔ اچانک آپ کی سواری بدکی، دیکھا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گیا تو معلوم ہوا کہ آگے پانچ یا چھ قبریں ہیں۔ آپؐ نے فرمایا مَنْ یَعْرِفُ اَصْحَابَ قَبْرِ هٰذَا. یعنی ان قبر والوں کو کون جانتا ہے؟ ایک شخص نے کہا کہ میں جانتا ہوں، آپؐ نے پوچھا فَمَتٰی مَاتُوْا یعنی یہ کب مرے ہیں؟ اس نے کہا کہ شرک (ایام جہالت) میں مرے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ ”اگر مجھے اس بات کا خوف نہ ہوتا کہ تم اپنے مردوں کو قبروں میں دفن نہ کرو گے تو میں اللہ سے دعا کرتا کہ وہ تم کو بھی قبر کا عذاب سنا دے۔“

مروانؒ ابن حکم کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہزار اصحاب کے ساتھ عمرہ کی نیت سے، مدینہ سے مکہ روانہ ہوئے۔ مقام ذوالحلیفہ پر پہنچ کر آپؐ نے قربانی کے جانور کو قلادہ پہنایا اور یہیں احرام باندھا۔ پھر قبیلۂ بنی خزاعہ میں سے ایک شخص کو جاسوسی کے لیے آگے بھیج دیا۔ جب آپؐ اپنے اصحابؓ کے ہمراہ آگے پہنچے تو جاسوس نے آ کر خبر دی کہ قریش نے آپؐ کے لیے بہت بڑی تیاری کی ہے۔ یقیناً وہ آپ کو بیت اللہ کی زیارت سے روکیں گے۔ یہ سن کر آپؐ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا اور پوچھا کہ کیا ہم کافروں کے بال بچوں پر جھک پڑیں جو ہم کو خانۂ خدا سے روکنے آئے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپؐ بیت اللہ کا عزم کر کے نکلے ہیں نہ کہ کسی کو مارنے اور کسی سے لڑنے کے لئے۔ چلئے جو کوئی ہمیں بیت اللہ کی زیارت سے روکے گا ہم اس سے لڑیں گے آپؐ نے فرمایا چلو بسم اللہ۔

پھر آپؐ صحابہؓ کے ساتھ چلے اور مقامِ حدیبیہ پر پہنچے۔ یہیں کفار سے صلح کا معاہدہ ہوا اور مقررہ شرائط کے مطابق واپس لوٹ آئے اور آئندہ سال عمرہ کیا۔

اگر آپؐ غیب داں ہوتے تو آپ کو جاسوس بھیج کر خبر لینے کی کیا ضرورت تھی؟ آنے والے واقعات کو خود بہ خود جان لیتے اور صحابہؓ کو بھی بتا دیتے۔ اگر آپ کو معلوم ہوتا کہ آئندہ ایسے ایسے واقعات پیش آنے والے ہیں تو آپؐ اس سفر کا قصد ہی نہ فرماتے جس میں آپ کو بہت سی پریشانیاں اٹھانی پڑیں۔

غزوۂ موتہ (۸ھ) میں آپؐ نے حضرت زید ابن حارثہ رضی اللہ عنہ کو فوج کا سپہ سالار بنا کر بھیجا اور فرمایا کہ اگر زیدؓ شہید ہو جائیں تو جعفرؓ سپہ سالار ہوں اور اگر یہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ ابن رواحہؓ فوج کے افسر ہوں۔ آگے آپؐ نے کسی کی سپہ سالاری کا ذکر نہیں فرمایا۔ آخر کار تینوں اصحاب اس جنگ میں شہید ہو گئے۔ پھر حضرت خالدؓ ابن ولید فوج کے سپہ سالار ہوئے اور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انہی کے ہاتھوں فتح ہوئی۔

اگر آپؐ کو علم غیب ہوتا تو یوں نہ فرماتے کہ اگر زیدؓ شہید ہوں تو جعفرؓ اور اگر یہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ ابن رواحہ فوج کے سپہ سالار ہوں، بلکہ پہلے ہی ان کو سپہ سالار بنا دیتے کیوں کہ انہی کے ہاتھوں فتح ہونی تھی۔

حضرت عکرمہؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، اے محمدؐ! قیامت کب آئے گی؟ اور ہمارے علاقہ میں قحط برپا ہے، بارش کب ہوگی اور میری بیوی حاملہ ہے۔ وہ لڑکا جنے گی یا لڑکی اور یہ تو مجھے معلوم ہے کہ میں نے آج کیا کمایا ہے لیکن کل کیا کماؤں گا؟ اور یہ تو میں جانتا ہوں کہ میں کہاں پیدا ہوا لیکن یہ جاننا چاہتا ہوں کہ مروں گا کہاں؟ اس کے ان سوالوں کے جواب میں آپؐ نے سورہ لقمان کی آخری آیت سنائی۔ اِنَّ اللّٰهَ عِنۡدَهٗ عِلۡمُ السَّاعَةِ وَ یُنَزِّلُ الۡغَیۡثَ وَیَعۡلَمُ مَا فِی الۡاَرۡحَامِ. وَمَاتَدۡرِیۡ نَفۡسٌ مَّاذَا تَكۡسِبُ غَدًا وَمَا تَدۡرِیۡ نَفۡسٌ ۢ بِاَیِّ اَرۡضٍ تَمُوۡتُ. اِنَّ اللّٰهَ عَلِیۡمٌ خَبِیۡرٌ. ''بیشک اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے اور وہی بارش نازل فرماتا ہے اور وہی جانتا ہے کہ ماں کے رحموں میں کیا ہے اور کوئی متنفس نہیں جانتا کہ کل کیا کمائے گا اور کسی بھی متنفس کو خبر نہیں کہ وہ کہاں مرے گا۔''

گویا آپؐ نے سوال کرنے والے کو یہ بتایا کہ تم مجھ سے غیب کی باتیں معلوم کرنا چاہتے ہو، دیکھو اللہ نے قرآن میں بتایا ہے کہ غیب کا علم اس کے سوا کسی کو نہیں ہے۔

میدانِ حشر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حوض کوثر پر تشریف فرما ہوں گے۔ کچھ لوگ وہاں آئیں گے، لیکن ان کے اور آپؐ کے درمیان آڑ ہو جائے گی۔ آپؐ فرمائیں گے یہ تو میرے اصحاب ہیں۔ تب آپ کو جواب ملے گا کہ اے نبیؐ! آپ کو معلوم نہیں کہ آپؐ کے بعد انہوں نے دین میں کیا کیا باتیں نکالی تھیں، تب آپؐ فرمائیں گے دور ہو دور ہو، اسلام کے بگاڑنے والو دور ہو۔''

بعض لوگ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مرض الموت میں علم غیب عطا کیا گیا، حالاں کہ یہ مفروضہ بالکل غلط ہے کیوں کہ یہ واقعہ میدانِ آخرت میں پیش آنے والا ہے جس سے معلوم ہوا کہ آپ کو مرتے دم تک غیب کا علم نہیں تھا۔

کتبِ احادیث کی مشہور روایت ہے کہ حضرت جبرئیلؑ انسانی شکل میں آنحضرت صلی اللہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علیہ وسلم کے پاس آئے تھے اور آپؐ سے جو سوالات کئے تھے ان میں ایک یہ بھی تھا کہ قیامت کب آئے گی؟ اس کے جواب میں آپؐ نے اپنی لاعلمی ظاہر کرتے ہوئے فرمایا تھا مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّائِل. یعنی جس سے پوچھا جا رہا ہے وہ اس بارے میں خود پوچھنے والے سے زیادہ علم نہیں رکھتا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غیب دانی کے متعلق یہ شبہ کیا جا سکتا ہے کہ اکثر موقعوں پر آپؐ نے غیب کی بہت سی باتیں بتائی ہیں لیکن یہ باتیں آپؐ کے غیب داں ہونے کا ثبوت نہیں ہیں کیوں کہ آپ کو یہ تمام باتیں بذریعہ وحی معلوم ہوئیں جس کا کوئی بھی مسلمان منکر نہیں ہے۔

قرآنی تصریحات، ارشاداتِ رسولؐ اور کتبِ سیرت کے واقعات سے اس امر میں کسی شک کی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو عالم الغیب سمجھنا اور یہ ماننا کہ اس کے سوا کوئی دوسرا بھی جمیع ما کان و ما یکون کا علم رکھتا ہے، قطعاً ایک غیر اسلامی عقیدہ ہے۔

حضرت عائشہؓ نے فرمایا مَنْ زَعَمَ اَنَّهُ رَاَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْلَمُ مَا فِيْ غَدٍ فَقَدْ اَعْظَمَ عَلَى اللّٰهِ الْفِرْيَةَ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهَ. یعنی ''جس نے دعویٰ کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جانتے ہیں کہ کل کیا ہونے والا ہے، اس نے اللہ پر سخت جھوٹ کا الزام لگایا کیوں کہ وہ فرماتا ہے کہ اے نبی! کہہ دو کہ غیب کا علم اللہ کے سوا آسمانوں اور زمین کے اندر رہنے والوں میں سے کسی کو نہیں۔''

اب اگر علمِ غیب کو کسی دوسری مخلوق یا شخصیت میں مانا جائے اور کسی نبی، ولی، پیر اور شہید وغیرہ کو بھی عالم الغیب سمجھا جائے تو یہ شرک فی الصفات ہوگا۔

اسی طرح نفع و نقصان پہنچانا، اولاد دینا یا بانجھ کر دینا، مارنا یا جلانا، بیمار کرنا یا شفا دینا، ہدایت دینا یا گمراہ کر دینا، دے دینا یا محروم کرنا، عزت دینا یا ذلیل کر دینا، مصیبت کو دور کرنا یا مصیبت میں مبتلا کر دینا اللہ کی صفات ہیں جس کا مطلب ہے کہ وہ جس کو چاہتا ہے مسرت اور راحت عطا کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے محروم رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ انعام میں ارشاد فرمایا وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗ اِلَّا هُوَ. وَ اِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ. یعنی ''اگر اللہ تمہیں کسی قسم کا نقصان پہنچائے تو اس کے سوا کوئی نہیں جو تمہیں اس نقصان سے بچا سکے اور اگر وہ تمہیں کسی بھلائی سے بہرہ مند کر دے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسی لئے ہر نماز میں اور ہر نمازی کے لئے سورہ فاتحہ کا پڑھنا ضروری قرار دیا گیا جس کی ایک آیت ہے اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ یعنی ''اے اللہ! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد طلب کرتے ہیں۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کے سردار اور تمام مخلوقات میں سب سے افضل اور برتر ہیں۔ آپؐ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے سورۂ اعراف میں فرمایا قُلْ لَّآ اَمْلِکُ لِنَفْسِیْ نَفْعاً وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰہُ. یعنی ''اے نبی! کہہ دو کہ میں خود اپنے نفع اور نقصان کا اختیار نہیں رکھتا مگر اتنا ہی جتنا اللہ تعالیٰ نے چاہا۔''

سورۂ جن میں یوں ارشاد ہوا: قُلْ اِنِّیْ لَآ اَمْلِکُ لَکُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا. قُلْ اِنِّیْ لَنْ یُّجِیْرَنِیْ مِنَ اللّٰہِ اَحَدٌ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِہٖ مُلْتَحَدًا یعنی ''اے نبی! کہو کہ میں تم لوگوں کے لئے نہ کسی نقصان کا اختیار رکھتا ہوں نہ کسی بھلائی کا، کہو مجھے اللہ کی گرفت سے کوئی بچا نہیں سکتا اور نہ میں اس کے دامن کے سوا کوئی جائے پناہ پا سکتا ہوں۔''

یعنی لوگوں کی قسمتیں بنانے یا بگاڑنے کا کوئی اختیار مجھے حاصل نہیں ہے۔ خدائی کے سارے اختیارات اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں۔ کسی دوسرے کو نفع ونقصان پہنچانا تو درکنار مجھے تو خود اپنے نفع ونقصان کا اختیار حاصل نہیں۔ اللہ کی نافرمانی کروں تو اس کی پکڑ سے بچ کر میں کہیں پناہ نہیں لے سکتا اور اس کے دامن کے سوا کوئی ملجا وماویٰ میرے لئے نہیں ہے۔

غزوۂ احد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین کی طرف سے شدید اذیتیں پہنچیں۔ آپؐ پر تیروں کی بارش کی گئی حتیٰ کہ آپؐ کے دندانِ مبارک بھی شہید ہوئے اور سر میں زخم بھی لگا۔ اس سے متاثر ہو کر آپؐ نے کہا ''وہ قوم کیسے چھٹکارا پائے گی جس نے اپنے نبی کے سر کو زخمی کیا اور دانت کو توڑا'' اور بتقاضائے طبیعت بعض کفار کے حق میں نام لے لے کر لعنتیں کیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا: لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْئٌ اَوْ یَتُوْبَ عَلَیْھِمْ اَوْ یُعَذِّبَھُمْ فَاِنَّھُمْ ظٰلِمُوْنَ. یعنی ''اے نبی! فیصلہ کے اختیارات میں تمہارا کوئی حصہ نہیں ہے، اللہ کو اختیار ہے چاہے انہیں معاف کرے اور چاہے تو انہیں سزا دے کیوں کہ وہ ظالم ہیں۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ حضرت آمنہ کی مغفرت کرنے کی اجازت چاہی مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو ان کی دعاءِ مغفرت کی اجازت نہیں ملی۔ اور ان کی قبر کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زیارت کی اجازت چاہی تو مل گئی۔

ایک روز آپؐ نے طویل نماز ادا فرمائی، صحابہؓ نے اس کی وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا، نماز تو بے شک لمبی ہوگئی۔ اس میں، میں نے اپنے مالکِ حقیقی سے تین چیزیں مانگیں جن میں سے دو کے لئے میری دعا قبول ہوگئی اور ایک کے لئے نہیں۔ میں نے دعا کی تھی کہ یا اللہ! میری امت قحط میں مبتلا نہ ہو، ان پر ان کے دشمنوں کا غلبہ نہ ہو اور ان میں آپس میں لڑائی جھگڑا نہ ہو۔ ان میں سے پہلی اور دوسری چیزوں کو اللہ نے قبول فرمالیا اور تیسری چیز یعنی میری امت میں نا اتفاقی نہ ہوا سے قبول نہیں فرمایا۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ ہجرتِ حبشہ سے پہلے ہم لوگ نماز ہی کی حالت میں سلام کیا کرتے تھے اور آپؐ اسی حالت میں سلام کا جواب دیا کرتے تھے۔ مگر ہجرت سے واپسی کے بعد ہم نے نماز میں سلام کیا تو آپؐ نے جواب نہیں دیا۔ نماز ختم ہو جانے کے بعد ہم نے اس کی وجہ پوچھی کہ پہلے آپؐ نماز میں سلام کا جواب دیا کرتے تھے اب کی بار کیوں نہیں دیا۔ آپؐ نے فرمایا اِنَّ اللّٰہَ یَحۡدِثُ مِنۡ اَمۡرِہٖ مَا یَشَآءُ اللہ تعالیٰ اپنے حسب منشاء حکم جاری فرماتا ہے۔“ یعنی اب اس کا حکم آ گیا کہ نماز میں کلام نہ کرو۔ نماز تلاوت اور ذکر الٰہی کے لئے ہے۔

الغرض آیاتِ قرآنی اور احادیثِ رسول اس بات پر صاف دلالت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مختارِ کل نہ تھے بلکہ اسی درگاہِ عالی کے محتاج تھے جس کے سب محتاج ہیں۔ اب اگر یہ عقیدہ رکھا جائے کہ فلاں فرشتہ، فلاں نبی، فلاں ولی، فلاں بزرگ، فلاں جن یا فلاں پیر ہماری بگڑی بنا سکتے ہیں، یا ہمیں اولاد دے سکتے ہیں، یا ہمیں آرام و تکلیف اور نفع و نقصان پہنچا سکتے ہیں تو یہ بھی اللہ کی صفات میں شرک کرنا ہوا۔

شرک کی تیسری قسم ہے اللہ کی عبادت میں شریک کرنا۔

ہر طرح کی عبادت کا مستحق اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے خواہ اس کا مقام کتنا ہی بلند و بالا کیوں نہ ہو۔ کیوں کہ جب ہماری پیدائش، ہمیں روزی دینے اور ہمیں مارنے جلانے میں کسی کا حصہ نہیں ہے تو عبادت میں کوئی دوسرا اس کا شریک کیسے ہوسکتا ہے؟

اور نہ صرف عبادت کا بلکہ ان تمام کاموں کا مستحق بھی وہی ہے جو عبادت کی قسم کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوں۔ مثلاً سجدہ اسی کو کیا جائے، اسی کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ کر مدد اسی سے طلب کی جائے، مصیبتوں میں اسی کو پکارا جائے، اولاد اسی سے مانگی جائے، امداد غیبی کے لئے اسی کو پکارا جائے، توکل صرف اسی پر کیا جائے، ہر طرح کی امیدیں اسی سے وابستہ کی جائیں، تقویٰ صرف اسی کا اختیار کیا جائے، خوف صرف اسی کا رکھا جائے، حقیقی محبت صرف اسی سے رکھی جائے، نماز اور قربانی اسی کے لئے ہو، قسم اسی کی کھائی جائے، نذر اسی کی مانی جائے، اور اسی کے گھر کا طواف کیا جائے وغیرہ۔

اگر اس کے سوا کسی دوسرے کو بھی سجدہ یا رکوع کیا جائے، یا اولاد مانگی جائے، یا نفع و نقصان کا مالک سمجھ کر اس سے مراد مانگی جائے، یا حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ کر اسے امداد غیبی کے لئے پکارا جائے تو یہ شرک فی العبادات ہوگا۔

کیونکہ عبادت میں نماز، طواف، حج، روزہ، نذر، قسم، اعتکاف، قربانی، سجدہ، رکوع، خوف، رغبت، خشیت، توکل، استغاثہ، دعا، امید اور ان کے علاوہ عبادات کی وہ تمام قسمیں شامل ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں شروع فرمایا ہے یا جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قولی اور عملی سنت سے شروع کیا ہے۔

کتاب وسنت میں اس کے لئے بے شمار دلائل موجود ہیں۔

مثلاً رکوع و سجود کے عبادت ہونے کے متعلق سورۂ حج میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یٰـاَیُّهَا الَّـذِیْنَ اٰمَنُوا ارْکَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّکُمْ وَافْعَلُوا الْخَیْرَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ. یعنی ''اے ایمان والو! رکوع اور سجدہ کرو اور اپنے رب کی بندگی کرو اور اچھے کام کرو تاکہ کامیاب ہو جاؤ۔''

نماز اور ذبیحہ کے متعلق سورۂ انعام میں آیا: قُلْ اِنَّ صَلٰوتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ لَاشَرِیْکَ لَهٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ. یعنی ''اے نبی! کہو، بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میرا مرنا اور میرا جینا یہ صرف اللہ رب العالمین کے لئے ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو اسی کا حکم ہوا ہے اور میں سب ماننے والوں سے پہلا ہوں۔''

سورۂ کوثر میں فرمایا: فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ. یعنی ''اپنے رب کے لئے نماز پڑھو اور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قربانی کرو۔"

قرآن مجید نے غیر اللہ کے نام پر ذبیحہ کو مطلق حرام قرار دیا۔ سورۂ بقرہ میں ارشاد ہوا: اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ. یعنی "بے شک اللہ نے تم پر حرام کر دیا مردار، خون، سور کا گوشت اور وہ چیز جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو۔"

سورۂ مائدہ میں فرمایا: حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ یعنی "تم پر حرام کیا گیا مردار، خون، سور کا گوشت اور وہ جانور جو اللہ کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔"

سورۂ انعام میں یہ بھی ارشاد ہوا: قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ. یعنی "اے محمد! ان سے کہو کہ جو وحی میرے پاس آئی ہے اس میں تو میں کوئی چیز ایسی نہیں پاتا جو کسی کھانے والے پر حرام ہو، الا یہ کہ وہ مردار ہو، یا بہایا ہوا خون ہو، یا سور کا گوشت ہو کہ وہ ناپاک ہے، یا فسق ہو کہ اللہ کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔"

غیر اللہ کی قسم کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ حَلَفَ لِغَيْرِ اللّٰهِ فَقَدْ اَشْرَكَ. یعنی "جس نے اللہ کے سوا دوسرے کی قسم کھائی اس نے شرک کیا۔"

اللہ کے سوا دوسروں سے استعانت کے بارے میں سورۂ فاتحہ کی آیات میں ایک آیت ہے۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ. یعنی "ہم تیری ہی بندگی کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِذَا سَأَلْتَ فَاسْئَلِ اللّٰهَ وَاِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ. یعنی "جب سوال کرو تو اللہ ہی سے کرو اور جب مدد چاہو تو اللہ ہی سے چاہو۔"

خوف اور ڈر کے متعلق اللہ نے سورۂ آل عمران میں فرمایا: وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ. یعنی "مجھی سے ڈرو اگر تم مومن ہو۔"

سورۂ بقرہ میں فرمایا: وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ. یعنی "اور مجھی سے ڈرو۔"

نذر و طواف کے متعلق سورۂ حج میں ارشاد ہوا: وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ. یعنی "ان کو چاہیے کہ اپنی نذریں پوری کر دیں اور خانہ قدیم یعنی بیت اللہ کا طواف

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کریں۔"

ثابت ہوا کہ خانۂ کعبہ کے سوا کسی دوسرے گھر کا طواف اور غیر اللہ کی نذر ماننی جائز نہیں ہے۔لہٰذا اولیاء وصالحین کی نذر ماننی اور ان کے گھر کا طواف حرام ہوا۔ کیوں کہ یہ تو کھلا ہوا شرک ہے جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

اور جس طرح اولیاء اور صالحین کی قبروں کے لئے نذر ماننی جائز نہیں ہے اسی طرح ان قبروں پر مکانات و جائداد وقف کرنا بھی جائز نہیں ہے۔اگر کسی نے غیر اللہ کی نذر مانی بھی تو اسے پوری کرنا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ نذر ماننے والے کو چاہئے کہ وہ اللہ سے معافی مانگے ،توبہ کرے اور دوبارہ کلمہ پڑھے۔ کیوں کہ اگر وہ جانتا تھا کہ غیر اللہ کی نذر ماننی شرک ہے اور پھر بھی نذر مانی تو مرتد ہو گیا۔ اور جس نے اولیاء اللہ کی قبروں پر کوئی جانور یا جائیداد وقف کی یا وصیت کی تو اس کا وقف اور وصیت دونوں باطل ہیں۔اور یہ وقف کردہ جائیداد اور جانور وغیرہ بدستور اپنے مالک کی ملکیت میں باقی رہیں گے۔

اور کچھ لوگوں کا یہ کہنا سراسر باطل اور گمراہ کن ہے کہ نذر تو اللہ کے لیے ہے اور ثواب اولیاء اللہ کے لئے۔ آخر اس سے ولی کا کیا تعلق؟ اگر اسے صدقہ ہی کرنا ہے تو اپنی طرف سے یا اپنی اولاد، والدین یا اعزہ واقارب کی طرف سے کرے۔

استغاثہ کے متعلق سورۂ یونس میں ارشاد ہوا: وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ فَإِنْ فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذاً مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ. یعنی "اور اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیز کو نہ پکارنا جو تمہارا نہ کچھ بھلا کر سکے اور نہ کچھ بگاڑ سکے، اگر ایسا کرو گے تو ظالموں میں ہو جاؤ گے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک منافق تھا جو مسلمانوں کو ستاتا تھا، کچھ لوگوں نے کہا کہ چلو ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے خلاف فریاد کریں۔ آپؐ نے فرمایا مجھ سے نہیں اللہ سے فریاد مانگی جاتی ہے۔"

جو شخص یہ کہتا ہے کہ اللہ کے سوا دوسرے بھی نفع ونقصان کے مالک ہیں تو وہ کھلا ہوا شرک ہے اور وہ بھی جو کسی مردہ یا غائب کو پکارے اور خوف اور امید کے ساتھ اس سے کسی نقصان کو دور کرنے یا کسی نفع کو حاصل کرنے کی درخواست کرے۔ اس لیے کہ فی الحقیقت ان تمام باتوں کی قدرت اللہ واحد کے سوا کسی کو نہیں ہے اور جو چیز فطرۃً محال ہے، مثلاً زندوں کا مردوں سے مانگنا،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہ کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے۔ جو کرے گا وہ سخت ترین گنہ گار ہوگا، لیکن جو چیز کسی زندہ مخلوق کے امکان اور طاقت میں ہو اس کو اس سے مانگنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ مثلاً اپنی ضرورت میں اس سے مدد چاہے یا ڈوبنے یا آگ میں جلنے کی حالت میں اس سے مدد کا طالب ہو۔

اللہ کے نیک اور مقرب بندے جنہیں لوگ اپنی مصیبتوں میں پکارتے ہیں، وہ خود ہر معاملے میں اللہ ہی کی طرف رجوع کرتے تھے مثلاً

حضرت ایوب علیہ السلام، جنہیں اللہ نے سخت تکلیف دہ بیماری میں مبتلا کر دیا تھا، لیکن اس حالت میں انہوں نے اللہ ہی کو پکارا اور اسی سے یہ التجا کی اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ. یعنی ''اے میرے رب! مجھے بیماری لگ گئی ہے اور تو ارحم الراحمین ہے۔'' آخر کار اللہ تعالیٰ نے انہیں کامل شفا دی۔

حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی نے نگل لیا تھا تب انہوں نے اللہ کو پکارا۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ. یعنی ''نہیں ہے کوئی معبود مگر تو، پاک ہے تیری ذات بیشک میں نے بڑا قصور کیا۔'' آخر کار اللہ نے انہیں مچھلی کے پیٹ سے نجات دی۔

مستشرقین نے اس بات پر بڑا سخت اعتراض کیا تھا کہ قرآن، حضرت یونس کے مچھلی کے پیٹ کے اندر زندہ رہنے کی جو بات بتاتا ہے وہ غلط ہے کیوں کہ یہ ناممکن ہے کہ کوئی آدمی تین روز تک مچھلی کے پیٹ میں زندہ اور سلامت رہے، لیکن پچھلی صدی کے اواخر میں انگلستان میں ایک ایسا واقعہ ظہور پذیر ہوا جس کی بنا پر معترضین نے بھی اس کا اعتراف کر لیا کہ ایسا قطعاً ممکن ہے۔

۱۸۹۲ء میں انگلستان کے ساحل کے قریب کچھ مچھیرے وہیل مچھلی کے شکار کے لیے نکلے۔ انہوں نے ایک بہت بڑی مچھلی کا شکار کرنا چاہا۔ مچھلی تو نہیں ملی البتہ اس نے ایک مچھیرے کو نگل لیا جس کا نام جیمس بارٹلے تھا۔ وہ مچھلی جیمس کو نگل کر سمندر میں غائب ہو گئی۔ مچھیروں نے اسے پانے کی بڑی کوشش کی مگر ناکام رہے۔ تیسرے دن وہی مچھلی ساحل سمندر پر مردہ حالت میں ملی۔ اس کی لمبائی تقریباً اسی فٹ تھی۔ جب اس کا پیٹ چیرا گیا تو جیمس نہ صرف زندہ تھا بلکہ ہوش میں بھی تھا۔ اس واقعہ کی کافی شہرت ہوئی اور اعتراض کرنے والوں نے بھی اعتراف کر لیا کہ اللہ کی قدرت سے کچھ بعید نہیں کہ انسان کو مچھلی کے پیٹ میں بھی زندہ و سلامت رکھے۔

حضرت ذکریا علیہ السلام بوڑھے ہو گئے تھے۔ ان کے کوئی اولاد نہیں تھی۔ انہوں نے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بڑھاپے میں اللہ سے دعا کی۔ رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّ اَنْتَ خَیْرُ الْوَارِثِیْنَ۔ یعنی "اے میرے پروردگار! تو مجھے اکیلا نہ چھوڑ اور بہترین وارث تو ہی ہے۔" آخرکار اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کی اور بڑھاپے میں اولاد دی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام جب آگ میں ڈالے گئے تو انہوں نے اللہ ہی پر بھروسہ کیا اور کہا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِیْلُ نِعْمَ الْمَوْلٰی وَ نِعْمَ النَّصِیْرُ۔ یعنی "ہمارا اللہ ہمارے لئے کافی ہے وہ بہترین کارساز اور بہترین مددگار ہے" آخرکار اللہ نے ان کے لئے آگ کو گلزار بنا دیا۔

حضرت نوح علیہ السلام ایک مدت دراز تک اپنی قوم کی اصلاح کے لئے کوشش کرتے رہے جب ان کی کوشش کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا تو تھک ہار کر انہوں نے اللہ سے دعا کی رَبِّ اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ۔ یعنی "اے میرے پروردگار میں مغلوب ہو گیا ہوں اب میری مدد کو پہنچ۔" اور یہ بھی کہا۔ رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ دَیَّارًا یعنی "اے میرے پروردگار زمین پر ایک کافر باشندہ نہ چھوڑ۔" اس پر اللہ تعالیٰ نے سورۂ انبیاء میں ارشاد فرمایا: وَنُوْحًا اِذْ نَادٰی مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّیْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِیْمِ۔ یعنی "اور یاد کرو جب نوح نے ان سب سے پہلے ہمیں پکارا تھا۔ ہم نے اس کی دعا قبول کی اور اس کو اور اس کے گھر والوں کو کرب عظیم سے نجات دی۔"

حضرت یوسف علیہ السلام کی دعا قرآن کی سورۂ یوسف میں مذکور ہے: رَبِّ قَدْ اٰتَیْتَنِیْ مِنَ الْمُلْكِ وَ عَلَّمْتَنِیْ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ۔ یعنی "اے میرے پروردگار! تو نے مجھ کو حکومت عطا کی اور خوابوں کی تعبیر کا علم بخشا، اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے! تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا کارساز ہے۔ میرا خاتمہ اسلام پر کر اور انجام کار مجھے صالحین سے ملا۔"

حضرت آدم اور حوا علیہما السلام سے جب خطا سرزد ہوئی تو انہوں نے دعا کی رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ۔ یعنی اے ہمارے رب! ہم نے اپنے اوپر ستم کیا، اب اگر تو نے ہم سے درگذر نہ فرمایا اور رحم نہ کیا تو یقیناً ہم تباہ ہو جائیں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گے۔"

قرآن نے انبیاء کی دعاؤں کا ذکر کیا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ تمام انبیاء بھی اللہ تعالیٰ کے محتاج تھے۔ حضرت ذکریا علیہ السلام کا ذکر کرنے سے یہ بات بتانی مقصود ہے کہ سارے نبی محض بندے تھے۔ الوہیت میں ان کا شائبہ تک نہ تھا۔ وہ اولاد دینے والے نہیں تھے بلکہ خود اللہ کے آگے اولاد کے لیے ہاتھ پھیلانے والے تھے۔ حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر اس لیے کیا گیا کہ ایک اولوالعزم نبی ہونے کے باوجود جب ان سے قصور سرزد ہوا تو وہ پکڑ لیے گئے اور جب وہ اپنے رب کے آگے جھک گئے تو ان پر فضل بھی ایسا کیا گیا کہ مچھلی کے پیٹ سے زندہ نکال لائے گئے۔ حضرت ایوب علیہ السلام کا ذکر اس لیے کیا گیا کہ مبتلائے مصیبت ہونا کوئی نرالی بات نہیں ہے اور نبی بھی جب مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے تو اللہ ہی کے آگے شفا کے لیے ہاتھ پھیلاتا ہے۔ وہ دوسروں کو شفا دینے والا نہیں بلکہ اللہ سے شفا مانگنے والا ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر اس لیے کیا گیا کہ نبی بھی سخت ترین مصیبت میں صبر وتوکل کا مجسمہ ہوتا ہے۔ وہ آگ میں جل جانا گوارا کر لیتا ہے لیکن اللہ کے سوا کسی دوسرے کا سہارا قبول نہیں کرتا۔ پھر ان سب باتوں کے ساتھ یہ حقیقت بھی ذہن نشین کرانا مقصود ہے کہ سارے انبیاء توحید کے قائل تھے اور اپنی حاجات ایک خدا کے سوا کسی کے آگے نہ لے جاتے تھے۔

اللہ کے آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہر معاملہ میں اللہ ہی سے دعائیں کرتے تھے۔ ہر خطرہ اور ہر شر سے اللہ ہی کی پناہ مانگا کرتے تھے۔ احادیث میں آپ کی دعائیں منقول ہیں مثلاً:

اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَسْئَلُکَ الْعَافِیَةَ فِیْ دِیْنِیْ وَ دُنْیَایَ وَ اَهْلِیْ وَ مَالِیْ وَ بَدَنِیْ. یعنی "اے ہمارے رب! تجھ سے سوال کرتا ہوں عافیت کا اپنے دین، دنیا و اہل و مال اور بدن کے لیے۔"

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّی لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَ اَنَا عَبْدُکَ وَ اَنَا عَلٰی عَهْدِکَ وَ وَعْدِکَ مَا اسْتَطَعْتُ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ اَبُوْءُ لَکَ بِنِعْمَتِکَ عَلَیَّ وَ اَبُوْءُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْ لِیْ فَاِنَّهٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ. یعنی "اے اللہ! تو ہی میرا رب ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو نے مجھے پیدا کیا اور میں تیرا بندہ ہوں اور تیرے عہد اور وعدہ پر قائم

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوں۔ پناہ مانگتا ہوں تیرے ذریعہ اس برائی سے جو میں نے کی ہے۔ اقرار کرتا ہوں تیری نعمت کا جو مجھ پر ہے اور اعتراف کرتا ہوں اپنے گناہ کا۔ بے شک تیرے سوا کوئی گناہوں کا معاف کرنے والا نہیں ہے۔"

اَللّٰھُمَّ اِنّی اَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ ما عَمِلْتُ و مِنْ شَرِّ ما لَمْ اَعْمَلْ. یعنی "خدایا! میں تیری پناہ مانگتا ہوں ان کاموں کے شر سے جو میں نے کئے اور ان کاموں کے شر سے جو میں نہیں کئے۔"

اَللّٰھُمَّ اِنّی اَعُوْذُبِکَ مِنْ زَوَالِ نِعْمَتِکَ و تَحوُّلِ عافِیَتِکَ و فَجَاءَۃِ نِعْمَتِکَ وَ جَمِیْعِ سَخَطِکَ. یعنی "اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ جو نعمت مجھے حاصل ہے وہ چھن جائے اور تجھ سے جو عافیت مجھے نصیب ہے وہ نصیب نہ رہے اور تیرا غضب یکا یک ٹوٹ پڑے۔ اور پناہ مانگتا ہوں تیری ہر طرح کی ناراضگی سے۔"

اَللّٰھُمَّ اِنّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ عِلْمٍ لَّا یَنْفَعُ و مِنْ قَلْبٍ لَّا یَخْشَعُ و مِنْ دَعْوَۃٍ لَّا یُسْتَجَابُ. یعنی "اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس علم سے جو نفع دینے والا نہ ہو، اور اس دل سے جو تیرا خوف نہ کرے اور اس نفس سے جو کبھی سیر نہ ہو اور اس دعا سے جو قبول نہ کی جائے۔"

اَللّٰھُمَّ اِنّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْجُوْعِ فَاِنَّہٗ بِئْسَ الضَّجِیْعُ وَ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْخِیَانَۃِ فَاِنَّہٗ بِئْسَتِ الْبِطَانَۃُ. یعنی "خدایا میں تیری پناہ مانگتا ہوں بھوک سے کیوں کہ وہ بدترین چیز ہے جس کے ساتھ کوئی رات گذارے اور تیری پناہ مانگتا ہوں خیانت سے کیوں کہ وہ بڑی بدباطنی ہے۔"

اَللّٰھُمَّ اِنّی اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْبَرَصِ وَ الْجُنُوْنِ وَالْجُذَامِ وَ سَیِّءِ الْاَسْقَامِ. یعنی "اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں، کوڑھ، جنون، جذام اور تمام بیماریوں سے۔"

اَللّٰھُمَّ اِنّی اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْعِجْزِ وَالْکَسْلِ وَ الْجُبْنِ وَالْھَرَمِ وَالْبُخْلِ وَ اَعُوْذُبِکَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَ مِنْ فِتْنَۃِ الْمَحْیَا وَ الْمَمَاتِ وَ ضَلعِ الدَّیْنِ و غَلَبَۃِ الرِّجَالِ. یعنی "اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں عاجزی اور سستی اور بزدلی اور بڑھاپے اور بخل سے اور تیری پناہ مانگتا ہوں قبر کے عذاب اور زندگی اور موت کے فتنے سے اور قرض کے بوجھ سے اور اس بات سے کہ لوگ مجھ پر غالب ہوں۔"

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَعُوْذُبِکَ مِنْ مُنْکِرَاتِ الْاَخْلَاقِ وَالْاَعْمَالِ وَ الْاَھْوَاءِ. یعنی ''اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں برے اخلاق اور برے اعمال اور بری خواہشات سے۔''

اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ سَمْعِی وَ مِنْ شَرِّ بَصَرِی وَ مِنْ شَرِّ لِسَانِیْ وَ مِنْ شَرِّ قَلْبِیْ. یعنی ''اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں اپنی سماعت کے شر سے اور اپنی بصارت کے شر سے اور اپنی زبان کے شر سے اور اپنے دل کے شر سے۔''

اَللّٰھُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ وَ لَامُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَایَنْفَعُ ذَالْجَدِّ مِنْکَ الْجَدُّ. یعنی ''اے اللہ! نہیں ہے کوئی روکنے والا اس چیز کو جسے تو دیدے اور نہیں ہے کوئی دینے والا جس چیز کو تو روک دے اور نہیں فائدہ پہنچا سکتا کسی مال دار کو تیرے عذاب سے اس کا مال۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ بھی دعا کیا کرتے تھے کہ یا اللہ! میں تیرا بندہ اور غلام ہوں، تیرے غلام کا بیٹا اور تیری لونڈی کا بیٹا ہوں، تیرے اختیار میں ہوں، میری جان اور میری چوٹی تیرے ہاتھ میں ہے، میرے حق میں تیرا حکم جاری ہے، تیرا فیصلہ میرے حق میں عین انصاف ہے، میں تیرے ہر نام کی برکت سے تجھ سے پناہ مانگتا ہوں جو نام خاص ہے تیری ذات کے لئے یا تو نے اس کو اپنی کتاب میں اتارا ہے یا اپنی مخلوق میں کسی کو سکھایا ہے یا اپنے علم غیب میں تو نے پسند کیا ہے، یہ کہ قرآن کریم کو میرے دل کی بہار بنا اور رنج و غم کو دور کرنے کا سبب بنا، اے زندہ سب کے تھامنے والے تجھ سے فریاد کرتا ہوں۔''

ایک بار ایک شخص نے آپؐ کے سامنے کہا ''اللہ اور اس کا رسولؐ جو چاہیں وہی ہوگا۔'' اس پر آپ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا اَجَعَلْتَنِیْ لِلّٰہِ نِدًّا قُلْ اِنْشَاءَ اللّٰہُ وَحْدَہٗ. ''تو نے مجھے خدا کا شریک ٹھہرالیا؟ کہو کہ جو کچھ تنہا اللہ تعالیٰ چاہے گا وہی ہوگا۔''

آپؐ نے اپنی چہیتی بیٹی حضرت فاطمہؓ کو وصیت کی تھی یَا فَاطِمَۃُ اَنْقِذِیْ نَفْسَکِ مِنَ النَّارِ سَلِیْنِیْ مِنْ مَّالِیْ مَاشِئْتِ فَاِنِّی لَا اُغْنِیْ عَنْکِ مِنَ اللّٰہِ شَیْئًا ''اے فاطمہؓ! اپنے آپ کو جہنم کے عذاب سے بچاؤ، میرے مال میں سے تم جس قدر چاہو مانگ لو مگر میں آخرت میں تمہارے کسی کام نہیں آسکتا۔''

ہجرت مدینہ کے بعد کفر و اسلام کا سب سے پہلا معرکہ رمضان ۲ھ میں مقام بدر پر پیش آیا جو غزوۂ بدر کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں ایمان والوں کی تعداد صرف تین سو تیرہ تھی،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن مقابل کی فوج کی تعداد ایک ہزار تھی۔ مسلمان تقریباً نہتے اور بے سروسامان تھے اور کفارِ مکہ ہر طرح کے مادّی وسائل و ہتھیاروں سے لیس تھے۔ جنگ شروع ہونے سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک سائبان کے نیچے بیٹھے ہوئے رو رو کر اللہ تعالیٰ سے دعا کر رہے تھے یَـــا رَبِّ اِنْ تُهْلَكِ هٰذَا الْعِصَابَةُ فَلَنْ تُعْبَدُ فِي الْاَرْضِ. یعنی ''اے اللہ! اگر یہ گروہ ہلاک ہو گیا تو تیری عبادت نہ کی جائے گی۔ اے اللہ اگر تو چاہے تو آج کے بعد تیری عبادت کبھی نہ کی جائے۔ بقول حفیظ جالندھری ۔

اگر اغیار نے ان کو جہاں سے محو کر ڈالا قیامت تک نہ ہوگا کوئی تیرا پوجنے والا

الٰہی اب وہ عہد لیلۃ المعراج پورا کر محمدؐ سے جو وعدہ ہو چکا ہے آج پورا کر

آخر کار اللہ نے آپ کو اور آپؐ کے جانثار ساتھیوں کو فتح نصیب فرمائی جیسا کہ قرآن میں سورۂ آل عمران میں آیا وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ. ''بے شک اللہ نے بدر میں تمہاری مدد فرمائی جب کہ تم انتہائی کمزور تھے۔''

ہجرت کی رات، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ نکلے تو صبح ہوتے ہی مکہ میں کہرام مچ گیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھاگ گئے۔ ایک طاقتور شخص سراقہ بن مالک آپؐ کے تعاقب میں نکلا۔ سراقہ اتنا بڑا پہلوان تھا کہ لوگ اسے ایک چمڑے پر بٹھا دیتے تھے پھر کئی آدمی مل کر اس چمڑے کو کھینچتے تھے، چمڑا کٹ کٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا تھا لیکن لوگ سراقہ کو اپنی جگہ سے ہلا نہیں پاتے تھے۔ صبح کے وقت جب یہ دونوں غارِ ثور کے پاس پہنچے تو سراقہ بھی وہیں پہنچ گیا۔ اسے سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے دیکھا اور گھبراہٹ کے عالم میں آپؐ سے کہا یا رسول اللہ! غضب ہو گیا سراقہ ہمارے تعاقب میں ہمارے سروں پر آ گیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا لَاتَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ''گھبراؤ نہیں اللہ ہمارے ساتھ ہے۔'' آخر کار سراقہ نے آپؐ پر حملہ کیا مگر گھوڑے سمیت زمین میں دھنسنے لگا اور سمجھ گیا کہ حفاظت الٰہی پر غالب آنا ناممکن ہے۔ چنانچہ اس نے عاجزانہ انداز میں امان مانگی اور دوبارہ حملہ نہ کرنے کا وعدہ کیا۔ آپؐ نے اسے امان دیدی۔ جب وہ چلا تو آپؐ مسکرانے لگے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس مصیبت کی گھڑی میں مسکرانے کی وجہ پوچھی تو آپؐ نے فرمایا، یہ سراقہ جو دشمن کی حیثیت سے مجھ پر حملہ کر رہا ہے، ایک دن ایمان لائے گا اور کسریٰ کے شاہی کنگن اس کے ہاتھوں میں پہنائے جائیں گے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چنانچہ غزوۂ احد کے بعد وہ مسلمان ہوئے اور حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں جب مدائن فتح ہوا اور کسریٰ کا تاج اور اس کے مرصع زیورات حضرت عمرؓ کے سامنے پیش ہوئے تو انہوں نے سراقہ کو بلایا اور ان کے ہاتھ میں کسریٰ کے کنگن پہنا دیئے اور فرمایا اللہ اکبر۔ اللہ کی بڑی شان ہے کہ اس نے کسریٰ کے کنگن سراقہ اعرابی کے ہاتھوں میں پہنائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اشرف الانبیاء ہیں۔ آپؐ پر نبوت ختم ہے۔ آپؐ کے مقام تک نہ کوئی نبی پہنچ سکتا ہے نہ کوئی فرشتہ۔ جب آپؐ اللہ کے آگے لاچار ہیں تو دوسرے لوگ کسی حاجت مند کی حاجت روائی اور مشکل کشائی کیسے کر سکتے ہیں؟

اب اگر کوئی شخص کسی زندہ یا مردہ کو سجدہ کرے، یا غیر اللہ کی نذر مانے، یا انبیاء، صالحین اور اولیاء کی قبروں پر چڑھاوے چڑھائے، یا ان کے نام پر جانور ذبح کرے، یا کسی کی قبر کا طواف کرے، یا غیر اللہ سے وہ چیزیں مانگے جنہیں دینے پر صرف اللہ تعالیٰ قادر ہے، مثلاً اپنے یا کسی دوسرے کے لیے مرض سے عافیت کا سوال کرے، یا گم شدہ چیز کی واپسی کے بارے میں التجا کرے، یا اولاد مانگے، یا تکلیف اور پریشانی دور کرنے کی درخواست کرے، یا ان کے علاوہ ایسی چیزیں مانگے جو کسی مخلوق کی قدرت وامکان سے باہر ہیں۔ تو ان تمام افعال یا ان میں سے کسی ایک کا مرتکب اللہ تعالیٰ کی عبادت میں شرک کا مرتکب ہوگا۔

شرک کسی طرح کا بھی ہو اللہ کے نزدیک بدترین گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ لقمان میں فرمایا اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ. ''بیشک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔''

اس کے علاوہ قرآن نے مختلف مقامات پر اس کی تردید کی ہے۔ مثلاً سورۂ بنی اسرائیل میں ارشاد ہوا: وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا آخَرَ فَتُلْقٰى فِیْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ''اور اللہ کے ساتھ اور کوئی معبود مت بنانا ورنہ تم ملزم (اور) راندۂ درگاہ بنا کر جہنم میں جھونک دیئے جاؤ گے۔'' سورۂ جن کی آیت ہے: وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا. ''اور مسجدیں اللہ کی ہیں پس اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو۔'' سورۂ یونس میں یوں ارشاد ہوا: وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُکَ وَلَا یَضُرُّکَ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّکَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِیْنَ. ''اور اللہ کے سوا کسی کو مت پکارنا کہ وہ تمہیں نفع ونقصان نہیں پہنچا سکتا اور اگر تم ایسا کرو گے تو ظالموں میں شمار ہو گے۔''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سورۂ زمر کی آیت ہے: وَلَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْکَ وَاِلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکَ لَئِنْ اَشْرَکْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُکَ وَلَتَکُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِیْنَ. ''اور تمہاری طرف اور تم سے پہلے گذرے ہوئے پیغمبروں کی طرف بھی یہ بات وحی کی گئی ہے کہ اگر تو شرک کرے گا تو تیرا کیا کرایا سب برباد ہو جائے گا اور تو خسارہ میں پڑ جائے گا۔'' سورۂ اعراف میں فرمایا: وَالَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖ لَایَسْتَطِیْعُوْنَ نَصْرَکُمْ وَ لَآ اَنْفُسَھُمْ یَنْصُرُوْنَ. ''اور جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ تمہاری مدد کی طاقت نہیں رکھتے اور نہ اپنی مدد کر سکتے ہیں۔'' سورۂ فرقان میں یوں ارشاد ہوا: وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِہٖ اٰلِھَۃً لَّا یَخْلُقُوْنَ شَیْئًا وَّھُمْ یُخْلَقُوْنَ وَلَا یَمْلِکُوْنَ لِاَنْفُسِھِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا یَمْلِکُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَیٰوۃً وَّلَا نُشُوْرًا. ''اور کافروں نے اللہ کے سوا دوسرے معبود بنا لئے ہیں جو کسی چیز کو پیدا نہیں کرتے بلکہ وہ خود پیدا کئے ہوئے ہیں اور ان کے نفع و نقصان کا اختیار انہیں نہیں ہے اور نہ مرنا اور نہ جینا اور نہ مرنے کے بعد جی اٹھنا ان کے اختیار میں ہے۔'' سورۂ حج کی آیت ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَہٗ ط وَاِنْ یَّسْلُبْھُمُ الذُّبَابُ شَیْئًا لَّا یَسْتَنْقِذُوْہُ مِنْہُ. ضَعُفَ الطَّالِبُ وَ الْمَطْلُوْبُ. ''اللہ کے سوا جن کو تم پکارتے ہو وہ ایک مکھی بھی نہیں پیدا کر سکتے اگر چہ اس کے لئے سب اکٹھے ہو جائیں اور اگر مکھی ان سے کچھ چھین لے جائے تو اسے اس سے چھڑا بھی نہیں سکتے۔ مدد چاہنے والے بھی کمزور اور جن سے مدد چاہی جاتی ہے وہ بھی کمزور۔'' سورۂ عنکبوت میں ارشاد ہوا: مَثَلُ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اَوْلِیَآءَ کَمَثَلِ الْعَنْکَبُوْتِ. اِتَّخَذَتْ بَیْتًا ط وَّ اِنَّ اَوْھَنَ الْبُیُوْتِ لَبَیْتُ الْعَنْکَبُوْتِ لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ. ''جن لوگوں نے اللہ کے سوا دوسرے سرپرست بنا لئے ہیں ان کی مثال مکڑی جیسی ہے جو اپنا ایک گھر بناتی ہے اور سب گھروں سے زیادہ کمزور، مکڑی کا گھر ہی ہوتا ہے۔ کاش یہ لوگ علم رکھتے۔ سورۂ سبا میں ارشاد ہوا: قُلِ ادْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ ج لَا یَمْلِکُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ وَمَا لَھُمْ فِیْھِمَا مِنْ شِرْکٍ وَّمَا لَہٗ مِنْھُمْ مِّنْ ظَھِیْرٍ. وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَۃُ عِنْدَہٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَہٗ. ''اے نبی! کہو کہ اللہ کے سوا جن کو تم خدائی میں دخیل و شریک سمجھتے ہو وہ ذرا بھی اختیار نہیں رکھتے نہ آسمانوں میں نہ زمین میں اور نہ ان دونوں کے پیدا کرنے میں ان کی شرکت ہے اور نہ ان میں سے کوئی اللہ کے کسی کام میں مددگار ہے۔ اور اللہ کے سامنے کسی کی سفارش کام نہیں آتی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سوائے اس کے جسے وہ اجازت دے دے۔"

احادیث میں بھی شرک کی بڑی وعید آئی ہے۔ ترمذی کی روایت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ مَّاتَ یُشْرِکُ بِاللّٰہِ شَیْئاً دَخَلَ النَّارَ وَ مَنْ مَّاتَ لَایُشْرِکُ بِاللّٰہِ شَیْئاً دَخَلَ الْجَنَّۃَ. "جو شخص شرک کی حالت میں مرا وہ جہنم میں داخل ہوا اور جو توحید کی حالت میں مرا وہ جنت میں داخل ہوا۔"

میدانِ حشر میں اپنی امت کی شفاعت کے متعلق فرمایا: وَھِیَ لِمَنْ مَّاتَ لَایُشْرِکُ بِاللّٰہِ شَیْئاً. "میری شفاعت مشرکین کو چھوڑ کر امت کے باقی لوگوں کے لئے ہوگی۔"

ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کون سا گناہ سب سے بڑا ہے۔ آپؐ نے فرمایا اَنْ تَدْعُوا لِلّٰہِ نِدًّا وَھُوَ خَلَقَکَ. "اللہ کے ساتھ تیرا کسی اور کو شریک کرنا حالاں کہ اسی نے تجھ کو پیدا کیا ہے۔"

آپؐ نے شرک سے بچنے کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا لَا تُشْرِکْ بِاللّٰہِ وَ اِنْ قُتِلْتَ اَوْ حُرِّقْتَ. "اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا اگرچہ قتل کر دیئے جاؤ یا جلا دیئے جاؤ۔"

قرآن نے شرک کو بہت بڑی گمراہی بتایا ہے۔ اللہ تعالیٰ سورۂ حج میں ارشاد فرماتا ہے: یَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَا یَضُرُّہٗ وَلَایَنْفَعُہٗ ذٰلِکَ، ھُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِیْدُ. "وہ اللہ کو چھوڑ کر ان کو پکارتا ہے جو نہ ان کو نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ فائدہ، یہ ہے گمراہی کی انتہا"

اور کسی بھی حیثیت سے دیکھا جائے تو مشرک کے گمراہ ہونے میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا جسے ایک مثال سے ہم یوں سمجھ سکتے ہیں۔

ایک مثال:

کسی شخص کو سیمنٹ کی پرمٹ کی ضرورت ہو تو اسے چاہئے کہ وہ تحصیلدار کے سامنے اپنی درخواست پیش کرے کیوں کہ وہی پرمٹ دینے کا اختیار رکھتا ہے۔ لیکن اگر تحصیلدار کے سامنے درخواست پیش نہ کر کے انہی لوگوں سے منت سماجت شروع کر دے جو خود پرمٹ کے لئے تحصیلدار کے یہاں آئے ہیں اور کہے سرکار آپ ہی ہماری ضرورت پوری کر سکتے ہیں، تو یہ کس قدر نادانی کی بات ہوگی۔ لیکن یہ نادانی اور بڑھ جاتی ہے اگر صورت حال یہ ہو کہ جن ضرورت مندوں سے وہ پرمٹ مانگ رہا ہے وہ خود کہیں کہ ہم سے مانگنے سے کیا فائدہ؟ ہم تو خود تحصیلدار

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے محتاج ہیں، بھلا مانگنے والوں سے مانگنے کا کیا تُک؟ اور یہ نادانی پاگل پن کی حد تک پہنچ جاتی ہے اگر تحصیلدار کی موجودگی میں اس سے کہنے کے بجائے التجا کرنے والوں سے التجا کی جائے۔ اسی طرح سے ایک مشرک اللہ سے مانگنے کے بجائے ان سے مرادیں مانگتا ہے جو خود اللہ سے دعائیں کرتے ہیں اور اپنی مرادیں مانگتے ہیں اور کہتے بھی ہیں کہ ہم خود اللہ کے محتاج ہیں۔ اور مشرک یہ جانتے ہوئے بھی ان ہی سے مانگتا ہے کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے اور اس طرح کی دعائیں اور التجائیں سن رہا ہے جو ہم دوسروں سے کرتے ہیں۔ کیا اس سے بھی بڑی کوئی گمراہی ہو سکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ سورۂ احقاف میں فرماتا ہے: وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ. ''اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو اللہ کو چھوڑ کر ایسے معبودوں کو پکارے جو قیامت تک اس کا کہنا نہ کریں اور ان کو ان کے پکارنے کی بھی خبر نہ ہو۔''

چونکہ اللہ تعالیٰ ہر ایک کی بات سنتا اور جانتا ہے اس لئے اسے پکارنے کے لئے کسی وسیلہ کی ضرورت نہیں ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ چوں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اعلیٰ وارفع اور ہماری پہنچ سے باہر ہے۔ اس تک ہماری رسائی نہیں ہو سکتی اس لئے ہم اس کے نیک بندوں کا وسیلہ لیتے ہیں۔ اس طرح اس ذاتِ لامحدود کو محدود کر دیا گیا اور اسے بادشاہوں کی طرح ایک محل میں قید اور لوگوں کی باتوں اور حالات سے بے خبر قرار دیا گیا۔ بادشاہوں کے دربار میں وسیلہ اور سفارش کی ضرورت اس لئے پڑتی ہے کہ نہ وہ کسی کی بات کو دور سے سن سکتے ہیں نہ ہی ہر کسی کے حال کی انہیں خبر ہے۔ لیکن اللہ رب العالمین سب سے قریب ہے، سب کے احوال سے واقف ہے، وہ دور و نزدیک سے سب کو دیکھتا اور سب کی آواز کو سنتا ہے اس لئے اس سے مانگنے کے لئے کسی وسیلہ کی کیا ضرورت؟ اگر اسے پکارنے کے لئے کسی بزرگ یا ولی وغیرہ کو وسیلہ بنایا گیا تو گویا اس بات کا عقیدہ رکھا گیا کہ خدا نہ تو ہماری آواز سن سکتا ہے نہ اسے ہمارے احوال کی خبر ہے۔ اور جس طرح دنیوی بادشاہوں اور راجوں مہاراجوں تک کوئی شخص ان کے مصاحبوں اور ان کے مقرب بارگاہ ملازموں کے توسط کے بغیر ان تک عرض معروض نہیں پہنچا سکتا، اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی اپنے قصرِ شاہی میں ملائکہ، اولیاء اور دوسرے مقربین کے درمیان گھرا بیٹھا ہے اور کسی کا کوئی کام ان

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

واسطوں کے بغیر اس کے یہاں سے نہیں بن سکتا۔

حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ مومن میں فرمایا: اُدْعُونِیٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ۔ ''تم مجھ ہی سے دعا کرو میں قبول کروں گا۔'' سورۂ بقرہ میں ارشاد ہوا: وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ۔ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ۔ ''اور اے نبی! میرے بندے اگر میرے متعلق پوچھیں تو انہیں بتادو کہ میں ان سے قریب ہی ہوں، پکارنے والا جب مجھے پکارتا ہے، میں اس کی پکار سنتا اور جواب دیتا ہوں، لہٰذا انہیں چاہئے کہ وہ میری دعوت پر لبیک کہیں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ ہدایت پائیں۔''

سورۂ ق میں فرمایا: وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ۔ ''اور ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔'' سورۂ ہود میں فرمایا: هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِیْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَیْهِ۔ اِنَّ رَبِّیْ قَرِیْبٌ مُّجِیْبٌ۔ ''وہی ہے جس نے تم کو زمین سے پیدا کیا ہے اور اسی میں تم کو بسایا ہے، لہٰذا تم اس سے معافی چاہو اور اس کی طرف پلٹ آؤ، یقیناً میرا رب قریب ہے اور وہ دعاؤں کا قبول کرنے والا ہے۔''

یہ مشرکین کی ایک بہت بڑی غلط فہمی کی تردید ہے جو عام طور پر ان میں پائی جاتی ہے اور ان اہم اسباب میں سے ایک ہے جس نے ہر زمانے میں انسان کو شرک میں مبتلا کیا ہے۔ یہ لوگ اللہ کو راجوں، مہاراجوں اور بادشاہوں پر قیاس کرتے ہیں جو رعیت سے دور اپنے محلوں میں داد عیش دیا کرتے ہیں، جن کے دربار میں عام رعایا میں سے کسی کی رسائی نہیں ہو سکتی، جن کے حضور میں کوئی درخواست پہنچانی ہو تو مقربین بارگاہ میں سے کسی کا دامن تھامنا پڑتا ہے۔ اور پھر اگر خوش قسمتی سے کسی کی درخواست ان کے آستانۂ بلند پر پہنچ بھی جاتی ہے تو ان کی بادشاہت اور حکومت کا غرور یہ گوارا نہیں کرتا کہ خود اس کا جواب دیں، بلکہ جواب دینے کا کام مقربین ہی میں سے کسی کے سپرد کیا جاتا ہے۔

اس غلط گمان کی وجہ سے یہ لوگ ایسا سمجھتے ہیں اور چالاک اور ہوشیار لوگوں نے انہیں ایسا سمجھانے کی کوشش بھی کی ہے کہ اللہ رب العزت کا آستانۂ قدس عام انسانوں کی دسترس سے بہت ہی دور ہے، اس کے دربار تک بھلا کسی عامی کی کیسے پہنچ ہو سکتی ہے، وہاں تک دعاؤں کا پہنچنا اور پھر ان کا جواب ملنا تو کسی طرح ممکن ہی نہیں ہو سکتا جب تک پاک روحوں کا وسیلہ نہ ڈھونڈا جائے اور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان مذہبی منصب داروں کی خدمات نہ حاصل کی جائیں جو اوپر تک نذریں، نیازیں اور عرضیاں پہنچانے میں مہارت رکھتے ہوں۔ یہی وہ غلط فہمی ہے جس نے خدا اور بندے کے درمیان بہت سے چھوٹے بڑے معبودوں اور سفارشیوں کا جم غفیر کھڑا کردیا اور اسی نظریہ سے بت پرستی اور قبر پرستی کا رواج ہوا۔

مشرکین مکہ کے یہاں بت پرستی عام تھی، وہ اللہ کو مانتے تھے، اسے زمین و آسمان کا خالق و مالک جانتے تھے۔ جیسا کہ قرآن نے مختلف جگہوں پر اس کی تصریح کی ہے لیکن وہ نیک لوگوں کے بت بنا کر انہیں اس لئے پوجتے تھے کہ وہ خدا کے مقرب اور اس تک پہنچنے کا وسلیہ ہیں۔ چنانچہ وہ جن بتوں کو پوجتے تھے وہ گذرے ہوئے زمانے کے نیک اور بزرگ لوگ تھے جن کے نام کے بت انہوں نے تراش رکھے تھے۔ جیسے وُد، سواع، یغوث، یعوق اور نسر وغیرہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے کے گذرے ہوئے نیک لوگ تھے۔

وُدّ قبیلہ بنی کلب کا معبود تھا جس کا استھان انہوں نے دومۃ الجندل میں بنا رکھا تھا۔ سواع قبیلہ ہذیل کی دیوی تھی جس کا بت عورت کی شکل کا بنایا گیا تھا۔ رباط کے مقام پر اس کا مندر واقع تھا۔ یغوث قبیلۂ طے کی بعض شاخوں کا معبود تھا جس کی شکل شیر کی تھی۔ یمن اور حجاز کے درمیان جرش کے مقام پر اس کا بت نصب تھا۔ یمن کے علاقہ ہمدان میں قبیلۂ ہمدان کا معبود تھا جس کا بت گھوڑے کی شکل کا تھا۔ نسر، قبیلہ حمیر کی شاخ آلِ ذوالکلاح کا معبود تھا جس کی شکل گدھ کی تھی اور بلخ کے مقام پر اس کا بت نصب تھا۔

اسی طرح کی روایات، لات، عزیٰ اور منات کے بارے میں موجود ہیں۔ ان بتوں کی پرستش کے متعلق ان کا یہ کہنا تھا: مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ''ہم تو ان کی پوجا اور عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کا قریبی بنادیں۔''

ان کے متعلق اور ان کی طرح کے بت پرستوں کے بارے میں قرآن کہتا ہے:

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَالَا يَضُرُّهُمْ وَلَايَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰؤُلَاءِ شُفَعَاءُ نَا عِنْدَ اللّٰهِ.

''اور یہ لوگ اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ان کو نقصان پہنچا سکیں نہ نفع، اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں۔''

معلوم ہوا کہ مشرکین مکہ بتوں کو خالق و مالک نہیں سمجھتے تھے پھر بھی مشرک گردانے گئے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیوں کہ وہ بزرگوں کو اللہ کا سفارشی اور اس حد تک رسائی کا وسیلہ سمجھتے تھے۔

کلمہ توحید یہ ہے لا الـه الا اللـه. ''نہیں ہے کوئی معبود برحق مگر اللہ'' گویا اسلام میں پورے طور پر داخل ہونے کے لئے ضروری ہے کہ آدمی ہر غیر اللہ کی نفی کرے، یعنی نفی پہلے ہے اثبات بعد میں ہے۔ جب تک کہ جمادات، نباتات اور حیوانات میں مانے ہوئے بتوں کا سر ''لا'' کی تلوار سے قلم نہ کیا جائے اس وقت تک اللہ کا اثبات واقرار کچھ معنی نہیں رکھتا۔ مشرکین مکہ پہلے نفی نہیں کرتے تھے یعنی لا الہ نہیں کہتے تھے صرف اللہ اللہ پکارتے تھے اور اللہ کی ذات، صفات اور عبادات میں اوروں کو بھی شریک کرتے تھے۔ وہ اپنی کھیتی باڑی میں اللہ کا حصہ نکالتے تھے، چوپایوں سے بھی اللہ کے نام کی نذر و نیاز دیتے تھے۔ جیسا کہ قرآن میں سورۂ انعام میں آیا ہے:

وَجَعَلُوا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا. ''اللہ کے پیدا ہوئے اناج، پھل، سبزیوں اور اونٹ، گائے، بھیڑ، بکری وغیرہ سے ایک حصہ اللہ کا بھی ٹھہراتے ہیں اور اپنے خیال کے مطابق کہتے ہیں کہ اتنا تو اللہ کے لئے ہے اور اتنا ان مقربان بارگاہ ایزدی کا ہے جن کو ہم نے خدائی میں شریک مان رکھا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے ان کے اس عمل کے متعلق فرمایا: سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ. یعنی ''کیا ہی برا حکم ہے جو یہ لوگ لگاتے ہیں۔''

مشرکین مکہ حج بھی کرتے تھے اور میدانِ عرفات میں بلند آواز سے یہ پکارتے تھے۔ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ اِلَّا شَرِيْكًا هُوَ لَكَ تَمْلِكُهُ وَمَا مَلَكَ. ''حاضر ہیں اے ہمارے اللہ ہم حاضر ہیں۔ ہم حاضر ہیں تیرا کوئی شریک نہیں سوائے ان شریکوں کے جن کا دراصل تو ہی مالک ہے۔ خود ان کا بھی اور ان چیزوں کا بھی جن کا اختیار تو نے انہیں دے رکھا ہے۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مشرکین کا جھگڑا، تنازعہ اور لڑائی صرف اس وجہ سے تھی کہ وہ نفی کے بغیر اثبات کے قائل تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ان سے نفی کرا کے پھر اثبات چاہتے تھے۔ وہ غیر اللہ کا انکار کئے بغیر اللہ کا اقرار کرتے تھے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کا اقرار کرنے سے پہلے غیر اللہ کے انکار کا مطالبہ کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے باپ دادا کے غلط طریقوں کو نہ چھوڑا۔ اللہ کو مانا، اپنے رسم و رواج کے مطابق اس کی عبادت بھی کی، اس کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نام پر صداقت دخیرات بھی دیا۔ اس کی رضا کے لئے قربانیاں بھی کیں، حج بھی کیے پر لا الـــہ الا الـلـــہ نہیں کہا۔ یعنی یہ عقیدہ نہ رکھا کہ اس کی ذات وصفات میں کوئی شریک نہیں، کسی کو اس کے اقتدار، اختیارات اور تصرف میں دسترس نہیں، کوئی اس کا جزء اور حصہ نہیں، کوئی اس کے خزانوں اور اس کے کاموں پر مختار نہیں، اس کے سوا کوئی حاجت روا، مشکل کشا، بلائیں ٹالنے والا، بگڑی بنانے والا، شفا بخشنے والا اور غم دور کرنے والا نہیں، اس کے سوا کوئی حاضر و ناظر اور عالم الغیب نہیں اور تمام قولی، بدنی اور مالی عبادات میں اس کا کوئی ساجھی نہیں، بلکہ وہ بتوں کے متعلق ایمان رکھتے تھے کہ وہ ان اختیارات کے بل بوتے پر مخلوق پر تصرف کا حق رکھتے ہیں، وہ حاجت روا اور مشکل کشا ہیں، روٹھے خدا کو منا سکتے ہیں، اس کی نازل کی ہوئی بلائیں ٹال سکتے ہیں، وہ خدا کے پاس ان کے سفارشی ہیں، وہ خدا کا مقرب ہونے کی وجہ سے اپنے مریدوں، معتقدوں اور نذر و نیاز چڑھانے والوں کو اللہ کا قریبی بنا دینے پر قادر ہیں، خدا کے درباری اپنے پجاریوں کو بھی اس کا درباری بنا سکتے ہیں، اور کوئی بھی خدا کے پاس خدا کے پیاروں کی سفارش اور ان کے طفیل و وسیلہ کے بغیر نہیں پہنچ سکتا۔

اس سے یہ بات بخوبی ذہن نشین ہو جاتی ہے کہ وہ کیوں نفی کے بغیر اثبات کے قائل تھے، کیوں لا الہ الا اللہ نہیں کہتے تھے، کیوں غیر اللہ کا انکار نہیں کرتے تھے اور صرف اللہ اللہ جپتے تھے، اس لئے کہ وہ خدا کے گماشتوں اور ایجنٹوں کے قائل تھے اور لا الٰہ الا اللہ کے اقرار سے ہر قسم کے گماشتوں اور ایجنٹوں کا صفایا ہو جاتا تھا اور وہ حرف غلط کی طرح مٹ جاتے تھے۔

قرآن کی ایک آیت ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ابْتَغُوْۤا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ.

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کا وسیلہ تلاش کرو۔''

اس آیت میں ''وسیلہ'' کے لفظ کو کچھ لوگوں نے اس مفہوم میں لے لیا جس مفہوم میں وہ اردو زبان میں استعمال ہوتا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ جس طرح دنیوی حکمرانوں کے یہاں ذریعے اور وسیلے ہوتے ہیں اسی طرح خدا کے یہاں بھی وسیلے ہیں۔ یہ وسیلے انبیاء اور اولیاء ہیں، ان وسیلوں کو پکڑو، ساری خدائی تمہارے ہاتھ آجائے گی۔ یہ عقیدہ چونکہ عوامی مزاج سے قریب تھا اس لئے اس کو خوب مقبولیت حاصل ہوئی۔ اب یہ حال ہے کہ خدا کے بالمقابل بے شمار زندہ و مردہ ''خدا'' پیدا ہو گئے ہیں جن کا دامن لوگوں نے تھام رکھا ہے۔ ان کو یقین ہے کہ یہ خدائی وسیلے دنیا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے آخرت تک ان کے سارے کام بناتے چلے جائیں گے۔

مگر حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کے عقیدہ کا اس آیت سے کوئی تعلق نہیں۔ عربی زبان میں وسیلہ کا یہ مفہوم سرے سے آتا ہی نہیں۔ لفظ وسیلہ اس آیت میں ذریعہ کے مفہوم میں نہیں ہے بلکہ عربی مفہوم قرب کے معنی میں ہے۔

راس المفسرین حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے وسیلہ کے معنی آئے ہیں اَلْوَسِیْلَۃُ اَلْقُرْبُ. یعنی وسیلہ قرب کے معنی میں ہے۔

قتادہ ابن زبیر نے اس کی توضیح کرتے ہوئے کہا ہے تَقَرَّبُوا اِلَیْهِ بِطَاعَتِهٖ وَالْعَمَلِ بِمَا یَرْضَیْهٖ. یعنی ''اس کی فرماں برداری اور اس کے پسندیدہ عمل کے ذریعہ اس کی قربت اور نزدیکی حاصل کرو۔''

ابن جریر اور طبری وغیرہ نے اس آیت کی تفسیر ان الفاظ میں کی ہے۔ اُطْلُبُوا الْقُرْبَةَ اِلَیْهِ بِالْعَمَلِ بِمَا یَرْضٰهُ. یعنی ''اللہ کی نزدیکی اس عمل کے ذریعہ حاصل کرنے کی کوشش کرو جس کو وہ پسند کرتا ہے۔''

تفسیر جلالین میں آیت وسیلہ کے تحت مذکور ہے۔ مَا یُقَرِّبُکُمْ اِلَیْهِ مِنْ طَاعَتِهٖ. یعنی ''وسیلہ سے مراد وہ نیک اعمال ہیں جو تمہیں خدا کا قریبی بنا دیں۔''

تفسیر جامع البیان میں وسیلہ کی تشریح یوں ہے۔ اَلْقُرْبَةُ بِطَاعَتِهٖ. یعنی ''اللہ کی بندگی کے ذریعہ جو قربت حاصل ہوتی ہے وہی وسیلہ ہے۔''

اگر قرآن وحدیث کی تصریحات کو نظر انداز کر کے آیت وسیلہ سے وہی معنی سمجھے جائیں جو یہ لوگ سمجھتے ہیں تو پھر مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان کیا فرق رہ جائے گا؟ کیوں کہ وہ بھی بزرگوں کو وسیلہ ٹھہراتے تھے اسی سبب سے وہ مشرک اور کافر گردانے گئے۔

شرعی وسیلہ اس وسیلہ کو کہتے ہیں جس کے اختیار کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں دیا ہے یا جس کے اپنانے کی وضاحت اس کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی احادیث میں فرمائی ہے۔ مثلاً:

اللہ کی ذات اور اس کے اسماء وصفات کا وسیلہ۔

اپنے ایمان اور اعمال صالحہ کا وسیلہ۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زندہ مومن کی دعا کا وسیلہ۔

اللہ تعالیٰ کی ذات اور کے اسماء وصفات کے وسیلہ کا مطلب یہ ہے کہ بندہ دعا کرنے سے پہلے اللہ کے مبارک ناموں اور اس کی صفات حسنہ کے ذریعہ اس کی بزرگی اور بڑائی بیان کرے۔ اس کے بعد جو مانگنا ہو مانگے۔ اس طرح کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سورۂ اعراف میں فرماتا ہے: وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا وَ ذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِىٓ اَسْمَآئِهٖ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ. ''اور اللہ کے لئے اچھے نام ہیں، پس تم ان کے وسیلہ سے اسے پکارو، اور جو لوگ اس کے ناموں میں کج روی کرتے ہیں انہیں چھوڑ دو، وہ اپنے کیئے کی سزا پائیں گے۔''

یہی وجہ ہے کہ اللہ کے رسول، نبی اور دوسرے نیک بندے اپنی دعاؤں میں اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنٰی اور صفات عالیہ کے ذریعہ اس کی بڑائی بیان کرتے تھے پھر دعا مانگتے تھے۔ مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک دعا قرآن کی سورۂ ابراہیم میں اس طرح آئی ہے: رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِىْ وَمَا نُعْلِنُ. وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَىْءٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِى السَّمَآءِ. اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ وَهَبَ لِىْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ. اِنَّ رَبِّىْ لَسَمِيْعُ الدُّعَآءِ. رَبِّ اجْعَلْنِىْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ. رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ. ''اے ہمارے پروردگار! ہم جو چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں تو سب جانتا ہے۔ اللہ سے زمین اور آسمان میں کوئی بھی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔ تمام تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحٰق عطا کیا۔ بے شک میرا رب دعائیں قبول کرتا ہے۔ اے میرے رب! مجھے اور میری اولاد کو نماز قائم کرنے پر ثابت قدمی کی توفیق دے۔''

اس دعا پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کرتے سے پہلے اللہ کے اچھے ناموں اور بلند صفتوں کے ذریعہ اس کی حمد وثنا کی پھر اس کے بعد دعا کی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کسی کو غم اور فکر لاحق ہو تو وہ کہے، ''اے اللہ! بیشک میں تیرا بندہ ہوں، تیرے بندے کا بیٹا ہوں اور تیری بندی کا بیٹا ہوں، میری پیشانی تیرے ہاتھ میں ہے، میرے اندر تیرا حکم جاری ہے، میرے بارے میں تیرا فیصلہ انصاف کے مطابق ہے، میں تجھ سے سوال کرتا ہوں ہر اس نام کے وسیلے سے جو تیرے لئے خاص ہے، جس کے ذریعہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تو نے اپنی ذات کو موسوم کیا ہے یا اس کو مخلوق میں سے کسی کو سکھایا ہے، یا اس کو اپنی کتاب میں نازل کیا ہے، یا اسے اپنے پاس علم غیب میں محفوظ میں رکھا ہے، یہ کہ قرآن کو میرے دل کی بہار، میرے سینے کا نور، میرے رنج سے نجات اور میرے غم کو دور کرنے کا ذریعہ بنا دے۔" تو اللہ تعالیٰ اس کے رنج و غم کو دور کر دیتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ اور صفاتِ عالیہ کے وسیلہ سے دعا مانگتے ہوئے سنا، پھر آپؐ نے فرمایا: اس شخص نے اللہ کے اس بڑے نام کے وسیلہ کی دعا کی ہے کہ جب اس نام کے وسیلہ سے دعا کی جاتی ہے تو وہ قبول کرتا ہے اور جب اس کے ذریعہ سوال کیا جاتا ہے تو وہ دیتا ہے۔ اس کا تفصیلی واقعہ حضرت انسؓ یوں بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا اور ایک آدمی نماز پڑھ رہا تھا، پھر اس نے دعا مانگی۔ اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس وسیلہ سے کہ بلاشبہ تمام تعریف تیرے لئے مخصوص ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو ہی احسان کرنے والا ہے، تو ہی زمینوں اور آسمانوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ اے جلال اور بزرگی کے مالک! اے زندہ رہنے والے! اے نگہبانی کرنے والے! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس نے اللہ کے اس بڑے نام کے وسیلہ سے دعا مانگی ہے کہ جب اس کے ذریعہ دعا کی جاتی ہے تو وہ قبول کرتا ہے اور جب اس کے وسیلہ سے سوال کیا جاتا ہے تو وہ دیتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ اور صفات عالیہ کے وسیلہ سے دعا مانگا کرتے تھے۔ حضرت انسؓ ابن مالک کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی پریشان کن معاملہ درپیش ہوتا تو آپؐ کہتے: يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ. یعنی "اے زندہ رہنے والے، اے نگہبانی کرنے والے! میں تیری رحمت کے وسیلہ سے فریاد کرتا ہوں۔"

شرعی وسیلہ کی دوسری قسم ہے اپنے ایمان اور اعمال صالحہ کو وسیلہ بنایا جائے، اپنی دعا کی مقبولیت کے لیے اپنے ایمان کو وسیلہ بنانا بہترین وسیلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان خوش قسمت حضرات کی تعریف کی ہے جو اپنی دعاؤں کی مقبولیت کے لئے اپنے ایمان کا وسیلہ پکڑتے ہیں پھر اللہ سے دعا مانگتے ہیں۔ سورۂ آل عمران میں ارشاد باری ہے: اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اِنَّنَا اٰمَنَّا فَاغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ. یعنی "جو لوگ کہتے ہیں، اے [illegible] پروردگار! [illegible]

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہم ایمان لائے، پس تو ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہم کو جہنم کے عذاب سے محفوظ رکھ۔'' سورۂ آل عمران کی آیت ہے: رَبَّنَا اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِیًا یُّنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّکُمْ فَاٰمَنَّا. رَبَّنَا فَاغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَ کَفِّرْ عَنَّا سَیِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ. رَبَّنَا وَ اٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِکَ وَلَاتُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ. یعنی ''اے ہمارے پروردگار! ہم نے پکارنے والے (محمد) کو ایمان کے لئے پکارتے ہوئے سنا کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ، پس ہم تجھ پر ایمان لائے۔ اے ہمارے رب! تو ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہماری برائیوں کو ہم سے دور کر دے اور ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ وفات دے۔ اے ہمارے رب! جو تو نے اپنے رسولوں کی معرفت ہم سے وعدہ کیا ہے ہم کو عنایت کر، بیشک تو وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی اپنی دعاؤں میں اپنے ایمان کو وسیلہ بناتے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ آپؐ جب تہجد کی نماز کے لئے رات میں اٹھتے تھے تو یہ دعا پڑھتے تھے۔ اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ قَیِّمُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ مَنْ فِیْھِنَّ وَلَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ مَنْ فِیْھِنَّ وَلَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ مَلِکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ مَنْ فِیْھِنَّ وَلَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ الْحَقُّ وَ لِقَاءُکَ حَقٌّ وَقَوْلُکَ حَقٌّ وَالْجَنَّۃُ حَقٌّ وَ النَّارُ حَقٌّ وَ النَّبِیُّوْنَ حَقٌّ وَ مُحَمَّدٌ حَقٌّ وَالسَّاعَۃُ حَقٌّ اَللّٰھُمَّ لَکَ اَسْلَمْتُ وَبِکَ اٰمَنْتُ وَعَلَیْکَ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْکَ اَنَبْتُ وَبِکَ خَاصَمْتُ وَاِلَیْکَ حَاکَمْتُ فَاغْفِرْلِیْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَ مَا اَعْلَنْتُ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَ اَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ. یعنی ''اے اللہ تیرے ہی لیے سب تعریفیں ہیں۔ تو ہی آسمانوں، زمین اور ان میں رہنے والوں کا نگہبان ہے، اور سب تعریف تیرے ہی لئے ہے، تو ہی آسمانوں، زمین اور ان میں رہنے والوں کا نور ہے، اور سب تعریف تیرے ہی لئے ہے تو ہی آسمانوں، زمینوں اور ان میں رہنے والوں کا بادشاہ ہے، اور سب تعریف تیرے ہی لئے ہے، تو حق ہے، تیرا وعدہ حق ہے، تیری ملاقات حق ہے، تیری بات حق ہے، جنت حق ہے، جہنم حق ہے، سب انبیاء حق ہیں، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) حق ہیں اور قیامت حق ہے۔ اے اللہ! میں تیرے لئے فرماں بردار ہوا، تجھ پر ایمان لایا، تیرے ہی اوپر بھروسہ کیا، تیری ہی طرف رجوع کیا، تیری مدد سے (حق کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیے) جھگڑتا ہوں اور تیری ہی طرف فیصلہ لایا ہوں پس تو بخش دے (ان ساری خطاؤں کو) جو میں نے پہلے کیا اور جو بعد میں کیا، اور جو میں نے چھپا کر کیا اور جو میں نے ظاہر کر کے کیا اور جس کو تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے، تو ہی آگے اور پیچھے کرنے والا ہے، تیرے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

معلوم ہوا کہ ایمان بھی ان اہم وسیلوں میں سے ہے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی دعائیں قبول کرتا ہے۔

اعمال صالحہ سے وسیلہ کا مفہوم یہ ہے کہ بندہ اپنے ان اعمال کے وسیلہ سے دعا مانگے جو اس نے اللہ کی رضا اور اس کی خوشنودی کے لئے کئے ہیں۔

غار والوں کا واقعہ اعمالِ صالحہ کو دعا کی مقبولیت کے لئے وسیلہ بنانے کے متعلق بہت مشہور ہے جس کا بیان بخاری شریف میں یوں ہوا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم سے پہلے جو لوگ گذر چکے ہیں ان میں سے تین آدمیوں کی جماعت سفر کر رہی تھی، وہ لوگ رات گذارنے کے لئے ایک غار میں پناہ گزیں ہوئے۔ جب وہ غار میں داخل ہوئے تو پہاڑ پر سے ایک چٹان لڑھک کر گر گئی اور غار کا منہ بند ہو گیا۔ تب وہ آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ اب تم کو چٹان سے صرف تمہارا نیک عمل ہی بچا سکتا ہے۔ اس لئے تم اپنے اعمالِ صالحہ کے وسیلے سے اللہ سے دعا کرو۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ اے اللہ! میرے ماں باپ دونوں ہی بوڑھے تھے، شام کا دودھ ان سے پہلے نہ اپنے بال بچوں کو پلاتا تھا نہ دوسروں کو۔ ایک دن چارہ کی تلاش میں دور نکل گیا اور بہت دیر بعد واپس ہوا۔ میں دودھ دوہ کر ان کے پاس پہنچا تو وہ سو چکے تھے۔ میں نے پسند نہیں کیا کہ انہیں دودھ پلانے سے پہلے اپنے بال بچوں اور دوسروں کو پلاؤں۔ میں پیالہ ہاتھ میں لے کر کھڑا ان کے بیدار ہونے کا انتظار کرتا رہا۔ یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ تب وہ بیدار ہوئے۔ اور دودھ پیا۔ اے اللہ اگر میں نے ایسا محض تیری رضا کے لئے کیا ہے تو اس چٹان کے سبب ہم جس مصیبت میں گرفتار ہیں اس کو دور فرما۔ چٹان تھوڑی سی کھسک گئی لیکن ایسی نہیں کہ لوگ نکل سکیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ دوسرے شخص نے کہا۔ میرے چچا کی ایک لڑکی تھی جو مجھے سب سے زیادہ پسند تھی۔ میں نے اس سے برائی کا ارادہ کیا لیکن اس نے انکار کر دیا، پھر وہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک سال زبردست قحط سالی نے پریشان ہو کر میرے پاس آئی۔ میں نے اس کو ایک سو بیس دینار اس شرط پر دیا کہ وہ مجھے اپنے آپ سے (برے کام کے لیے) خلوت کا موقع فراہم کرے۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ جب میں نے اس پر قابو پالیا اور برائی کرنا چاہا تو کہنے لگی میں تمہارے لئے اس مہر کو ناحق طور پر توڑنا حلال نہیں سمجھتی۔ یہ سن کر میں نے اس کے ساتھ غلط کام کرنے میں حرج محسوس کیا اور غلط کام کرنے سے باز آگیا۔ پھر اس کے پاس سے واپس لوٹ آیا حالاں کہ وہ مجھے سب سے زیادہ محبوب تھی۔ میں نے وہ سونا بھی چھوڑ دیا جو اس کو میں دے چکا تھا۔ اے اللہ اگر میں نے ایسا محض تیری رضا کے لئے کیا ہے تو تو اس مصیبت کو دور کردے جس میں ہم گرفتار ہیں۔ چٹان تھوڑی مزید کھسک گئی لیکن اتنی نہیں کہ وہ سب نکل سکیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تیسرے آدمی نے کہا۔ اے اللہ میں نے بہت سے مزدوروں کو مزدوری پر رکھا اور سب کو ان کی اجرت دے دی۔ سوائے ایک شخص کے جو اپنی مزدوری چھوڑ کر چلا گیا۔ میں نے اس کی مزدوری کو کاروبار میں لگایا یہاں تک کہ اس کی مزدوری سے مال کی کثرت ہوگئی۔ بہت دنوں بعد وہ شخص میرے پاس آیا اور کہنے لگا اے اللہ کے بندے میری مزدوری مجھے دے دو۔ میں نے اس سے کہا یہ جتنے گائے، اونٹ، بکری اور غلام جو تم دیکھ رہے ہو سب تمہاری مزدوری کے ہیں۔ اس نے کہا اے اللہ کے بندے مجھ سے مذاق کرتے ہو۔ میں نے کہا میں تم سے مذاق نہیں کرتا ہوں۔ تب اس نے سب کو لے لیا اور ہانک لے گیا اور کچھ بھی نہیں چھوڑا۔ اے اللہ اگر میں نے یہ کام محض تیری رضا اور خوشنودی کے لئے کیا ہے تو اس چٹان کی وجہ سے ہم جس مصیبت میں گرفتار ہیں اس کو ہم سے دور فرما۔ چنانچہ چٹان کھسک گئی اور سب لوگ نکل کر چلے گئے۔

اس واقعہ سے سبق ملتا ہے کہ مسلمان اپنی دعاؤں کی مقبولیت کے لئے اپنے اعمالِ صالحہ کو وسیلہ بنائیں۔

شرعی وسیلہ کی تیسری قسم ہے کہ آدمی اپنے کاموں میں کامیابی کے لئے اپنے زندہ مومن بھائی سے دعا کی درخواست کرے، یا کوئی از خود اپنے مومن بھائی کے لئے دعا کرے چاہے اس کی موجودگی میں دعا کرے یا اس کی غیر موجودگی میں۔ دونوں درست ہیں لیکن دعا کرنے والے کا زندہ ہونا ضروری ہے۔ اپنے مردہ مومن بھائی کی قبر پر جا کر دعا کی درخواست کرنا یا اسے پکارنا کسی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حال میں درست نہیں ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے اپنے گناہوں کی معافی کے لئے اسی وسیلہ کا سہارا لے کر اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام سے دعا کی درخواست کی تھی اور اپنے بیٹوں کی مغفرت کے لئے انہوں نے اللہ سے دعا کی تھی۔ سورۂ یوسف میں ارشاد ربانی ہے: قَالُوْا يٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَآ اِنَّا كُنَّا خٰطِئِيْنَ. قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ. یعنی ''(حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے) کہا اے ہمارے ابا ہمارے لئے ہمارے گناہوں کی مغفرت طلب کیجئے۔ بے شک ہم گنہ گار ہیں۔ (یعقوب نے) کہا میں تمہارے لئے اپنے رب سے مغفرت طلب کروں گا، بے شک وہی بڑا بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں آپؐ سے بارش کے لئے دعا کی درخواست کرتے تھے اور آپؐ ان کی استدعا پر بارش کے لیے دعا فرماتے تھے پھر بارش نازل ہوتی تھی۔ جب آپ کی وفات ہوگئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قحط سالی کے زمانے میں بارش کی دعا کے لئے آپؐ کے چچا حضرت عباسؓ کو وسیلہ بنایا اور ان کی دعا سے بارانِ رحمت کا نزول ہوا۔

اس واقعہ سے جہاں یہ ثابت ہوا کہ زندہ مومن کی دعاؤں کو اپنا کام پورا کرنے کا وسیلہ بنایا جاسکتا ہے، وہیں یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کی قبر کے پاس کھڑے ہو کر، یا کہیں دور سے آپؐ سے دعا کی درخواست کرنا، یا آپؐ سے فریاد کرنا قطعاً درست نہیں ہے۔

کسی بندے کے لئے سب سے بڑی کامیابی یہ ہے کہ وہ اپنے رب کے قریب پہنچ سکے۔ آیت وسیلہ میں اس راز کو عیاں کیا گیا ہے کہ اس مطلوب کو پانا ہر شخص کے لیے ممکن ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ وہ خود کو اپنے رب کے پسندیدہ راستے پر ڈال دے۔ مگر اس کی غلط تشریح نے آدمی کو اس عظیم نعمت سے محروم کر دیا جس آیت میں اللہ کو پانے کا راز بتایا گیا تھا۔ اس نے لوگوں کو صرف قبروں اور آستانوں تک پہنچانے کا کام انجام دیا۔ اس عقیدہ کے تحت جو مذہب بنا قدرتی طور پر اس میں قبروں کی پرستش اور زندہ بزرگوں کی عقیدت نے خوب ترقی کی، اولیاء اللہ کی فضیلت و کرامات کی بے شمار فرضی کہانیاں گھڑی گئیں تا کہ یہ ثابت ہو سکے کہ یہ حضرات بھی اپنے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اندر خدائی طاقتیں رکھتے ہیں اور اس خطرناک عقیدہ نے انسانوں کو خالق کا سہارا پکڑنے کے بجائے مخلوق کا سہارا پکڑنا سکھا دیا اور اس طرح آدمی خدا سے قریب ہونے کے بجائے اس سے دور ہوتا چلا گیا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ شرکین مکہ بناوٹی بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ ہم فرشتوں، جنوں، شیاطین یا پتھر اور لکڑی کی مورتیوں کو نہیں پوجتے، ہم تو صرف ان اولیاء اللہ کو پکارتے ہیں جو اپنی قبروں میں دفن ہیں۔ لیکن قرآن نے صاف طور پر بتایا ہے کہ اصحاب قبور کو پکارنا بھی شرک ہے۔ سورۂ نحل میں ارشاد خداوندی ہے: وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ. اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ وَ مَا يَشْعُرُوْنَ. اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ. ''اور وہ دوسری ہستیاں جنہیں اللہ کو چھوڑ کر لوگ پکارتے ہیں، وہ کسی چیز کے بھی خالق نہیں ہیں بلکہ وہ خود مخلوق ہیں۔ مردہ ہیں نہ کہ زندہ اور ان کو کچھ معلوم نہیں ہے کہ انہیں کب (دوبارہ زندہ کر کے) اٹھایا جائے گا۔''

یہ الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ یہاں خاص طور پر جن بناوٹی معبودوں کی تردید کی جارہی ہے وہ فرشتے، جن، لکڑی یا پتھر کی مورتیاں نہیں ہیں بلکہ اصحابِ قبور ہیں۔ اس لئے کہ فرشتے اور شیاطین تو زندہ ہیں ان پر اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ کا اطلاق نہیں ہوسکتا، اور لکڑی اور پتھر کی مورتیوں کے معاملہ میں موت کے بعد دوبارہ زندہ اٹھنے کا سوال نہیں ہے۔ اس لئے وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ. کے الفاظ انہیں بھی خارج از بحث کر دیتے ہیں۔ اب لامحالہ اس آیت میں وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ. سے مراد وہ انبیاء، اولیا، شہداء، صالحین اور دوسرے غیر معمولی انسان ہی ہیں جنہیں غالی معتقدین، داتا، مشکل کشا، فریادرس، غریب نواز، گنج بخش اور نہ معلوم کیا کیا قرار دے کر اپنی حاجت روائی کے لئے پکارنا شروع کر دیتے ہیں اور اسی لئے ان کی قبروں پر مسجد اور قبے تعمیر کئے جاتے ہیں۔ ان قبروں کا طواف کیا جاتا ہے اور یہ عقیدہ رکھا جاتا ہے کہ اولیاء کے مقبروں میں نماز پڑھنی دوسری مسجدوں کے بہ نسبت زیادہ افضل ہے۔

بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جب موت کی گھڑی آئی تو آپؐ اپنی چادر کو چہرہ انور پر کھینچنے لگے، جب سانس گھٹنے لگی تو چادر ہٹائی اور اسی حالت میں فرمایا: لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْيَهُوْدِ وَ النَّصَارٰى اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَاءَ هُمْ مَسَاجِدَ. یعنی ''یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں پر مسجدیں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بناڈالیں۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپؐ یہود ونصاریٰ کے اس فعل سے امت کو روک رہے تھے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو آپؐ کی قبر بھی کھلی رکھی جاتی لیکن آپؐ کو اس بات کا خدشہ تھا کہ لوگ کہیں آپ کی قبر کو مسجد نہ بنالیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء وصالحین کی قبروں پر مسجد یعنی گرجے وغیرہ بنانے پر ان پر لعنت فرمائی جن میں یہ عبادت اور سجدہ کرتے ہیں۔اگر چہ ان عمارتوں کو مسجدیں کہتے ہیں، پھر بھی یہ مسجدیں نہیں ہیں کیوں کہ اعتبار نام کا نہیں کام کا ہے۔

یہی حکم ان قبوں اور مسجدوں کا بھی ہے جو انبیاء وصالحین کی قبروں پر بنائی جاتی ہیں۔اس حدیث سے اس بات کی بھی تردید ہوگئی جو لوگ علماء اور صالحین کی قبروں پر مسجد بنانا جائز سمجھتے ہیں تاکہ دوسری قبروں سے ممتاز ہوجائیں'' کیوں کہ جب انبیاء کی قبروں پر مسجد بنانے والوں پر لعنت کی گئی ہے تو دوسروں کی قبروں پر تو اور زیادہ لعنت وملامت ہے۔

قبروں کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا لَعَنَ اللّٰهُ تَعَالیٰ زَائِرَاتِ الْقُبُوْرِ وَ الْمُتَّخِذِیْنَ عَلَیْهَا الْمَسَاجِدَ وَالسُّرَجَ. یعنی ''اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر اور قبروں پر مسجدیں بنانے اور چراغ روشن کرنے والوں پر۔'' یہ بھی ارشاد ہوا:

اَلاَ وَ اِنَّ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ کَانُو یَتَّخِذُوْنَ قُبُوْرَ اَنْبِیَائِهِمْ مَسَاجِدَ فَاِنِّی اَنْهٰکُمْ عَنْ ذَالِکَ. یعنی ''تم سے پہلے لوگ اپنے انبیاء کی قبروں کو عبادتگاہ بنالیتے تھے، میں تمہیں اس حرکت سے منع کرتا ہوں۔'' یہ بھی فرمایا:

اِنَّ اُوْلٰئِکَ اِذَا کَانَ فِیْهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ فَمَاتَ بَنَوْا عَلیٰ قَبْرِهٖ مَسْجِداً وَ صَوَّرُوْا فِیْهِ تِلْکَ الصُّوَرَ اُوْلٰئِکَ شِرَارُ الْخَلْقِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ. یعنی ''ان لوگوں کا یہ حال تھا کہ اگر ان میں کوئی مردِ صالح ہوتا تو اس کے مرنے کے بعد اس کی قبر پر مسجدیں بنانے اور اس کی تصویریں تیار کرتے تھے۔یہ قیامت کے دن بدترین مخلوق ہوں گے۔''

قدیم صحیفوں میں مشرک کو زانیہ سے تشبیہ دی گئی ہے اور دونوں کو یکساں قرار دیا گیا ہے کیوں کہ جس طرح ایک زانیہ عورت خود کو اپنے شوہر کے عقد میں دیتی ہے۔اس کا دیا کھاتی ہے، اس کا دیا پہنتی ہے، اس کے گھر میں رہتی ہے اور ہر طرح سے اسی سے فائدہ اٹھاتی ہے، اسی طرح

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک مشرک بھی خود کو اللہ کا بندہ کہتا ہے، اسی کی عطا کی ہوئی روزی کھا کر زندہ رہتا ہے، اسی کی چلائی ہوئی ہواؤں سے آکسیجن حاصل کرتا ہے، اسی کے بنائے ہوئے سورج سے روشنی پاتا ہے، اسی کی بنائی ہوئی زمین پر رہتا بستا ہے، اسی کے دیئے ہوئے کان سے سنتا ہے، اسی کی بنائی ہوئی آنکھ سے دیکھتا ہے، اسی کی بخشی ہوئی زبان سے بولتا ہے، اسی کے دیئے ہوئے دماغ سے سوچتا، غور کرتا اور بھلے برے کی تمیز کرتا ہے، مگر اس کی ذات، صفات اور عبادت میں دوسروں کو بھی شریک کرتا ہے۔ چنانچہ جس طرح ایک باغیرت شوہر اپنی بیوی کے ہر جرم کو نظر انداز کر سکتا ہے، اس کی چوری، اس کی خیانت اور اس کی غفلت کو معاف کر سکتا ہے مگر اس کی بے وفائی کو معاف نہیں کر سکتا۔ اسی طرح اللہ کے یہاں ہر گناہ کی معافی ہے وہ جس گناہ کو چاہے گا معاف کر دے گا مگر وہ شرک کو قطعاً معاف نہ کرے گا الا یہ کہ کوئی شخص شرک سے پورے طور پر توبہ کر کے عقیدہ توحید نہ اپنا لے۔ سورۂ مائدہ میں ارشاد ہوا ہے: اِنَّ اللّٰہَ لَایَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ مَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فَقَدِ افْتَرٰیٓ اِثْمًا عَظِیْمًا. یعنی ”بے شک اللہ تعالیٰ ہرگز نہیں معاف کرے گا اگر اس کے ساتھ شرک کیا گیا اس کے ماسوا جتنے گناہ ہیں وہ جس کے لئے چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے اور جس نے اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرالیا تو اس نے بہت ہی بڑا جھوٹ تصنیف کیا اور بڑے سخت گناہ کی بات کی۔“

سورۂ مائدہ میں یہ بھی فرمایا: اِنَّهٗ مَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰہُ عَلَیْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰهُ النَّارُ وَ مَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ. ”یعنی بلاشبہ جس نے اللہ کے ساتھ شریک کیا تو اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔“

لیکن افسوس ہے ان مدعیان توحید پر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھتے ہیں، ان کے امتی ہونے پر فخر کرتے ہیں، پھر بھی بزرگانِ دین کو وسیلہ کے لئے پکارتے ہیں، انہیں حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے ہیں اور انہیں نفع نقصان کا مالک جانتے ہیں۔

ایک شخص کہیں جا رہا ہو راستے میں اسے تین یا چار سال کا کوئی بچہ روتا ہوا مل جائے تو اسے حیرت نہیں ہوگی کیوں کہ وہ سمجھتا ہے کہ بچوں کا کام ہی رونا ہے۔ لیکن وہی آدمی اگر دیکھے کہ کوئی تیس سال کی عمر کا آدمی رو رہا ہے تو اس کے قدم حیرت سے رک جائیں گے کیوں کہ جس کا کام تھا رونے والوں کو چپ کرانا، وہ خود رو رہا ہے۔ اسی طرح دوسری قومیں جن کا سرے سے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلام سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے، جو خود کو مومن و مسلم نہیں کہتیں، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہونے کی دعویدار نہیں ہیں، اگر وہ چاند، سورج، آگ، لکڑی یا پتھر کے بتوں کو پوجیں یا ان سے مرادیں مانگیں تو کوئی حیرت کی بات نہیں ہے کیوں کہ یہی ان کا مذہب ہے، یہی ان کا عقیدہ ہے۔ لیکن لوگ ایمان و اسلام کا دعویٰ کرنے کے باوجود ایسا کریں تو کس قدر حیرت کی بات ہوگی۔

اسلام کا سارا کرّ وفر توحید کی بدولت تھا، توحید ہی نے اسلام کو تمام ادیان پر غالب کیا تھا لیکن افسوس رسول پرستی، ائمہ پرستی، قبر پرستی، پیر پرستی اور لاتعداد قسم کے پرستشوں نے خدا پرستی کو دبا رکھا ہے۔ رسول کو خدا کا اوتار بنا دیا گیا، ائمہ کو رسول کا مقام دے دیا گیا، پیروں اور درویشوں کی چوکھٹیں کعبہ کا دروازہ بن گئیں، پرشکوہ مقبروں نے مسجدوں کا رعب ختم کر دیا۔ حالی مرحوم نے سچ کہا تھا۔

وہ دیں جس سے توحید پھیلی جہاں میں   ہوا جلوہ گر حق زمیں و زماں میں
رہا شرک باقی نہ وہم و گماں میں   وہ بدلا گیا آ کے ہندوستاں میں
ہمیشہ سے اسلام تھا جس پر نازاں
وہ دولت بھی کھو بیٹھے آخر مسلماں

موجودہ دور میں بھی یہ نام نہاد مسلمان، مشرکین مکہ کی طرح اولاد اللہ سے مانگتے ہیں، اور جب مراد برآتی ہے تو نذریں نیازیں کسی ولی یا حضرت کے نام پر چڑھاتے ہیں اور بچے کا ایسا نام رکھ دیتے ہیں گویا وہ اللہ کے سوا کسی اور کی عنایت کا نتیجہ ہے۔ مثلاً حسین بخش، پیر بخش، عبد الرسول، عبد المصطفیٰ وغیرہ۔

قرآن میں مشرکین کے متعلق یہ بھی بتایا گیا ہے کہ وہ صحیح و سالم اولاد کے لئے خدا ہی سے دعا مانگتے تھے مگر جب بچہ پیدا ہو جاتا تو اللہ کے اس عطیہ میں دوسروں کو شکریہ کا حصہ دار ٹھہراتے تھے۔ لیکن اب جو شرک توحید کے دعویداروں میں پایا جاتا ہے وہ اس سے بھی بدتر ہے۔ یہ اولاد بھی غیروں سے مانگتے ہیں، اس کے لئے اولیاء اور شہیدوں کی قبروں پر چڑھاوے چڑھاتے ہیں اور بچہ پیدا ہو جانے کے بعد نیازیں بھی ان ہی کے آستانوں پر چڑھاتے ہیں۔ اس پر زمانۂ جاہلیت کے عرب، مشرک تھے، اور یہ موحد ہیں، وہ جہنمی تھے اور ان کے لئے جنت کی گارنٹی ہے، ان کی گمراہیوں پر زبان و قلم کے ذریعہ تنقید کی زبانیں تیز ہیں مگر ان کی گمراہیوں پر تنقید کرنے والوں کو

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہابی، بے دین، دشمن رسول ودشمن اولیاء جیسے القاب سے نوازا جاتا ہے۔حالی مرحوم نے اس کا ماتم یوں کیا ہے۔

کرے غیر گر بت کی پوجا تو کافر　　جو ٹھہرائے بیٹا خدا کا تو کافر
جھکے آگ پر بہر سجدہ تو کافر　　کواکب میں مانے کرشمہ تو کافر
مگر مومنوں پر کشادہ ہیں راہیں
پرستش کریں شوق سے جس کی چاہیں
نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں　　اماموں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں
مزاروں پر دن رات نذریں چڑھائیں　　شہیدوں سے جاجا کے مانگیں دعائیں
نہ توحید میں کچھ خلل اس سے آئے
نہ ایمان بگڑے نہ اسلام جائے

الغرض جہاں توحید سب سے بڑا معروف ہے وہیں شرک سب سے بڑا منکر ہے، جہاں توحید سب سے بڑا خیر ہے وہیں شرک سب سے بڑا شر ہے، ایک طرف اگر توحید فطرتِ انسانی کے عین مطابق ہے تو دوسری طرف شرک فطرتِ انسانی کے قطعی خلاف ہے۔یعنی جو لوگ اللہ کے ساتھ شرک کے مرتکب ہوتے ہیں وہ قرآن اور فرامینِ رسول ہی سے نہیں بلکہ اپنی فطرت سے بھی بغاوت کرتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں تمام گناہ قابلِ معافی ہیں مگر شرک کے متعلق اس نے بتایا کہ یہ ہرگز معاف نہیں ہوسکتا۔یہ حقیقت دو اور دو چار کی طرح بالکل واضح ہے، جیسے یہ کہنا بالکل درست ہے کہ وہ مریض تو علاج سے اچھا ہوسکتا ہے جو ٹی بی کے آخری اسٹیج پر پہنچ چکا ہو، مگر وہ مریض قطعاً شفایاب نہیں ہوسکتا جس کا دل حرکت کرنے کی صلاحیت ہی کھو بیٹھا ہو۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہر قسم کے شرک سے محفوظ رکھے۔آمین

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رسالت

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَحْدَہٗ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلٍ لَا نَبِیَّ بَعْدَہٗ. اَمَّا بَعْدُ!

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیْراً وَّ نَذِیْراً

محمد مصطفیٰ مہر سپہر اوج عرفانی ملی جس کے سبب تاریک ذروں کو درخشانی

وہ جس کا ذکر ہوتا ہے زمین وآسمانوں میں فرشتوں کی دعاؤں میں مؤذن کی اذانوں میں

ثنا خواں جس کا قرآں ہے ثنا ہے جس کی قرآں میں

اسی پر میرا ایمان ہے وہی ہے میرے ایماں میں

حضرات! اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر واحسان جس نے ہم سب کو پیدا کیا اور ہمیں بے شمار نعمتیں عطا کیں۔

ایک بچہ جب عالم وجود میں آتا ہے تو وہ اپنے ساتھ وہ تمام چیزیں لاتا ہے جو اس کے لیے زندگی گذارنے کے واسطے ضروری ہیں۔ مثلاً آنکھ، کان، ناک، زبان، دماغ، ہاتھ اور پاؤں وغیرہ۔ یہی نہیں بلکہ خدا کی بنائی ہوئی زمین جس پر انسان رہتا بستا ہے۔ آسمان میں چمکتا سورج جس سے وہ روشنی حاصل کرتا ہے، فضا میں چلنے والی ہوائیں جن سے وہ آکسیجن حاصل کرتا ہے، پانی جس سے وہ اپنی پیاس بجھاتا ہے، اناج جسے وہ کھاتا ہے، وغیرہ بھی اللہ تعالیٰ کی وہ نعمتیں ہیں جنہیں پائے بغیر وہ زندہ ہی نہیں رہ سکتا۔

ضرورت رسالت:

لیکن جہاں انسان کے لیے اس بات کی ضرورت تھی کہ اسے دیکھنے کے لئے آنکھیں، سننے کے لئے کان، بولنے کے لیے زبان، کام کرنے کے لیے ہاتھ، چلنے کے لیے پاؤں اور سوچنے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور غور وفکر کرنے کے لیے دماغ عطا کیا جائے، وہیں انسان کی سب سے بڑی ضرورت یہ بھی تھی کہ اس کی ہدایت ورہنمائی کا بھی انتظام کیا جائے۔ اس لیے کہ اگر کسی انسان کو کوئی بہت بڑی نعمت مل جائے اور اسے اس کے استعمال کا صحیح طریقہ نہ معلوم ہو تو قیمتی سے قیمتی چیز اس کے لیے بیکار ہے۔ جیسے بجلی...... جو اس کے لیے سائنس کی بہت بڑی دین ہے...... جب آدمی اس کا صحیح استعمال کرتا ہے تو اس سے مشینیں، کارخانے، کولر اور پنکھے چلاتا ہے اور روشنی حاصل کرتا ہے، لیکن جب اس کا غلط استعمال کرتا ہے تو صرف یہی نہیں کہ اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا پاتا ہے بلکہ اپنی جان جیسی قیمتی چیز بھی گنوا بیٹھتا ہے۔

ایک مثال:

کسی آدمی کو رائفل دے دی جائے لیکن اس کے پرزوں کے بارے میں اور اس کے استعمال کے صحیح طریقہ سے اسے واقف نہ کرایا جائے تو عین ممکن ہے کہ رائفل کا وہ حصہ جسے اپنے سینہ کے پاس رکھا جاتا ہے اسے وہ شکار کی طرف کردے اور جو حصہ شکار کی طرف کیا جاتا ہے وہ اسے اپنے سینہ پر رکھ لے۔ اس طرح وہ دوسروں پر فائر کرنے کے بجائے خود پر فائر کر کے اپنی جان کھو بیٹھے گا۔

اس لیے جہاں اس بات کی ضرورت تھی کہ وہ احکم الحاکمین اور ارحم الراحمین انسان کو ہر طرح کی نعمتوں اور وسائل سے مسلح کردے، وہیں اس بات کی بھی شدید ضرورت تھی کہ وہ اس کی ہدایت ورہنمائی کا بھی انتظام کرے۔

دوسرے یہ کہ انسان اللہ کی عبادت و بندگی کے لیے پیدا کیا گیا ہے لیکن اللہ کی عبادت و اطاعت کا نام آتے ہی یہ سوال اٹھ کھڑا ہوتا ہے کہ اس کے احکام اور اس کی مرضیات کیا ہیں؟ وہ کن کاموں سے خوش ہوتا ہے اور کن کاموں سے ناخوش؟ وہ کن باتوں کو پسند فرماتا ہے اور کن باتوں کو ناپسند؟ کون سا کام کیا جائے جو اس کی وفاداری کا ثبوت ہو اور کیا کرنے سے بچا جائے جو اس کی نافرمانی اور اس کے برے نتائج سے محفوظ رکھے؟

بندے کو تین چیزوں کے بارے میں مکمل معلومات ہونی ضروری ہے۔ اول عبادت اور اس کے طریقے۔ دوسرے عذاب وثواب، جس کی وجہ سے وہ نیک کاموں میں کوشاں رہے اور برے کاموں سے بچ سکے۔ تیسرے دنیاوی تعلقات کے طریقے جن سے وہ آپس میں ایک دوسرے سے خوشگوار تعلق قائم کر سکے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن بندہ خود سے یہ باتیں معلوم نہیں کر سکتا کیونکہ اس معاملہ میں انسانی عقل کی بے بسی ایک مانی ہوئی حقیقت ہے۔ اس مجبوری کے پیش نظر یہ ضروری تھا کہ اللہ رب العالمین کی طرف سے انسان کی رہنمائی کے لیے خارجی انتظام کیا جائے۔

ایک طرف انسان کی یہ بنیادی اور سب سے اہم ضرورت تھی، دوسری طرف اللہ تعالیٰ کی رحمت تھی، اس کی ربوبیت تھی، اس کی حکمت تھی اور اس کا عدل تھا، اور جس اللہ نے انسان کو ان گنت نعمتیں عطا کی تھیں، اس کی رحمت و ربوبیت یہ کیسے گوارہ کر سکتی تھی کہ جانور ہونے کی حیثیت سے وہ اس کی پرورش اور نشو نما کا ایک مکمل اور مفصل انتظام کرے، مگر انسان ہونے کی حیثیت سے اسے تاریکیوں میں بھٹکنے اور ٹھوکریں کھانے کے لیے چھوڑ دے۔

جس پروردگار نے انسان کی مادی ضرورتوں کا سامان مہیا کرنے کے لیے اتنا بڑا انتظام کر رکھا تھا، اس کی شان ربوبیت سے یہ بالکل بعید تھا کہ وہ اس کی اخلاقی و دینی ضرورتوں سے چشم پوشی کرے اور ان کی طرف توجہ نہ فرمائے۔ جس مالک نے انسان کو اپنی مرضی کی راہ چلنے کے لیے پیدا کیا تھا، اس کی رحمت اور اس کا انصاف یہ کیسے گوارا کرتا کہ وہ اسے اسی راہ سے باخبر کرنے کے لیے ضروری انتظام نہ کرے۔ چنانچہ اس نے یہ انتظام کیا۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے جو سلسلہ قائم کیا اسی کو ''رسالت'' کہتے ہیں۔ اس کا دوسرا نام نبوت بھی ہے اور جس ذریعہ سے یہ انتظام ہوا اسے نبی اور رسول کہا جاتا ہے۔

آج ہم دنیا کے کسی بھی ملک، کسی بھی خطے یا کسی بھی آبادی پر نگاہ ڈالتے ہیں تو ہر جگہ برائیاں ہی برائیاں نظر آتی ہیں۔ ہر ہر قدم پر کرپشن ہی کرپشن دکھائی دیتا ہے، سماجی بے راہ روی، اخلاقی گراوٹ، کم تولنا، کاروبار میں دھوکہ وفریب، اشیاء میں ملاوٹ، رشوت خوری، ظلم و جور اور خودغرضی عام ہے۔ لیکن اسی طرح کے ماحول میں یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ جس بازار میں کم تولنے والے ہوتے ہیں اسی بازار میں ایک صحیح تولنے والا بھی مل جاتا ہے، جس محفل میں دس جھوٹے ہوتے ہیں اسی میں ایک سچ بولنے والا بھی ہوتا ہے، جس دفتر میں تمام اہل کار رشوت خور ہوتے ہیں اسی میں ایسے ایمان دار لوگ بھی ہوتے ہیں جو رشوت کو زہر کے برابر سمجھتے ہیں، جس آبادی میں خودغرضوں کی کثرت ہوتی ہے اسی میں چند ایسے افراد بھی ہوتے ہیں جو ذاتی مفاد پر قومی وملکی مفاد کو ترجیح دیتے ہیں، جس سماج میں لوگ ظلم وتشدد کے عادی ہوتے ہیں اسی میں کچھ عدل و

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انصاف کے خوگر بھی ہوتے ہیں، جس گاؤں میں اکثریت ایسے لوگوں کی ہوتی ہے جو غریبوں کا استحصال کرتے ہیں وہیں ایسے افراد بھی ہوتے ہیں جو غریبوں کے حقوق کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دینے پر آمادہ نظر آتے ہیں۔

ہندوستان میں آئے دن ہونے والے فرقہ وارانہ فسادات ہندوستانی مسلمانوں کی زندگی کا جزو بن چکے ہیں۔ لیکن بعض جگہ کی فساد میں ایسا بھی ہوا کہ جہاں لوگوں نے مسلمانوں کو قتل کیا اور ان کی املاک کو نقصان پہنچایا، وہیں کچھ غیر مسلم حضرات ایسے بھی تھے جنھوں نے مسلمانوں کو اپنے گھروں میں پناہ دی، ان کی جانیں بچائیں اور ان کی حفاظت کے لیے اپنی جانوں پر کھیل گئے۔ یعنی جہاں ایک طرف درندگی اور حیوانیت تھی، وہیں دوسری طرف انسانیت بھی اپنا دیپ جلائے ہوئے تھی اور یہ تمام نیکیاں اور بھلائیاں اللہ تعالیٰ کے انھی نیک بندوں کی تعلیمات کا نتیجہ ہیں جنھیں نبی، رسول اور پیغمبر کے نام سے جانا جاتا ہے۔

اس دنیا میں جہاں کہیں بھی نیکی کی روشنی اور اچھائی کا نور ہے، جہاں کہیں بھی خلوص اور دل کی صفائی کا اجالا ہے، انھی بزرگوں کی تعلیم و ہدایت ہی کی وجہ سے ہے۔ پہاڑوں کے غار، جنگلوں کے جھنڈ، شہری آبادیاں، غرض جہاں کہیں بھی انصاف، غریبوں کی مدد، یتیموں کی پرورش اور سچائی اور نیکیوں کا سراغ ملتا ہے، وہ اسی برگزیدہ جماعت کے کسی نہ کسی فرد کی دعوت و پکار کا دائمی اثر ہے۔ آج ہر قوم اور ہر ملک میں انھی کی برکتوں کا اجالا نظر آتا ہے اور ہر طرف انھی کی پکاروں کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔

جہاں یہ زندہ حقیقت ہے کہ انسان رسولوں کے بغیر اللہ کے احکام و مرضیات سے واقف نہیں ہوسکتا، وہیں یہ بات بھی روز روشن کی طرح واضح ہے کہ رسالت پر ایمان لانا مومن اور مسلم بننے کے لیے ضروری ہے، ٹھیک اسی طرح جس طرح دیکھنے کے لئے آنکھ کی پتلیوں میں بینائی کا ہونا ضروری ہے۔ ظاہر ہے کہ جو چیز منزل تک پہنچنے کا واحد ذریعہ ہو اسے اپنائے بغیر منزل تک پہنچنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

چنانچہ کوئی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں بن سکتا جب تک وہ اللہ کے تمام نبیوں اور رسولوں اور پہلی آسمانی کتابوں پر یقین نہ رکھے، جن جن انبیاء کے نام قرآن میں آئے ہیں ان کو نام بنام اور جن کے نام نہیں معلوم ہیں، یعنی قرآن نے نہیں بتائے ہیں، وہ کہیں بھی گزرے ہوں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اوران کے جو بھی نام ہوں، ان سب کو سچا جاننا ضروری ہے۔ مسلمان کون ہیں اس کے بارے میں سورۂ بقرہ میں ارشاد ہوا:

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَ مَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ. یعنی ''اور جو ایمان رکھتے ہیں اس پر جو اے محمدؐ تم پر اتارا گیا اور اس پر جو تم سے پہلے اتارا گیا۔''

اسی سورۃ میں ایک جگہ فرمایا۔ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ. یعنی ''نیکی اس کی ہے جو اللہ پر، قیامت کے دن پر، اور فرشتوں پر اور کتاب پر اور نبیوں پر ایمان لایا۔''

اسی سورۃ کے آخر میں پیغمبر اوران کے ماننے والوں کے متعلق بتایا گیا: كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ. یعنی ''سب ایمان لائے اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اسکی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر، ہم اسکے رسولوں میں باہم فرق نہیں کرتے۔''

سورۂ نساء میں تمام مسلمانوں کو حکم دیا گیا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ. یعنی ''اے ایمان لانے والو! ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر اتاری اور اس کتاب پر جو پہلے اتاری۔''

قرآن ان لوگوں کو مومن تسلیم نہیں کرتا جو کچھ انبیاء کو تو اللہ کا رسول مانتے ہوں اور کچھ کو نہ مانتے ہوں۔ جیسا کہ اسی سورۃ میں ارشاد ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے ہر زمانہ اور ہر قوم میں اپنے نبی اور رسول بھیجے۔ سورہ نحل میں ارشاد ہوا ہے۔ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا. یعنی ''ہم ہر امت میں کوئی نہ کوئی نبی بھیجتے رہے۔''

سورہ فاطر میں فرمایا: وَ اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ. یعنی ''کوئی امت ایسی نہیں گذری جس میں کوئی ڈرانے والا نہ آیا ہو۔''

سورۂ رعد میں بتایا گیا: وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ. یعنی ''اور ہر قوم میں راستہ دکھانے والے (نبی) آتے رہے ہیں۔''

سورۂ یونس میں فرمایا گیا: وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ. یعنی ''ہر امت کے لیے ایک رسول ہے۔''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بشریت انبیاء:

قرآن مجید یہ بات بڑی تفصیل اور وضاحت کے ساتھ بتاتا ہے کہ دنیا میں جتنے بھی انبیاء ورسل آئے وہ سب بشر اور انسان تھے، یعنی انسانوں کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسان ہی کو نبی اور رسول بنا کر بھیجا۔ سورہ نحل میں بتایا گیا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ اِلَّا رِجَالاً نُّوْحِیْٓ اِلَیْهِمْ. یعنی ''اے محمدؐ! ہم نے تم سے پہلے (رسول بنا کر) صرف آدمیوں کو بھیجا تھا۔''

یہ اس لیے کہا گیا کہ جب اللہ کا داعی آتا تو وہ ایک معمولی انسان کی صورت میں ہوتا۔ اس کے گرد ظاہر بڑائیاں اور رونقیں نہ ہوتیں، اس لیے وقت کے بڑے لوگ اسے حقیر سمجھ کر نظر انداز کر دیتے۔ ان کو یقین ہی نہیں آتا تھا کہ ایسا شخص ان سے زیادہ حق وصداقت والا ہو سکتا ہے جو انسان ہو اور دنیوی شان وشوکت میں ان سے کم ہو۔ قرآن مجید میں جگہ جگہ کفار کے اعتراضات کو بتایا گیا ہے۔ مثلاً سورۂ مومنون میں حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق آیا کہ ان میں جو کافر تھے، انہوں نے کہا:

مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُرِیْدُ اَنْ یَّتَفَضَّلَ عَلَیْکُمْ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِکَةً مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِیْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِیْنَ. یعنی ''یہ شخص کچھ نہیں ہے مگر ایک بشر تم ہی جیسا۔ اس کی غرض یہ ہے کہ تم پر برتری حاصل کرے۔ اللہ کو اگر بھیجنا ہوتا تو فرشتے بھیجتا۔ یہ بات تو ہم نے کبھی اپنے باپ دادا سے سنی ہی نہیں۔'' (کہ بشر رسول بن کر آئے)

اسی سورۃ میں حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں بتایا گیا کہ ان کی قوم کے جن سرداروں نے انہیں ماننے سے انکار کر دیا تھا اور آخرت کی پیشی کو جھٹلایا تھا، وہ حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں کہتے تھے:

مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یَاْکُلُ مِمَّا تَاْکُلُوْنَ مِنْهُ وَیَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ. وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَکُمْ اِنَّکُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ. یعنی ''یہ شخص کچھ نہیں ہے مگر ایک بشر تم ہی جیسا جو کچھ تم کھاتے ہو وہی کھاتا ہے اور جو کچھ تم پیتے ہو وہی یہ بھی پیتا ہے۔ اب اگر تم نے اپنے ہی جیسے بشر کی اطاعت قبول کر لی تو تم گھاٹے ہی میں رہے۔''

قرآن مجید کی سورۂ ابراہیم میں یہ بات بھی بتائی گئی کہ اللہ کے رسولوں کو لوگوں نے جھٹلایا اور یہ کہہ کر ٹھکرا دیا: اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا. یعنی ''تم تو ہماری ہی طرح بشر ہو'' (پھر تمہیں پیغمبری

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا عہدہ کیسے مل سکتا ہے؟)

تو اس اعتراض کے جواب میں انبیاء نے کبھی یہ نہیں کہا کہ نہیں ہم تمہاری طرح بشر نہیں ہیں، بلکہ انہوں نے اس حقیقت کا اعتراف کیا اور کہا:

اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ. یعنی ''واقعی ہم کچھ نہیں ہیں مگر تم ہی جیسے انسان، لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے نوازتا ہے۔''

چنانچہ وہ تمام انبیاء ورسل، نبوت کے امتیازی صف کو چھوڑ کر دوسری صفات میں ویسے ہی انسان ہوتے تھے، جیسے دنیا کے انسان ہوا کرتے ہیں۔ وہ انسانوں کی طرح جسم و جان رکھتے تھے، قوتیں اور خواہشیں رکھتے تھے، کھانا کھاتے تھے، پانی پیتے تھے، انہیں پاخانہ پیشاب کی حاجت ہوتی تھی، وہ بیوی بچے بھی رکھتے تھے، انسانوں کی طرح پیدا ہوتے تھے، بیمار پڑتے تھے، سوتے اور جاگتے تھے، خوشی اور غمی کا احساس کرتے تھے، ہنستے اور روتے تھے، تندرست رہتے اور بیمار پڑتے تھے اور سب کی طرح انہیں بھی موت آتی تھی۔

قرآن پاک کی سورۂ فرقان میں ان کے متعلق بتایا گیا: اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَ يَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ. یعنی ''بلاشبہ یہ رسول کھانا کھاتے تھے اور (خرید وفروخت کے لیے) بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔''

سورۂ رعد میں یوں ارشاد ہوا۔ جَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّ ذُرِّيَّةً. یعنی ''ہم نے ان کے لیے بیوی اور بچے بنائے تھے۔''

یہ خیال کہ ''بشر نبی نہیں ہوسکتا اور نبی بشر نہیں ہوسکتا۔'' کفار اور منکرین کی گمراہیوں میں سے ایک ہے۔ اسی لیے قرآن نے بار بار اس جاہلانہ تصور کا ذکر کر کے اس کی تردید کی ہے اور پورے زور کے ساتھ بیان کیا ہے کہ تمام انبیاء انسان تھے اور انسانوں کے لیے انسان ہی کو نبی ہونا چاہیے۔

ایک مثال:

انسانوں کے لیے انسان کو ہی نبی اور رسول بنا کر بھیجنا عین انصاف کی بات ہے جسے ہم ایک مثال کے ذریعہ بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔

فرض کیجیے آپ میں سے کسی کے پاس ایک چھوٹی یا بڑی مشین ہو اور وہ بگڑ کر بند ہو جائے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یا ٹھیک کام نہ دے، تو اسے بنانے اور اس کی مرمت کے لیے کسی بڑھئی، کسی مولوی، یا کسی کسان کو نہیں بلایا جائے گا بلکہ مستری یا انجینئر کی تلاش کی جائے گی جو مشین کے پرزوں کے بارے میں پوری جانکاری رکھتا ہو، کیونکہ مشین کی مرمت وہی کرسکتا ہے جسے اس کے متعلق پوری واقفیت ہو۔ اسی طرح چونکہ بشر کے جذبات و احساسات سے، اس کی قوتوں اور خواہشوں سے، اس کی خوشی اور غمی سے، اس کے دکھ درد سے ایک بشر ہی واقف ہوسکتا ہے۔ اس لیے انسان کی ہدایت و رہنمائی کے لیے بشر کے سوا کوئی دوسری مخلوق مفید اور مناسب ہو ہی نہیں سکتی۔ اس بدیہی حقیقت کو سمجھانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا۔

قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا۔ یعنی ''اے نبی! کہہ دو کہ اگر زمین میں فرشتے چلتے پھرتے اور آباد ہوتے تو ہم ان پر ضرور آسمان سے کسی فرشتے (ہی) کو رسول بنا کر بھیجتے۔''

دراصل نبی صرف ایک پیغام رساں نہیں ہوتا کہ بندوں تک اللہ کا پیغام پہنچا دے اور بس، بلکہ خدائی احکام کی توضیح و تشریح بھی اس کے ذمہ ہوتی ہے۔ وہ ان احکام کی پیروی کر کے اور سب سے پہلے ان پر عمل کر کے معیاری نمونہ پیش کرتا ہے اور ظاہر بات ہے کہ کوئی دوسری مخلوق.... چاہے وہ فرشتہ ہو یا جن، ان کاموں کو انجام دے ہی نہیں سکتی۔ وہ زیادہ سے زیادہ اتنا کرسکتا تھا کہ اللہ کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچا دے، مگر وہ ان قوانین پر کیسے خود عمل کر پاتا جن کا تعلق خاص بشری جذبات و مطالبات اور مخصوص انسانی مسائل سے ہے؟

اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے کچھ ناری ہیں جیسے جن و شیاطین، کچھ نوری ہیں جیسے فرشتے اور کچھ خاکی ہیں جیسے انسان۔ ان تمام مخلوقات میں انسان ہی کا رتبہ سب سے زیادہ بلند ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کرنے کے بعد فرشتوں کو حکم دیا تھا کہ وہ انہیں سجدہ کریں، چنانچہ ابلیس کے سوا تمام فرشتوں نے اللہ کے حکم کی تعمیل کی تھی اور آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا تھا۔ یعنی جو مخلوق نور سے بنائی گئی تھی اس نے اس مخلوق کو سجدہ کیا جو خاک سے پیدا کی گئی تھی، یعنی انسان۔

معلوم ہوا کہ نبی کو بشر کہنا نبی کی توہین نہیں ہے بلکہ نبی کو بشر نہ کہنا نبی کی توہین ہے۔ کیوں کہ یہ نہ صرف قرآنی آیات کا بلکہ ایک زندہ حقیقت کا بھی انکار ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہی نہیں بلکہ اگر کسی نے نبی کی بے داغ بشریت کا انکار کیا تو گویا اس نے رسالت کا انکار کیا کیونکہ کوئی غیر بشر نبی یا رسول بنایا ہی نہیں گیا۔

یہ انبیاء مافوق الفطرت انسانی ہستی نہیں تھے کہ ان کے اشارے پر پہاڑ سونا بن جائے، یا یہ حکم دے دیں تو زمین سے پانی کا چشمہ ابلنے لگے، یا ان کے کہنے پر بارش نازل ہو جائے، یا یہ بیماروں کو شفا دینے اور مردوں کو زندہ کر دینے کے اختیارات رکھتے ہوں۔ بلاشبہ ان سے معجزات صادر ہوئے، جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مردوں کا زندہ کر دینا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا سانپ بن جانا وغیرہ، لیکن اس طرح کے معجزات اور نشانیاں صرف اللہ کے حکم اور مرضی سے ظہور میں آتی ہیں، جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے سورۂ رعد میں فرمایا۔ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ. یعنی ”کسی رسول کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ اپنی طرف سے کوئی نشانی لے آئے سوائے اللہ کی اجازت کے۔“

مشرکین مکہ نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نشانی طلب کی تو اللہ نے آپ کو مخاطب کر کے فرمایا۔ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيَاتُ عِنْدَ اللّٰهِ. یعنی ”اے نبی! کہہ دو کہ نشانیاں اللہ کے پاس ہیں۔“

چنانچہ یہ لوگ اپنے کو اللہ کا بندہ کہنے میں کوئی جھجک نہیں محسوس کرتے تھے۔ یہ مصیبتوں میں اسی کو پکارتے تھے، مرادیں اسی سے مانگتے تھے، دعائیں اسی سے کرتے تھے اور اپنے کو اللہ کا بندہ اور اسی کے در کا محتاج سمجھتے تھے۔

انسانوں کی رہنمائی اور تعلیم کے لیے جو مقدس ہستیاں آئیں، ان کے متعلق ان کی قوموں میں حد درجہ عقیدت مندی کی افراط و تفریط رہی۔

افراط یہ تھی کہ ناد انوں نے انہیں خدا، خدا کے مثل، یا خدا کا روپ اور مظہر ٹھہرایا، بودھوں اور جینیوں نے اپنے اپنے بودھوں اور مہابیروں کو خدا تسلیم کر لیا۔ عیسائیوں نے اپنے پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا ٹھہرایا۔

دوسری طرف تفریط یہ تھی کہ بنی اسرائیل کے نزدیک ہر شخص جو کسی کام کے متعلق پیشین گوئی کر سکتا تھا، وہ نبی تھا، ایک نبی کی نبوت کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ وہ پیشینگوئی کر سکتا ہے، خواہ وہ گنہگار، فاسق و فاجر اور اخلاقی حیثیت سے انتہائی قابل اعتراض کیوں نہ ہو، اس کا نیک اور اعلیٰ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کردار کا مالک اور معصوم ہونا بھی ضروری نہیں تھا، اسی لیے بنی اسرائیل کے موجودہ صحیفوں میں بڑے بڑے نبیوں کے ایسے واقعات ملتے ہیں جو حد درجہ لغو اور بیہودہ ہیں۔

قرآن نے اس منصب عظیم کی صحیح حقیقت بیان فرمائی اور بتایا کہ انبیاء نہ خدا ہیں نہ خدا کے مثل ہیں، نہ خدا کے اوتار ہیں، نہ اس کے بیٹے اور رشتہ دار ہیں۔ وہ محض انسان ہیں، خدا کے کارخانہ کی کوئی چیز بالذات ان کے اختیار میں نہیں ہے اور نہ ان کو کسی مافوق الفطرت بشری کام پر قدرت حاصل ہے، انہوں نے جو کچھ کیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے اذن اور اشارہ سے کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی اس کائنات میں ہمیشہ سے یہ ہوتا آیا ہے کہ ہر ابتداء کی ایک انتہاء ہوتی ہے۔

جب نسل انسانی اپنے بچپن کے دور سے گذر کر اپنی جوانی کو پہنچ گئی، جب مختلف قوموں میں ایک دوسرے سے رابطے قائم ہونے شروع ہو گئے تو آخر میں اللہ تعالیٰ نے ایک ہی شخصیت کو نبی اور رسول بنا کر بھیجا اور اسی پر نبوت و رسالت کا سلسلہ ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا گیا۔ اس عظیم منصب پر فائز کرنے کے لیے جس شخصیت کا انتخاب ہوا وہ تھے عبداللہ کے ہونہار فرزند، ابوطالب کے لاڈلے بھتیجے، عبدالمطلب کے یتیم پوتے، آمنہ کے لال یعنی سید المرسلین، رحمۃ للعالمین، شفیع المذنبین، اکرم الاولین والآخرین، نازش انسانیت، نگہبانِ آدمیت، پیکر جود و سخا، مصدر صبر و رضا، ماہِ عرب، مہر عجم، شمعِ حقیقت، فخر بنی آدم، روح دو عالم، آقائے نامدار، احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ۔

محمد حبیب خدا بن کے آئے　　شہِ دین خیر الوریٰ بن کے آئے
مرادِ نگاہ و نظر بن کے آئے　　تمنائے قلب و جگر بن کے آئے
ہر اک درد کا چارہ گر بن کے آئے
محمد سراپا اثر بن کے آئے

جب انساں کو شیطان نے آ کے گھیرا　　جما بت پرستی کا ہر سمت ڈیرا
جہالت کا ہر سمت چھایا اندھیرا　　تو لائے نبیؐ نور حق کا سویرا
ہر اک شام کی وہ سحر بن کے آئے
محمدؐ سراپا اثر بن کے آئے

وہ ہیں حضرت نوحؑ و موسیٰ سے اکرم　　وہ فخرِ مسیحائے عیسیٰ ابن مریم

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہ حسنِ سراپا وہ خُلق مجسم وہ ختم نبوت وہ ہادیٔ اعظم
رسولوں کے وہ تاج سر بن کے آئے
محمدؐ سراپا اثر بن کے آئے

آپؐ کی پیدائش ربیع الاول کی ۹/ تاریخ کو، انگریزی مہینے کے حساب سے ۲۰/ یا ۲۲/ اپریل ۵۷۱ء کو یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ آسمان پر اٹھائے جانے کے تقریباً چھ سو برس کے بعد، حضرت آمنہ کے بطن سے یتیمی کی حالت میں ہوئی تھی۔ اس لیے کہ آپؐ کے والد حضرت عبداللہ کا انتقال آپ کی پیدائش سے دو ماہ پہلے ہو چکا تھا۔ دادا عبدالمطلب زندہ تھے۔

عرب میں عبدالمطلب کی ایک معزز ہستی تھی، انہیں اعلیٰ کردار کا انسان سمجھا جاتا تھا۔ سب لوگ انہیں انتہائی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

عبدالمطلب کے دس بیٹے تھے جن میں سے چار، حمزہ، عباس، ابوطالب اور ابولہب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نبوی دور کو پایا تھا۔ ان میں سے دو یعنی حضرت حمزہؓ اور حضرت عباسؓ آپؐ پر ایمان لے آئے تھے لیکن ابوطالب اور ابولہب دولتِ ایمان سے محروم رہے۔ البتہ ابوطالب نے بیٹے کی طرح آپ کی پرورش کی۔ ہر گاڑھے موقع پر آپ کا ساتھ دیا اور حق تو یہ ہے کہ انہوں نے حق ادا کر دیا۔ مگر ابولہب نے سگا چچا ہونے کے باوجود آپؐ کے ساتھ وہ برا سلوک کیا جو کوئی دشمن اپنے بدترین دشمن کے ساتھ نہیں کر سکتا تھا۔

عبدالمطلب کے ایک لڑکے عبداللہ تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سب سے پہلے اور آخری بیٹے تھے۔

آپؐ عام الفیل میں پیدا ہوئے، یعنی اس سال جب ابرہہ نے خانہ کعبہ پر حملہ کر کے اسے برباد کرنا چاہا تھا۔ سیرت ابن ہشام کی روایت کے مطابق جس کی مختصر تاریخ یوں ہے۔

ابرہہ حبش کے بادشاہ نجاشی کی طرف سے یمن کا گورنر تھا، اس نے دیکھا کہ لوگ خانۂ کعبہ کا حج کرتے ہیں، تو اس نے یمن کی راجدھانی صنعاء میں ایک خوبصورت کلیسا تعمیر کرایا تاکہ لوگوں کو خانۂ کعبہ سے پھیر کر اس کلیسا کی طرف موڑ دے۔ ایک بار بنو کنانہ کے ایک شخص نے کلیسا کے اندر گھس کر اس کے قبلہ پر پاخانہ پوت دیا، اس واقعہ پر ابرہہ کو بہت غصہ آیا اور وہ ساٹھ ہزار کا لشکر لے کر کعبہ کو ڈھانے کے لیے نکل کھڑا ہوا۔ اس لشکر میں نو یا تیرہ ہاتھی تھے۔ ابرہہ نے اپنے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیے ایک بہت طاقتور اور زبردست ہاتھی منتخب کیا۔ یہ لشکر جب وادی محسر پر پہنچا، جو منیٰ اور مزدلفہ کے بیچ میں ہے، تو ہاتھی بیٹھ گیا۔ وہ کسی طرح آگے نہیں بڑھ رہا تھا، اس کا رخ جب دوسری طرف کردیا جاتا تو وہ تیزی کے ساتھ دوڑنے لگتا اور جب خانۂ کعبہ کی طرف کردیا جاتا تو وہ کسی طرح چلنے کا نام نہ لیتا۔ آخر کار اس کو مار مار کر گھائل کردیا گیا، مگر وہ خانۂ کعبہ کی طرف جانے کے لیے ٹس سے مس نہ ہوا۔ اتنے میں اللہ تعالیٰ نے چڑیوں کا ایک جھنڈ بھیج دیا، یہ چڑیاں ابابیل اور قمری جیسی تھیں۔ ہر چڑیا کے پاس چنے کے برابر تین کنکریاں تھیں، ایک چونچ میں اور دو دونوں پنجوں میں، یہ کنکریاں جسے لگتی تھیں اس کا جسم سڑنے لگتا تھا اور وہ مرجاتا تھا۔ کنکریاں ہر ایک کو نہیں لگتی تھیں مگر لشکر میں ایسی بھگدڑ مچی کہ لوگ ایک دوسرے کو کچلتے اور روندتے ہوئے بھاگ رہے تھے۔ وہ ہر راستہ پر گر رہے تھے اور ہر چشمے پر مر رہے تھے۔ ابرہہ بھی صنعاء کی طرف بھاگا مگر اس پر اللہ تعالیٰ نے ایسی آفت نازل فرمائی کہ وہاں پہنچتے پہنچتے اس کی انگلیوں کے پور جھڑ گئے، وہ چوزے جیسا ہوگیا، اس کا سینہ پھٹ گیا، دل باہر نکل آیا اور وہ مرگیا۔ اللہ تعالیٰ نے ابرہہ کے لشکر کو کھائے ہوئے بھوسہ کی طرح بنادیا اور خانۂ کعبہ کی تباہی چاہنے والے خود ہی تباہ ہوگئے۔

اس واقعہ کے پچاس یا پچپن روز کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی۔ یہ سوموار کا دن تھا اور صبح کا سہانا وقت۔

آپؐ کے دادا عبدالمطلب نے جب اپنے چوبیس سالہ پیارے بیٹے عبداللہ کی اس یادگار کی پیدائش کی خبر سنی تو بہت خوش ہوئے۔ گھر آئے، آپ کو لے کر خانہ کعبہ گئے اور اس یتیم پوتے کے حق میں اللہ سے بہت دعائیں کیں۔ ساتویں دن قریش کے لوگوں کی دعوت کی گئی اور اسی موقع پر عبدالمطلب نے آپ کا نام محمدؐ رکھا، جس کے معنی ہیں "وہ شخص جس کی بہت زیادہ تعریف کی جائے" لوگوں کو یہ حیرت انگیز نام سن کر بڑا تعجب ہوا۔ انہوں نے پوچھا کہ آپ نے اپنے خاندان کے مروجہ ناموں کو چھوڑ کر اس بچے کا یہ نام کیوں رکھا؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں چاہتا ہوں کہ میرے اس یتیم پوتے کی بہت زیادہ تعریف ہو اور رہتی دنیا تک اس کی تعریف ہوتی رہی۔

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کو چودہ سو برس سے بھی زیادہ کا زمانہ گذر گیا مگر اس دنیا میں کوئی بھی ایسی گھڑی نہیں گذرتی جب آپ کی تعریف نہ ہوتی ہو، آپ کا ذکر نہ ہوتا ہو اور آپؐ پر درود وسلام نہ بھیجا جاتا ہو۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جب رات گذر جاتی ہے اور صبح صادق شروع ہوتی ہے تو فضائے کائنات میں جو سب سے پہلی آواز گونجتی ہے وہ اذان کی آواز ہوتی ہے۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّاۤاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۔ اس کے ساتھ یہ بھی کہا جاتا ہے اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً رَسُوْلُ اللّٰهِ۔ اور یہ صرف صبح کے وقت ہی نہیں بلکہ دن بھر میں پانچ بار اسی طرح دہرایا جاتا ہے۔

آپؐ اللہ کے یہاں بھی محمود ہیں، ملائکہ مقربین میں بھی محمود ہیں، زمرۂ انبیاء ومرسلین میں بھی محمود ہیں، اور اہل زمین کے نزدیک بھی محمود ہیں، یعنی زمین پر بھی آپ کی تعریف ہوتی ہے اور آسمان پر بھی آپؐ کا ذکر خیر ہوتا ہے۔ انسانوں میں آپؐ کی خوبیاں بیان کی جاتی ہیں اور ملائکہ میں بھی آپ کے اوصاف کا تذکرہ ہوتا ہے، جو آپؐ کے ماننے والے ہیں وہ تو تعریف کرتے ہی ہیں، خوبی کی بات یہ ہے کہ جو آپؐ کے انکاری ہیں، آپؐ کی ذات اور آپ کے لائے ہوئے دین سے کوئی تعلق نہیں رکھتے، اتنا طویل عرصہ گذر جانے کے باوجود، وہ بھی آپ کی تعریف اور آپؐ کے محاسن کا اعتراف کرنے پر مجبور ہیں ؎

جہاں میں اب بھی ہے آباد میخانہ محمدؐ کا　　مخالف کے بھی ہاتھوں میں ہے پیمانہ محمدؐ کا

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے سورہ الم نشرح میں فرمایا وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ. یعنی ''اے نبی! ہم نے تیرے ذکر کے آوازہ کو بلند کر دیا۔''

اس دنیا میں پورب سے لے کر پچھم اور اتر سے لے کر دکھن تک بسنے والوں میں کون ایسا انسان ہے جس نے صبح صادق کے بعد فضائے کائنات میں گونجنے والی اذان کی آواز نہ سنی ہو، جس نے رات کی خاموشی میں...... جب دنیا سو رہی ہو...... اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰه کی سریلی آواز کو جاں بخش نہ پایا ہو۔

آج تک کسی بڑے سے بڑے بادشاہ کو اپنی بادشاہت میں اور کسی مصلح یا ریفارمر کو اپنے حلقۂ اثر میں یہ شرف حاصل نہیں ہے کہ اس کے نام کا اعلان ہر روز و شب اس طرح کیا جاتا ہو، یہ سعادت صرف حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے کہ جہاں اللہ کی وحدانیت کا اظہار ہوتا ہے وہیں آپ کی رسالت کا بھی اقرار ہوتا ہے۔

طامس کارلائل، ایک پکا عیسائی تھا جو سارے انگلستان میں تاریخ وادب کی فضیلت سے اشہر المشاہیر اور کیمبرج جیسی یونیورسٹی میں استاد تھا، انگلستان کو جس پر بجا طور پر فخر ہے۔ اس نے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اپنی کتاب ''ہیرو آف ہیروز'' میں تمام گروہِ انبیاء میں سے صرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر کیا ہے، حالانکہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام اور اپنے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی سوانح عمری سے پوری طرح واقف تھا، مگر جب اس نے اپنی مؤرخانہ تحقیقات کی نگاہ سے آفتابِ نبوت محمد یہ کو دیکھا، تب اسے ہزاروں سال کے وسیع عہد میں آسمان نبوت پر کوئی ایسا ستارہ نظر نہیں آیا جسے اس آفتاب کے دوش بدوش وہ اپنی کتاب کے صفحات پر جلوہ گر کر سکتا، یہ نمونہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفعت ذکر کا۔

امریکہ سے ایک کتاب چھپی ہے جس کا مصنف ایک عیسائی مائیکل ہارٹ ہے، یہ امریکہ کا بہت بڑا عالم فلکیات ہے، اس نے اور اس کی تعلیم یافتہ بیوی نے دنیا کی مشہور شخصیتوں کا مطالعہ کیا اور سالہا سال کے مطالعہ کے بعد انہوں نے ۵۷۵ صفحات کی یہ کتاب لکھی جس کا نام ''ایک سو'' ہے۔ اس کتاب میں سو ایسی عظیم شخصیات کے حالات درج ہیں جنہوں نے تاریخ پر سب سے زیادہ نمایاں اثرات چھوڑے ہیں، اس کتاب میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سرفہرست ہے۔

مصنف حالاں کہ مذہبا عیسائی ہے مگر اس نے نمبر ایک پر اپنے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہیں رکھا، گویا اس کے نزدیک، وہ شخصیت جسے اپنے غیر معمولی کارناموں کی وجہ سے نمبر ایک پر رکھا جائے، وہ پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، کارلائل نے آپ کو تمام نبیوں کا ہیرو قرار دیا تھا اور مائیکل ہارٹ نے آپ کو تاریخ انسان کا سب سے بڑا انسان قرار دیا ہے۔

کوئی شخص اپنے اوپر نگاہ اٹھائے تو اسے ہر طرف آسمان چھایا ہوا نظر آئے گا، اسی طرح انسانی زندگی میں جس طرف بھی دیکھا جائے، جہاں بھی نظر دوڑائی جائے، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے اثرات نمایاں طور پر نظر آئیں گے۔ وہ تمام اعلیٰ کامیابیاں اور ساری بہترین قدریں، جنہیں آج بہت اہمیت دی جا رہی ہے، وہ سب آپؐ کے لائے ہوئے انقلاب کا براہ راست یا بالواسطہ نتیجہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تاریخ کا سب سے بڑا انسان بنایا، گویا آپ کو ایسے بلند ترین مینار کی حیثیت سے کھڑا کر دیا گیا ہے کہ آدمی جس طرف بھی نظر دوڑائے آپ کو دیکھ لے، جب وہ اپنے رہنما کی تلاش میں نکلے تو اسکی نظر سب سے پہلے آپؐ پر پڑے، جب وہ حق وصداقت کا راستہ جاننا چاہے تو آپؐ کے بلند و بالا وجود اس کو سب سے پہلے اپنی طرف متوجہ کر لے۔ آپ کو اسی لیے بلند تاریخی مقام پر کھڑا کر دیا گیا ہے کہ کوئی آنکھ والا جب

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آنکھ اٹھائے تو آپ کو دیکھے بغیر نہ رہ سکے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے یہ دنیا عموماً اور خصوصاً عرب کا علاقہ برائیوں کا گہوارہ بن چکا تھا، ان کی اخلاقی گراوٹ کا یہ عالم تھا کہ لوگ ننگے ہو کر خانہ کعبہ کی طواف کرتے تھے۔

وہ بہادر تھے لیکن ان میں خودسری اس قدر تھی کہ انہوں نے اپنی جرأت وشجاعت کا نشانہ اپنے ہی بھائیوں کو بنا رکھا تھا۔

ان میں فحاشی اور بے حیائی اتنی عام تھی کہ لوگ خانہ کعبہ کے دروازے پر فخریہ طور پر یہ کہا کرتے تھے کہ میں سب سے سربرآوردہ شخص ہوں کیوں کہ میرے والد کے ایک ہزار عورتوں سے تعلقات تھے۔

مردوں اور عورتوں میں اختلاط کی مختلف صورتیں تھیں جنہیں بدکاری و بے حیائی اور فحش کاری وزنا کاری کے سوا کوئی اور نام ہی نہیں دیا جا سکتا۔

نفرت اور سخت دلی اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ بات بات پر تلواریں نیام سے نکل آتی تھیں اور انسانی خون پانی کی طرح بہنے لگتا تھا اور معمولی سی بات پر شروع ہونے والی لڑائیاں برسوں اس طرح چلتی تھیں کہ قبائل کے قبائل ویران ہو جاتے تھے۔ جیسا کہ حالی مرحوم نے کہا ہے ؎

کہیں تھا مویشی چرانے پر جھگڑا　　کہیں پانی پینے پلانے کا جھگڑا
لب جو کہیں آنے جانے پر جھگڑا　　کہیں پہلے گھوڑا بڑھانے پہ جھگڑا
یوں ہی ہوتی رہتی تھی تکرار ان میں
یوں ہی چلتی رہتی تھی تلوار ان میں

بیکاری اور کاہلی کی وجہ سے جوا اور شراب ان کی عادت بن گئی تھی۔

بعثت نبوی کے وقت عربوں کے سفاکانہ مراسم میں سے سب سے زیادہ بے رحمی اور سنگدلی کا کام معصوم بچوں کا مار ڈالنا اور لڑکیوں کا زندہ گاڑ دینا تھا۔

یہ وحشت ناک کام والدین اپنی مرضی سے انجام دیتے تھے۔ اس رسم کے جاری ہونے کے مختلف اسباب تھے۔ ان میں سے ایک سبب یہ تھا کہ لوگ اپنے بچوں کو دیوتاؤں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ان کے آستانوں پر ذبح کر کے چڑھا دیتے تھے، یا منت مانتے تھے کہ میرا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فلاں کام ہو گیا تو بچے کی قربانی دیں گے۔

اس ہولناک گناہ کے ارتکاب کا دوسرا سبب عربوں کا عام فقر و فاقہ تھا، وہ سمجھتے تھے کہ اولاد ہوئی تو اس کے خورد و نوش کا سامان کرنا پڑے گا، اس کی آمدنی میں اس کی اولاد بھی شریک ہو جائے گی، کھانے والے منہ کمانے والے ہاتھ سے زیادہ ہو جائیں گے اور ان کی ضروریات پوری نہ ہو سکیں گی، اس لیے وہ اولاد کے خون سے ہاتھ رنگ کر اس فرض سے سبکدوش ہو جایا کرتے تھے۔

اولاد کشی کی ایک صورت جو سب سے زیادہ بھیانک اور قابل افسوس تھی، وہ لڑکیوں کا زندہ دفن کر دینا تھا، کیوں کہ عربوں کو لڑکوں سے پھر بھی مستقبل میں کچھ توقعات وابستہ تھیں کہ آگے چل کر وہ معاشی جد و جہد میں ان کا ساتھ دیں گے، دشمن کا مقابلہ کریں گے اور خاندان اور قبیلہ کی قوت و طاقت میں اضافہ کا سبب بنیں گے۔ لیکن لڑکیوں کا وجود ان کے لیے باعث شرم و عار تھا، وہ معاشی اعتبار سے بھی بوجھ تھیں اور ان کی حفاظت بھی کرنی پڑتی تھی، اس لیے ان کے قتل کا زیادہ رواج تھا۔ جب کسی کے گھر لڑکی پیدا ہوتی تو باپ کو سخت رنج ہوتا۔ وہ لوگوں سے منہ چھپاتا پھرتا، رفتہ رفتہ حالت اس حد تک پہنچ گئی کہ اس شرم و عار کے مجسمہ کو پردۂ خاک میں چھپا کر باپ اس مصیبت سے چھٹکارا پانے کی فکر کرنے لگے۔ قرآن مجید کی سورۂ نحل میں اس گھناؤنی حرکت کا نقشہ یوں کھینچا گیا ہے:

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ. يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ. یعنی ”جب ان میں سے کسی کو بیٹی پیدا ہونے کی خوشخبری دی جاتی ہے تو اس کے چہرے پر سیاہی چھا جاتی ہے، وہ بس خون کا گھونٹ پی کر رہ جاتا ہے، لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے کہ اس بری خبر کے بعد کسی کو کیا منہ دکھائے۔ سوچتا ہے کہ ذلت کے ساتھ بیٹی کو لیے رہے یا مٹی میں دبا دے۔

بت پرستی اپنی انتہا کو پہنچ چکی تھی، بلکہ عربوں کا مذہب ہی شرک تھا۔ وہ اللہ تعالیٰ کو زمین، آسمان کا خالق و مالک سمجھتے تھے، لیکن کائنات کے نظام کو چلانے کے لیے خدا کا مددگار بھی مانتے تھے، گویا اللہ تعالیٰ ان کے نزدیک بادشاہ حقیقی تھا اور اس کا عملہ بھی تھا، جو اس کے حکم اور دیئے گئے اختیارات سے مہمات سرانجام دیتا تھا۔ اس عقیدہ کی بنا پر وہ دیوی دیوتاؤں کے ماننے والے تھے، وہ جنوں، فرشتوں کو نذریں دیتے، بتوں کو سجدہ کرتے، جو چیز انہیں بڑی دکھائی دیتی اس کی پرستش

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں لگ جاتے، سورج کی تابانی دیکھی تو اسے پوجنے لگے، چاند کا حسن نظر آیا تو اس کے آگے گر پڑے، ستاروں کو روشن دیکھا تو زحل، مریخ، عطارد، مشتری، زہرہ، شعریٰ وغیرہ کو نیاز دینے لگے، ایسے ہی آگ، درخت، پہاڑ، دریا اور اس قسم کی بڑی چیزوں کی عبادت کرنے لگے۔

اس کے علاوہ غیر مرئی روحوں کا تصور کر کے ان کی خیالی تصویریں اور مجسمے بنا کر بت خانوں اور ہیکلوں میں رکھ لیتے تھے، چنانچہ خانہ ٔ کعبہ میں ۳۶۰ بت رکھے ہوئے تھے۔ان میں سونا، چاندی، پتھر، لکڑی اور دوسری دھاتوں سے بنی بزرگوں کی تصویریں تھیں۔

حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل اور حضرت مسیح علیہم السلام وغیرہ کی شبیہیں کعبہ کی دیواروں پر نقش تھیں جن کو خوش کرنے کے لیے لوگ ان کے نام کی قربانیاں دیتے اور ان پر طرح طرح کی نذریں چڑھاتے تھے۔

غرض، سارے عرب میں مختلف حاجتوں، ضرورتوں، بیماریوں، مصیبتوں اور مہموں کے لیے بے شمار دیوتا (بت) پوجے جاتے تھے، اس اعتقاد کے ساتھ کہ ان سب کا مالک اللہ ہے اور یہ اللہ کے پیارے ہیں۔ جن کو چاندی، سونا، جانور اور مختلف قسم کے کھانوں کی نذروں سے خوش کر کے اللہ کو خوش کیا جا سکتا ہے۔ پورے ملک میں ہزاروں بت خانے، ہیکل، مذبح اور تھان سجدوں اور نیازوں کے لیے بنے تھے جہاں ہر ہر قبیلہ کے لوگ اپنی مرادیں مانگنے کے لیے آتے تھے۔

عدنانی قبائل کے سب سے بڑے تین بت تھے۔ ایک ہبل، جو خانہ ٔ کعبہ میں نصب تھا۔ دوسرے لات، جو طائف میں تھا، تیسرے عزیٰ، جس کا مسکن مکہ سے چند میل کے فاصلہ پر تھا۔

ان کے علاوہ مختلف قبائل کے اور بہت سے بت تھے جنہیں وہ پوجتے تھے۔ مثلاً قبیلہ ہذیل کا بت سواع تھا، ربیعہ بن کعب کا رضاء، قبیلہ ایاد کا ذوالکعبات، ہوازن کا جبار، قریش کا مناف، بکر و تغلب کا اوال، ثقیف کا یالیل، خثعم کا ذوالخلصہ، عنزہ کا سعیر اور العشیرہ کا فراص، اوس و خزرج کا منات، کلب بن دبرہ کا ود، انعم کا یغوث اور مدین کا بعل تھا۔

کئی قبائل ستاروں کی پوجا کرتے تھے۔ قبائل عدنان میں سے ایک قبیلہ قیس تھا، یہ شعریٰ ستارہ کی پرستش کرتا تھا، کنانہ، چاند کی، اسد، عطارد کی اور قبیلہ تمیم دبران کی عبادت کرتا تھا۔

غرض یہ لوگ بتوں، سیاروں، فرشتوں، روحوں، دیویوں اور ان گنت خداؤں کی عبادت کرتے تھے اور یہ بات بلا مبالغہ درست ہے کہ سر زمین عرب اور اس کے نواح و اطراف میں ہر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کنکر کو شنکر مان کر پوجا جاتا تھا۔ اللہ کی ذات کا اقرار کرنے کے باوجود دوسری چیزوں کی پوجا محض اس لیے ہوتی تھی کہ خداؤں کی بھیڑ خوش ہو کر اللہ تعالیٰ کو راضی کر دے۔

الغرض عربوں کی مذہبی، اخلاقی، تمدنی، معاشرتی اور معاشی زندگی موت سے بدتر تھی۔ وہاں سے انسانیت رخصت ہو چکی تھی اور انسان وہاں پہنچ چکا تھا جہاں سے انسانیت کی سرحد ختم ہوتی ہے اور حیوانیت کی سرحد شروع ہو جاتی ہے۔

شرافت، دیانت، شرم وحیا، انصاف، محبت، اخوت، ہمدردی، خودداری، خیر خواہی کسی اچھی خصلت کا نام ونشان تک نہ تھا۔ ہاں زنا، شراب نوشی، جوا، اغوا، بردہ فروشی، ڈکیتی، رہزنی، لوٹ مار، مکر، بغض، لڑائی، جدال، فساد، خوں ریزی، دختر کشی، ظلم، بدخواہی، فریب، دجل، چوری، کم تولنا اور حسد جیسی چیزوں کی رذالت کی تاریکی ہر چہار طرف چھائی ہوئی تھی، ایسی کہ صدیاں گذر گئیں کسی نے نیکی کی روشنی نہیں دیکھی تھی، گویا وہ ایک لاعلاج مریض کے مانند تھے جس پر نزاع کا عالم ہو اور وہ چند لمحوں کا ایسا مہمان ہو جس پر اس کے خویش واقارب ہچکیاں لے لے کر رو رہے ہوں۔

انہی حالات میں پیدا ہوئے اللہ کے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، چالیس سال کی عمر میں آپؐ کو نبوت ورسالت کی دولت سے سرفراز کیا گیا۔

جب آپؐ نے اپنی تبلیغ شروع کی تو گلشن انسانیت لہلہا اٹھا، لوگوں کے دل بدل گئے، ان کی زندگی میں انقلاب آ گیا۔

جو جان لینے والے تھے وہ جان قربان کرنے والے بن گئے۔ جو اسلام کو مٹانا اپنا فرضِ اولین سمجھتے تھے، وہ اسلام کی خاطر سر کٹانے کو باعث سعادت سمجھنے لگے۔ ان کی انانیت بے نفسی میں بدل گئی۔ ان کے کبر نے تواضع کی، بے شرمی نے حیاداری کی، ظلم نے عدل کی اور نفرت نے محبت کی شکل اختیار کر لی۔

اور دنیا نے تعلیم محمدیؐ کی برکتیں دیکھیں، اخلاقِ نبوی کا کرشمہ دیکھا کہ جو ظالم تھے، وہ عادل بن گئے، جو سرکش تھے وہ فرماں بردار ہو گئے۔ جو اپنی بچیوں کو زندہ دفن کرتے تھے، انہوں نے اپنی بچیوں کو اپنے سینے سے لگایا، جن کے سر مختلف قسم کے بتوں کے سامنے جھکتے تھے، انہوں نے اپنے ہاتھوں سے تمام بتوں کو توڑ کر ان کے آگے جھکنے سے توبہ کر لیا اور خدائے واحد کی پرستش میں لگ گئے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور یہ تعلیمات نبوی کا کرشمہ تھا کہ عرب کے اونٹ چرانے والے بدو دنیا والوں کو تہذیب وتمدن کا درس دینے کے قابل ہو گئے۔ کسی نے سچ کہا ہے ؎

در فشانی نے تری قطروں کو دریا کر دیا دل کو روشن کر دیا آنکھوں کو بینا کر دیا
خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیمات اور اخلاق فاضلہ سے بندوں کو خدا کے قریب اور قوموں کو قوموں کے قریب کر دیا، نفرت وعداوت کی جگہ نصرت واخوت بٹھادی، ظلمت اور جہالت نکال کر ان کے دلوں میں صداقت وعلم کا نور بھر دیا، رنگوں کا اختلاف، زبانوں کا فرق، قومیت کا تفرقہ، ملکی وقبائلی خصوصیات کا امتیاز، سب کچھ جاتا رہا۔ آپؐ کے لائے ہوئے دین نے سب کو ملت واحد بنا کر ایک ہی ولولہ دلوں میں، ایک ہی جوش طبیعتوں میں، ایک ہی خیال دماغوں میں اور ایک ہی آواز توحید سب کے دلوں میں داخل کر کے ان کی زبانوں پر جاری کر دیا۔ کیا ہی سچ ہے ؎

کس طرح تو نے مٹایا امتیاز نسل رنگ تیری پنہاں قوتوں سے آج بھی دنیا ہے دنگ

نبی اکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جتنے انبیاء مبعوث ہوئے، ان سب میں جو الگ الگ خوبیاں اللہ کی طرف سے عطا کی گئی تھیں، آپؐ کی ذات گرامی ان تمام محاسن اور خوبیوں کا مجموعہ تھی۔

قرآن پاک کی سورۂ بقرہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے بارے میں بتایا گیا وَاِذِ اسۡتَسۡقٰی مُوۡسٰی لِقَوۡمِهٖ فَقُلۡنَا اضۡرِبۡ بِّعَصَاكَ الۡحَجَرَ ؕ فَانۡفَجَرَتۡ مِنۡهُ اثۡنَتَا عَشۡرَةَ عَيۡنًا ؕ یعنی ''یاد کرو، جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لئے پانی کی دعا کی تو ہم نے کہا کہ فلاں چٹان پر اپنا عصا مارو، چنانچہ اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کی ضرب سے پتھر کا پھٹنا اور اس سے پانی کے چشموں کا جاری ہونا بلاشبہ ایک حیرت ناک معجزہ ہے لیکن بخاری کی روایت کے مطابق صلح حدیبیہ (۶ھ) کے موقع پر جب پانی نہیں رہا اور صحابہ کرامؓ نے آپؐ سے پانی کی کمی کی شکایت کی تو آپؐ نے ایک پیالہ میں تھوڑا سا پانی منگایا اور اپنی انگلیاں اس میں ڈال دیں۔ صحابہؓ بیان کرتے ہیں کہ جس طرح زمین سے پانی کے چشمے پھوٹ پڑتے ہیں اسی طرح آپ کی انگلیوں سے پانی کا فوارہ ابلنے لگا اور اتنا پانی نکلا کہ ہم پندرہ سو آدمیوں نے اسی کو پیا، اسی سے وضو کیا اور تمام ضروریات پوری کیں اور اگر ہم ایک لاکھ ہوتے تب

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

بھی یہ پانی ہمارے لیے کافی ہوتا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس ایک تخت تھا جس پر بیٹھ کر وہ جہاں چاہتے اڑ کر چلے جاتے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے یہ ایک حیرتناک عطیہ تھا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے معراج کی سعادت نصیب فرمائی، مکہ سے آپؐ بیت المقدس گئے، وہاں تمام انبیاء کی امامت فرمائی، پھر ساتوں آسمانوں کی سیر کی، جنت وجہنم کو دیکھا اور اللہ سے ملاقات کی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام مسیح تھے، ان کے چھونے سے مردے زندہ ہو جایا کرتے تھے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مردہ دلوں میں زندگی بھر دی ؎

حسن یوسفؑ دمِ عیسیٰ ید بیضا داری　　آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہاداری

دوسرے تمام انبیاء کے مقابلہ میں رسالت محمدی کو چار امتیازی خصوصیات حاصل ہیں۔

آپؐ کی رسالت کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ وہ عالمگیر ہے۔ آپؐ سے پہلے جتنے انبیاء مبعوث کئے گئے وہ سب کے سب کسی مخصوص قوم کے لیے آتے تھے، تمام کے تمام انسانوں کے لئے نہیں۔ وہ کسی مخصوص خطے کے لیے ہوتے تھے پوری دنیا کے لیے نہیں۔ ان کی لائی ہوئی شریعت کسی مخصوص مدت کے لیے ہوتی تھی ہمیشہ کے لئے نہیں، لیکن اس کے برخلاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی خاص قوم یا کسی مخصوص خطے کے لئے نہیں بلکہ پوری دنیا کے انسانوں کے لیے نبی ورسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے سورۂ سبا میں آپ کو مخاطب کر کے فرمایا:

وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَافَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیْراً وَّ نَذِیْراً. وَّلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَایَعْلَمُوْنَ.

یعنی ''اے محمد ہم نے تمہیں جو بھیجا ہے تو سارے ہی لوگوں کے لیے خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے لیکن بہت سے لوگ سمجھتے نہیں۔''

سورۂ اعراف میں ارشاد ہوا: قُلْ یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعاً. یعنی ''اے محمد! کہہ دو کہ لوگو! یقیناً میں تم سب لوگوں کے لیے اللہ کا رسول ہوں۔''

یہ وہ رتبہ ہے جو آپؐ کے لیے خاص ہے، آپ سے پہلے جتنے نبی آئے کسی کی یہ حیثیت نہیں تھی، کوئی بھی پوری دنیا اور سارے انسانوں کے لیے رسول بنا کر نہیں بھیجا گیا تھا۔ ہر ایک کا دائرہ کار

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محدود تھا، وہ کسی ایک ملک، یا ایک خطہ، یا ایک ہی قوم کو اللہ کا پیغام پہنچانے پر مامور ہوئے تھے۔

بخاری شریف کی روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس منصب کی صراحت کرتے ہوئے فرمایا:

كَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلَى قَوْمِهِ خَاصَّةً وَ بُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ عَامَّةً. یعنی "مجھ سے پہلے کا ہر نبی مخصوص طور پر اپنی ہی قوم کے پاس نبی بنا کر بھیجا جاتا تھا لیکن میں تمام لوگوں کے لیے نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔"

رسالت محمدیؐ کی دوسری امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ جس طرح آپؐ کی نبوت عالمگیر ہے اسی طرح ہمیشہ کے لیے بھی ہے۔ آپؐ سے پہلے جتنے انبیاء دنیا میں آئے ہر نبی کے بعد کوئی نہ کوئی نبی آتا رہا لیکن آپؐ پر نبوت ورسالت کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ نے سورۂ احزاب میں آپؐ کے متعلق فرمایا: وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ. یعنی "بلکہ وہ اللہ کے رسول اور سارے نبیوں کے خاتم ہیں۔"

خاتم مہر کو کہتے ہیں، جب کسی دستاویز پر مہر لگا دی جاتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اب اس میں سے نہ کوئی چیز کم کی جا سکتی ہے اور نہ اس میں کوئی چیز بڑھائی جا سکتی ہے۔ اللہ کی طرف سے اپنے آخری رسول کو سارے انبیاء کا خاتم فرمایا جانا اس حقیقت کا نہایت بلیغ انداز میں اعلان ہے کہ اب رسالت کا سلسلہ ختم کیا جاتا ہے اور یہ آخری رسولؐ قیامت تک کے لیے ہمارا پیغام لے کر بھیجا گیا ہے۔ اس کے بعد اب کوئی نبی نہیں آئے گا۔

اس فیصلہ خداوندی کی خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بیشمار موقعوں پر اپنے الفاظ میں دی ہے۔ مثلاً: بخاری کی روایت کے مطابق آپؐ نے فرمایا۔ خُتِمَ بِيَ الْبُنْيَانُ وَ خُتِمَ بِيَ الرُّسُلُ. یعنی "مجھ سے نبوت کی عمارت مکمل ہو گئی اور میرے ذریعے رسولوں کا سلسلہ ختم ہو گیا۔" یہ بھی فرمایا: اِنَّهٗ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ. یعنی "بلاشبہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔"

ایک مثال:

جب رات ہوتی ہے اور اس کی تاریکی ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے تو ہر گھر کو روشن کرنے کے لیے الگ الگ چراغ جلائے جاتے ہیں۔ کسی گھر میں بجلی کا بلب جلتا ہے تو کسی میں راڈ، کہیں دیئے سے روشنی حاصل کی جاتی ہے تو کہیں لالٹین سے، مگر جب صبح ہوتی ہے اور ساری

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دنیا کو منور کرنے کے لیے سورج نکل آتا ہے تو سارے چراغ بجھ جاتے ہیں یا بجھا دیئے جاتے ہیں، سورج کے ہوتے کوئی شخص اپنا کام چراغ کی روشنی میں نہیں کرتا، لکھنے والا لکھنے کا کام، پڑھنے والا پڑھنے کا کام، کسان اپنی کھیتی کا کام، تاجر اپنی تجارت کا کام، سب سورج ہی کی روشنی میں انجام دیتے ہیں۔ سورج کے ہوتے ہوئے کوئی شخص چراغ کی روشنی حاصل کرنے کی کوشش کرے تو اسے پاگل ہی کہا جائے گا۔

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے ہزاروں انبیاء آئے۔ کسی نے اس خطے کو روشن کیا تو کسی نے اس علاقہ کو، کسی نے اس ملک میں اپنی روشنی پھیلائی تو کسی نے اس قوم میں نورِ ہدایت پھیلایا مگر جب سارے جہان کی ہدایت کے لیے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو تمام انبیاء کی شریعتیں ختم کر دی گئیں کیوں کہ اب ان کی ضرورت ہی نہیں رہی۔ جیسے سورج کے ہوتے چراغوں کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

احادیث میں آتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو زندہ آسمان پر اٹھا لیے گئے تھے قیامت کے قریب زمین پر اتریں گے لیکن وہ دینِ عیسوی پر نہیں بلکہ دینِ محمدی کی پابندی کریں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف موقع پر فرمایا جیسا کہ مشکوٰۃ میں ہے کہ ''خدا کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے، اگر حضرت موسیٰ تمہارے درمیان آجائیں اور میری اطاعت چھوڑ کر تم ان کی پیروی کرنے لگو تو گمراہ ہو جاؤ گے۔ اگر موسیٰ زندہ ہوتے اور میری نبوت کا زمانہ پاتے تو ان کو میری پیروی کے بغیر چارہ نہیں ہوتا۔''

رسالتِ محمدی کی تیسری امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ آپؐ سے پہلے جتنے انبیاء آئے ان کی لائی ہوئی شریعتوں میں سے کسی کی یہ شان نہیں تھی کہ وہ ہر پہلو سے کامل ہو، البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو دین و شریعت لے کر آئے وہ ہر پہلو سے کامل ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپؐ سے پہلے مبعوث کئے ہوئے انبیاء کی شریعتوں کو ناقص کہا جائے اور یہ سمجھا جائے کہ ان کی لائی ہوئی شریعتوں میں ان کی قوم کے لیے ہدایت کا پورا سامان نہیں ہوتا تھا۔ جس کو ہم ایک مثال سے سمجھ سکتے ہیں۔

ایک مثال:

فرض کیجئے ایک کمرہ ہے جس میں سو واٹ کا ایک بلب لگا ہے، جس سے پورا کمرہ روشن

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے، بجلی کی اس روشنی سے کمرہ کی ہر چھوٹی بڑی چیز دکھائی دیتی ہے، اس کمرہ کو روشن رکھنے کے لیے یہ بلب کافی ہے، مگر پورے گھر کی روشنی کے لیے قطعاً ناکافی ہے۔ گویا بجلی کا یہ بلب مکمل ہوتے ہوئے بھی نامکمل ہے اور نامکمل ہوتے ہوئے بھی مکمل ہے۔

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جتنی شریعتیں آئیں وہ اس زمانے، اس قوم، یا اس خطے کی ہدایت کے لیے کافی تھیں لیکن چوں کہ ان میں کی ہر شریعت صرف ایک مخصوص قوم کے لیے تھی تمام انسانوں کے لیے نہ تھی، صرف ایک محدود علاقہ کے لیے تھی پوری دنیا کے لیے نہ تھی، صرف کسی خاص زمانہ اور محدود مدت کے لیے تھی، ہمیشہ کے لیے نہ تھی، اس لیے قدرتی طور پر اس میں نہ عالمی معاملات و مسائل کے بارے میں ہدایتیں ہوتی تھیں اور نہ ان کی تعلیمات کا مزاج بین الانسانی ہوتا تھا۔ غرض جس طرح ان کی مخاطبت کا دائرہ محدود تھا اسی طرح ان کی تعلیمات کا مجموعہ بھی مختصر اور محدود تھا۔

لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت اور حکمت کا یہ فیصلہ ہوا کہ ایک ایسا نبی بھیجا جائے جو سب کے لیے ہو اور جس کی شریعت ہمیشہ کے لیے ہو، تو اس فیصلہ کا فطری تقاضہ تھا کہ اس نبی پر نازل ہونے والے دین کا مزاج بھی بین الانسانی ہو اور اس کی تعلیمات، ہر زمانہ، ہر ملک اور ہر طرح کے انسانی مسائل پر حاوی ہوں۔

اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد اللہ کی طرف سے اعلان ہو گیا۔ جیسا کہ سورۂ مائدہ میں ارشاد ہوا:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا. ''آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کر لیا۔''

رسالت محمدی کا چوتھا امتیازی وصف یہ ہے کہ آپؐ پر جو کتاب نازل کی گئی یعنی قرآن مجید، وہ جوں کی توں بلا ترمیم و تحریف کے محفوظ ہے اور قیامت تک محفوظ رہے گی۔ اس میں ایک لفظ کیا ایک حرف کی بھی کمی بیشی نہیں ہوئی ہے اور نہ ہو سکے گی۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے جیسا کہ سورۂ حجر میں فرمایا گیا:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ. یعنی ''اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ قرآن ہم

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے نازل کیا ہے اور یقیناً ہم خود اس کو محفوظ رکھنے والے ہیں۔''

چنانچہ عقیدت ہی نہیں بلکہ تاریخ بھی اس پر گواہ ہے کہ قرآن اب تک محفوظ چلا آ رہا ہے اور حفظ و تلاوت ہی نہیں بلکہ تمدنی حالات بھی یہی کہتے ہیں کہ مستقبل کے آخری لمحے تک اس کی اس صفت میں داغ لگنے کا امکان نہیں ہے۔

اس حقیقت کا اعتراف غیر مسلم مفکرین نے بھی کیا ہے۔ انسائیکلو پیڈیا آف برنائیکا میں لکھا ہے کہ ''وہ قرآن بالکل مستند شکل میں محفوظ ہے، حضرت محمدؐ نے جو الفاظ بطورِ الہام اپنی زبان سے نکالے تھے قرآن عین انہی الفاظ پر مشتمل ہے جو آپؐ کی زندگی میں ہی مرتب کر لئے گئے تھے۔ مقدس کتابوں کی تاریخ میں یہ بات انتہائی عجیب ہے کہ ہرن کی کھال پر لکھا ہوا وہ قرآن آج بھی تاشقند کی لائبریری میں محفوظ ہے جو پیغمبر اسلام کے داماد اور خلیفۂ ثالث حضرت عثمان غنیؓ کے زیر مطالعہ رہتا تھا۔ قرآن کے ابتدائی نسخہ اور موجودہ متداول نسخوں میں ایک لفظ کا بھی فرق نہیں۔''

سر ولیم میور نے لکھا ہے کہ ''یہی ایک نکتہ کہ مسلمانوں کے ہر فرقے ہر زمانہ میں قرآن کے ایک ہی نسخے کی پیروی کر رہے ہیں، قطعی طور پر ثابت کر دیتا ہے کہ جو قرآن آج ہمارے ہاتھوں میں ہے، وہی قرآن ہے جسے حضرت عثمانؓ کے حکم سے جمع کیا گیا تھا۔ میرا گمان ہے کہ قرآن کے سوا تمام دنیا میں کوئی کتاب ایسی نہیں جس کا متن بارہ صدیوں تک اتنا محفوظ اور آلائش سے پاک رہا ہو۔''

وما علینا الا البلاغ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سیرتِ طیبہ

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ کَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی. اَمَّا بَعْدُ!

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ.

محمدؐ پیشوا اور رہنمائے خلق و عالم ہیں ۔۔۔ معزز ہیں، مقدس ہیں، معظم ہیں، مکرم ہیں

انہی کے رنگ سے رنگ گل ہستی کی زینت ہے ۔۔۔ انہی کی بو سے عطر آگیں بنی آدم کی طینت ہے

معانی انکے روشن تھے اندھیرے میں اجالے میں ۔۔۔ سا جاتا تھا خوف ان سے تعرض کرنے والے میں

وہ یوں اصحاب میں تھے جسطرح ہو چاند ہالے میں ۔۔۔ مصنف سیل کو لکھنا پڑا اپنے رسالے میں

محمدؐ کی وہ نظریں تھیں کہ دل میں راہ کرتی تھیں

زباں میں وہ فصاحت تھی کہ قومیں واہ کرتی تھیں

حضرات! اس حقیقت سے ہر مسلمان اچھی طرح واقف ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی وہ آخری کتاب ہے جو امام الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، خاتم النبیین ہیں، تو قرآن خاتم الکتب ہے۔ یعنی جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد نبوت ورسالت کا سلسلہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا، اسی طرح قرآن مجید کے نازل ہو جانے کے بعد آسمانی کتابوں کے نزول کا سلسلہ بھی بند کر دیا گیا۔

قرآن مجید سے پہلے بھی کچھ آسمانی کتابیں مختلف انبیاء پر نازل کی گئی تھیں، جن میں سے مشہور کتابوں کا ذکر قرآن میں بھی ہے، جیسے:

توریت، حضرت موسیٰ علیہ السلام پر۔ زبور، حضرت داؤد علیہ السلام پر۔ انجیل، حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وغیرہ۔ مگر ان میں سے کوئی بھی آسمانی کتاب اب اصلی حالت میں باقی نہیں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ زبور تو صفحۂ ہستی سے مٹ چکی ہے، اب اس کا وجود ہی باقی نہیں ہے۔ اس وقت جو توریت موجود ہے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے تین سو برس کے بعد لکھی گئی تھی، جس سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ خدائی کلام ہے یا انسانی کلام؟ جہاں تک انجیل کا سوال ہے، عیسائیوں نے اسے اس قدر بگاڑا، اس میں ایسی ترمیم و تحریف کی کہ پوری کتاب گڈمڈ ہوگئی۔ آپ اسے ایک مثال سے سمجھئے۔

ایک مثال:

دہلی کے لال قلعہ کے اندر ایک بہت ہی خوبصورت عمارت ہے جو دیوانِ خاص کے نام سے مشہور ہے، اس کی سنگ مرمر کی دیواروں میں کہیں کالے، کہیں سرخ رنگ سے کچھ بیل بوٹے، نقش و نگار اور پھول پتیاں بنی ہوئی ہیں اور یہ سب چیزیں دیوار میں اس طرح جڑی ہیں کہ اس کا حصہ معلوم ہوتی ہیں۔ بتایا جاتا ہے کہ ان جگہوں پر پہلے ہیرے جواہرات لگے تھے، چاندی اور سونا لگا تھا مگر جب انگریز یہاں آئے تو انہوں نے ان دیواروں سے تمام قیمتی سامان نکال کر ان کی جگہ کالا اور سرخ پتھر بھر دیا۔ اب ان دیواروں کو دیکھ کر یہ معلوم نہیں کیا جاسکتا کہ کہاں ہیرا لگا تھا، کہاں موتیاں لگی تھیں اور کہاں سونا لگا تھا۔

تو جس طرح انگریزوں نے لال قلعہ کی اس عمارت کو بگاڑا تقریباً اسی طرح کا سلوک عیسائیوں نے انجیل کے ساتھ کیا کہ پوری کتاب گڈمڈ کردی۔

لیکن قرآن مجید، جسے نازل ہوئے چودہ سو برس سے زیادہ کا عرصہ گذر گیا، بلا کسی ترمیم و تحریف کے محفوظ ہے اور قیامت تک محفوظ رہے گا ؎

تغیر ہوگیا سارے مذاہب کی کتابوں میں ٹلا شوشہ نہ ہرگز ایک، قرآنِ محمدؐ کا

اس چودہ سو سالہ دور میں مسلمان مختلف قسم کے حادثات کے شکار ہوئے۔

ساتویں صدی ہجری میں مسلم دنیا تاتاریوں کی زبردست یلغار کا شکار ہوئی، تاتاریوں کی یہ یلغار اس قدر تباہ کن تھی کہ اس نے عالم اسلام کو زیر و زبر کرڈالا اور ترکستان، خراسان، اصفہان، آذربائیجان، افغانستان، شام اور عراق وغیرہ تک جتنے مسلم ممالک تھے سب کو لوٹ مار اور قتل و غارت گری کا قبرستان بنادیا۔ یہ شکاریوں کی طرح مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے اور ان کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک دور ایسا بھی آیا کہ اندلس میں مسلمانوں کا وہ قتل عام ہوا کہ تالاب اور گڑھے ان کی لاشوں سے پٹ گئے۔

مگر ان تمام حادثات کے باوجود قرآن محفوظ رہا اور اس لیے محفوظ رہا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے، جیسا کہ اس نے سورۂ حجر میں فرمایا: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ. یعنی ''بلا شبہ یہ قرآن ہم نے نازل کیا ہے اور یقیناً ہم ہی اس کے محفوظ رکھنے والے ہیں۔'' اب بجا طور پر یہ کہا جا سکتا ہے ؎

فانوس بن کے جس کی حفاظت ہوا کرے　　　وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

چنانچہ قرآن کے خلاف کتنا ہی واویلا مچایا جائے، قرآن پر پابندی لگانے کے لیے زمین اور آسمان ایک کر دیا جائے، اس کے خلاف دنیا کی ہر عدالت میں رٹ دائر کر دیا جائے اور اس عظیم کتاب پر اپنا غصہ اتارنے کے لیے دشمنانِ اسلام اپنے سارے حربے استعمال کر ڈالیں مگر اللہ کے وعدہ کے مطابق یہ محفوظ ہے اور مستقبل کے آخری لمحہ تک محفوظ رہے گا ؎

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن　　　پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

اللہ تعالیٰ نے جس طرح قرآن مجید کی حفاظت فرمائی، اسی طرح اس نے قرآن کی تشریح و توضیح کی حفاظت کا بھی انتظام فرمایا، جس طرح قرآن مجید محفوظ ہے اسی طرح اس کی توضیح وتشریح بھی محفوظ ہے اور قرآن کی تشریح وتوضیح حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک ہے۔

مسلم کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے پوچھا کہ آپ کی سیرت کیسی تھی، آپ کا اخلاق کیسا تھا تو انہوں نے دوٹوک جواب دیا کہ کیا تم قرآن نہیں پڑھتے۔ كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنُ. ''قرآن ہی آپ کی سیرت تھی۔''

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی قرآن کی عملی تفسیر تھی، آپ قرآنی تعلیمات کا چلتا پھرتا نمونہ تھے۔

آپ کی مدت عمر کل ترسٹھ سال تھی، تیئس سالہ نبوی زندگی اور اس سے پہلے کا چالیس سالہ دور۔ اور آپ کی حیات طیبہ کا ہر لمحہ ... پیدائش سے لے کر وفات تک، آپ کے زمانے کے لوگوں کے سامنے تھا اور آپ کی وفات کے بعد اب تاریخ عالم کے سامنے ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چنانچہ پیدائش، دودھ پینے کا زمانہ، بچپن، جوانی، تجارت، شادی، غار حرا کی عبادت، گوشہ نشینی، خانۂ کعبہ میں حجر اسود نصب کرنا، وحی، اسلام کا ظہور، دعوت وتبلیغ، مخالفت، سفر طائف، معراج، ہجرت، غزوات، دعوت اسلام کے لیے نامہ و پیام، حجتہ الوداع، بیماری اور وفات وغیرہ ان میں سے کون زمانہ ہے جو دنیا کی نگاہوں کے سامنے نہیں ہے اور آپ کی کون سی حالت ہے جس سے اہل تاریخ ناواقف ہیں؟

آپ کا اٹھنا بیٹھنا، سونا جاگنا، شادی بیاہ، بال بچے، دوست واحباب، نماز وروزہ، دن رات کی عبادت، صلح وجنگ، آمد ورفت، سفر وحضر، نہانا دھونا، کھانا پینا، ہنسنا رونا، پہننا اوڑھنا، چلنا پھرنا، ہنسی مذاق، بول چال، خلوت وجلوت، ملنا جلنا، طور طریق، رنگ وبو، خدوخال، قد وقامت، یہاں تک کہ میاں بیوی کے خانگی تعلقات اور ہمخوابی وطہارت کے واقعات اور اس کا ہر چھوٹا بڑا حصہ پوری روشنی میں مذکور ومحفوظ ہے۔

دنیا میں بہت سے انبیاء، مصلح، حکمراں اور ریفارمر آئے لیکن کسی کو یہ شرف نہیں ملا کہ اس کی پوری زندگی کے حالات محفوظ اور مذکور ہوں، پوری دنیائے انسانیت میں یہ سعادت صرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے۔

آپؐ نے جو کچھ فرمایا، جو کچھ بتایا، جن کاموں سے روکا، جن باتوں کو پسند فرما کر انہیں سراہا، یہ ساری چیزیں آئینہ کی طرح ہمارے سامنے موجود ہیں۔

آپ کی عبادت کیسی تھی، روزمرہ کی زندگی میں آپ کا معمول کیا تھا، روزی کمانے میں آپؐ نے کن کن طریقوں کو اپنایا، سماجی زندگی میں آپؐ نے کون سا رویہ اختیار کیا، الجھے ہوئے مسائل کو کس طرح سلجھایا، سیاسی فیصلوں میں کن کن باتوں کو ملحوظ رکھا، یہ تمام باتیں کتب احادیث میں محفوظ ہیں۔ یہی نہیں بلکہ چودہ سو برس سے زیادہ کا زمانہ گذر جانے کے باوجود، کوئی شخص جاننا چاہے تو جان سکتا ہے کہ آپ کس طرح کنگھی کرتے تھے، جوتا کس طرح پہنتے تھے، کس طرح سرمہ لگاتے تھے، کس طرح عمامہ باندھتے تھے، آپ کی گفتگو کیسی ہوتی تھی اور آپؐ کے چلنے اور بیٹھنے کا انداز کیا تھا وغیرہ۔

آپ کی زندگی کی کوئی کڑی گم نہیں ہے، کوئی واقعہ زیر پردہ نہیں ہے۔ جو کچھ ہے وہ تاریخ کے صفحات پر آئینہ ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلام کی نگاہ میں آپؐ کی سیرت پاک دنیا کے تمام مسلمانوں کے لیے کامل نمونہ ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ احزاب میں فرمایا:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا. یعنی "بے شک تمہارے لیے (یعنی) ان لوگوں کے لیے جو اللہ سے اور آخرت کی ہولناکیوں سے ڈرتے ہیں اور کثرت سے اللہ کی یاد کرتے ہیں، رسول اللہؐ کی زندگی میں کامل نمونہ موجود ہے۔"

آپؐ اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ ڈرنے والے تھے اور اللہ کے نزدیک وہی شخص معزز و مکرم ہے جو سب سے زیادہ اس سے ڈرنے والا ہو، جیسا کہ سورۂ حجرات میں ارشاد ہوا: اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاكُمْ. یعنی "تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہو۔"

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پوری دنیائے انسانیت ہی میں نہیں بلکہ تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ بلند مقام پر فائز ہیں تو لازمی ہے کہ آپؐ اللہ سے سب سے زیادہ ڈرنے والے تھے۔

خوفِ خدا:

جب آپؐ کے ایک صاحبزادے حضرت ابراہیمؓ، جو حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے ۹ھ میں پیدا ہوئے تھے، کی ڈیڑھ سال کی عمر میں وفات ہوگئی تو موت سے پہلے آپؐ اپنے بچے کے سر کو اپنے زانو پر رکھے ہوئے تھے۔ شدید تکلیف سے حضرت ابراہیمؓ بہت بے چین تھے، آپ نے فرمایا: بیٹا ابراہیم! ہم تمہاری جدائی میں تڑپ رہے ہیں لیکن میری زبان سے کبھی کوئی بات نہیں نکل سکتی جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائے۔

صحابہؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رات میں عبادت میں مشغول ہوتے تو خوفِ خدا سے اس قدر روتے جیسے کوئی دیگچی، جو چولہے پر رکھی ہو اور اس سے کھانا پکنے کی آواز آئے۔

نماز:

نماز سے آپؐ کو اس قدر محبت تھی کہ فرمایا کرتے تھے قُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلٰوةِ. یعنی نماز میں میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور عملی طور پر یہ حالت تھی کہ اکثر راتوں رات نماز میں اس طرح مشغول رہتے کہ مسلسل کھڑا ہونے کی وجہ سے پاؤں میں ورم آ جاتا تھا۔ جب آپؐ سے کہا جاتا کہ یا رسول اللہ آپ تو بخشے بخشائے ہیں پھر آپ کو اس قدر محنت کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ تو آپ فرماتے۔ اَفَلاَ اَكُوْنُ عَبْداً شَكُوْراً۔ یعنی ''کیا میں اللہ کا شکر گذار بندہ نہ بن جاؤں۔''

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپؐ ہمارے پاس بیٹھے رہتے، پیار بھری باتیں کرتے، اچانک اذان ہو جاتی، نماز کا وقت ہو جاتا تو آپؐ فوراً اٹھ کھڑے ہوتے اور ہم سے اس طرح نگاہیں پھیر لیتے جیسے کہ ہمیں پہنچاتے ہی نہیں ہیں۔

تواضع:

آپؐ نے اپنی زندگی میں ایسے بہت سے کارنامے انجام دیئے کہ آپ کی تدبیروں سے بڑی بڑی مصیبتیں ٹل گئیں، بڑی بڑی جنگوں کے امکانات ختم ہو گئے۔ مثلاً صحیح بخاری و سیرت ہشام کی روایت کے مطابق جب آپؐ کی عمر ۳۵ سال کی تھی، خانہ کعبہ کی عمارت خستگی کا شکار ہو گئی تھی، اس کی دیواریں پھٹ گئی تھیں، ادھر اسی سال سیلاب آیا جس کا رخ خانہ کعبہ کی طرف تھا، اس کے نتیجہ میں یہ کسی بھی وقت گر سکتا تھا، اس لیے قریش مجبور ہو گئے کہ کعبہ کا مرتبہ و مقام بلند رکھنے کے لئے اسے گرا کر از سر نو تعمیر کریں۔

جب اس کی تعمیر حجر اسود تک مکمل ہو گئی تو یہ جھگڑا کھڑا ہو گیا کہ حجر اسود کو کون اس کی جگہ نصب کرے۔ ہر قبیلہ یہ چاہتا تھا کہ یہ سعادت اسی کے حصہ میں آئے۔ یہ تنازعہ پانچ روز تک جاری رہا اور معلوم ہوتا تھا کہ اس کے لیے حدود حرم میں سخت خون خرابہ ہوگا۔ آخر کار ایک بوڑھے نے یہ تجویز پیش کی کہ لڑو نہیں، کل جو شخص حرم میں سب سے پہلے آئے اسی کو ثالث مان کر اسی کے فیصلہ کو سب تسلیم کر لیں۔ تمام لوگ اس تجویز پر متفق ہو گئے۔ اللہ کی مشیت کہ صبح ہوتے ہی حرم میں سب سے پہلے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ لوگوں نے دیکھا تو خوشی سے چلا اٹھے۔ هٰـذَا الْاَمِيْنُ رَضِيْنَاهُ هٰذَا مُحَمَّدٌ۔ یعنی ''یہ امین ہیں، ہم ان سے راضی ہیں، یہ تو محمدؐ ہیں۔'' آپؐ نے تمام حالات کا جائزہ لیا، پھر ایک چادر منگوائی، حجر اسود کو اس میں رکھا اور قبائل کے سرداروں سے کہا کہ آپ سب حضرات چادر کا کونا پکڑ کر اسے اٹھائیں۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ جب چادر حجر اسود کے مقام تک پہنچ گئی تو آپؐ نے اپنے دستِ مبارک سے اسے اس کی جگہ پر رکھ دیا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ بڑا معقول فیصلہ تھا۔ اس پر ساری قوم راضی ہوگئی اور ایک بہت بڑی خونریزی کا خطرہ ٹل گیا۔

مگر اس طرح کے کارناموں کے متعلق آپؐ نے کبھی یہ نہیں کہا کہ میں نے یہ کیا، یا میری تدبیروں سے ایسا ہوا، یا میں نہ ہوتا تو حالات بہت بگڑ جاتے بلکہ آپؐ نے ہمیشہ یہی کہا کہ جو کچھ ہوا اللہ کی مرضی اور اسی کی توفیق سے ہوا۔

آپؐ نبوت و رسالت کے اتنے بڑے منصب پر فائز تھے، جس کی نصرت و تائید زمین کے ہر ذرہ اور آسمان کے ہر ستارے سے ہوتی تھی لیکن آپؐ نے اپنے اندر کبھی بڑائی کا احساس نہیں پیدا ہونے دیا۔ کبھی فخریہ کلمات اپنی زبان سے نہیں نکالے، کسی کو حقیر نگاہوں سے نہیں دیکھا، بلکہ آپؐ نے اپنے متعلق فرمایا اَلْعِجْزُ فَخْرِیْ. یعنی عاجزی میرا فخر ہے۔

ایک بار ایک شخص آپؐ سے ملنے آیا اور ڈرتے ڈرتے آپ کی طرف بڑھا۔ آپ نے فرمایا مجھ سے ڈرو نہیں، میں تو ایک ایسی عورت کا بیٹا ہوں جو غریبی کی وجہ سے سوکھا گوشت کھایا کرتی تھی۔

آپؐ کبھی اپنے کو بڑا نہیں سمجھتے تھے اور ہمیشہ خواہ کتنا ہی چھوٹا کام ہو کرنے کے لیے تیار ہو جاتے تھے۔

ایک دفعہ آپؐ اپنے اصحابؓ کے ساتھ کہیں دور گئے، جب کھانا پکانے کی ضرورت پیش آئی تو آپؐ نے جنگل سے لکڑیاں لانے کا کام اپنے ذمہ لے لیا۔

ایک بار کئی صحابہؓ جنگ پر گئے ہوئے تھے، ان کے گھر کوئی مرد نہ تھا اور عورتوں کو دودھ دوہنا نہ آتا تھا، آپؐ ہر روز ان کے گھر جا کر دودھ دوہ آیا کرتے تھے۔ اسی طرح غریب عورتیں آپؐ کے پاس آ کر مختلف کام بتا جاتی تھیں اور اٹھ کر آپؐ سب کے کام کر آتے تھے۔

ترمذی میں ہے: ''جب آپ کسی اونچی چیز پر چڑھتے یا گھوڑے پر سوار ہوتے یا کسی پہاڑی پر جاتے تو کہتے اللہ اکبر، اللہ اعلیٰ واجل ''اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے اعلیٰ واجل ہے۔''

علامہ ابن القیمؒ نے لکھا ہے: ''آپؐ کے پاس بہت سے گھوڑے تھے جن پر سوار ہوتے تھے، خچر بھی تھے، اونٹنیاں بھی تھیں اور گدھے بھی، کبھی کبھی گدھے یا خچر پر اس لیے سوار ہوتے کہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دل میں کسی قسم کے تکبر کا شائبہ نہ آنے پائے۔''

آپؑ نے ہمیشہ نقش ونگار والے کپڑوں سے پرہیز کیا اور سادہ کپڑا پہنا۔ آپؑ فرماتے کہ منقش کپڑوں کی وجہ سے میری نماز میں خلل پڑتا ہے۔

آپؑ مجلس میں نمایاں ہو کر نہ بیٹھتے تھے اور مصافحہ کرتے وقت خود پہلے اپنا ہاتھ نہ کھینچتے تھے۔

آپ کا دل فخر وریا سے بالکلیہ طور پر پاک اور تواضع اور سادگی کے حقیقی حسن سے مزین تھا۔

آپؑ کے مزاج میں غضب کی انکساری تھی، کوئی تعظیم کے لیے کھڑا ہوتا تو اسے منع کر دیتے، کوئی غلام بھی آپ کو کھانے پر بلاتا تو اس کے یہاں بے تکلف چلے جاتے اور سب کے ساتھ مل کر کھانا کھاتے۔ جب کسی مجمع میں جاتے تو سب کے ساتھ مل کر بیٹھتے تھے۔ جب کوئی دوسرا بات کرتا تو اس میں ہرگز دخل نہ دیتے، اگر کچھ کہنا ضروری ہوتا تو حلیمی اور بردباری سے جواب دیتے تھے۔

فیاضی:

آپ کی فیاضی بے مثال تھی۔ حتی الامکان کسی کے سوال کو رد نہ کرتے تھے اور خود تکلیف اٹھا کر اور بھوکا رہ کر دوسروں کے سوال کو پورا کرتے تھے۔ جب کہیں سے مال یا سامان آجاتا تو جب تک اسے تقسیم نہ کر دیتے آپ کو چین نہ آتا تھا۔ غریبوں، یتیموں، بیواؤں، مسکینوں اور ضرورت مندوں کی امداد کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے۔

ترمذی کی روایت ہے کہ ایک بار آپؑ کے پاس چار اونٹوں پر غلہ لد کر آیا۔ حضرت بلالؓ نے اسے بیچ کر یہودیوں کا قرض ادا کیا۔ جب حضرت بلالؓ واپس آئے تو آپؑ نے پوچھا کہ کچھ غلہ بچا ہے؟ جب یہ معلوم ہوا کہ غلہ ابھی باقی ہے تو فرمایا جب تک غلہ تقسیم نہ ہو جائے، میں گھر نہیں جا سکتا۔ چنانچہ اس رات آپؑ نے مسجد ہی میں قیام فرمایا اور دوسرے دن غلہ تقسیم کر کے ہی گھر لوٹے۔

بخاری شریف میں ہے: ''ایک دن آپؑ اصحابؓ صفہ کو ہمراہ لے کر حضرت عائشہؓ کے گھر گئے اور جو کچھ گھر میں تھا سب کھلا دیا۔''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک دفعہ آپؐ کے پاس چادر نہ تھی، کسی نے لا کر آپ کو دی اور کہا اسے میں نے آپؐ کے لیے اپنے ہاتھوں سے بنا ہے۔ آپؐ نے اسے اوڑھ لی۔ کسی نے کہا، کیسی اچھی چادر ہے، مجھے دے دیجیے۔ فوراً اتار کر اسے دے دی۔

فتح الباری میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے: مَا سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ فَقَالَ لَا. یعنی "کبھی آپؐ نے کسی سائل کے سوال پر انکار نہیں کیا۔"

احمد کی روایت ہے: لَا يُسْئَلُ شَيْئًا اِلَّا اَعْطَاهُ. یعنی "آپؐ سے جو چیز مانگی جاتی اسے ضرور دے دیتے۔"

صحیح مسلم میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دو پہاڑوں کے برابر بکریاں مانگیں۔ آپؐ نے اسے دلوا دیں۔ پھر وہ اپنے قبیلہ میں جا کر کہنے لگا، لوگو! مسلمان ہو جاؤ، خدا کی قسم محمدؐ اتنا دیتے ہیں کہ اپنے محتاج ہونے سے بھی نہیں ڈرتے۔

عدل و انصاف:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر صفت عدل حدِ کمال تک پہنچی ہوئی تھی۔ اس معاملہ میں آپؐ نے کبھی بھی اپنے اور غیر میں امتیاز نہیں کیا اور کسی بھی موقع پر آپؐ نے جانبداری سے کام نہیں لیا۔

لیکن آپ کی اس خوبی پر نگاہ ڈالنے سے پہلے ہم حضرات صحابہ کرامؓ کے عدل و انصاف کو دیکھیں۔ اس سلسلے میں تاریخ اسلام کا ایک مشہور لیکن انتہائی عبرتناک واقعہ آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں جس کا تعلق عہد فاروقی سے ہے۔

ایک واقعہ:

مصر کے فاتح اور گورنر حضرت عمرو ابن عاصؓ کے لڑکے کے خلاف ایک عیسائی نے حضرت عمرؓ کے پاس آ کر ان سے فریاد کی اور کہا اَيُّهَا الْاَمِيْرُ قَدْ ظَلَمَ عَلَيَّ ابْنُ الْاَمِيْرِ. "اے امیر المومنین! میرے اوپر گورنر کے بیٹے نے ظلم کیا ہے۔ میں نے یہ سنا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے جانشین بڑے انصاف پرور ہوتے ہیں، اس لیے میں وادرسی کی خاطر آپ کی خدمت میں آیا ہوں۔ واقعہ یہ ہے کہ قاہرہ میں گھوڑے دوڑانے کا مقابلہ ہوا۔ میرا گھوڑا بہت تیز تھا جو گورنر کے بیٹے کے گھوڑے سے آگے نکل گیا۔ یہ بات ان کے لیے بہت تکلیف دہ ثابت ہوئی۔ اسے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انہوں نے اپنے لیے باعث توہین سمجھا اور اس کی پاداش میں انہوں نے میری پیٹھ پر کوڑے برسائے۔ دیکھیے یہ چابک کے نشان نمایاں طور پر میری پیٹھ پر نظر آرہے ہیں۔''

حضرت عمرؓ نے فرمایا یہیں ٹھہرو، جب تک تمہیں انصاف نہیں ملے گا میں سکون سے نہیں بیٹھوں گا۔ پھر انہوں نے فاتح مصر حضرت عمرو ابن عاصؓ کے پاس ایلچی بھیج کر انہیں فرزند سمیت فوراً مدینہ آنے کا حکم دیا۔ حضرت عمرو ابن عاصؓ نے خط پاتے ہی تیز رفتار گھوڑے منگوائے اور اپنے فرزند کو لے کر مدینہ پہنچ گئے۔

اب دربار فاروقی میں مظلوم عیسائی، گورنر اور گورنر کے فرزند کھڑے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے عیسائی سے کہا، اپنی شکایت بیان کرو۔ اس نے پورا واقعہ سنایا کہ اس نوجوان نے میری پشت پر صرف اس لیے چابک برسائے ہیں کہ میرا گھوڑا تیز رفتار تھا، اس کے گھوڑے سے آگے نکل گیا۔

حضرت عمرو ابن عاصؓ نے بیٹے کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا اور بیٹے نے اعتراف میں اپنا سر جھکا لیا۔ گویا اس نے تسلیم کرلیا کہ اس سے غلطی سرزد ہوئی ہے۔

حضرت عمرو ابن عاصؓ نے اپنا درہ حضرت عمر فاروقؓ کے سامنے پیش کرتے ہوئے کہا'' امیر المومنین! میرے اس درہ سے اسے سزا دیجئے۔''

حضرت عمرؓ نے فرمایا: ''اس درہ کا کام یہ تھا کہ وہیں مصر میں سزا دیتا، اب درہ میرا ہوگا، ہاتھ اس مظلوم عیسائی کا اور پیٹھ آپ کے مجرم فرزند کی۔''

فاروق اعظمؓ نے اپنا درہ اسے دیتے ہوئے فرمایا: اِضْرِبْهُ كَمَا ضَرَبَكَ وَ اخْذُلْهُ كَمَا خَذَلَكَ. ''اس کو مار جیسے اس نے تجھے مارا تھا اور اس کو ذلیل کر جیسے اس نے تجھے ذلیل کیا تھا۔''

ماحول پر سناٹا چھایا ہوا تھا۔ لوگ حیران تھے کہ ایک قبطی عیسائی گورنر کی موجودگی میں اس کے بیٹے کو چابک لگائے گا۔ عیسائی نے پوری قوت کے ساتھ اس نوجوان کی پشت پر جتنے چابک کھائے تھے اتنے ہی چابک لگائے اور پھر چابک رکھتے ہی چیخ پڑا۔ ''سچ کہا جس نے کہا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے جانشین انصاف پرور ہوتے ہیں'' اور اگلے ہی لمحے وہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوگیا۔

اس واقعہ سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جس کے غلام اتنے انصاف پرور ہوں ان کا آقا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کتنا انصاف پرور ہو گا؟

بخاری میں آپؐ کے عدل و انصاف کا مشہور واقعہ منقول ہے۔

ایک بار قبیلہ بنی مخزوم کی ایک عورت سے چوری کا جرم سرزد ہو گیا اور شہادت کی بناء پر اس کا ثبوت بھی مل گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی قانون کے تحت اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم صادر فرمایا۔

قبیلہ کے سربرآوردہ لوگ اس صورت حال سے بہت فکرمند ہوئے کیونکہ انہیں خدشہ ہو گیا کہ قبیلہ کی لڑکی کا ہاتھ اگر کٹ گیا تو پورے قبیلہ کی ناک کٹ جائے گی۔

طے پایا کہ اس کے عوض چاہے جتنا جرمانہ ادا کرنا پڑے، ہم اس کی ادائیگی کا انتظام کر دیں گے لیکن یہ فیصلہ واپس لے لیا جائے۔

اس سلسلے میں امہات المومنین سے سفارش کے لیے کہا گیا، مگر انہوں نے اس معاملہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لب کشائی سے انکار کر دیا۔ آخر کار آپؐ کے چہیتے غلام حضرت زیدؓ کے صاحبزادے حضرت اسامہؓ کو اس کام پر آمادہ کر لیا گیا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انہیں بہت چاہتے تھے۔

حضرت اسامہؓ نے آپؐ سے عرض کیا، یا رسول اللہ! بنی مخزوم کے لوگ بے چین ہیں، ان کی راتوں کی نیند حرام ہے۔ آپؐ ان پر رحم کیجئے۔ وہ چاہتے ہیں کہ فاطمہ مخزومیہ کا ہاتھ کاٹنے کا جو حکم ہوا ہے، اس سزا میں ترمیم کر کے اس پر بھاری جرمانہ عائد کر دیا جائے جسے وہ ادا کرنے پر تیار ہیں۔ صحابہ کہتے ہیں:

فَغَضِبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.. اس بات کو سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غضبناک ہو گئے، چہرہ انور فرط جلال سے تمتما اٹھا، فرمایا:

يَا اُسَامَةُ اَتَشْفَعُ فِيْ حَدٍ مِنْ حُدُوْدِ اللّٰهِ؟ وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَوْ سَرَقَتْ فَاطِمَةُ بِنْتِ مُحَمَّدٍ لَقَطَعْتُ يَدَهَا.

''اسامہ تیری یہ جرأت کہ اللہ کی حدود میں سفارش کرتا ہے۔ اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے (یہ تو فاطمہ مخزومیہ ہے) اگر فاطمہ بنت محمدؐ سے ایسا جرم سرزد ہو گیا ہوتا (اور وہ ثابت ہو جاتا) تو میں ضرور اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔ دنیا کی کوئی طاقت میری بیٹی کو اللہ کے قانون

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے نہ بچا سکتی۔"

بدر کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ گرفتار کر کے لائے گئے اور بیڑیوں میں جکڑ کر باندھ دیئے گئے۔ وہ رات بھر تکلیف سے کراہتے رہے جس کی وجہ سے رحمتہ للعالمین کو نیند نہیں آرہی تھی، آپؐ سے پوچھا گیا یارسول اللہ آپؐ بار بار کروٹیں کیوں بدل رہے ہیں؟ آپ کو نیند کیوں نہیں آرہی ہے؟ ایک صحابیؓ کو آپؐ کے بتائے بغیر یہ اندازہ ہو گیا کہ حضرت عباسؓ کی تکلیف سے آپ کو تکلیف ہو رہی ہے۔ آخر کار وہ اٹھے اور جا کر ان کی بیڑیاں ڈھیلی کر دیں، تھوڑی دیر کے بعد آپؐ نے پوچھا، اب تو میں کراہنے کی آواز نہیں سن رہا ہوں کیا بات ہے؟ صحابیؓ نے عرض کیا "میں نے ان کی بیڑی کو ڈھیلا کر دیا ہے اس لئے اب ان کو تکلیف نہیں ہو رہی ہے۔" آپؐ نے فرمایا کہ "اگر تم نے ان کے ساتھ یہ سلوک کیا ہے تو جاؤ اسی طرح سب قیدیوں کے ساتھ کر آؤ۔"

کیا اس مہذب اور ترقی یافتہ دنیا میں قیدیوں کے ساتھ برتاؤ میں رحم وعدل کی ایسی مثال مل سکتی ہے؟

قناعت:

آپؐ کی قناعت کا عالم یہ تھا کہ اکثر آپؐ کے گھر میں دو ماہ تک چولہا نہیں جلتا تھا۔ اسی کے ساتھ ساتھ صحابہ کرامؓ کی قناعت کی حالت یہ تھی کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی اور حضرت ابو بکر صدیقؓ خلیفہ بنائے گئے، تو حسب سابق وہ اپنی پیٹھ پر کپڑے کی گٹھری رکھ کر بازار کی طرف چلے، حضرت عمر فاروقؓ نے پوچھا، کہاں کا ارادہ ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ کپڑا بیچنے جا رہا ہوں، حضرت عمرؓ نے کہا، آپ کپڑا بیچیں گے تو خلافت کا کام کون دیکھے گا، حضرت ابو بکرؓ نے کہا، اگر کپڑا نہیں بیچوں گا تو گھر والوں کا گذارہ کیسے ہو گا؟

آخر کار ان کے لیے بیت المال سے راشن مقرر ہو گیا، اسی سے ان کے گھرانے کا گذارہ ہوتا تھا۔ ایک بار ان کی اہلیہ نے ان سے کوئی میٹھی چیز پکانے کی خواہش ظاہر کی۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ ہمارے پاس اتنا کہاں ہے کہ ہم میٹھی چیز کے پکانے کا سامان مہیا کر سکیں۔

چند روز گذرنے کے بعد ان کے سامنے جب کھانا آیا تو اس میں حلوہ تھا۔ کھانا شروع کرنے سے پہلے انہوں نے بیوی سے پوچھا کہ جب ہمارے پاس اس کا کوئی انتظام نہیں تھا تو یہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حلوہ کہاں سے آیا؟ انہوں نے بتایا کہ ہمیں جو راشن ملتا ہے، میں روزانہ اس میں سے تھوڑا سا بچاتی رہی، جب کچھ اکٹھا ہوگیا تو اس کو بیچ کر میں نے حلوہ کا سامان منگوالیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا کہ تم روزانہ اس میں سے بچاتی رہیں اور ہمارا کام بھی چلتا رہا اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو کچھ تم بچار ہی تھیں وہ ہمیں فاضل ملتا ہے۔ یعنی اس کے بغیر بھی ہمارا گذارہ ہوسکتا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے راشن سے کٹوتی کرادی۔

صحابہ کرامؓ کی قناعت کے متعلق کسی شاعر نے کہا ہے ؎

قدموں پہ ڈھیر اشرفیوں کا لگا ہوا   دو چار دن سے پیٹ پہ پتھر بندھا ہوا
کسریٰ کے تخت روندنے کو پاؤں کے تلے   اور بوریا کھجور کا گھر میں بچھا ہوا
اوروں کے واسطے تو ہیں سیم و زر و گہر
اپنا تو ہے یہ حال کہ چولہا بجھا ہوا

جب صحابہ کی قناعت کا یہ عالم تھا تو اس شخصیت کی قناعت کی حالت کیسی رہی ہوگی جس سے انہوں نے قناعت کی تعلیم حاصل کی تھی؟

طبرانی کی روایت کے مطابق، مکی زندگی میں ایک بار آپؐ کے پاس ایک فرشتہ آیا اور اس نے کہا اے نبی! اگر آپؐ فرمائیں تو مکہ کی وادیاں آپؐ کے لیے سونا بنادی جائیں۔ فرشتہ کی اس پیش کش کو سن کر آپ سجدہ میں گر گئے اور اللہ سے التجا کی ''اے میرے پروردگار! میں یہ نہیں چاہتا کہ میرے لیے مکہ کی وادیاں سنا بنادی جائیں، میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ ایک دن کھاؤں اور ایک دن فاقہ کروں، تا کہ جس دن کھاؤں اس دن تیرا شکریہ ادا کروں اور جس دن فاقہ ہو اس دن تجھ سے تضرع و عاجزی کروں۔''

آپ کی زندگی الفقر فخری کا نمونہ تھی۔ آپ کی حالت یہ تھی کہ دنیاوی جاہ و اقتدار آپؐ کے قدموں میں تھا مگر اس کے باوجود کبھی آپؐ فاقہ سے گذر رہے ہیں، کبھی جو کی روٹی اور سادہ پانی پر گذارہ ہو رہا ہے، کبھی پھٹے جوتے خود سی رہے ہیں اور کبھی عبا پر پیوند لگا رہے ہیں۔

جس مکان میں آپ کی وفات ہوئی اس میں ایک چارپائی اور پانی کی ایک ٹھلیا کے سوا کچھ نہیں تھا اور جن کپڑوں میں آپؐ نے وفات پائی اس میں آپؐ کے ہاتھوں کے لگے ہوئے پیوند تھے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خصائص کبریٰ میں ہے۔آپؐ کے حجرہ میں کھجور کی ایک چار پائی تھی جس کے نشانات جسم اطہر پر پڑ جاتے تھے۔بعض جاں نثاروں نے عرض کیا یارسول اللہ! ہم نرم گدا آپؐ کی خدمت میں حاضر کرنا چاہتے ہیں،آپؐ نے فرمایا مجھے دنیا کے آرام کی ضرورت نہیں ہے۔میری مثال اس سوار کی سی ہے جو راستہ میں تھوڑی دیر سایہ لینے کے لیے ٹھہر جائے اور اس کی اصل منزل اور آگے ہو۔

کھانے پینے کا یہ حال تھا کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں ''آپؐ اس دنیا سے چلے گئے مگر دو وقت مسلسل سیر ہو کر کھانا آپؐ کو میسر نہیں ہوا۔'' آپؐ کی ذات سے کبھی کسی کو کوئی تکلیف نہیں پہنچی حتیٰ کہ جانوروں کو بھی نہیں۔

امام بخاریؒ نے الادب المفرد میں ایک واقعہ نقل کیا ہے۔

ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رات کو عشاء کی نماز ادا کرنے مسجد تشریف لے گئے۔ حضرت عائشہؓ نے آپؐ کے لیے روٹی پکائی۔آپؐ نماز سے فارغ ہو کر مسجد سے گھر تشریف لے گئے۔ادھر پڑوس کی ایک بکری آئی اور روٹی منہ میں دبا کر بھاگی۔حضرت عائشہؓ اس کے پیچھے دوڑیں تا کہ اس کے منہ سے روٹی چھین لیں۔آپؐ نے ہاتھ کے اشارہ سے انہیں منع کرتے ہوئے فرمایا یَـاعَـائِشَۃَ لَاتُوْذِیْ شَاۃَ جَارِکِ. یعنی ''اے عائشہ! اپنے پڑوسی کی بکری کو تکلیف مت دو۔''

چنانچہ اس رات آپ بھوکے سو رہے مگر پڑوسی کی بکری کے منہ سے روٹی چھیننا گوارا نہیں کیا۔

آپؐ کی ذات سے لونڈی، غلاموں کو بھی کوئی تکلیف نہیں اٹھانی پڑی۔زاد المعاد میں ایک واقعہ آتا ہے۔

ایک بار آپؐ اپنی کسی بیوی کے پاس تشریف فرما تھے،اسی دوران آپؐ نے اپنی لونڈی بریرہ کو بلایا،لیکن تین بار کے بلانے پر بھی وہ نہیں آئی،آپؐ غصہ میں اٹھے،آپؐ کے کان پر ایک مسواک تھی،اسے اٹھایا اور فرمایا ''بریرہ! میں نے تجھے تین بار بلایا لیکن تو نہیں آئی،اگر مجھے حشر کے دن حساب و کتاب کا ڈر نہ ہوتا تو میں تجھے اس مسواک سے مارتا۔''

مسواک کی ضرب بہت معمولی ہوتی ہے لیکن اللہ کے رسولؐ اپنے لونڈی کو اس کی نافرمانی کے باوجود مسواک تک سے مارنا پسند نہیں فرماتے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آپ ؐ نے جہاد کے علاوہ، اپنی پوری زندگی میں کسی کو نہیں مارا۔ مارنا کیا، کسی کو زبان سے بھی تکلیف نہیں دی چاہے وہ بدترین دشمن ہی کیوں نہ ہو۔

ابوداؤد میں ایک واقعہ منقول ہے۔ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیقؓ اور چند صحابہ کرامؓ کے ہمراہ بیٹھے ہوئے تھے۔ اچانک ابوجہل آ گیا اور آتے ہی اس نے آپؐ کو اور آپؐ کے ساتھیوں کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ آپؐ اور آپؐ کے صحابہؓ خاموشی کے ساتھ اس کی گستاخانہ باتوں کو سنتے رہے۔ جب یہ صورتِ حال ناقابلِ برداشت ہو گئی تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ابوجہل کی بری باتوں کا جواب دینا شروع کر دیا اور اسے برا بھلا کہنے لگے۔ یہ ہونا تھا کہ آپ محفل سے اٹھ کھڑے ہوئے، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے پوچھا، یا رسول اللہ! ہم سے کیا گستاخی ہوئی ہے جو آپؐ اچانک اس طرح اٹھ کھڑے ہوئے؟ آپؐ نے فرمایا: ابوبکر! جس محفل میں رحمت کا فرشتہ نہیں ہوتا وہاں محمدؐ نہیں رہ سکتا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے پوچھا اے اللہ کے نبیؐ! ہم نے سمجھا نہیں۔ آپ نے فرمایا! جب ابوجہل تمہیں برا بھلا کہہ رہا تھا اور تم لوگ خاموشی سے اس کی باتیں سن رہے تھے، تب تک ہمارے درمیان رحمت کا ایک فرشتہ موجود تھا جو ابوجہل کی بری باتوں کے بدلے ہم سب پر اللہ کی رحمت بھیج رہا تھا، لیکن جب تم نے اپنے دشمن کو برا بھلا کہنے کے لیے اپنی زبان کو کھولا تو رحمت کا فرشتہ یہاں سے اٹھ کر چلا گیا۔''

رحمۃ للعالمین:

اور بھلا آپؐ کی ذات سے کسی کو تکلیف کیسے پہنچ سکتی ہے جبکہ آپؐ سارے جہان کیلئے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ انبیاء میں فرمایا: وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ. یعنی ''ہم نے آپ کو سارے جہان کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے۔

وہ آئے اس جہاں میں رحمۃ للعالمیں بنکر   وہ آئے نا خدائے کشتیٔ اہلِ زمیں بن کر

اللہ تعالیٰ رب العالمین ہے تو اللہ کا آخری پیغمبر رحمۃ للعالمین ہے، اللہ سارے جہان کا پالنہار ہے تو اللہ کا رسولؐ سارے جہان کے لیے رحمت ہے۔

چنانچہ آپؐ کی رحمت کا فیضان عورتوں، بچوں، یتیموں، بیواؤں، مسافروں، قیدیوں، غلاموں، لونڈیوں، رعایا، امراء سب تک پہنچا۔

عربی میں جب کہا جاتا ہے زیدٌ عادلٌ تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ زید عادل ہے۔ یعنی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کے اندر عدل وانصاف کی صفات پائی جاتی ہیں مگر جب کہا جاتا ہے زیدؔ عدل ''زید انصاف ہے'' تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ زید کے اندر انصاف کی صفت حد کمال تک پہنچی ہوئی ہے، یعنی انصاف اس کی ذات پر ختم ہے۔

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ نہیں کہا گیا کہ آپؐ رحم کرنے والے ہیں بلکہ یہ فرمایا گیا کہ آپؐ سارے جہان کے لیے رحمت ہیں۔

جہاں تک رحمت وشفقت کا سوال ہے، ایک شفقت تو وہ ہے جو والدین کو اولاد سے، استاد کو شاگرد سے یا بڑوں کو چھوٹوں کے ساتھ ہوتی ہے لیکن یہ شفقت مشروط ہوتی ہے۔ اطاعت اور وفاداری کے ساتھ۔

اگر اولاد باغی ہو جائے تو والدین کی شفقت ختم ہو جاتی ہے۔ اگر شاگرد نافرمان ہو جائے تو استاد کی شفقت باقی نہیں رہتی۔ اگر چھوٹا بھائی بڑے بھائی کی باتیں نہ مانے تو بڑا بھائی اسے شفقت کی نگاہ سے نہیں دیکھتا۔

مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت ومحبت عام ہے، دوستوں کے لئے بھی اور دشمنوں کے لیے بھی، چنانچہ آپؐ اپنوں کے لیے بھی رحمت ہیں اور غیروں کے لیے بھی رحمت ہیں۔ دوستوں کے لیے بھی رحمت ہیں اور دشمنوں کے لیے بھی رحمت ہیں۔ ماننے والوں کے لیے بھی رحمت ہیں اور انکار کرنے والوں کے لیے بھی رحمت ہیں، راستہ سے کانٹا ہٹانے والوں کے لیے بھی رحمت ہیں اور راہوں میں کانٹے بچھانے والوں کے لیے بھی رحمت ہیں، جان قربان کرنے والوں کے لیے بھی رحمت ہیں اور جان لینے والوں کے لیے بھی رحمت ہیں۔

تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ جب آپؐ نے نبی ہونے کے بعد توحید کی تبلیغ شروع کی، لوگوں کو اللہ کے دین کی طرف بلانا شروع کیا تو پوری عرب برادری آپؐ کے خلاف ہوگئی۔ آپ کو اس مقدس مشن سے ہٹانے کے لیے رشوتیں پیش کی گئیں یعنی آپؐ پر ترغیب کے پھندے ڈالے گئے، آپؐ سے کہا گیا:

''اے محمد! اگر تم خوبصورت عورتوں سے شادی کرنا چاہتے ہو تو ہم دنیا کی حسین ترین عورتیں تمہیں مہیا کرنے پر تیار ہیں، اگر تمہیں مال وزر کی ہوس ہے تو ہم تمہارے قدموں میں زروجواہرات کے انبار لگا کر تمہیں دنیائے عرب کا سب سے مالدار انسان بنادیں گے، اگر تم

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سرداری چاہتے ہو تو آج ہی ہمارے سردار بن جاؤ مگر اس کام کو چھوڑ دو، اس نئے دین کی تبلیغ سے باز آ جاؤ۔'' تو آپؐ نے بزبان حال یہ فرمایا تھا ؎

میرے ہاتھوں پہ لاکر چاند و سورج بھی اگر رکھ دیں ۔۔۔ میرے قدموں تلے روئے زمیں کا مال و زر رکھ دیں
خدا کے کام سے میں باز ہرگز رہ نہیں سکتا ۔۔۔ یہ بت جھوٹے ہیں میں جھوٹوں کو سچا کہہ نہیں سکتا

جب رشوتیں کام نہیں آئیں، جب ترغیب کے پھندے آپ کو نہیں پھنسا سکے، تو پھر آپؐ پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے گئے، مکی زندگی میں آپ کا جینا دوبھر کر دیا گیا، حالت یہ تھی کہ آپ راستہ چل رہے ہیں اور آپؐ پر پتھروں کی بارش کر دی جاتی ہے یہاں تک کہ آپ کا پورا جسم لہولہان ہو جاتا ہے، آپؐ جس راستہ سے گذرتے ہیں اس میں کانٹے بچھا دیئے جاتے ہیں، نماز کی حالت میں آپؐ پر اونٹ کی اوجھ ڈال دی جاتی ہے، سجدہ کے عالم میں آپؐ کی گردن میں چادر ڈال کر کسا جاتا ہے، آپؐ پر کوڑا ڈال دیا جاتا ہے، آپ کا مذاق اڑانے کے لیے جلوس نکالے جاتے ہیں، لیکن آپؐ نے یہ تمام مصیبتیں برداشت کر لیں، تمام مشقتیں سہ لیں مگر کسی سے انتقام نہیں لیا، کسی کا برا نہیں چاہا، کسی کے خلاف بددعا نہیں کی ؎

دشمن سے لیا ظلم کا بدلہ نہ کسی وقت ۔۔۔ مارا بھی تو اخلاق کی تلوار سے مارا

انتقام لینے کا ملعون جذبہ، بدلہ لینے کی مکروہ خواہش، دشمن کو نیچا دکھانے کی ناپاک ذہنیت، حریف کو ذلیل کرنے کی تمنا، ہر زمانہ اور ہر دور میں موجود رہی ہے۔ چھوٹا ہو یا بڑا، امیر ہو یا غریب، بادشاہ ہو یا فقیر، مفلس ہو یا مالدار، سبھی اس لعنت میں گرفتار نظر آتے ہیں۔ دنیا والوں نے ہر شئی کو ممکن العمل سمجھا، مگر دشمن کو معاف کرنا، حریف کے ساتھ عفو و درگذر سے پیش آنا اور مخالف کے ساتھ رحم و کرم کا معاملہ قطعاً محال سمجھا۔

عہد رسالت سے پہلے دورِ جاہلیت میں انتقام کی کارفرمائیاں جاری تھیں۔ آتش انتقام کی ہلاکت آفرینیوں سے نہ اپنے محفوظ تھے نہ پرائے، نہ چھوٹے نہ بڑے، نہ بچے نہ بوڑھے، نہ مرد نہ عورتیں، وہاں نہ انسانی جان کی کوئی قیمت تھی نہ انسانی خون کا احترام تھا، انتقام میں حریف کی جان، اس کی عزت، اس کی آبرو اور اس کا ناموس بہت ہی بے حقیقت چیز اور دلچسپی اور دلجمعی کے لیے خوب صورت کھلونے تھے۔

یہ وہ زمانہ تھا جس میں تلوار پر تلوار چلتی تھی، بات بات پر سر قلم ہوتے تھے، آن کی آن میں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انسانی لاشیں خاک وخون میں تڑپنے لگتی تھیں، دنیا کا امن وامان معدوم ہو چکا تھا، ایک جان کے بدلے جب تک سیکڑوں جانیں نہ چلی جاتیں، صبر نہ آتا تھا، کسی سے اختلاف کرنا اپنے آپ کو مشکلات ومصائب کے حوالے کرنے اور موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔

اللہ کی زمین پر انسان آباد نہیں تھے، انسانی لباس میں جنگل کے وحشی جانور اور درندے تھے، ان کے دلوں میں نہ درد تھا نہ دردمندی کا احساس۔ انسان تھے مگر حیوان سے بدتر، پیار سے ناواقف، محبت سے نا آشنا، رحم وشفقت اور عفو ودرگذر کے محاسن سے نابلد، بات بات پر مرنے مارنے کے لیے آمادہ، بدلہ لینے کے لیے تیار اور انتقام لینے کے درپے رہتے تھے، اپنے مخالف کو معاف کردینے کا خیال تک ان کے دل میں نہ آتا تھا۔

اس زمانہ کو دورِ جاہلیت کہہ کر چھوڑ دیجئے، اس روشن عہد کو دیکھئے جس میں ہر چیز ترقی کے آسمان پر پہنچی ہوئی ہے، علوم وفنون حد کمال تک پہنچے ہوئے ہیں، تہذیب وشائستگی، مساوات اور جمہوریت کے شور نے آسمان سر پر اٹھا رکھا ہے، تمدن پر گھمنڈ ہے، غرض انسانی زندگی کے ہر شعبہ میں عروج ورفعت کے جلوے نظر آتے ہیں، مگر کیا آتشِ انتقام میں کوئی کمی واقع ہوئی؟ انسان کے عفو ودرگذر میں کوئی خوبی و بھلائی معلوم ہوئی؟ رحم وشفقت کے محاسن کا کوئی احساس ہوا؟ حریف سے انتقام لینے کی خواہش کو ٹھکرا کر پیار ومحبت کی آنکھوں میں جگہ دینے کا جذبہ پیدا ہوا؟

حالات بتا رہے ہیں کہ اس ترقی یافتہ دور میں بھی آتشِ انتقام نہیں بجھی ہے بلکہ کچھ زیادہ ہی ہے، بڑوں سے لے کر چھوٹوں تک اور امراء سے لے کر غرباء تک کو دیکھ جائیے سب کے دلوں میں یہی خطرناک ذہنیت چھپی ہوئی ملے گی، بادشاہوں اور ڈکٹیٹروں کے یہاں دشمن کو معاف کردینے اور حریف کو بخش دینے سے زیادہ کمزور اور ذلت کی کوئی دوسری چیز نظر نہیں آتی، حکومت کا نشہ اور طاقت کا غرور اغماض اور چشم پوشی کی اجازت نہیں دیتا، خطا کاروں کو معاف کردینا اور مجرموں سے درگذر کرنا شان کے خلاف مانا جاتا ہے، پتھر کا جواب پتھر سے نہ دینا، اپنے مخالف کے ساتھ لطف ومہربانی سے پیش آنا عجز اور بے چارگی کا اعلان سمجھا جاتا ہے۔

یہ تو ان کی حالت ہے جو صاحبِ اقتدار ہیں، معمولی انسان جس کے پاس نہ حکومت ہے نہ دولت، اسے نہ اختیارات حاصل ہیں نہ اعزازات، اپنے مخالف کو معاف کردینے پر تیار نہیں ہوتا، اس کی تمام صلاحیتیں اپنے مخالف کو زک پہنچانے، اس سے بدلہ لینے اور اسے نیچا دکھانے کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیے وقف ہو جاتی ہیں، وہ اپنا سب کچھ کھو کر اپنے مخالف کو تباہ و برباد کر دینا چاہتا ہے مگر در گذر کے لیے تیار نہیں ہوتا۔

ایک فاتح جب کسی ملک یا علاقہ کو فتح کرتا ہے تو اس کو اس وقت تک چین نہیں آتا جب تک آبادی بربادی سے بدل نہ جائے، جب تک شاندار عمارتیں مسمار اور خوشنما محل مٹی کے عبرتناک ڈھیر نہ بن جائیں، جب تک قصوروار اور بے قصور سبھی انتقام کی خوفناک چکی میں نہ پیس ڈالے جائیں اور سطح ارضی انسانی خون سے سمندر نہ بن جائے، آتش انتقام اس وقت تک نہیں بجھتی جب تک بچے اور بوڑھے، مرد اور عورتیں نہ روند ڈالے جائیں، اس وقت تک سکون قلب حاصل نہیں ہوتا اور انتقام کی پیاس نہیں بجھتی جب تک ان کی عزت و آبرو خاک میں نہ مل جائیں۔

ماضی قریب میں یونانی درندوں نے سمرنا، پیرس اور دوسرے ممالک میں حیوانیت کا جو شرمناک مظاہرہ کیا وہ تاریخ انتقام کا ایک زندہ ثبوت ہے۔ غیر ممالک کو چھوڑیئے انگریزوں نے ۱۸۵۷ء میں سفاکی کا وہ مظاہرہ کیا جس سے انسانیت شرما گئی۔

اب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک پہ نگاہ ڈالئے تو آپؐ کی تریسٹھ سالہ زندگی میں انتقام کا کہیں ایک داغ بھی دکھائی نہیں دے گا۔

چند واقعات:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا دسواں سال آپؐ کے لیے بڑا پریشان کن رہا۔ اسی سال آپؐ کے مشفق چچا ابو طالب کا انتقال ہوا، ان کے انتقال کے تین روز کے بعد ہی آپؐ کی وفادار بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی چل بسیں۔

بخاری کی روایت ہے کہ اسی سال آپؐ طائف کی بستی میں تبلیغ کے لیے تشریف لے گئے، جب آپؐ نے مشرکین طائف تک اللہ کا پیغام پہنچایا، انہیں دین کی دعوت دی تو انہوں نے آپؐ کی بات سننے سے انکار کر دیا، بلکہ اوباشوں اور بدمعاشوں کو آپؐ کے پیچھے لگا دیا، انہوں نے آپؐ پر پتھراؤ شروع کر دیا اور اس بے دردی کے ساتھ مارا کہ آپؐ کا جسم لہولہان ہو گیا، حضرت زیدؓ آپؐ کے ساتھ تھے، وہ آپؐ کو لے کر ایک باغ میں گئے چہرہ پر پانی چھڑکا تب ہوش آیا، وہ آپؐ کے جسم سے بہنے والے خون دھوتے جاتے تھے اور رو رو کر آپؐ سے یہ التجا کرتے جاتے تھے کہ اے اللہ کے نبیؐ! یہ پتھروں میں رہنے والی قوم ہے ان کا دل پتھر ہو گیا ہے، آپؐ اللہ تعالیٰ سے بددعا کر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیجیئے کہ وہ طائف والوں کو تباہ و برباد کر کے ان کا نام ونشان مٹا دے، تو زخمی حالت میں رحمتہ للعالمین نے اپنے خون آلود ہاتھوں کو آسمان کی طرف اٹھا دیا، مشرکین طائف کے حق میں بد دعا کے لیے نہیں بلکہ ان کی ہدایت کے لیے، آپؐ نے انتہائی عاجزی سے اللہ سے عرض کیا اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَایَعْلَمُوْنَ. یعنی "اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دیدے یہ جانتے نہیں ہیں۔ حفیظ جالندھری نے کہا ہے۔

دعا مانگی الٰہی قوم کو چشم بصیرت دے — الٰہی رحم کر ان پر انہیں راہِ ہدایت دے
فراخی ہمتوں میں روشنی دے انکے سینوں کو — کنارے سے لگا دے ڈوبنے والے سفینوں کو
الٰہی فضل کر کہسار طائف کے مکینوں پر
الٰہی پھول برسا پتھروں والی زمینوں پر

جن لوگوں نے آپ کو پتھر مار مار کر لہولہان کر دیا تھا آپؐ نے ان کے لیے ہدایت اور کامیابی کی دعا کی۔

لیکن دنیا یہ کہہ سکتی تھی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مجبور تھے، اکیلے تھے، بے سر و سامان اور بے سہارا تھے، اگر ان حالات میں صبر نہ کرتے تو کیا کرتے، مگر ایسی بات نہیں تھی جب آپؐ زخمی ہو کر گرے، ایک فرشتہ نے آکر آپ کو سلام کیا اور کہا: یارسول اللہ! طائف والوں نے پتھر مار مار کر آپ کو لہولہان کر دیا ہے، اللہ نے مجھے اس بات کا اختیار دیا ہے کہ اگر آپ حکم دیں تو میں طائف کی پوری آبادی کو اس کے دونوں پہاڑوں کے بیچ میں رکھ کر پیس دوں، آپؐ نے فرشتہ کی اس پیشکش کا کیا جواب دیا؟

ایک مثال:

فرض کیجیے ایک شخص ایک ٹرک پر سوار ہو کر کہیں جا رہا ہے، تو سڑک پر دوڑتا ہوا ٹرک اسے بار بار جھٹکے دے گا، اسے چوٹ محسوس ہوگی، اس کے برخلاف اگر وہ کسی اچھی کار پر سفر کرے تو یہ سفر بہت آرام دہ ہوگا، اس پر سفر کرتے وقت اسے کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوگی۔ اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ کار کے پہیوں کے ساتھ ایک اچھے قسم کی اسپرنگ لگی ہوتی ہے جو کار کے جھٹکوں کو خود سہ لیتی ہے دوسروں کی طرف منتقل نہیں ہونے دیتی، مگر ٹرک کے پہیوں کے ساتھ جو اسپرنگ ہوتی ہے وہ کمزور ہوتی ہے جس کی وجہ سے ٹرک اپنے جھٹکوں کو خود برداشت نہیں کر پاتا اور دوسروں تک

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

منتقل کرتا رہتا ہے۔

یہی مثال اللہ والوں کی اور اللہ سے دور رہنے والوں کی ہے۔

جو اللہ والے ہوتے ہیں، جن کے دلوں میں اللہ کی محبت ہوتی ہے اور اس کا خوف ہوتا ہے ان کی مثال ایک اچھی کار جیسی ہوتی ہے، یہ لوگ ہر قسم کے نفسیاتی جھٹکوں کو خود سہ لیتے ہیں دوسروں کی طرف منتقل نہیں ہونے دیتے، لیکن جو خدا بیزار ہوتے ہیں، جن کے دل اللہ کی محبت اور اس کی خشیت سے خالی ہوتے ہیں ان کی مثال ٹرک جیسی ہوتی ہے۔ یہ لوگ کسی بھی نفسیاتی جھٹکے کو سہنے کی اہلیت اپنے اندر نہیں رکھتے بلکہ خود بچ کر اسے دوسروں تک پہنچاتے رہتے ہیں۔

ہاں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرشتے کی اس بات کو سن کر فرمایا نہیں، میں یہ نہیں چاہتا کہ طائف والے تباہ و برباد ہو جائیں، کیوں کہ یہ مجھ پر اگر ایمان نہیں لاتے تو نہ لائیں لیکن مجھے امید ہے کہ ان کی آئندہ آنے والی نسل مجھ پر ایمان لائے گی۔

توحید کی تبلیغ کے جرم میں یہی نہیں کہ آپ کو غیروں نے مارا، بلکہ اپنوں نے بھی مارا، دشمنوں نے مارا اور خاندانوں والوں نے بھی مارا، مردوں نے مارا تو عورتیں بھی پیچھے نہیں رہیں۔ عورتیں جنگل سے کانٹے لا کر آپ کی راہوں میں بچھاتی تھیں۔ حفیظ جالندھری کہتے ہیں ۔

قریشی عورتیں کانٹے بیابانوں سے لاتی تھیں　　گذر گاہِ گُلِ گلزارِ وحدت میں بچھاتی تھیں
نجاست گھر کے دروازے پر لا کر ڈال جاتی تھیں　　جھگڑتی، بدزبانی کرتی تھیں، فتنے اٹھاتی تھیں

مگر وہ منبع جود و سخا خاموش رہتا تھا
زباں سے کچھ نہ کہتا تھا دعائے خیر کرتا تھا

تاریخ اسلام میں آتا ہے:

ایک بار ایک یہودی آپ کا مہمان ہوتا ہے، آپؐ اسے کھلاتے ہیں اور اس کے سونے کے لیے وہی بستر بچھا دیتے ہیں جس پر آپؐ خود آرام فرمایا کرتے تھے۔ یہودی رات میں سونے سے پہلے اپنی تلوار سرہانے لٹکا دیتا ہے، رات میں کسی وقت اس کا پیٹ خراب ہو جاتا ہے اسے دست آنے لگتے ہیں جس کی وجہ سے آپ کا بستر گندہ ہو جاتا ہے۔ صبح ہوتے ہی وہ اپنی جان کے خوف سے بھاگ کھڑا ہوتا ہے کہ کہیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے جانثار میری اس حرکت پر میرا کام ہی تمام نہ کر دیں۔ شہر سے باہر پہنچتا ہے، صبح ہو جاتی ہے، اب اسے اپنی تلوار یاد آتی ہے،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بڑے مخمصے میں پڑ جاتا ہے، سوچتا ہے کہ اگر تلوار لینے جاتا ہوں تو جان کی خیر نہیں، اگر جان کی فکر کرتا ہوں تو تلوار ہاتھ سے جاتی ہے۔ عرب کے لوگ تلوار کے بڑے دھنی ہوتے تھے، اس نے فیصلہ کر لیا کہ اب جان رہے چاہے نہ رہے مگر میں تلوار نہیں جانے دوں گا، واپس لوٹتا ہے، وہاں پہنچتا ہے جہاں وہ رات کو سویا ہوا تھا۔ وہاں وہ ایک عجیب و غریب ماجرا دیکھتا ہے، ایسا ماجرا اس کے تصور میں بھی نہیں تھا، وہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس یہودی کی گندگی کو اپنے دستِ مبارک سے دھو رہے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ وہاں موجود ہیں، وہ کہتے ہیں یا رسول اللہ! آپؐ اس گندگی کو ہاتھ نہ لگائیں میں اسے دھو دیتا ہوں، آپؐ فرماتے ہیں ابوبکر یہ محمد کا مہمان تھا اس لیے اسی پر یہ حق ہے کہ وہ اپنے مہمان کی غلاظت کو صاف کرے۔ اس واقعہ کو دیکھ کر یہودی حیران رہ جاتا ہے۔ اپنا چہرہ وہ رسولؐ کے دامن میں چھپالیتا ہے اور سچے دل سے کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جاتا ہے۔ شاعر نے آپؐ کے اس اخلاق کا نقشہ یوں کھینچا ہے۔

محبت کے یوں اس نے دریا بہائے　　دل اس کا بھی چھینا جو سر لینے آئے
یہ بندہ نوازی کے جوہر دکھائے　　کہ خود کھائے جو اور جواہر لٹائے
خوشی اپنی غیروں کے غم میں بھلا دی
دیا درد جس نے اسے بھی دوا دی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عفو و درگذر کی انوکھی مثال فتح مکہ کا واقعہ ہے سنہ ۸ھ میں مکہ فتح ہوا۔ وہ مکہ جہاں آپؐ کی راہوں میں کانٹے بچھائے جاتے تھے، جہاں آپؐ کے قتل کی سازشیں کی جاتی تھیں، جہاں آپؐ کو مجنوں اور دیوانہ کہا جاتا تھا، جہاں آپؐ کو پتھر مار مار کر لہولہان کر دیا جاتا تھا، جہاں حضرت بلال حبشیؓ کے سینے پر کئی من کے وزن کا پتھر رکھ کر انہیں تڑپایا جاتا تھا، جہاں حضرت خبیبؓ کو سولی پر لٹکا دیا گیا تھا، جہاں حضرت عمار ابنؓ یاسر پر ستم ڈھائے گئے تھے، جہاں حضرت سمیہؓ کے اندام نہانی میں برچھا مار کر انہیں شہید کیا گیا تھا۔

اور تاریخ اس پر گواہ ہے کہ کوئی بادشاہ یا جنرل جب کسی ملک یا علاقے کو فتح کرتا ہے تو انسانی آبادی خاک و خون میں تڑپنے لگتی ہے، ہنستے بستے شہر کھنڈر میں تبدیل ہو جاتے ہیں، بچے یتیم اور عورتیں بیوہ بنا دی جاتی ہیں۔

لیکن حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فتح میں ہلاکت و بربادی نہیں بلکہ شفقت و

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محبت ہے، آپؐ اونٹنی پر سوار ہو کر مکہ میں داخل ہو رہے ہیں لیکن پیشانیٔ مبارک عاجزی سے جھکی ہوئی ہے، پھر مکہ میں داخل ہوتے ہی آپؐ اعلان فرماتے ہیں:

''جو شخص مقابلے سے اپنا ہاتھ روک لے اسے امن ہے، جو اپنے گھر کے دروازے کو بند کر لے اسے امن ہے، جو ابوسفیان یا حکیم ابن حزام کے گھر میں داخل ہو جائے اسے امن ہے، جو مسجد حرام میں داخل ہو جائے اسے امن ہے، جو شخص بھاگے ہرگز اس کا پیچھا نہ کیا جائے۔'' ایک صحابی حضرت سعدؓ نے امنگ میں آ کر یہ کہہ دیا: اَلْیَوْمَ یَوْمُ الْمَلْحَمَةِ ۔آج کا دن خونریز تصادم کا دن ہے'' ابوجہل کے رضا کارو! کان کھول کر سن لو، ابولہب کے شاگردو! تیار ہو جاؤ، ماضی تمہارا تھا، حال ہمارا ہے، کل تمہاری تلواریں تھیں ہمارے گلے تھے آج تمہاری گردنیں ہوں گی اور ہماری تلواریں ہوں گی۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات سنی تو آپؐ نے فرمایا: اَلْیَوْمَ یَوْمُ الْمَرْحَمَةِ ۔ یعنی آج کا دن رحمت و شفقت اور عفو و درگذر کا دن ہے، مکہ کے بچوں سے کہہ دو کہ ہم انہیں یتیم بنانے کے لیے نہیں بلکہ یتیموں کا والی بن کر آئے ہیں۔ مکہ کی ماؤں سے کہہ دو کہ ان کی ممتا نہیں لوٹی جائے گی، مکہ کی بیویوں سے کہہ دو کہ تمہارا سہاگ نہیں اجاڑا جائے گا، مکہ کی بہنوں سے کہہ دو کہ تمہاری آبرو کی حفاظت کی جائے گی، مکہ کی بیٹیوں سے کہہ دو کہ محمد عربی تمہارے سروں سے دوپٹے اتارنے کے لیے نہیں، اترے ہوئے دوپٹے سنبھالنے کے لیے آیا ہے۔

تمام مشرکین جمع ہوئے، آپؐ نے فرمایا: اِذْهَبُوْا اَنْتُمُ الطُّلَقَاءَ لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْكُمُ الْیَوْمَ. یعنی ''جاؤ تم سب کے سب آزاد ہو تمہارا کوئی مواخذہ نہیں ہوگا تم نے ہماری راہوں میں روڑے اٹکائے، ہمارے ساتھیوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے، تین سال تک ہمیں شعب ابوطالب میں قید رہنے پر مجبور کر دیا، اس کے باوجود میں تم سب کو معاف کرتا ہوں۔

کیا پوری تاریخ انسانیت میں دشمن کے ساتھ عفو و درگذر کی ایسی مثال مل سکتی ہے؟

غزوۂ بدر (۲ھ) میں قریش کی شکست اور ذلت و رسوائی کے ساتھ ہلاکت کا زخم ابھی تک اہل مکہ کے دلوں میں ناسور بن کر ٹیس پیدا کر رہا تھا، جو ۳ھ میں غزوۂ احد کی شکل میں ظاہر ہوا، اور دشمنان اسلام، ایمان والوں پر چڑھ دوڑے۔

ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے یہ اعلان کیا تھا کہ جو حمزہؓ کا سر کاٹ کر لائے گا، وہ اگر غلام ہے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تو غلامی سے آزاد کر دیا جائے گا، اگر وہ آزاد ہے تو بیش بہا انعام کا مستحق ہوگا۔

وحشی نامی ایک غلام نے شوقِ آزادی میں اس قتل کا بیڑا اٹھایا اور کامیاب ہوا۔ حضرت حمزہؓ کو قتل کر کے اس نے ہندہ کو خوشخبری سنائی اور غلامی سے آزادی پائی۔

۸ھ کا وہ وقت بھی کس قدر عجیب وغریب اور تاریخ کے صفحات پر کتنا نادر اور حیرت ناک ہے، جب قریش، یہود ونصاریٰ اور منافقین کی متحدہ کوششیں اور اسلام کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کی مسلسل کاوشیں ناکام ہو گئیں، اللہ کا گھر کعبہ شرک کی آلودگیوں سے پاک ہوا اور اسلام اطراف و جوانب میں پھیلنے لگا۔

اللہ کی قدرت دیکھیے کہ عم رسولؐ حضرت حمزہؓ کا قاتل یہی وحشی مسلمان ہونا چاہتا ہے اور دربارِ رسالت میں مجرمانہ انداز میں کھڑا ہے۔

وحشی جس نے پیارے چچا کو شہید کر کے، ان کے عضو عضو کو جسم اطہر سے جدا کیا تھا، آج اپنے کیے پر نادم وشرمسار ہو کر آغوشِ اسلام میں داخل ہونے کے لیے حاضر ہے۔

انسانی فطرت کا تو یہ تقاضہ تھا کہ خون کا بدلہ خون سے لیا جائے، ایسے شخص پر رحم تو کجا صورت دیکھنا بھی گوارہ نہ ہوتا، مگر آپؐ کے اخلاق عظیم کی حالت یہ ہے کہ آپؐ اس کی خطاؤں کو معاف کر دیتے ہیں اور وحشی بھی اتنا بھیانک جرم کرنے کے باوجود صفِ صحابہؓ میں شامل ہو کر آخرت کی خوش بختی کے حصول میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

خوش خلقی:

صحیح بخاری کی روایت کے مطابق صحابیٔ رسولؐ حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ میں دس برس تک آپؐ کی خدمت میں رہا مگر آپؐ نے مجھے کبھی اف بھی نہیں کہا اور نہ کبھی یہ فرمایا کہ تو نے فلاں کام کیوں کیا، یا فلاں کام کیوں نہیں کیا؟

حضرت انسؓ یہ بھی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بے حیائی کی بات نہیں بولتے تھے، نہ لعنت کرتے، نہ کسی کو گالی دیتے۔ غصہ میں بس یہ فرماتے ''اس کو کیا ہوا ہے اس کی پیشانی خاک آلود ہو۔''

ترمذی میں حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فحش گو نہ تھے، نہ بازاروں میں شور وغل کرتے تھے، نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے تھے بلکہ معاف کر دیا کرتے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھے۔

ترمذی میں حضرت انسؓ سے یہ روایت ہے کہ آپؐ جب کسی سے مصافحہ کرتے تو جب تک وہ آدمی اپنا ہاتھ نہ کھینچتا، آپؐ اس سے اپنا ہاتھ نہ ہٹاتے تھے اور بات کرتے وقت جب تک کوئی شخص آپؐ سے اپنا منہ نہ پھیرتا، آپؐ اس سے اپنا منہ نہ پھیرتے تھے اور مجلس میں پیر پھیلا کر نہ بیٹھتے تھے۔

نسائی میں حضرت عبداللہ ابن ادفیٰ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والے تھے، آپؐ فضول باتیں نہ کرتے تھے، نماز لمبی پڑھتے اور خطبہ مختصر کرتے تھے اور مسکینوں اور بیواؤں کے ساتھ چلنے اور ان کی حاجت پوری کرنے میں آپؐ کو عار نہ ہوتا تھا۔

بخاری میں حضرت عبداللہ ابن عمروؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بدزبان نہ تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ تم میں اچھے وہی لوگ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہوں۔

بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے کبھی کسی کھانے کو برا نہیں کہا، طبیعت چاہتی تو کھا لیتے ورنہ چھوڑ دیتے تھے۔

اسی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک شخص کا چار سالہ اونٹ قرض تھا، ایک دن وہ آپؐ سے تقاضہ کرنے آیا، آپؐ نے فرمایا اس کا اونٹ دے دو، صحابہؓ نے ڈھونڈا تو اس عمر کا اونٹ نہیں پایا البتہ زیادہ عمر کا موجود تھا۔ آپؐ نے فرمایا وہی دے دو، وہ کہنے لگا آپؐ نے میرا قرض بھرپور دے دیا۔ اللہ آپؐ کو بھرپور اجر دے۔ آپؐ نے فرمایا ''تم میں اچھے وہی لوگ ہیں جو اچھی طرح قرض ادا کریں۔''

بخاری میں ہے کہ ایک بار کافروں نے یہ طے کیا کہ محمدؐ کو محمدؐ کہہ کر نہ پکارو بلکہ مذمم کہہ کر پکارو جس سے اس کی مذمت ہو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ آپؐ نے فرمایا، اللہ کی حکمت دیکھو کہ اس نے کافروں کی گالیوں کو مجھ سے دور رکھا، یہ لوگ مذمم کو گالی دیتے ہیں اور میرا نام محمدؐ ہے۔

مشکوٰۃ میں ہے کہ جب ثمامہ بن اثال گرفتار ہو کر آئے اور مسجد کے کھمبوں سے باندھ دیئے گئے تو آپؐ نے فرمایا ثمامہ! کیا حال ہے؟ عرض کیا، اگر آپ مجھے قتل کر دیں تو میرا جرم اس قابل ہے، اور اگر آپ معاف کر دیں تو میں آپ کا شکر گذار ہوں گا۔ چنانچہ آپؐ نے اسے معاف

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کر دیا، آپؐ کے اس خلق عظیم کو دیکھ کر انہوں نے غسل کیا اور مسلمان ہو گئے۔

خصائص الکبریٰ میں ہے کہ ایک بار ایک یہودی آپؐ کے پاس آیا اور کہنے لگا، قیمت آپ نے لے لی مگر کھجور ابھی تک نہیں دیا، پھر وہ آپؐ کی چادر اور قمیص پکڑ کر کہنے لگا کہ تمہارا گھرانہ ہی بڑا نادہندہ ہے، یہ سن کر حضرت عمرؓ ڈپٹ کر بولے "تو میری موجودگی میں آپؐ کی شان میں گستاخی کرتا ہے۔" آپؐ نے فرمایا "عمر! مجھے تم سے کچھ اور امید تھی، تم کو چاہئے کہ اس سے کہتے کہ نرمی سے تقاضہ کرے اور مجھ کو ادا کرنے کے لیے کہتے۔ خیر جاؤ اس کا حق ادا کر دو اور تم نے بلاوجہ ڈرایا دھمکایا ہے اس کے عوض بیس صاع مزید دے دو۔" تب وہ یہودی کہنے لگا کہ "مجھے آپ کے حلم و بردباری کی آزمائش کرنی تھی، سو میں نے آپ کو اس میں کامل پایا" پھر وہ اپنے خاندان سمیت مسلمان ہو گیا۔

ترمذی میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الاَخلَاقِ. یعنی "میری بعثت اسی لیے ہوئی ہے کہ میں مکارم اخلاق کی تکمیل کر دوں۔"

اور اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے اس قول کی تائید کرتے ہوئے سورۂ قلم میں فرمایا: وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ. یعنی "اور اے نبی! تم اخلاق کے بہت بڑے بلند مرتبہ پر ہو۔"

دراصل حسن خلق وہ بہترین دولت ہے کہ آدمی اس کے ذریعہ اپنے دشمن کو بھی دوست بنا لیتا ہے اور بد خلقی وہ بلا ہے جس کی وجہ سے اس کا دوست بھی دشمن بن بیٹھتا ہے۔

دولت ہر زمانہ میں ایک بہت پیاری اور پرکشش چیز مانی گئی ہے کیوں کہ اس سے انسان کی ساری ضروریات پوری ہوتی ہیں۔ دولت سے آدمی شاندار مکان تعمیر کر سکتا ہے، زمین کے وسیع و عریض پلاٹ خرید سکتا ہے، انسان کے جسم کو خرید سکتا ہے، مگر وہ چیز جس سے دل کی دنیا خریدی جاتی ہے وہ حسنِ خلق ہے۔

آدمی کا کردار ہی اسے اونچا اٹھاتا ہے، کردار ہی انسان کی مقبولیت اور محبوبیت کی ضمانت ہے جسے ہم یوں سمجھ سکتے ہیں۔

ایک مثال:

فرض کیجئے، ایک مصروف سڑک کے کنارے ببول کا ایک پیڑ لگا ہے، جس کا کانٹا ہر آنے جانے والے کو چبھتا ہے تو ہر شخص چاہے گا کہ یہ پیڑ کاٹ دیا جائے۔ اس طرح اگر کوئی شخص اسے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کاٹنے لگے تو اس کی کوئی مزاحمت نہیں ہوگی لیکن اگر اسی جگہ کوئی سایہ دار درخت ہو جس میں خوشبو دار پھول اور میٹھے پھل لگے ہوں۔ ایسے درخت کو اگر کوئی کاٹنا چاہے تو لوگ اس کی بھرپور مخالفت کریں گے، کیوں کہ یہ پیڑ اپنی خوبیوں کی وجہ سے لوگوں کی نگاہوں میں محبوب بن جائے گا۔

اس بات کو سمجھانے کے لیے میں ہندوستان کی تاریخ کا ایک واقعہ آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں، جسے برطانیہ کے سابق وزیر اعظم مسٹر چرچل نے ۱۹۰۱ء میں کلکتہ کے ایک جلسہ عام میں بتائی تھیں۔

لارڈ ولیم، ہندوستان کا وائسرائے تھا اس کی کارکردگی کی کل مدت دس سال (۱۸۸۵ء۔ ۱۸۹۵ء) تھی۔ اس کے زمانہ میں ایک بار ایسٹ انڈیا کمپنی کی مالی حالت اتنی خراب ہوگئی کہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ دیوالیہ ہو جائے گی اور انگریزوں کو اپنا بوریا بستر لپیٹ کر انگلستان لوٹ جانا پڑے گا۔ لارڈ ولیم نے سوچا کہ اگر تاج محل کے پتھروں کو اکھاڑ کر بیچ دیا جائے تو ایسٹ انڈیا کمپنی کی مالی حالت سنبھل سکتی ہے۔ اس نے اپنے انجینئروں سے کہا کہ وہ سروے کر کے بتائیں کہ کیا یہ ممکن ہے؟ اور اس کے پتھروں سے کتنی قیمت مل سکتی ہے؟ انہوں نے بتایا کہ اگر اس کے پتھروں کو بیچا جائے تو اس وقت ایک لاکھ روپے مل سکتے ہیں۔ لارڈ ولیم نے حکم دیا کہ تاج محل کو توڑ کر اس کے تمام پتھر نیلام کر دیئے جائیں۔ جب آگرہ کے گرد و نواح کے لوگوں کو اس کا پتہ چلا تو وہ اس فیصلے پر سخت ناراض ہوئے اور انہوں نے اس کی مخالفت کی۔ لارڈ ولیم کو جب اس مخالفت کے بارے میں معلوم ہوا تو اس نے حکم دے دیا کہ تاج محل کو مسمار کر کے زمین کے برابر کر دیا جائے۔ لارڈ ولیم کے اس حکم کی ہندوؤں اور مسلمانوں نے اتنی سخت مخالفت کی کہ انہوں نے احتجاج کرتے ہوئے اعلان کر دیا کہ تاج محل کو ہم کسی قیمت پر برباد نہیں ہونے دیں گے چاہے اس کے لیے ہمیں اپنی جان ہی کیوں نہ گنوانی پڑے۔ لارڈ ولیم بغاوت کے اندیشہ سے اپنے ارادے سے باز رہا اور تاج محل کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔

اس واقعہ پر ایک شخص نے اخبار میں مضمون لکھا کہ ''تاج محل کو ہندوستان کے ہندوؤں اور مسلمانوں نے بچا لیا۔'' اس پر ایک شخص نے بہت عمدہ بات کہی۔ اس نے کہا کہ ''تاج محل کو ہندوستان کے ہندوؤں اور مسلمانوں نے نہیں بچایا، تاج محل کو اس کے حسن اور خوبصورتی نے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بچایا۔ اگر تاج محل اتنا حسین اور خوبصورت نہ ہوتا تو برطانوی اقتدار کے مقابلہ میں ہندوستان کے ہندوؤں اور مسلمانوں کی متحدہ حمایت اسے حاصل نہ ہوتی۔''

بلاشبہ تلوار مومن کا زیور ہے لیکن جو بات کردار میں ہے وہ تلوار میں کہاں۔ تلوار سر کاٹتی ہے اور کردار دل جیت لیتا ہے۔

ایک دور وہ تھا جب مسلمان دنیا والوں کی نگاہ میں محبوب و مقبول تھے، جب دنیا کی ہر قوم ان پر اعتماد کرتی تھی اور یہ سب کچھ ان کے اعلیٰ کردار کی وجہ سے تھا اور اس کردار کی تعلیم انہیں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک سے ملی تھی۔

جیسا کہ پہلے بتایا گیا کہ حسن خلق سے آدمی انسان کے دل کو جیت لیتا ہے، اس سلسلے میں تاریخ کے دو واقعات آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔

سیرت ابن ہشام میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی حضرت زید ابن حارثہؓ تھے، یہ بچپن میں اپنے ماں باپ سے بچھڑ گئے تھے۔ انہیں ڈاکوؤں نے اغوا کر کے بیچ دیا تھا۔ آخر کار یہ حکیم ابن حزامؓ کے پاس پہنچ گئے۔ ان سے حضرت خدیجہؓ نے لے لیا اور انہوں نے حضرت زیدؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دے دیا۔ کافی عرصے تک یہ آپؐ کے پاس رہے۔ جب ان کے باپ کو پتہ چلا تو وہ کچھ تحفے تحائف لے کر آپؐ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ ''میرا برسوں کا بچھڑا ہوا بیٹا زید آپ کے پاس ہے، ہم اسے لینے آئے ہیں۔'' آپؐ نے فرمایا ''زید اگر تمہارے ساتھ جانا چاہے تو جا سکتا ہے مجھے کوئی عذر نہیں ہے۔'' باپ نے زیدؓ سے کہا ''بیٹا! ہمارے ساتھ چلو۔'' انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ چھوڑ کر اپنے باپ کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا اور کہا ''میں یہ در چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گا۔'' باپ نے اسے اپنی شفقت اور محبت کی توہین سمجھی، اس نے زیدؓ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا ''بیٹا زید تم آزادی پر غلامی کو ترجیح دیتے ہو اور تمہیں اپنے ماں باپ سے زیادہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) عزیز ہیں؟'' زیدؓ نے اسی طرح باپ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا ''ابا! میں نے حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں وہ خوبیاں دیکھی ہیں، اخلاق کا وہ نمونہ دیکھا ہے کہ میں ماں باپ کیا ساری خدائی چھوڑ سکتا ہوں لیکن ان کی غلامی نہیں چھوڑ سکتا''۔

جذبۂ الفت مرا ناقابل تصریح ہے ۔۔۔ باپ کیا ساری خدائی پر انہیں ترجیح ہے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے۔ آپؐ کے اخلاق کریمانہ کے جادو سے آپؐ کے بدترین دشمن بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے تھے۔

سیرت ابن ہشام میں یہ واقعہ منقول ہے۔

ایک بار قبیلۂ اراش کا ایک بدوی اونٹ بیچنے کے لیے مکہ آیا۔ ابوجہل نے اس کا اونٹ ادھار خرید لیا، کئی دن گذر گئے اس نے قیمت نہیں دی، جب بدوی اس سے مطالبہ کرتا تو وہ یوں ہی ٹال جاتا، مجبوراً وہ مکہ کے چند سرداروں کے پاس پہنچ گیا، جو ایک مجلس میں جمع تھے، ان سے التجا کی کہ آپ لوگ ابوجہل سے مجھے میرے اونٹ کی قیمت دلا دیں۔ ان لوگوں نے اسے بتایا کہ ابوجہل یہاں کا بہت بڑا سردار ہے، اس لیے ہم میں یہ جرأت نہیں ہے کہ ہم اس سے تمہاری سفارش کر سکیں، البتہ تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ملو وہ ضرور تمہارے پیسے دلوائے گا۔ بدوی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور اپنا ماجرا بیان کیا۔ آپؐ اسے لے کر فوراً ابوجہل کے گھر گئے، آواز دی، ابوجہل نے پوچھا کون؟ آپؐ نے فرمایا میں ہوں محمدؐ، اس نے پوچھا کیا کام ہے؟ آپؐ نے فرمایا: تم اس بدوی کے اونٹ کی قیمت اسے نہیں دے رہے ہو، یہ بہت پریشان ہے، میں تم سے یہی کہنے آیا ہوں کہ فوراً اس کی قیمت چکا دو۔ ابوجہل گھر میں گیا، پیسے لے کر آیا اور گن کر اس نے پوری قیمت بدوی کے ہاتھ پر رکھ دی اور وہ خوش خوش چلا گیا۔ مکہ کے سرداروں نے یہ حیرت انگیز ماجرا دیکھا تو ابوجہل سے پوچھا کہ جب آپ اس کے روپے نہیں دینا چاہتے تھے تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کہنے پر آپ نے کیوں دے دیئے؟ اس نے کہا، قسم ہے لات وعزیٰ کی، جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پیسے دینے کے لیے کہا تو معلوم ہوتا تھا کہ کوئی غیبی طاقت مجھے اس کام کے لیے جھنجھوڑ رہی ہے، اس طرح میں قیمت دینے پر مجبور ہو گیا۔ شاعر نے صحیح کہا ہے ؎

محمدؐ کی وہ نظریں تھیں کہ دل میں راہ کرتی تھیں
زباں میں وہ فصاحت تھی کہ قومیں واہ کرتی تھیں

آنحضرتؐ مشاہیر کی نظروں میں:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہ آفتاب ہدایت ہیں جس کی تابندگی سے شب کی سیاہی نور سحر میں تبدیل ہو گئی۔ تشنگانِ لہو کے لبوں پر صلح وآشتی کا پیغام نغمہ ریز ہوا، کھلے ہوئے دل ودماغ کو سکون نصیب ہوا، انسانی تمدن کی کایا پلٹ گئی اور سسکتی ہوئی انسانیت کو امن میسر آیا اور اسے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حقیقی منزل مل گئی۔

آپؐ دنیا کی واحد عظیم ترین شخصیت ہیں جس کی خوبیوں کا برملا اعتراف کئے بغیر دشمن اور بیگانے بھی نہیں رہ سکے۔

اس سلسلے میں، میں چند غیر مسلم دانشوروں کے خیالات پیش کرنے کی کوشش کروں گا۔ یہ اقوال ''اسلامی دنیا'' اور رسالہ ''مقابلۂ اسلام و یورپ'' وغیرہ سے لیے گئے ہیں۔

جارج برناڈ شا نے لکھا ہے: ''اگر آج دنیا میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جیسا حکمراں پیدا ہو جائے تو دنیا کے تمام مسائل حل ہو جائیں اور دنیا کو امن و سکون میسر آ جائے۔ میرا اعتقاد تو یہ ہے کہ آپ جیسی عظیم شخصیت کو اگر آج کے عالم جدید کی عنانِ حکومت دے دی جائے تو دنیا اپنی مشکلات کا حل تلاش کرنے میں پوری طرح کامیاب ہو جائے گی، کاش دنیا آپؐ جیسے مصلح کی ضرورت محسوس کرے۔''

ڈاکٹر ڈی. اے. رائٹ نے کہا تھا: ''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صرف اپنی ذات اور اپنی قوم کے لیے نہیں بلکہ کائنات کے لئے ابر رحمت تھے، تاریخ میں کسی ایسی شخصیت کی مثال موجود نہیں ہے جس نے احکامِ خداوندی کو اس احسن طریقے سے انجام دیا ہو۔''

پروفیسر ایچ. جی. ویلز کا قول ہے: ''حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایک ایسی سوسائٹی کی بنیاد رکھی جس میں ظلم و سفاکی کا خاتمہ کیا گیا۔ اس سے پہلے امن و سلامتی کا پیغام اس سے بڑھ کر کسی نے نہیں پیش کیا اور نہ ہی ایسی پاکیزہ سوسائٹی پیش کی۔''

سر ولیم میور کہتے ہیں: ''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایسے کام سرانجام دیئے جو عقل کو متحیر کر دیتے ہیں۔ تاریخ میں ایسا کوئی مصلح نہیں پیدا ہوا جس نے آپؐ کی طرح اتنی مختصر مدت میں انسان کو بیدار کیا ہو۔''

مسٹر اسٹینلی لکھتے ہیں: ''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شخصیت رحم و شجاعت کا حیرت انگیز مجموعہ ہے، آپؐ اتنے خوش خلق تھے کہ ادنیٰ و اعلیٰ سے محبت و شفقت سے پیش آتے، حقیقت یہ ہے کہ آپ کی عظیم الشان فیاضی، بہادری، استقلال اور بے غرضانہ محبت بلاشبہ لائق تعریف ہے۔''

ٹالسٹائی نے لکھا ہے:

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) دنیا کے ان بڑے معلمین میں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے تھے جنہوں نے انسانی سوسائٹی کی جلیل القدر خدمات انجام دیں، ان کے لیے یہ فخر کافی ہے کہ انہوں نے اخلاقی حیثیت سے گری ہوئی قوم کو نور حق کا راستہ دکھایا۔ اس کو خونریزی اور انسانی قربانی سے روکا اور اس کے لیے تہذیب وترقی کی راہیں کھول دیں۔ ایسا عظیم الشان کام وہی انجام دے سکتا ہے جس کو غیبی تائید حاصل ہو اور ایسا شخص بڑی عزت واحترام کا مستحق ہے۔''

میجر آرتھر گن لیونارڈ نے کہا ہے: ''حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہایت عظیم المرتبت انسان تھے۔ آپؐ ایک عظیم معمار اور مفکر تھے۔ آپؐ نے صرف اپنے زمانے کے حالات کے مقابلہ کی فکر نہیں کی اور جو تعمیر کی وہ صرف اپنے زمانے کے لیے نہیں بلکہ رہتی دنیا تک کے مسائل کو سوچا اور سلجھایا۔''

مسٹر کانسٹین کا کہنا ہے: ''تیرہ صدیاں گذر چکی ہیں تب سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ماؤں، بہنوں، بیویوں اور لڑکیوں کو وہ درجہ اور رتبہ دیا جو ابھی تک مغرب کے قوانین میں عورتوں کو نہیں دیا گیا۔''

مسٹر ریڈ گرانسن نے لکھا ہے: ''تاریخ ہمیں صاف صاف بتاتی ہے کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمام نبیوں میں وہ نبی ہیں جو سب سے زیادہ ممتاز ہیں، حضرت عیسیٰؑ کو ہم اعتقاداً نبی مانتے ہیں مگر ان کے کارناموں کی کوئی تفصیل مانگے تو ہم دینے سے قاصر ہیں۔ البتہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا لایا ہوا قرآن آج بھی اسی طرح موجود ہے اس دعویٰ کے ساتھ جو انہوں نے بالکل شروع میں کیا تھا'' کہ میرے جیسا کلام کوئی لا نہیں سکتا'' واقعتاً اس وقت سے لے کر آج تک بڑے بڑے شعراء، ادیب اور خطیب پیدا ہوئے، پھر یہ کہ عرب کے بڑے بڑے قادر الکلام شعراء جن کو اپنی زبان پر بڑا ناز تھا، جب انہوں نے اس الہامی کتاب کو مان لیا تو اب کون انکار کر سکتا ہے؟ پھر جب قرآن الہامی کتاب ثابت ہوا تو جو وہ کہے گا اسے بھی ماننا پڑے گا۔ اس لیے میں حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو سب سے بڑا اور آخری نبی تسلیم کرتا ہوں۔''

بابو جگل کشور کھنہ نے لکھا ہے: ''حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زندگی اور آپؐ کی تعلیمات کو دیکھ کر ہر شخص بآسانی اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ آپؐ نے دنیا پر بہت احسانات کئے ہیں اور دنیا نے آپؐ کی تعلیمات سے بہت کچھ فائدہ اٹھایا ہے، صرف ملک عرب ہی پر آپؐ کے احسانات نہیں ہیں بلکہ آپ کا فیض دنیا کے ہر گوشے میں پہنچا، غلامی کے خلاف سب سے پہلی آواز

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آپؐ نے بلند کی اور اس کے بارے میں ایسے احکامات جاری کیے کہ ان کے حقوق بھائیوں کے برابر کر دیئے۔ آپؐ نے عورتوں اور اسیروں کے درجے کو بلند کیا، سود کو حرام کر کے سرمایہ داری کی جڑ پر ایسا کلہاڑا مارا کہ اس کے بعد یہ درخت اچھی طرح پھل پھول نہ دے سکے، مساوات کی طرف ایسا عملی قدم اٹھایا کہ اس سے پہلے ساری دنیا اس سے بالکل ناآشنا و ناواقف تھی۔''

مسٹر کارلائل کا کہنا تھا: ''اس صحرا نشین شخص میں باطنی سنجیدگی اور روحانیت اس طرح تھی کہ وہ فی الحقیقت خدا کی طرف منسوب کی جا سکتی ہے۔''

مسٹر جان ڈون پورٹ نے لکھا ہے: ''پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اندر فرشتوں کی صفات تھیں، آپؐ کی نصیحت بہت جلد اثر کرتی تھی، خیال بلند اور دلیرانہ تھا، رائے صائب اور استقلال قابل تعریف تھا، بڑے فصیح البیان تھے، آپؐ بادشاہ، سپہ سالار، قاضی، واعظ اور بہت بڑے بیدار مغز اور حلیم تھے''

ہاں تو شروع میں یہ بتایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے سیرت نبوی کو دنیا کے تمام مسلمانوں کے لئے نمونہ کامل قرار دیا ہے اور اسی نمونہ کی پیروی میں ان کی دنیوی واخروی فلاح مضمر ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ساری دنیا کے لیے ایک نمونہ کامل بن کر تشریف لائے تھے۔ ایک رسول، ایک آقا، ایک باپ، ایک دوست، ایک بھائی، ایک شوہر، ایک جنرل، ایک پڑوسی، غرض آپؐ نے ہر حیثیت سے ایک مثالی زندگی گذاری، آپؐ کے اسوۂ حسنہ کی روشنی آج بھی گمراہ انسانیت کو منزل مقصود تک پہنچا سکتی ہے، زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کے بارے میں مسلمانوں کو سرور کائنات کی زندگی سے قابل تقلید مثال نہ ملتی ہو اور ایسا کوئی مسئلہ نہیں جس کا حل آپؐ نے نہ پیش کیا ہو۔

پس اگر مسلمان یہ چاہتے ہیں کہ دنیا کے اضطراب وہولناکیوں سے انہیں نجات مل جائے، ہر طرح کے پرخطر حالات کا مقابلہ کرنے کا حوصلہ ان کے اندر پیدا ہو جائے اور وہ دنیا والوں کی نگاہ میں محبوب و عزیز بن جائیں، تو ضروری ہے کہ وہ اپنے ہر کام میں سیرت پاک کو نمونہ بنائیں۔

حضرات! یہ جلسے، یہ تقریریں، وعظ وپند کی یہ مجلسیں صرف اس لیے نہیں ہوتیں کہ کہنے والا کہہ دے اور سننے والے سن لیں، کہنے والا کہہ کر فرصت لے لے اور سننے والے سن کر چھٹی پا جائیں، بلکہ یہ سب کچھ اس لیے ہوتا ہے کہ قرآن وسیرت پاک کی روشنی میں ہم اپنے کردار، اپنی گفتار اور اپنی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مصروفیتوں اور مشغولیتوں کا جائزہ لیتے رہیں کہ: کیا ہم اسی راستہ پر چل رہے ہیں جس پر چلنے کا حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا اور جس پر خود چل کر دکھایا تھا؟ کیا ہمیں ان کاموں سے محبت ہے جن کاموں سے آپ کو محبت تھی؟ کیا ہم ان باتوں سے متنفر رہتے ہیں جن سے رسول پاک کو نفرت تھی؟ کیا روزی کمانے میں ہم ان اصولوں کو ملحوظ رکھتے ہیں جو آنحضرتؐ کا اصول تھا؟

ذرا ہم غور کریں: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی رات میں اللہ سے ملے تھے، اس موقع پر آپ کی امت پر پنج وقتہ نماز فرض کی گئی تھی۔ گویا آپ کی امت کو آپ کی معرفت اللہ کی طرف سے پنج وقتہ نماز کا تحفہ ملا تھا اور نماز سے آپؐ کو اس قدر محبت تھی کہ فرمایا کرتے تھے، قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلٰوةِ۔ یعنی نماز میں میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اور جب نماز کا وقت ہو جاتا تھا تو اس وقت آپ کو نماز سے زیادہ کسی چیز سے لگاؤ نہیں ہوتا تھا۔

مگر افسوس اذان ہو جاتی ہے، نماز کے لیے دن بھر میں پانچ بار پکار ہوتی ہے، مگر ہم اپنے کاروبار میں، اپنی تجارت میں، اپنی دلچسپ محفلوں میں مگن رہتے ہیں اور نماز کے لیے دنیوی مصروفیات کو چھوڑنے پر تیار نہیں ہوتے پھر بھی ہم اپنے کو حق پر سمجھ کر بقیہ تمام لوگوں کو گمراہ سمجھتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو دکھ نہیں دیا۔ آپ کی ذات سے جانوروں تک کو کوئی تکلیف نہیں پہنچی۔ آپؐ نماز کی حالت میں کسی بچے کا رونا سنتے تو نماز میں جلدی فرمایا کرتے تھے، آپ کی رحمتوں کا دامن دشمنوں پر بھی پھیلا ہوا تھا۔

لیکن ہمارے شر سے نہ ہمارا پڑوسی محفوظ نہ خاندان کے افراد محفوظ، نہ کمزور درجہ کے لوگ محفوظ رہتے ہیں، ہم جسے مار سکتے ہیں اسے مارنے سے چوکتے نہیں، ہم جسے نقصان پہنچانے پر قدرت رکھتے ہیں، موقع ملتے پر اسے صفحۂ ہستی سے مٹا دینے پر تیار ہو جاتے ہیں اور جس پر ہمارا بس نہیں چلتا اسے زبان سے ہی اذیت پہنچاتے ہیں، پھر بھی ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا تعلق فرقۂ ناجیہ سے ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بوریا پر سوتے تھے یہاں تک کہ اس کا نشان آپ کی پیٹھ پر پڑ جاتا تھا، آپؐ دنیا کے آرام پر آخرت کے آرام کو ترجیح دیتے تھے، آپؐ کو دنیوی مفاد سے زیادہ اخروی مفاد پیارا تھا۔

مگر ہمارا مرنا بھی دنیا کے لیے ہے اور جینا بھی، ہماری جدوجہد بھی دنیا کے لئے ہے اور ہماری دوڑ دھوپ بھی، ہماری دوستی بھی دنیوی مفاد کے لیے ہے اور دشمنی بھی، پھر بھی ہم یہ دعویٰ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرتے نہیں تھکتے کہ میدانِ حشر میں آنحضرتؐ کی شفاعت ہمیں ضرور نصیب ہوگی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کے لیے بے انتہا قربانیاں دیں، اس کے لیے ناقابل برداشت مظالم سہے۔

لیکن جب اسی دین کی ترویج واشاعت کے لیے ہم سے کہا جاتا ہے تو ہمیں سانپ سونگھ جاتا ہے، پھر بھی ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارا تعلق صحیح مسلک سے ہے اور ہم ہی صحیح راستے پر ہیں۔

قرآن میں بتایا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک تمام مسلمانوں کے لیے کامل نمونہ ہے۔

لیکن یہ نمونہ صرف آپ کی زندگی تک محدود نہیں ہے بلکہ قیامت تک کے لیے ہے۔

جو کچھ اللہ کی طرف سے آپؐ لائے ہیں اور جس طریقے پر اللہ کی ہدایت، درہنمائی کے تحت آپؐ نے عمل کیا ہے وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مسلمانوں کے درمیان فیصلہ کن سند ہے اور اس سند کو ماننے یا نہ ماننے ہی پر آدمی کے مومن ہونے اور نہ ہونے کا دارومدار ہے۔

حدیث میں اسی بات کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں ارشاد فرمایا ہے: لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبِعاً لِمَا جِئْتُ بِهٖ. ''تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی خواہشِ نفس اس طریقہ کے تابع نہ ہو جائے جسے میں لے کر آیا ہوں۔''

آنحضرتؐ کی حیات پاک ایک نظر میں:

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم ۹ ربیع الاول، دوشنبہ کے دن، مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء کو صبح صادق کے بعد مکہ معظمہ میں حضرت آمنہ کے بطن سے یتیمی کی حالت میں پیدا ہوئے۔

چالیس سال کی عمر میں ۱۷ رمضان المبارک، مطابق یکم فروری ۶۱۰ء کو آپ کو نبوت ملی۔

آپؐ نے تیرہ سال مکہ معظمہ میں تبلیغ فرمائی اور تمام دنیا کو نیکی اور توحید کا پیغام دیا۔

کفار کے ظلم وتشدد کی بنا پر ۵ھ نبوی میں انفرادی ہجرت کا حکم ہوا اور آپؐ کے پندرہ صحابہؓ نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔

۷ھ نبوی میں مع خاندان (سوائے ابولہب کے) مکہ کی ایک گھاٹی، شعب ابی طالب میں محصور کیے گئے۔

۱۰ھ نبوی میں طائف کا تبلیغی سفر فرمایا اور اسی سال ماہ رجب کی ۲۷ویں شب، دوشنبہ کو

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معراج ہوئی۔

۱۳ نبوی، ۲۷ ؍صفر جمعہ کو مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی، ۱۴ ؍روز قبا میں قیام فرما کر دو شنبہ ۲۲ ؍ربیع الاول کو مدینہ وارد ہوئے۔

۱ ہجری میں مسجد نبوی کی بنیاد رکھی، پانچ نمازیں معراج میں فرض ہو چکی تھیں۔

۲ ہجری میں اذان کا حکم ہوا، روزے فرض ہوئے، غزوۂ بدر پیش آیا۔

۳ ہجری میں زکوٰۃ فرض ہوئی، شراب حرام ہوئی اور غزوۂ احد پیش آیا۔

۵ ہجری میں پردہ کا حکم ہوا، حج فرض ہوا، خندق کی لڑائی ہوئی۔

۶ ہجری میں قریش کے ساتھ حدیبیہ کا معاہدہ ہوا۔

۷ میں خطوط کے ذریعہ سلاطین عالم کو اسلام کی دعوت دی۔

۸ ہجری میں مکہ فتح ہوا، غزوہ حنین وطائف پیش آئے۔

۹ ہجری میں تبوک کا سفر کیا مگر رومی شہنشاہیت کو مقابلہ کی ہمت نہیں ہوئی۔

۱۰ ہجری میں ایک لاکھ چوبیس ہزار فرزندان اسلام کے ساتھ حجۃ الوداع ادا فرمایا۔

۶۳ ؍سال ۴ دن کی عمر میں ۱۲ ؍ربیع الاول ۱۱ ہجری دوشنبہ کے دن چاشت کے وقت حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔

۱۳ ؍ربیع الاول کو رات کے وقت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں تدفین عمل میں آئی۔

اس طرح آپ نے اس عالم میں ولادت سے لے کر وصال تک ۲۲۳۳۰ دن، ۶ گھنٹے قیام فرمایا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآنی تعلیمات اور سیرت طیبہ کا پابند بننے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَ بَارِکْ عَلَيْهِ
وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡم

محبتِ رسول ﷺ

نَحۡمَدُهٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِهِ الۡكَرِيۡم. اَمَّا بَعۡدُ!

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ

لَا يُؤۡمِنُ اَحَدُكُمۡ حَتّٰی اَكُوۡنَ اَحَبَّ اِلَيۡهِ مِنۡ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجۡمَعِيۡنَ.

سما سکتی ہے کیونکر حب دنیا کی ہوا دل میں — بسا ہو جب کہ نقش حب محبوب خدا دل میں

محمدؐ کی محبت دین حق کی شرط اول ہے — اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

محمدؐ کی محبت آن ملت شان ملت ہے — محمدؐ کی محبت روح ملت جان ملت ہے

محمدؐ کی محبت خون کے رشتوں سے بالا ہے — یہ رشتہ دنیوی قانون کے رشتوں سے بالا ہے

محمدؐ ہے متاع عالم ایجاد سے پیارا

پدر، مادر، برادر، جان و مال، اولاد سے پیارا

اللہ تعالیٰ کی تعریف وتوصیف جس نے ہمیں ایمان اور اسلام کی دولت سے نوازا اور اپنے آخری رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی بننے کا شرف بخشا۔

حضرات! اللہ رب العالمین نے سورۂ آل عمران میں ارشاد فرمایا ہے: لَقَدۡ مَنَّ اللّٰهُ عَلَی الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اِذۡ بَعَثَ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡ اَنۡفُسِهِمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيۡهِمۡ وَ يُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَ اِنۡ كَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِيۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ. ''درحقیقت اہل ایمان پر اللہ تعالیٰ نے یہ بہت بڑا احسان کیا ہے کہ ان کے درمیان خود انہی میں سے ایک ایسا پیغمبر اٹھایا جو اس کی آیات انہیں سناتا ہے، ان کی زندگیوں کو سنوارتا ہے اور ان کو کتاب و دانائی کی تعلیم دیتا ہے، حالاں کہ اس سے پہلے یہی لوگ صریح گمراہیوں میں پڑے ہوئے تھے۔''

اللہ نے ہم پر بے شمار احسان کیے ہیں اور ہمیں ان گنت نعمتوں سے نوازا ہے لیکن اللہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تعالیٰ نے کسی احسان پر احسان نہیں جتایا ہے۔قرآن میں یہ کہیں نہیں فرمایا کہ ہم نے تمہیں ہاتھ پاؤں دیے تو تم پر احسان کیا، تمہیں دیکھنے، سننے، بولنے اور سمجھنے کی قابلیتیں بخشیں تو تم پر احسان کیا، تمہارے رہنے بسنے کے لیے زمین بنا کر تم پر احسان کیا، تمہیں روشنی حاصل کرنے کے لیے ہم نے آسمان میں چمکدار سورج کا گولہ بنایا تو تم پر احسان کیا، تمہیں آکسیجن پہنچانے کے لیے ہوائیں چلائیں تو تم پر احسان کیا، تمہارے لیے آسمان سے بارش نازل کی تو تم پر احسان کیا، تمہیں عدم سے وجود میں لاکر تم پر احسان کیا، حالاں کہ یہ سب اللہ کی بخشی ہوئی نعمتیں ہیں۔

معلوم ہوا کہ ہم مسلمانوں کے لیے ان تمام احسانات سے بڑا احسان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے اندر اپنے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور ہمیں ان کے امتی ہونے کا شرف بخشا۔

سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کو ہم مسلمانوں کے لیے اپنا سب سے بڑا احسان کیوں قرار دیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہمیں اسلام کی دولت ملی، جو اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے جیسا کہ اللہ نے سورۂ مائدہ میں ارشاد فرمایا:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْناً. ''آج میں نے تمہیں دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کر لیا۔''

تو جب اسلام ہمارے لیے اللہ کی سب سے بڑی نعمت ہے تو وہ شخصیت ہمارے لیے کتنی محبوب اور پیاری ہونی چاہیے جس کے ذریعہ اسلام ہم تک پہنچا اور جس نے اپنے قول وفعل سے اس کی تعبیر وتشریح کی۔

چوں کہ وہ شخصیت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے اس لیے مسلمانوں کو ہر چیز سے زیادہ، ہر نعمت سے زیادہ، ہر انسان سے زیادہ، ہر رشتہ دار سے زیادہ اور ہر مفاد سے زیادہ سید المرسلین فخر انسانیت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہونی چاہیے۔

محبت رسول ﷺ ایمان کا معیار اور اس کے کامل ہونے کی علامت ہے۔ بخاری میں روایت ہے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ. ''تم میں سے کوئی شخص مومن ہو ہی نہیں سکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کے ماں باپ، اس کی اولاد اور دنیا کے تمام لوگوں سے زیادہ پیارا نہ بن جاؤں۔''

یعنی مسلمان میزان کے ایک پلڑے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو رکھے اور دوسرے پلڑے میں دنیا اور اس کی تمام چیزوں، تمام انسانوں اور ہر قسم کی نعمتوں کی محبت رکھے، اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت دنیا کی تمام چیزوں کی محبت پر غالب ہے تب تو ایمان ہے اور اگر دنیا یا دنیا کی کسی چیز کی محبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پر غالب ہے تو پھر ایمان نہیں ہے، یا تو کفر ہے یا نفاق پنپ رہا ہے ؎

حب محبوب خدا اے دل جسے حاصل نہیں — لاکھ مومن ہو مگر ایمان میں کامل نہیں

دنیا میں ہر چیز کا بدلہ ہر چیز سے دیا جا سکتا ہے مگر محبت ایسی چیز ہے جس کا بدلہ محبت سے ہی دیا جا سکتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت سے کس قدر محبت تھی، کسی شخص کی محبت کا اندازہ کرنا ہو تو عین مصیبت اور پریشانی کے وقت اور عین خوشی کے وقت اس کا اندازہ لگانا چاہیے۔ انسان مصیبت کی انتہا کو پہنچ جائے اور خوشی کے آخری مقام پر ہو اور وہ اپنی محبت کو نہ بھولے، تو ایسے شخص کی محبت کے بارے میں شک وشبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی رات میں اللہ سے ملاقات کے وقت کہتے ہیں: اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّيِّبٰتُ. ''تمام زبانی عبادتیں اور تمام روحانی عبادتیں اور بدنی عبادتیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے مخصوص ہیں۔''

جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ. ''اے نبی تم پر سلامتی ہو اور اللہ کی رحمتیں اور اس کی برکتیں نازل ہوں۔''

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ.

''ہم پر سلامتی ہو اور اللہ کے نیک بندوں پر بھی۔''

آپؐ اللہ سے گفتگو کر رہے ہیں، خوشی کے آخری مقام پر ہیں مگر اپنی امت کی یاد اور ان

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی فلاح کی فکر آپؐ کے دل میں موجود ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ حشر کے دن جب تمام انسانوں حتی کہ انبیاء کی زبانوں پر بھی نفسی نفسی ہوگا اس نازک اور ہولناک گھڑی میں آپؐ کی زبان پر اَللّٰھُمَّ اُمَّتِیْ اُمَّتِیْ ہوگا، لوگوں کو اپنی نجات کی فکر ہوگی اور آپؐ کو اپنی امت کی نجات کی فکر ہوگی۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم سے اس قدر محبت تھی تو کیا یہ بات قرین قیاس ہو سکتی ہے کہ ہمیں آپؐ سے زیادہ، اپنے والدین، اپنی اولاد، اپنے اعزہ و احباب، اپنے مال و اسباب، اپنی کمائی ہوئی دولت اور اپنے کاروبار اور مصروفیات سے محبت ہو؟

بخاری و مسلم میں روایت ہے: مشہور صحابیٔ رسول حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ قیامت کب آئے گی؟ آپ نے فرمایا: افسوس تو نے اس کے لیے کیا تیاری کر رکھی ہے؟

اس نے عرض کیا: میرے پاس تو اور کچھ نہیں ہے البتہ مجھے ہر چیز سے زیادہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے۔

آپؐ نے فرمایا: تو یقیناً اس کے ساتھ ہوگا جس سے تو محبت کرتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے مسلمانوں کو اسلام لانے کی خوشی کے بعد، کسی بات پر اتنا خوش ہوتے نہیں دیکھا جتنا ان کو اس بشارت سے خوش ہوتے دیکھا۔

بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْاِيْمَانِ اَنْ يَّكُوْنَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا وَ اَنْ يُّحِبَّ الْمَرْءُ لَا يُحِبُّهُ اِلَّا لِلّٰهِ وَ اَنْ يَّكْرَهَ اَنْ يَّعُوْدَ فِي الْكُفْرِ كَمَا يَكْرَهُ اَنْ يُّقْذَفَ فِي النَّارِ. ''جس میں تین باتیں ہوں گی وہ ایمان کا مزہ پائے گا۔ اللہ اور اس کے رسول کی محبت اس کو سب سے زیادہ ہو، فقط اللہ کے لیے کسی سے دوستی رکھے اور دوبارہ کافر بننا اس کو اتنا ناگوار ہو جیسے آگ میں جھونکا جانا۔''

چوں کہ محبت رسول عین ایمان ہے، اس لیے جس کے دل میں جتنا زیادہ ایمان ہوگا اس کے دل میں اتنی ہی زیادہ آپؐ کی محبت ہوگی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اب آیئے ہم تاریخ کی روشنی میں ایمان والوں کی محبت رسول کا جائزہ لیں:

ظاہر بات ہے کہ صحابہ کرامؓ کا ایمان بہت مضبوط اور مستحکم تھا، اس لیے انہیں ہر چیز سے زیادہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت تھی۔

اس سلسلے میں تاریخ اسلام کے چند واقعات آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں لیکن انہیں بیان کرنے سے پہلے ایک بہت ہی ضروری بات کا جان لینا ضروری ہے۔ وہ یہ کہ اسلامی تاریخی واقعات ہر دور کے انسان کے لیے زندہ رہنما کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان میں ہر زمانہ کے انسان کے لیے سبق ہوتا ہے۔

ایک رکشہ چلانے والا غریب مزدور، ایک روز شام کو دن بھر کی محنت کے بعد گھر آیا، اس کی بیوی نے اس کے سامنے جو کھانا رکھا اس میں جو کی روٹی اور ارہر کی بلا بگھاری دال تھی۔ وہ اس روکھے سوکھے کھانے کو دیکھ کر اپنی بیوی پر برس پڑا، بولا: ''اللہ تعالیٰ کتنا بڑا بے انصاف ہے، جو لوگ شاندار محلوں میں رہتے ہیں، انہیں بلا محنت و مشقت کے انواع و اقسام کے کھانے میسر ہوتے ہیں اور ہم مزدور دن بھر پسینہ بہاتے ہیں پھر بھی ہمیں ایسا کھانا ملتا ہے۔''

بیوی نے جواب دیا: ''تم ایسی باتیں کہہ رہے ہو؟ تمہارے سامنے تو دال اور روٹی ہے اور ہمارے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال تھا کہ آپؐ کے گھر میں دو دو ماہ تک چولہا نہیں جلتا تھا۔''

بیوی کی زبان سے یہ سن کر وہ رو پڑا اور اس نے اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے کہا: ''اے اللہ! تیرا لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے کہ مجھے دال روٹی مل رہی ہے لیکن تیرا آخری پیغمبر اکثر پانی پی کر سو رہتا تھا۔''

۳ رمئی ۱۹۶۹ء کو ہندوستان کے سابق صدر جمہوریہ ڈاکٹر ذاکر حسین کا اچانک انتقال ہو گیا۔ اس وقت مسٹر وی۔وی۔ گری ہندوستان کے نائب صدر جمہوریہ تھے۔ ہندوستان کے دستور کے مطابق مسٹر گری ہندوستان کے قائم مقام صدر جمہوریہ بن گئے لیکن کچھ دن کے بعد انہوں نے طے کیا کہ وہ اپنے عہدے سے استعفیٰ دے دیں اور پھر سے صدارت کا الیکشن لڑیں۔ ان کے استعفیٰ کی وجہ سے جو صورتِ حال پیدا ہوئی اس کے نتیجے میں اس وقت کے سپریم کورٹ کے چیف جسٹس ہدایت اللہ ہندوستان کے قائم مقام صدر جمہوریہ بن گئے۔ اور ۳۶ دن یعنی ۲۴ رجولائی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۹۶۹ء سے ۳۰/ اگست ۱۹۶۹ء تک اس عہدے پر رہے۔

دنیا کی سب سے بڑی جمہوریہ کے صدر ہونے کی حیثیت سے انہیں جو تجربات ہوئے اسے انہوں نے اپنی خودنوشت سوانح عمری میں قلمبند کیا ہے جس کا ایک واقعہ بہت ہی دلچسپ اور سبق آموز ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''۱۵/ اگست ۱۹۶۹ء کو ہندوستان میں آزادی کی تقریب منائی جارہی تھی، صدر کا روایتی جلوس راشٹر پتی بھون سے نکلا، میں صدر کی حیثیت سے آگے آگے چل رہا تھا اور میرے آگے پیچھے، دائیں بائیں، صدارتی باڈی گارڈ، سیکورٹی فورس کا عملہ اور اعلیٰ فوجی افسران اس طرح چل رہے تھے کہ میرے اندر کبر و گھمنڈ کے جذبات پیدا ہونے لگے، اچانک مجھے حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ کے فتح بیت المقدس کا مشہور واقعہ یاد آ گیا۔ جب وہ اس سفر پر نکلے تو ان کے جسم پر جو کپڑا تھا اس میں پیوند لگے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا: میری اونٹنی لائی جائے، لوگوں نے ان کی سواری کے لیے ان کے سامنے ایک عمدہ ترکی النسل گھوڑا پیش کیا، جب وہ اس پر سوار ہو کر چلے تو تھوڑی دیر کے بعد اتر پڑے اور فرمایا: میری اونٹنی لائی جائے، لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے گھوڑا کیوں چھوڑ دیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ جب میں اس گھوڑے پر سوار ہوا تو وہ کچھ ایسی شان سے چلنے لگا کہ میرے دل میں بڑائی کا احساس پیدا ہو چلا اور میں نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ وہ شخص جنت میں نہیں جا سکتا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر کبر و گھمنڈ ہوگا۔''

جسٹس ہدایت اللہ لکھتے ہیں ''اس واقعہ کو یاد کر کے میرے دل کے اندر سے فخر و گھمنڈ کے کا احساس ختم ہو گیا اور ندامت کے جذبات پیدا ہونے لگے۔''

اسلامی تاریخی واقعات سے ہر دور میں انسان کو زندہ رہنمائی ملتی ہے مگر کب؟ جب انسان کا ضمیر بیدار اور فطرت زندہ ہو۔

جب فطرت زندہ ہوتی ہے تو انسان کو تڑپا دینے کے لیے ایک بات ہی کافی ہوتی ہے اور اسے صحیح راستے پر لانے کے لیے صرف ایک جملہ ہی اپنا پورا کام کر جاتا ہے اور اگر فطرت میں زندگی باقی نہ ہو تو لمبی چوڑی تقریریں، بڑے بڑے جلسے، بڑی بڑی کتابیں اور دلائل کا انبار بھی اسے سیدھے راستے پر نہیں لگا سکتے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شیخ حمیدالدین ابو حاکم قریشی کیچ اور مکران کے علاقے کے ایک فرماں روا گذرے ہیں۔ ان کے والد کا نام سلطان بہاؤالدین تھا۔ جب ان کا انتقال ہو گیا تو یہ تخت نشین ہوئے اور پورے اکیس برس تک انہوں نے بڑی آن بان کے ساتھ حکومت کی لیکن ان کی زندگی میں ایک ایسا واقعہ گذرا جس نے ان کی زندگی کا رنگ ہی پلٹ دیا اور یہ بجائے سلطان کے شیخ ہو گئے۔

واقعہ اس طرح ہے کہ ان کا کھجوروں کا ایک بہت بڑا باغ تھا اور باغ کے بیچ میں ان کا ایک شاندار محل تھا جس میں یہ ٹھہرا کرتے تھے، محل میں ایک لونڈی متعین تھی جس کے ذمہ یہ کام تھا کہ جب یہ باغ میں ٹہلنے کے لیے آئیں تو آرام کرنے کے لیے ان کا بستر بچھا دیا کرے۔

ایک دن لونڈی نے ان کا بستر بچھایا اور بے خیالی میں خود ہی اس پر لیٹ گئی۔ وہ جیسے ہی لیٹی اسے بے ساختہ نیند آ گئی۔

جب حمیدالدین آرام کرنے کے لیے محل میں پہنچے اور انہوں نے یہ ماجرا دیکھا کہ ان کے بستر پر ایک گستاخ لونڈی سو رہی ہے، تو انہیں بہت غصہ آیا پھر انہوں نے وہ چابک اٹھایا جس سے وہ اپنے گھوڑے کو مارا کرتے تھے، اسی چابک سے انہوں نے سوتی ہوئی لونڈی کو پیٹنا شروع کر دیا۔ ایک چابک مارا تو وہ جاگ گئی، پھر اس پر دس چابک پڑے لیکن اس پر جتنے چابک پڑتے جاتے تھے وہ کھلکھلا کر ہنستی جاتی تھی۔

حمیدالدین کو بڑی حیرت ہوئی۔ انہوں نے ہاتھ روک لیا اور ہنستی ہوئی لونڈی سے پوچھا: ''میں تجھے پیٹ رہا ہوں اور تو ہنس رہی ہے؟ کیا بات ہے آخر تجھے چوٹ نہیں آ رہی ہے؟ تو کس بات پر ہنس رہی ہے؟'' اس نے جواب دیا ''عالی جناب! مجھے یہ خیال آ رہا ہے کہ جب اس آرام دہ بستر پر ایک معمولی سی نیند اور تھوڑی دیر سونے کی اتنی بڑی سزا ہے تو اس شخص کا انجام کیا ہوگا جو روزانہ اس بستر پر آرام کرتا ہے؟''

واقعات میں آتا ہے کہ لونڈی کا یہ جواب سن کر حمیدالدین کا ہاتھ کانپ اٹھا، چابک ان کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گر پڑا، پھر انہوں نے سلطنت کو ٹھوکر مار دی، علماء کی صحبت میں رہنے لگے اور اپنی بقیہ زندگی انہوں نے تبلیغ و ارشاد میں گذار دی۔

فطرت میں زندگی ہو تو انسان کو تڑپا دینے کے لیے ایک جملہ ہی کافی ہوتا ہے۔ اب آیئے محبت رسولؐ کے واقعات کی طرف:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چند واقعات:

بخاری کی روایت ہے، عروہ نام کے ایک شخص نے صلح حدیبیہ کے موقع پر کفار مکہ سے کہا: ''خدا کی قسم، جب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے بلغم نکلا تو میں نے دیکھا کہ صحابہؓ نے اسے اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور اسے اپنے چہرہ اور بدن پر مل لیا، جب آپؐ نے کسی کام کا حکم دیا تو اسے بجالانے کے لیے دوڑ پڑے، جب آپؐ نے وضو کیا تو آپؐ کے وضو سے بچے ہوئے پانی کو حاصل کرنے کے لیے معلوم ہوتا تھا کہ آپس میں لڑ پڑیں گے، جب آپؐ نے گفتگو شروع کی تو انہوں نے اپنی آوازیں پست کرلیں، میں نے بہت سے بادشاہوں کو دیکھا ہے مگر واللہ، میں نے نہیں دیکھا کہ کسی بادشاہ کی تعظیم اس طرح کی جاتی ہو جس طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار ان کی تعظیم کرتے ہیں۔''

بخاری میں حضرت ابوحذیفہؓ کا یہ قول منقول ہے: ''ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا بچا ہوا پانی میں نے لے لیا، پھر صحابہ کرامؓ اسے لینے کے لیے لپکے، جسے جو کچھ ملا اپنے بدن پر مل لیا اور جو کچھ نہیں پاسکا اس نے دوسرے کے ہاتھ سے تری ہی لے لی۔''

سیرۃ النبی میں آیا ہے، ہجرت کی رات مشرکین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان کو گھیر رکھا تھا، ان کا ارادہ تھا کہ عرب کے تمام قبائل کے سردار بیک وقت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر حملہ کرکے ان کا کام تمام کردیں تاکہ ان کے خون کی ذمہ داری عرب کے سب قبیلوں پر آجائے اس طرح بنوہاشم تمام قبائل سے ان کے خون کا بدلہ نہ لے سکیں گے۔

اس رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''تم میرے بستر پر لیٹ جاؤ، خوف نہ کرنا، میں مدینہ جارہا ہوں، مکہ کے فلاں فلاں کی امانتیں میرے پاس رکھی ہیں انہیں ان کے حوالے کرکے تم بھی مدینہ چلے آنا۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپؐ کے حکم کو بخوشی منظور کرلیا حالاں کہ اس رات آپؐ کے بستر پر سونا خود اپنی موت کو دعوت دینا تھا، کیوں کہ یہ وہ رات تھی جب قاتلوں کا ہجوم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے درپے تھا۔

مشکوٰۃ میں واقعہ آتا ہے: ہجرت کی رات جب آپؐ مدینہ جانے کے لیے مکہ سے باہر پہنچے تو وطن چھوڑنے کا آپؐ کو بہت قلق ہوا، جب آپ کی نگاہ خانۂ کعبہ پر پڑی تو آپ کا دل تڑپ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اٹھا۔ حفیظ جالندھری کہتے ہیں ؎

نبیؐ نے خانۂ کعبہ کو دیکھا اور فرمایا کہ اے پیارے حرم میری تری فرقت کا وقت آیا
ترے فرزند اب مجھ کو یہاں رہنے نہیں دیتے تری پاکیزگی کا وعظ تک کہنے نہیں دیتے

ہجرت کا یہ سفر بڑی صعوبت کے ساتھ کٹا کیوں کہ انجانا راستہ تھا، ساتھ ہی دشوار ترین بھی۔ حفیظ جالندھری نے کہا ہے ؎

نبیؐ کے پائے نازک ہر قدم پر چوٹ کھاتے تھے دلِ صدیق کے جذبات زخمی ہوتے جاتے تھے
اندھیرا، پتھروں کا ڈھیر، کوہ ثور کی گھاٹی خدا ہی جانتا ہے یہ مصیبت کس طرح کاٹی

راستہ چلتے چلتے اچانک ایسا ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کود کر آپؐ کے آگے آ گئے اور آگے آگے چلنے لگے، تھوڑی دیر کے بعد آپؐ کے دائیں آ گئے، پھر بائیں آ گئے اور اچانک آپؐ کے پیچھے چلنے لگے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ابوبکر! یہ کیا؟ کبھی آگے آ جاتے ہو، کبھی پیچھے، کبھی دائیں چلنے لگتے ہو کبھی بائیں، ٹھیک سے چلو یہ کیسا چلنا ہے؟

انہوں نے عرض کیا ''یا رسول اللہ! جب مجھے خطرہ محسوس ہوتا ہے کہ دشمن آپ کے آگے سے نہ آ رہا ہو تو میں آپؐ کے آگے آ جاتا ہوں اور جب یہ محسوس ہوتا ہے کہ دشمن آپؐ کے دائیں نہ پہنچ جائے تو آپؐ کے دائیں آ جاتا ہوں اور جب ڈرتا ہوں کہ دشمن بائیں جانب سے آپؐ پر حملہ نہ کر دے تو بائیں پہنچ جاتا ہوں اور پیچھے سے حملہ ہونے کا خدشہ محسوس کرتا ہوں تو آپؐ کے پیچھے پہنچ جاتا ہوں تا کہ اگر کوئی تکلیف پہنچے تو مجھے پہنچے آپؐ اس سے محفوظ رہیں۔''

صبح ہوتے ہی یہ دونوں غار ثور پر پہنچ گئے، یہ چھپنے کی ایک محفوظ جگہ تھی کیوں کہ مشرکین کے تعاقب کا خطرہ تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ! آپؐ یہیں ٹھہریں میں غار میں پہلے داخل ہوتا ہوں، تا کہ کوئی تکلیف پہنچے تو مجھے پہنچے، چنانچہ غار میں جا کر انہوں نے اسے اچھی طرح صاف کیا، اس میں جتنے سوراخ تھے، چادر پھاڑ کر اس کے ٹکڑوں کو سوراخ میں لگا دیا۔ پھر بھی دو سوراخ باقی رہ گئے جس میں انہوں نے اپنے پیر لگا دیئے پھر عرض کیا یا رسول اللہ! تشریف لایئے۔ آپؐ غار میں داخل ہوئے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی گود میں سر رکھ کر سو گئے۔ تھوڑی دیر بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے انگوٹھے میں کسی زہریلے جانور نے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کاٹ لیا۔ لیکن شدت تکلیف کے باوجود اس خوف سے نہیں ہلے کہ کہیں ان کے جسم کی جنبش سے آپ ؐ کی نیند نہ کھل جائے۔ آخر کار جب زہر کی تکلیف نا قابل برداشت ہو گئی تو ان کی آنکھوں سے ٹپکنے والے آنسو کے قطرے چہرۂ انور پر گرنے لگے جس کی وجہ سے آپ ؐ کی نیند کھل گئی۔ آپ ؐ نے فرمایا: ابوبکر، کیا بات ہے؟ انہوں نے جواب دیا، یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ ؐ پر قربان ہوں، مجھے کسی زہریلے جانور نے کاٹ کھایا ہے۔ آپ ؐ نے اپنا لعاب اس جگہ لگا دیا جس سے زہر کا اثر زائل ہو گیا۔

زاد المعاد میں حضرت زیدؓ ابن حارثہ کا واقعہ منقول ہے:

یہ اپنے بچپن میں اپنی ماں سے بچھڑ گئے تھے، انہیں ڈاکوؤں نے اغوا کر لیا تھا۔ آخر کار یہ غلام بن کر حکیم ابن حزام کے ہاتھوں میں پہنچ گئے۔ ان سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے لے لیا اور پھر انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دے دیا۔ کافی عرصہ تک یہ آپ ؐ کی خدمت میں رہے، جب یہ خبر ان کے باپ کے پاس پہنچی تو وہ اپنے بھائی کو لے کر آپ ؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ ہم اپنے بیٹے زید کو لینے آئے ہیں۔ آپ ؐ اسے ہمارے حوالے کر دیجئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، زید اگر تمہارے ساتھ جانا چاہے تو جا سکتا ہے، میری طرف سے اجازت ہے اور اگر نہ جانا چاہے تو میں اسے مجبور نہیں کر سکتا۔ باپ نے زیدؓ سے کہا بیٹا! تمہیں حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے اجازت مل گئی ہے اس لیے ہمارے ساتھ اپنے گھر چلو۔ حضرت زیدؓ نے باپ کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا اور کہا میں حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتا حتیٰ کہ اپنے باپ کے پاس بھی نہیں۔ باپ کو زیدؓ کی طرف سے اس طرح کے جواب کی قطعاً کوئی امید نہیں تھی۔ اس نے حضرت زیدؓ سے کہا، زید! تم آزادی پر غلامی کو ترجیح دیتے ہو؟ تمہیں اپنے ماں باپ، اعزہ و اقارب اور گھر بار سے زیادہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پیارے ہیں؟ زیدؓ نے کہا، ابا جان! میں نے حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں وہ خوبیاں دیکھی ہیں اور اخلاق کا وہ بہترین نمونہ پایا ہے کہ میں ماں باپ کیا، اعزہ و اقارب کیا، گھر بار کیا، زر و جواہرات کے انبار کیا، ساری خدائی چھوڑ سکتا ہوں لیکن ان کی غلامی نہیں چھوڑ سکتا ۔

جذبۂ الفت مرا نا قابل تصریح ہے　　　باپ کیا ساری خدائی پر انہیں ترجیح ہے

سیرت ابن ہشام میں ہے:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ اسلام لانے کے جرم میں سولی پر لٹکا دیئے گئے۔ کفار نے انہیں انتہائی بے دردی کے ساتھ قتل کیا۔ وہ سولی پر لٹکے ہوئے تھے اسی حال میں ایک سخت دل کافر نے ان کے جگر پر برچھا مارا اور پوچھا، کیا تم پسند کرتے ہو کہ تمہاری جان بچ جائے اور تمہاری جگہ تمہارے آقا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کھڑا کر دیا جائے؟ تو انہوں نے جواب دیا:

تم یہ کہتے ہو، خدا کی قسم مجھے یہ بھی گوارہ نہیں ہے کہ مجھے چھوڑ دیا جائے اور اس کے بدلے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں میں ایک معمولی کانٹا بھی چبھ جائے ؎

یہ سب کچھ ہے گوارا پر یہ دیکھا جا نہیں سکتا
کہ انکے پائے اقدس میں کوئی کانٹا بھی چبھ جائے

زاد المعاد میں یہ واقعہ منقول ہے:

ایک بار ایک یہودیہ نے زہر آلود گوشت پکا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی تا کہ وہ ہلاک ہو جائیں۔ آپؐ نے دعوت قبول کی اور حضرت بشیرؓ نامی صحابی کے ساتھ اس کے گھر تشریف لے گئے۔ جب دونوں نے کھانا شروع کیا تو صحابی نے لقمہ نگل لیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے منہ میں ڈالتے ہی تھوک دیا اور فرمایا: مجھے خبر دی گئی ہے کہ اس کھانا میں زہر ملا ہے۔ حضرت بشیرؓ نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے بھی گوشت بدمزہ معلوم ہوا تھا لیکن میں نے اس لیے کھا لیا کہ چبایا ہوا لقمہ آپؐ کے سامنے تھوک دینا بہت بڑی بے ادبی تھی۔ پھر یہ صحابی اسی زہر کی وجہ سے شہید ہو گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قصاص میں یہودیہ کو قتل کرا دیا۔

استیعاب میں آیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ طیبہ پہنچے تو آپؐ نے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان میں قیام فرمایا جن کا مکان دو منزلہ تھا۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپؐ اوپر والے مکان میں قیام فرمائیں ورنہ آپ کی بڑی بے ادبی ہوگی۔ مگر آپؐ نے نیچے والی منزل میں ٹھہرنا پسند فرمایا۔

حضرت ابو ایوبؓ اوپر والی منزل پر رہتے تھے مگر اس قدر احتیاط کرتے تھے کہ اوپر سے پانی نیچے نہ گرنے پائے۔ اگر کبھی غسل وغیرہ کا پانی پھیلتا تو اسے کمبل وغیرہ سے سکھا لیتے تا کہ آپؐ پر یا آپؐ کے کپڑوں پر اس کے چھینٹے نہ پڑیں۔

ایک دن جاڑے کے موسم میں رات کے وقت پانی کا گھڑا ٹوٹ گیا جس کی وجہ سے سارا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پانی چھت پر پھیل گیا۔ حضرت ابوایوبؓ اوران کی بیوی نے سوچا چھت کمزور اور معمولی ہے، اگر چھت میں پانی جذب ہوکر نیچے ٹپکے گا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑی تکلیف ہوگی، فوراً اپنا اوڑھنے والا لحاف، جس کے سوا ان کے پاس دوسرا لحاف نہیں تھا، پانی پر ڈال کر سارا پانی اس میں سکھالیا اور خود میاں بیوی دونوں نے سخت سردی برداشت کرلی۔ دونوں یوں ہی پوری رات بیٹھے رہے اور ساری رات گذار دی۔

ترمذی میں ہے۔

خلیفہ دوئم حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں حضرت اسامہؓ ابن زید کے لیے ساڑھے تین ہزار کا وظیفہ مقرر کیا اور اپنے بیٹے حضرت عبداللہؓ ابن عمر کے لیے تین ہزار کا۔ اس پر حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے اپنے والد سے کہا ''آپ نے کس وجہ سے اسامہؓ کو مجھ پر ترجیح دی جب کہ وہ مجھ سے زیادہ کسی معرکے میں شریک نہیں ہوئے؟'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت زیدؓ یعنی اسامہؓ کے والد، تیرے والد یعنی مجھ سے زیادہ محبوب تھے اور اسامہؓ بھی تجھ سے زیادہ آپؐ کو محبوب تھے، اس لیے میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب کو اپنے محبوب یعنی تجھ پر ترجیح دی۔''

استیعاب میں واقعہ منقول ہے۔

غزوۂ بدر (۲ھ) میں دو نوعمر لڑکے محاذ ابن عمرو ابن جموح اور معوذ ابن عفراء رضی اللہ عنہما شریک ہوئے اور اس ارادہ کے ساتھ شریک ہوئے کہ انہوں نے سنا تھا کہ ابوجہل محبوب باری یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتا ہے، چنانچہ میدانِ بدر میں پہنچے مگر ابوجہل کو پہچانتے نہ تھے۔ انہوں نے حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف رضی اللہ عنہ سے اس کا پتہ پوچھا۔ جب انہوں نے ابوجہل کی نشاندہی کی تو یہ دونوں باز کی طرح اس پر جھپٹ پڑے اور معوذ ابن عفراء کی تلوار کی ضرب سے ابوجہل خاک وخون میں تڑپنے لگا۔

غزوۂ احد شوال ۳ھ میں پیش آیا۔ اس جنگ میں کفار کی تعداد تین ہزار تھی اور مسلمان صرف سات سو کی تعداد میں تھے۔ جنگ میں مسلمانوں کی فتح ہوئی لیکن کچھ وجوہات کی وجہ سے جنگ کا پانسہ پلٹ گیا اور مسلمانوں کی شکست ہوگئی۔ اس میں ستر مسلمان شہید ہوئے۔ شکست کے بعد کچھ نوجوان مسلمان اپنی جانیں بچا کر اپنے گھروں کو لوٹ آئے۔ جب وہ گھر پہنچے تو ان کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ماؤں، بہنوں اور ان کی بیویوں نے ان کا استقبال نہیں کیا بلکہ اپنا رخ پھیر لیا۔ حفیظ جالندھری کہتے ہیں ؎

دیئے ماں نے دھکے، بیویوں نے ان سے رخ پھیرا — جدھر نظریں اٹھیں شرم و ندامت ہی نے آ گھیرا
کہا ماؤں نے جاؤ اب نہ تم بیٹے نہ ہم مائیں — حرام ان پر ہمارا دودھ جو میداں سے بھاگ آئیں
اسی بے آبروئی کے لیے کیا تم کو پالا تھا؟ — وہیں تم بھی رہے ہوتے جہاں وہ کملی والا تھا

گویا کہ ایک ماں کو اپنے لاڈلے بیٹے سے زیادہ، ایک بہن کو اپنے بھائی سے زیادہ اور بیوی کو اپنے شوہر کی جان سے زیادہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت تھی۔

ایک ماں کو یہ گوارا تھا کہ اس کے بڑھاپے کا سہارا اس کا نوجوان بیٹا میدانِ جنگ میں ذبح کر دیا جائے، ایک بہن کو یہ بات پسند تھی کہ اس کا نوجوان بھائی شہید کر دیا جائے، ایک بیوی یہ گوارا کرنے کو تیار تھی کہ اس کا سہاگ اجڑ جائے لیکن یہ گوارا نہیں تھا کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی آنچ بھی آنے پائے۔

اسی غزوہ میں ایک بدبخت نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر تلوار ماری جس کی ضرب سے خود کی دو کڑیاں چہرۂ مبارک میں گھس گئیں اور چہرہ اس طرح زخمی ہو گیا کہ ایک دانت بھی شہید ہو گیا۔ آپ زخموں کی تاب نہ لا کر ایک خس پوش گڑھے میں گر گئے جسے مشرکین نے اسی لیے بنایا تھا، اس موقع پر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دانتوں سے زور لگا کر خود کی کڑیاں نکالیں جس کی وجہ سے ان کے سامنے کے دو دانت ٹوٹ گئے۔

میدانِ جنگ میں جب دشمنان اسلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تیروں کی بارش شروع کر دی تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھوں سے تیروں کی بوچھار کو اس طرح روکا کہ ان کے دونوں ہاتھ شل ہو گئے اور چھلنی کی طرح ان میں سوراخ ہو گئے۔

اسی موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر مشہور ہو گئی۔ یہ خبر اتنی تیزی کے ساتھ پھیلی کہ مدینہ تک پہنچ گئی۔ ایک انصاریہ بیتابانہ میدانِ جنگ کی طرف آئیں، وہ ہر ملنے والے سے آپ کی خیریت معلوم کرتی تھیں، لوگوں کے ذریعہ انہیں پتہ چلا کہ تیرے بھائی اس جنگ میں کام آ گئے، انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خیریت معلوم کی۔ انہیں بتایا گیا کہ تیرے شوہر بھی اس جنگ میں کام آ گئے، وہ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پوچھنے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لگیں، جب ان کے بیٹوں کی شہادت کی خبر انہیں دی گئی تب بھی وہ اس بات کی لیے پریشان رہیں کہ خدا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ بقول حفیظ جالندھری ؎

نہ شوہر کا، نہ بیٹوں کا، نہ بھائی کا خیال آیا رسولؐ اللہ کیسے ہیں؟ یہی لب پر سوال آیا

جب لوگوں نے انہیں بتایا کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں تو یہ خوشخبری سن کر وہ مطمئن ہو گئیں اور انہوں نے کہا: ذرا مجھے دکھلا دو، میں بھی آپ کا وجود مبارک دیکھ لوں، لوگوں نے اشارے سے بتلایا، جب ان کی نظر آپؐ پر پڑی تو بے ساختہ پکار اٹھیں: كُلُّ مُصِيبَةٍ بَعْدَكَ جَلَلٌ ''آپ کے بعد ہر مصیبت ہیچ ہے۔'' ؎

تسلی ہے پناہ بے کساں زندہ سلامت ہے کوئی پروا نہیں سارا جہاں زندہ سلامت ہے

اسی جنگ میں ایک صحابی حضرت سعدؓ ابن ربیع زخموں سے چور ہو کر اس طرح گرے کہ ان کی سانس اکھڑنے لگی۔ ایک صحابیؓ ان کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک میرا اسلام پہنچا دینا اور میری طرف سے عرض کر دینا کہ خداوند کریم آپ کو بہترین اجر و صلہ عطا فرمائے کہ آپ ہی کی وجہ سے ہم لوگ کیسے بلند مرتبے پر پہنچے۔

حضرت عمارۃؓ ابن زیاد زخموں کی تاب نہ لا کر گر پڑے، پورا جسم لہولہان تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سر کے پاس پہنچ گئے۔ آپؐ نے پوچھا عمارہ! اگر کوئی تمنا ہو تو بتاؤ، وہ اپنا چہرہ گھسیٹتے ہوئے لائے اور آپؐ کے پاؤں پر رگڑنے لگے، گویا اگر کوئی تمنا ہے تو یہی ہے کہ ؎

سر بوقت ذبح اپنا ان کے زیر پائے ہے یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

غزوۂ حنین ۸ھ میں پیش آیا۔ یہ غزوہ فتح ہوا تو مسلمانوں کو بے شمار بربادیوں کے بعد بہت زیادہ مالِ غنیمت ملا۔ چوبیس ہزار اونٹ ملے، چالیس ہزار سے زیادہ بکریاں ملیں اور چار ہزار اوقیہ چاندی ملی۔ یعنی ایک لاکھ ساٹھ ہزار درہم جس کی مقدار چھ کُنٹل سے چھ ہی کلو کم ہوتی ہے۔

جب مال غنیمت کی تقسیم شروع ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مال مہاجرین میں تقسیم کر دیا۔ انصار کے کچھ افراد نے شکایت کی کہ جب خون کی ضرورت ہوتی ہے تو انصار یاد آتے ہیں اور جب مال غنیمت ملا تو انصار کو اس سے محروم کر دیا گیا۔

آپ کو جب انصار کی اس شکایت کی خبر ملی تو آپؐ نے انصار کو مخاطب کر کے فرمایا:

اَلَا تَرْضَوْنَ اَنْ يَّذْهَبَ النَّاسُ بِالشَّاةِ وَالْبَعِيْرِ وَ تَذْهَبُوْا بِالنَّبِيِّ اِلٰى

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رِحَالِکُمْ. ''اے انصار! کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ لوگ اپنے گھروں میں اونٹ اور بکریوں کے ساتھ جائیں اور تم اپنے نبیؐ کے ساتھ جاؤ۔''

آپؐ کی اس بات کو سن کر انصار روتے ہوئے چیخ پڑے اور کہنے لگے: رَضِینَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ. ''اے اللہ کے رسول ہم راضی ہیں۔''

یعنی ہم اس پر مطمئن ہیں کہ اگرچہ ہم اونٹ اور بکریوں سے محروم ہیں لیکن اپنے گھروں کو ہم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہے ہیں۔

تیسیر الباری میں ہے:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اس قدر تکلیف پہنچی کہ ان سے صبر نہیں ہو سکا۔ اذان میں آپؐ کا نام آتا اور قبر شریف کو دیکھتے تو آپؐ کی یاد تازہ ہو جاتی۔ اس لیے مدینہ سے چلے گئے۔ کچھ مہینوں کے بعد واپس آئے تو لوگوں نے ان سے اصرار کیا کہ وہ اذان دیں۔ جب وہ کھڑے ہوئے اور اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدً رَّسُوْلُ اللّٰہِ پر پہنچے تو آپؐ کی محبت میں روتے روتے بیہوش ہو کر گر پڑے اور تمام لوگ رونے لگے جس سے کہرام مچ گیا۔

زاد المعاد میں ہے:

ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس ان کے والد ابوسفیان آئے جو ابھی تک دولتِ ایمان سے محروم تھے، تو انہوں نے فوراً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر کو تہ کر کے رکھ دیا تاکہ ابوسفیان اس پر بیٹھ نہ سکیں۔ انہوں نے پوچھا بیٹی! کیا میں اس بستر کے لائق نہیں ہوں یا یہ بستر میرے لائق نہیں ہے؟ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ آپ کافر ہیں اور مجھے یہ گوارا نہیں ہے کہ آپ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر مبارک پر بیٹھیں۔

یہ تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ کرام کی محبت کے چند واقعات۔

لیکن محبت کے بھی آداب ہوتے ہیں، اگر وہ ملحوظ نہ رکھے جائیں تو نتائج بہت خطرناک ہوتے ہیں، اس لیے محبت میں اس کا خیال بھی رکھنا ضروری ہے کہ اس میں اس قدر غلو نہ ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کے مقام پر کھڑا کر دیا جائے اور آپ کو خدائی صفات سے متصف مانا جائے۔ جیسے یہود و نصاریٰ نے اپنے نبیوں کی محبت میں غلو کیا تھا۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید کی سورۂ توبہ میں فرماتا ہے: وَقَالَتِ الْیَھُوْدُ عُزَیْرُ نِ ابْنُ اللّٰہِ.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

''اور یہودیوں نے کہا عزیر اللہ کا بیٹا ہے۔''

اب نصاریٰ نے بھی وہی بات کہہ دی جو یہود نے کہی تھی۔وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ. ''اور نصاریٰ نے کہا مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔''

یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اللہ کے بیٹے ہیں۔اگر تمہارا نبی اللہ کا بیٹا ہے تو کیا ہم تم سے کم ہیں۔عزیز بشکل بشر ابن اللہ ہے تو مسیح بھی انسانی لباس میں اللہ کا بیٹا ہے۔

لیکن ایک بات یاد رہے، یہود و نصاریٰ نے حضرت عزیر و حضرت عیسیٰ علیہما السلام کو اس معنی میں اللہ کا بیٹا نہیں کہا تھا کہ نعوذ باللہ، اللہ تعالیٰ بھی شادی کرتا ہے اور وہ بھی جنسی میل و ملاپ کا مکلف ہے بلکہ اس معنی میں کہا تھا کہ جس طرح اللہ معبود ہے اسی طرح یہ بھی طفیلی معبود ہیں۔اللہ مسجود ہے تو یہ بھی طفیلی مسجود ہیں، جس طرح اللہ تعالیٰ ہر جگہ حاضر و ناظر، علام الغیوب، کارساز و دستگیر ہے اسی طرح یہ بھی ہیں۔جیسے اللہ تعالیٰ مختار کل اور مشکل کشا ہے اسی طرح یہ بھی اپنے اندر حاجت روائی اور مشکل کشائی کی صفات رکھتے ہیں۔گویا یہ اللہ تعالیٰ کے اوصاف وخصوصیات کے مظہر ہیں۔اب ذرا ہم غور کریں:

یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اور نصرانیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہا، عداوت کے جذبے سے یا محبت کے جذبے سے؟

ظاہر بات ہے کہ محبت کے جذبے سے کہا تھا، مگر یہ وہ بے تکی محبت ہے جو دشمنی سے زیادہ دل آزار اور نقصان دہ ہے۔اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مجھے اتنا نہ بڑھانا جیسے عیسیٰ ابن مریم کو بڑھایا گیا۔تم مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو۔''

معلوم ہوا کہ جو محبت حکم ومنشائے رسول کی پابند نہ ہو وہ محبت نہیں جہالت ہے، وہ عقیدت نہیں بلکہ دشمنی ہے۔

جنہیں عشق رسول ؐ میں دیوانگی کا ذوق ہے اور اس کی تمام حدیں پھلانگنے پر تلے ہوئے ہیں انہیں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق صادق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی باہوش محبت، یاد کرنی چاہیے۔

اس آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صدیق اکبرؓ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جیسی محبت کسی کو نہیں ہو سکتی ؎

پروانہ کو چراغ عنادل کو پھول بس صدیقؓ کے لیے ہے خدا کا رسولؐ بس

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپؐ کے دکھوں کے ساتھی تھے۔ جب ساری دنیا آپؐ کا انکار کر رہی تھی تب انہوں نے اقرار کیا، جب ہر طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دشمنی کا طوفان مچل رہا تھا تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی دوستی باد بہاری بن کر آئی، جس نے حمایت رسولؐ کے صلے میں کفار مکہ کے ہاتھوں مار کھائی، جس نے آپؐ کے لائے ہوئے دین پر اپنا سب کچھ قربان کر دیا، جس نے ہر طرح کی مشکلات ومصائب میں آپ کا ساتھ نبھایا، جس نے ہجرت میں آپؐ کی رفاقت کا پورا حق ادا کیا، جس کی اونٹنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرکب بنی، جس نے ذاتِ اقدس کو کندھوں پر اٹھانے کی انفرادی سعادت حاصل کی، جس نے اپنی لخت جگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو آپؐ کے نکاح میں دیا، جس کی گود میں آپؐ نے غارِ ثور میں آرام فرمایا، جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں حضرات صحابہؓ کی امامت فرمائی، جس نے آغوشِ رسالت میں دائمی بسیرا حاصل کیا۔

مگر یہی ابوبکرؓ صدیق محبت رسولؐ میں کس قدر باہوش ہے؟

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات (۱۲ربیع الاول یوم دوشنبہ) ہوئی تو اس حادثۂ جانکاہ کی خبر فوراً پھیل گئی۔ صحابہ کرامؓ پر کوہِ غم ٹوٹ پڑا۔ اطراف وجوانب تاریک ہو گئے۔

مشکوٰۃ کی روایت کے مطابق حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جس دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے یہاں تشریف لائے اس سے بہتر اور تابناک دن میں نے کبھی نہیں دیکھا اور جس دن آپؐ نے وفات پائی اس سے زیادہ قبیح اور تاریک دن بھی میں نے کبھی نہیں دیکھا۔

وفات کی خبر سن کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ہوش جاتے رہے۔ ایسی جلالت مآب شخصیت کے جذبات کا یہ منظر تھا کہ ہاتھ میں تلوار لیے ہوئے زخمی شیر کی طرح کہہ رہے تھے کہ خبردار! اگر کسی کی زبان سے یہ نکلا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے تو میری یہ تلوار اس کی گردن اڑا دینے میں دریغ نہ کرے گی، خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات نہیں ہوئی ہے بلکہ آپؐ اپنے رب کے پاس تشریف لے گئے ہیں اور وہ ضرور پلٹ کر آئیں گے اور ان لوگوں کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ ڈالیں گے جو سمجھتے ہیں کہ آپؐ کی موت ہو گئی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صحابہ کرامؓ دہری مصیبت میں پڑ گئے، ایک طرف آپ ﷺ کی جدائی کا غم، دوسری طرف حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے غم وغصہ کی یہ کیفیت۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں تشریف لائے، آپ ﷺ کا جسد مبارک ایک چادر سے ڈھکا ہوا تھا۔ انہوں نے رخِ انور سے چادر ہٹائی، اسے چوما اور رونے لگے، پھر فرمایا:

''میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان اللہ تعالیٰ آپ پر دو موت جمع نہیں کرے گا، جو آپ ﷺ پر لکھ دی گئی تھی وہ آپ ﷺ کو آ چکی۔''

پھر وہ باہر تشریف لائے۔ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں سے اس طرح کی باتیں کر رہے تھے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا عمر! بیٹھ جاؤ مگر انہوں نے بیٹھنے سے انکار کر دیا، ادھر صحابہ کرام حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہو گئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا:

مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ مُحَمَّداً فَإِنَّ مُحَمَّداً قَدْ مَاتَ وَ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ اللّٰهَ فَإِنَّ اللّٰهَ حَيٌّ لَا يَمُوْتُ. ''تم میں سے جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پوجا کرتا تھا تو وہ جان لے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی موت واقع ہو چکی ہے اور تم میں سے جو شخص اللہ کی عبادت کرتا تھا تو یقیناً اللہ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے۔''

اس کے بعد انہوں نے قرآن مجید کی سورۂ آل عمران کی یہ آیت تلاوت کی:

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى أَعْقَابِكُمْ وَ مَنْ يَنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللّٰهَ شَيْئاً وَ سَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ. ''محمد نہیں ہیں مگر رسول ہی۔ ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گذر چکے ہیں۔ تو کیا اگر ان کی موت واقع ہو جائے یا وہ قتل کر دیے جائیں تو تم لوگ اپنی ایڑی کے بل پلٹ جاؤ گے؟ اور جو شخص اپنی ایڑی کے بل پلٹ جائے تو یاد رکھے کہ وہ اللہ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا اور عنقریب اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں کو جزا دے گا۔''

یعنی ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے فرستادہ نمائندہ تھے جس طرح پہلے انبیاء ورسل اپنا فرض ادا کر کے اللہ کی جوار رحمت میں چلے گئے اسی طرح ہمارے آقا بھی اپنا مشن

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پورا کر کے اللہ کی جوار رحمت میں چلے گئے۔

ابن خطاب! ہوش میں آؤ، رحمۃ للعالمین اللہ کے رسول اور بندے تھے، ان پر بھی موت کا ضابطہ لاگو ہونا تھا تو اب رونے دھونے اور بدحواس ہونے کا کیا سوال؟ اب آنکھیں بند کر کے دیوانگی اور جنون کا مظاہرہ کرنے کے بجائے اپنے قائد کی سونپی ہوئی امانت کو سنبھالنا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے یہ آیت اب نازل ہو رہی ہے اور یقین ہو گیا کہ اب ہم یتیم ہو گئے۔

یہ تھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی باہوش محبت جو یہ کہا کرتے تھے:

"جب میں بھوکا ہوتا ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیتا ہوں تو آسودہ ہو جاتا ہوں، مجھے کھانے کی ضرورت نہیں ہوتی اور جب پیاسا ہوتا ہوں اور چہرہ انور پر نگاہ پڑ جاتی ہے تو سیراب ہو جاتا ہوں مجھے پانی پینے کی ضرورت نہیں محسوس ہوتی۔"

بس قرآن یہی کہتا ہے اور یہی محبت کا تقاضہ بھی ہے کہ محبت کے آداب ملحوظ رکھ کر ضابطے کو نہ توڑو، یہود و نصاریٰ کی طرح آزاد محبت کو مت اپناؤ۔

لیکن مسلمانوں ہی میں ایک ایسا طبقہ ہے جس کے افراد اس محبت میں اس قدر غلو کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کے مقام پر کھڑا کر دیتے ہیں۔ مثلاً ان کا یہ کہنا کہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بشر نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرح آپ بھی علام الغیوب ہیں، وہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں، وہ مختار کل ہیں۔

جہاں تک ان کے پہلے عقیدے کا سوال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بشر نہیں ہیں۔ اس طرح کی باتیں نبوت و رسالت کے انکار کی علامت ہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات تین ہیں۔ نوری، جیسے فرشتے، ناری، جیسے جن و شیاطین اور خاکی، جیسے انسان۔

ظاہر بات ہے کہ نوریوں میں سے کوئی نبی، رسول نہیں بنایا گیا اور ناریوں میں سے بھی کسی کو نبوت و رسالت نہیں ملی۔ حضرت آدم علیہ السلام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک جتنے نبی آئے وہ سب خاکی تھے۔

جو لوگ بشریت رسول کے قائل کو کافر کہتے ہیں، وہ غور کریں، اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشر نہیں تھے تو کیا تھے؟ فرشتہ تھے یا جن؟ اگر فرشتہ مانا جائے تو اس کی نفی تو خود قرآن نے کر دی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے جیسا کہ سورۂ انعام میں آپ ؐ کو یہ کہنے کا حکم دیا گیا:

وَلَا اَقُوْلُ لَکُمْ اِنِّیْ مَلَکٌ. ''میں تم سے یہ نہیں کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔''

اگر آپ ؐ جن تھے تو جنوں کی پیدائش تو آگ سے ہوئی ہے جیسا کہ ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام کے آگے سجدہ سے انکار کرتے ہوئے کہا تھا:

خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ. ''تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا ہے''

اگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بشر بھی نہیں تھے، فرشتہ بھی نہیں تھے، جن بھی نہیں تھے تو کیا تھے؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات بشریت میں داخل تھیں یا نہیں؟ اگر وہ بشر تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بشر نہیں تھے تو ان کے درمیان ازدواجی تعلقات کس طرح قائم ہو گئے؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں اولاد ہوئی یا نہیں؟ اگر ہوئی تو وہ اولاد بشر تھی یا غیر بشر؟ ان کا رشتۂ مناکحت حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ کے ساتھ ہوا یا نہیں؟ اگر رشتہ ہوا تو اس مخلوط در مخلوط اولاد کو کس جنس میں شمار کریں؟

اس لیے اگر کوئی شخص بشریت رسولؐ سے انکار کرتا ہے تو وہ رسالت کا بھی انکاری ہے کیوں کہ غیر بشر نبی اور رسول بنایا ہی نہیں گیا۔

اب دوسرے عقیدہ کو لیجئے ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی علام الغیوب ہیں۔''

دنیا جانتی ہے اور ہر مسلمان کا یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت جبرئیلؑ آتے تھے اور آپ ؐ پر وحی نازل کی جاتی تھی جیسا کہ اللہ نے آپ کو مخاطب کر کے فرمایا:

وَعَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ. ''اے نبی اللہ نے تمہیں وہ سب کچھ سکھایا جسے تم نہیں جانتے تھے۔''

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب کچھ جانتے تھے تو آپ ؐ پر وحی نازل ہونے کی کیا ضرورت تھی؟ بتایا اسے جاتا ہے جو نہ جانتا ہو، جاننے والے کو بتانے کی کیا ضرورت؟

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اب جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق علام الغیوب کا عقیدہ رکھا کیا اس نے وحی کا انکار نہیں کیا؟

اب تیسرے عقیدہ کو لیجیے ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں''

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے ایک سال پہلے آپ کو معراج ہوئی، حضرت جبرئیل آپ کو براق پر بٹھا کر بیت المقدس لے گئے، وہاں آپؐ نے تمام انبیاء کی امامت فرمائی، پھر ساتوں آسمانوں سے گذر کر جنت و جہنم کو دیکھا، اللہ سے باتیں ہوئیں، پھر مکہ واپس آ گئے۔

اگر آپ حاضر و ناظر ہیں اور ہر جگہ موجود ہیں تو پھر مکہ سے بیت المقدس اور وہاں سے ساتوں آسمانوں سے ہوتے ہوئے سدرۃ المنتہیٰ تک جانے کی کیا ضرورت تھی؟

اس لیے جس نے یہ عقیدہ رکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر ہیں، کیا وہ معراج کا منکر نہیں ہو گیا؟

اب اس عقیدے کو لیجیے ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مختار کل ہیں، ساری خدائی پر آپ کو تصرف حاصل ہے۔''

حشر کے دن نیک بندے شفاعت کریں گے، یہ شفاعت کس طرح ہوگی؟ اس کے ضابطوں اور اصولوں کی پوری تشریح قرآن نے کر دی ہے اور وہ یوں ہے۔

پہلی بات یہ ہے کہ شفاعت کا معاملہ پورے کا پورا اللہ تعالیٰ کے اپنے ہاتھ میں ہوگا اور جو کچھ ہوگا اس کی مرضی کے تحت ہوگا، جیسا کہ سورۂ زمر میں ارشاد ہوا:

قُلْ لِلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعاً. ''اے نبی کہہ دو کہ شفاعت کا تمام تر اختیار اللہ ہی کو ہے۔''

دوسری بات یہ ہے کہ شفاعت کے لیے زبان وہی کھول سکے گا جسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی اجازت ملے گی، جیسا کہ سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗ اِلَّا بِاِذْنِهٖ. ''کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے دربار میں کسی کی شفاعت کرے۔''

تیسری بات یہ ہے کہ شفاعت کرنے والا صرف اسی شخص کی شفاعت کر سکے گا جس کے لیے سفارش کرنے کی اسے اللہ تعالیٰ کی اجازت اور اذن مل چکی ہوگی، جیسا کہ سورۂ انبیاء میں فرمایا گیا:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى. ''وہ کسی کی سفارش نہیں کر سکتے بجز اس کے جس کے حق میں سفارش سننے پر اللہ تعالیٰ راضی ہو۔''

چوتھی بات یہ ہے کہ شفاعت میں وہ صرف ایسی بات ہی کہے گا جو ہر پہلو سے ٹھیک ہو گی جیسا کہ سورۂ نباء میں ارشاد ہوا:

لَا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا. ''کوئی نہ بولے گا سوائے اس کے جسے رحمان اجازت دے اور جو ٹھیک بات کہے۔''

یہ ہے شفاعت کا قرآنی تصور۔

حشر کے دن سب سے پہلے شفاعت کا عظیم شرف رسول اکرم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوگا۔ آپ دو موقعوں پر شفاعت کی طرف پہل کریں گے۔

بخاری کی روایت کے مطابق جب لوگ حشر کی تپش و گرمی اور بھوک و پیاس کی شدت سے بری طرح پریشان ہو جائیں گے، تب وہ کسی شفاعت کرنے والے کی تلاش میں نکلیں گے اور پہلے حضرت آدم، پھر حضرت نوح، پھر حضرت ابراہیم، پھر حضرت موسیٰ اور پھر حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے پاس جا کر اللہ تعالیٰ سے شفاعت کرنے کی التجا کریں گے لیکن تمام انبیاء اپنی معمولی لغزشوں کا ذکر فرما کر شفاعت کرنے سے معذوری ظاہر کر دیں گے اور لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیج دیں گے، چنانچہ لوگ آپؐ کے پاس آ کر شفاعت کی التجا کریں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی پریشانیوں کو دیکھ کر عرش الٰہی کے پاس مقام محمود پر پہنچ کر سجدے میں گر جائیں گے، شفاعت کرنے کے لیے نہیں، شفاعت کی اجازت طلب کرنے کے لئے۔ پھر اللہ کی جانب سے حکم ہوگا:

يَا مُحَمَّدُ اِرْفَعْ رَاسَكَ. ''اے محمد! اپنا سر اٹھاؤ۔''

قُلْ تُسْمَعْ ''تم کہو تمہاری سنی جائے گی۔''

سَلْ تُعْطَعْ ''تم سوال کرو تمہیں دیا جائے گا۔''

اِشْفَعْ تُشَفَّعْ ''تم شفاعت کرو تمہاری شفاعت قبول کی جائے گی۔''

چنانچہ جب اللہ کی جانب سے سر اٹھانے کا حکم ہوگا اور شفاعت کی اجازت مل جائے گی تو پھر آپؐ عام شفاعت کے ساتھ خصوصیت سے اپنی امت کے لیے بھی اللہ سے شفاعت کریں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گے۔

اب سوال یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مختار کل ہیں تو آپ کو مانگنے کی کیا ضرورت ہے؟ وہی چیز مانگی جاتی ہے جو اپنے پاس نہ ہو اور وہی مانگتا ہے جو ضرورت مند ہو۔

معلوم ہوا کہ جس نے آپؐ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھا کہ آپؐ مختار کل ہیں اس نے شفاعت کا انکار کر دیا۔

الغرض محبت رسولؐ ایمان کا معیار ہے، بغیر اس کے ایمان کا دعویٰ کرنا خود فریبی یا دوسروں کو دھوکہ دینے کے سوا کچھ نہیں ہے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمارے دلوں میں دنیا کی ہر چیز کی محبت سے زیادہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت جاگزیں فرمائے۔ آمین۔

وما علینا الا البلاغ.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اطاعتِ رسولؐ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ وَحْدَہٗ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَہٗ. اَمَّا بَعْدُ.

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ.

جس کے دل میں عشق ہوگا احمدؐ مختار کا — حشر میں حقدار ہوگا خلد کے گلزار کا
دیکھنا ہو جس کو شانِ ارتقائے زندگی — تھام لے مضبوط دامن سیدؐ ابرار کا
صدق دل سے جو مطیع ساقیٔ کوثر رہا — اس کے سر پر سایہ ہوگا رحمت غفار کا
مومن کامل کی دنیا میں یہی پہچان ہے — جیتے جی چھوڑے نہ دامن احمدؐ مختار کا
جذبۂ حب نبیؐ میں شوق طاعت چاہئے — کوئی بھی حاصل نہیں ہے بے عمل گفتار کا

حضرات! قرآن مجید واحادیث رسولؐ اس حقیقت پر شاہد ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت عین ایمان ہے، جسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت نہیں ہے اسلام سے اس کا کوئی واسطہ نہیں ہے، جس کے دل میں ہر چیز سے زیادہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نہ ہو وہ دل ایمان سے خالی ہے۔

لیکن محبت کا مطلب صرف یہی نہیں ہے کہ ہم ان کے عقیدت مند بن جائیں، یا ان کی بارگاہ میں الفاظ کے گلدستے پیش کرتے رہیں، یا ان کا نام سن کر فرط محبت سے انگوٹھے چومنے لگیں، یا ان کے ذکر پر نعرۂ رسالت بلند کریں۔

محبت کا مطلب صرف اقرار محبت نہیں ہے، محبت کے معنیٰ صرف اظہار محبت نہیں ہے، محبت کا ثبوت صرف دعوائے محبت نہیں ہے۔ محبت رسول کا مطلب ہے اطاعت رسول، اطاعت

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رسول علامت ہے محبت رسول کی۔ کوئی شخص محبت رسول کا دم بھرے لیکن فرمانِ رسولؐ سے روگردانی کرے تو اس کا دعویٰ محبت کھوکھلا ہے۔

ان میں سے پہلی چیز یعنی اقرار محبت کو ایک مثال کے ذریعہ سمجھا جائے۔

ایک مثال:

فرض کیجیے، آپ نے اپنے کھیت میں کام کرنے کے لیے کسی مزدور سے معاملہ کیا، بات چیت ہوگئی اور اجرت بھی طے ہوگئی، اس نے کل صبح کام پر آنے کا اقرار کیا مگر جب صبح ہوئی یعنی کام کرنے کا وقت آیا تو وہ نہیں آیا، دن آدھا گذر گیا تب بھی نہیں آیا، جب شام ہوگئی تب آیا، کام کرنے کے لیے نہیں، کام کا وقت تو نکل چکا تھا، وہ مزدوری لینے آیا اور آتے ہی آپ سے کہنے لگا:

''جناب! کل میری اور آپ کی جو بات چیت ہوئی تھی، میں اس کی مزدوری لینے آیا ہوں۔''

اب آپ کیا کریں گے؟ اسے پھٹکار دیں گے، آپ کہیں گے، تو نے کام پر آنے کا وعدہ کیا اور کام پر آیا بھی نہیں تو تجھے کس بات کی مزدوری چاہیے؟ وہ کہتا ہے:

''میں نے کام نہیں کیا تو کیا ہوا، کام کرنے کا اقرار تو کیا تھا، اس لیے کام کی نہ سہی کام کے اقرار ہی کی کچھ مزدوری دے دیجیے۔''

تو کیا آپ بلا کام کیے ہوئے اقرار اور وعدہ کی مزدوری دینے پر تیار ہو جائیں گے؟ ہرگز نہیں، کیوں کہ دنیا کا ہر معاہدہ عمل کے میزان پر جانچا اور پرکھا جاتا ہے، اگر معاہدہ اور عمل میں مطابقت ہے تو معاہدہ باقی رہتا ہے ورنہ توڑ دیا جاتا ہے۔

اسی طرح سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف اقرار محبت ہی کافی نہیں ہے، اگر اس کے مطابق عمل نہ ہو۔

اب دوسری چیز کو لیجیے، اظہار محبت:

اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف اظہار محبت کافی ہوتا تو ابولہب بھی جنتی ہو جاتا۔

ایک روایت کے مطابق جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تو جس لونڈی نے اسے آپ کی پیدائش کی خبر سنائی تھی، اس نے اسے مارے خوشی کے آزاد کر دیا تھا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گویا اس سرزمین پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اظہار محبت کرنے والا سب سے پہلا شخص ابولہب تھا، لیکن وہ راندۂ درگاہ ہوگیا کیوں کہ اس نے آپ کی قیادت وسیادت کو تسلیم نہیں کیا، آپ کے لائے ہوئے دین کو قبول نہیں کیا، آپ کی اطاعت وفرماں برداری نہیں کی اور آپ کے نقش قدم کی پیروی نہیں کی، اس لیے اس کی یہ ظاہری محبت کسی کام نہ آسکی۔

اب تیسری چیز کو لیں، دعوے محبت:

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۂ منافقون میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ. ”جب یہ منافقین تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔“

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ. ”اور اللہ بھی جانتا ہے کہ تم اس کے رسول ہو۔“

وَاللّٰهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ. ”اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بلاشبہ منافقین جھوٹے ہیں۔“

غور کرنے کا مقام ہے کہ جب منافقین اس حقیقت کا اقرار کر رہے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو پھر اللہ نے یہ یوں فرمایا کہ منافقین جھوٹے ہیں؟

اس لیے کہ منافقین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول ماننے کا صرف دعویٰ کرتے ہیں اور چوں کہ ان کے دعویٰ کے مطابق ان کا عمل نہیں ہے، یعنی وہ رسول کے مطیع وفرمانبردار نہیں ہیں اس لیے وہ جھوٹے ہیں۔

ثابت ہوا کہ ایمان ومحبت کا دعویٰ کرنا اور آپ کی فرمانبرداری سے منھ موڑنا آپ کی رسالت کا ماننا نہیں بلکہ انکار کرنا ہے۔

بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

كُلُّ أُمَّتِيْ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ أَبٰى. ”میری پوری امت جنت میں جائے گی سوائے اس کے جس نے انکار کیا۔“

قِيْلَ وَمَنْ أَبٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ. ”پوچھا گیا، کس نے آپ کا انکار کیا یا رسول اللہ!“

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فرمایا: مَنْ اَطَاعَنِیْ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَ مَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ اَبیٰ. ''جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کیا۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا مطلب صرف یہی نہیں ہے کہ آپ کی ذات سے محبت ہو بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ آپؐ کے فرمان اور آپ کی سنت سے بھی محبت ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوٹوک فرمایا، جسے ترمذی میں حضرت انسؓ نے روایت کی ہے:

مَنْ اَحَبَّ سُنَّتِیْ فَقَدْ اَحَبَّنِیْ وَ مَنْ اَحَبَّنِیْ کَانَ مَعِیَ فِی الْجَنَّةِ. ''جس نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھے زیادہ محبوب رکھا وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔''

یعنی رسولؐ سے محبت کا مطلب یہ ہے کہ آدمی ان سے اپنی زندگی کا طریقہ معلوم کرے اور اس پر عملاً کاربند ہو۔ اس معاملہ میں آدمی کو اتنا زیادہ سخت ہونا چاہیے کہ نازک موقعوں پر بھی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے نہ ہٹے۔ جب دو آدمیوں کا مفاد ایک دوسرے سے ٹکرا جائے یا دو آدمیوں کے درمیان ایک دوسرے کے خلاف تلخی ابھر آئے، اس وقت آدمی کو اپنے نفس کو دبانی ہے اور بالا رادہ خود کو رسولؐ کے حکم کا پابند بنانا ہے، زندگی کے ہر موڑ پر جو شخص رسولؐ کی رہنمائی قبول کرے وہی محبِ رسولؐ ہے۔

آپ کی سنت اور آپؐ کے طریقۂ زندگی سے انحراف، ایک لحاظ سے گویا آپ کی نبوت و رسالت کا انکار کردینے کے ہم معنی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہمارا تعلق محض قانون اور ضابطے کا نہیں ہے کیوں کہ آپؐ ہمارے محبوب بھی ہیں اور محبوب بھی ایسے کہ پوری دنیا میں کوئی بھی آپ کی محبوبیت کی ہمسری نہیں کرسکتا۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے ماں باپ، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ بن جاؤں۔''

محبت کا خاصہ ہے کہ وہ محب کو اپنے محبوب کا ہم رنگ بنادیتی ہے، کسی عاشق دلدادہ سے پوچھیے کہ اس کے نزدیک محبوب کی اداؤں کی کیا قدر و قیمت ہے؟ اور وہ چال ڈھال اور رفتار و گفتار میں اپنے محبوب سے ہم رنگی اور مشابہت کی کتنی کوشش کرتا ہے؟

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سب سے بڑے محبوب ہیں تو ایک سچے عاشق رسول کو آپ ؐ کی اداؤں اور آپ ؐ کے حکموں پر کس طرح مرمٹنا چاہیے؟ جیسا کہ ایک بزرگ نے فرمایا:

''جو لوگ آپ ؐ کی سنت سے انحراف کر کے یہود و نصاریٰ کی سنت کو اپناتے ہیں، ان کا دعویٰ محبت بے روح ہے، تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی بھی کرتے ہو اور آپ ؐ سے محبت کے دعویدار بھی ہو، بخدا یہ بات تو زمانے کے عجائبات میں ہے، اگر تم آپ ؐ کی محبت میں سچے ہوتے تو آپ کی بات مانتے کیوں کہ عاشق تو اپنے محبوب کا فرماں بردار ہوتا ہے۔''

جہاں یہ حقیقت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا وہیں یہ بھی ایک ناقابل تردید سچائی ہے کہ رسول پر صرف ایمان لانے کا دعویٰ ہی کافی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ آپ ؐ کی اطاعت بھی ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی سورۂ نساء میں ارشاد فرمایا:

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ. ''ہم نے جو بھی رسول بھیجا ہے، اسی لیے بھیجا ہے کہ اذن خداوندی کی بنا پر اس کی اطاعت کی جائے۔''

یعنی اللہ کی طرف سے رسول اس لیے نہیں آتا کہ بس اس کی رسالت پر ایمان لے آؤ اور اطاعت جس کی چاہو کرو، بلکہ رسول کے آنے کی غرض یہ ہوتی ہے کہ زندگی کا جو قانون وہ لے کر آیا ہے تمام قوانین کو چھوڑ کر صرف انہی پر عمل کیا جائے، اگر کسی نے یہ نہ کیا تو پھر اس کا محض رسول کو مان لینا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

انسان صرف اس لیے پیدا کیا گیا ہے کہ وہ اللہ کی بندگی کرے، اور اس کا مطیع بن کر رہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۂ ذاریات میں فرمایا:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ. ''ہم نے جنات اور انسان کو محض اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں۔''

چوں کہ رسول ہی وہ مستند ذریعہ ہے جس سے ہم تک اللہ تعالیٰ کے احکام و فرامین پہنچتے ہیں، اس لیے ہم صحیح معنوں میں اللہ کی اطاعت گذار تبھی بن سکتے ہیں جب ہم رسول ؐ کی اطاعت کریں، اللہ کی کوئی اطاعت رسول کی سند کے بغیر معتبر نہیں ہے اور رسول کی پیروی سے منہ موڑنا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللہ سے بغاوت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۂ نساء میں فرمایا:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اطَاعَ اللّٰهَ. ''جس نے رسول کی اطاعت کی دراصل اس نے اللہ کی اطاعت کی۔''

اسی مضمون کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث واضح کرتی ہے:

مَنْ اَطَاعَنِیْ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَ مَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ عَصَی اللّٰهَ. ''جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔''

انسان دنیا میں مختلف قسم کے حالات سے دوچار ہوتا ہے، اسے مختلف موقعوں پر مختلف قسم کے فیصلے کرنے پڑتے ہیں، اس کے علاوہ اس کے سامنے آبا واجداد کے رائج کردہ رسم و رواج ہوتے ہیں، بیوی بچوں کی محبت کے تقاضے ہوتے ہیں، ماحول ہوتا ہے اور اس کے اپنے نفس کے جا و بے جا مطالبات ہوتے ہیں۔

لیکن جو شخص یہ دیکھتا رہے کہ روزمرہ کی زندگی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول کیا تھا؟

روزی کمانے کے لیے آپؐ نے کیا کیا اصول بتائے؟ سماجی زندگی میں کن ضابطوں کو اپنانے کی تاکید کی؟ سیاسی فیصلوں میں کن کن اصولوں کو ملحوظ رکھنے کی تعلیم دی؟ آپؐ نے کن عقائد کو اپنانے کی ترغیب دی؟ آپ کی عبادت کس طرح کی ہوتی تھی؟ سیاست و جہاں بانی اور صلح و جنگ میں آپ کا کیا انداز تھا؟ آپ کی رفتار و گفتار اور نشست و برخاست کیسی ہوتی تھی؟

اور یہ باتیں جان کر ہر معاملے میں آپ کی ہدایات و فرامین اور آپ کی سنت و طریقہ کو ہر فرمان اور طریقے پر ترجیح دے اور ہر حکم سے زیادہ آپؐ کے حکم کو قیمتی سمجھے وہی سچا مسلمان ہے اور اسی کے لیے دنیا و آخرت کی فلاح کی ضمانت ہے جسے ہم ایک تمثیلی واقعہ سے سمجھ سکتے ہیں۔

ایک واقعہ:

ایک بادشاہ تھا، اس کے پاس ایک ایسا قیمتی ہیرا تھا جس کی مالیت ساٹھ ہزار اشرفیاں تھیں۔ بادشاہ کے چار وزیر تھے، ایک روز اس نے اپنے چاروں وزیروں کو بلایا اور ان کے سامنے ہیرا رکھ دیا اور ایک وزیر سے کہا کہ میرا حکم ہے کہ تم اس ہیرے کو توڑ کر پھینک دو، تو اس نے جواب دیا: ''جناب عالی! میرے اندر اتنی جرأت نہیں ہے کہ میں اتنا قیمتی ہیرا توڑ کر پھینک دوں۔'' پھر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسرے وزیر سے کہا تو اس نے بھی انکار کر دیا۔ اسی طرح تیسرے نے بھی ہیرا توڑنے سے معذرت کی اور جب بادشاہ نے چوتھے وزیر سے ہیرا توڑنے کے لیے کہا تو اس نے لوہے کی ایک سلاخ اٹھائی اور بلا جھجک ہیرے پر مارا۔ ہیرا چور چور ہو گیا اور اس نے اٹھا کر دور پھینک دیا۔ اب جن تین وزیروں نے ہیرا نہیں توڑا تھا غصہ کے مارے کھڑے ہو گئے اور بادشاہ سے کہا: حضور! آپ نے اس سے یونہی ہیرا توڑنے کے لیے کہا تو اس نے اتنا قیمتی ہیرا توڑ کر ضائع کر دیا، اسے سزا ملنی چاہیے۔ بادشاہ نے ہیرا توڑنے والے وزیر سے پوچھا کہ میں نے تم سے ہیرا توڑنے کے لیے کہا تو تم نے اس کی قیمت کی پرواہ کیے بغیر اسے کیوں توڑ کر ضائع کر دیا؟ تو وزیر نے جواب دیا:

''جناب عالی! جب آپ نے ہیرا توڑنے کا حکم دیا تو میرے لیے ایک طرف ہیرے کی قیمت تھی اور دوسری طرف آپ کا حکم تھا۔ پھر مجھے آپ کا حکم اس ہیرے سے زیادہ قیمتی معلوم ہوا اس لیے میں نے آپ کے حکم کے سامنے ہیرے کی قیمت کی پرواہ نہیں کی۔''

اسی طرح جو شخص ہر حکم، ہر فرمان، ہر اصول اور ہر طریقہ سے زیادہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان اور سنت کو قیمتی سمجھے وہی سچا مسلمان ہے اور اسی کے لیے دنیوی و اخروی کامیابی کی ضمانت ہے۔

لیکن جو شخص آپ کی اطاعت سے بیزار ہو اور آپؐ کے حکم اور سنت کی پرواہ نہ کرتا ہو وہ ایک بھٹکا ہوا انسان ہی نہیں بلکہ فرمان رسول کے مطابق وہ مسلمان ہی نہیں ہے۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبِعاً لِّمَا جِئْتُ بِهٖ. ''تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی تمام خواہش نفس اس طریقہ کے تابع نہ ہو جائے جسے میں لے کر آیا ہوں۔''

عہد رسالت میں ایک بار ایک مسلمان اور یہودی کے درمیان زمین کے ایک ٹکڑے کے بارے میں جھگڑا ہو گیا۔ جب یہ تنازعہ آپس میں طے نہیں ہوا تو دونوں نے اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا۔ یہودی حق پر تھا، زمین کا اصل حقدار وہی تھا اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ مسلمان کو یہ بات بہت کھلی، اس نے اس معاملہ کو

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ کے سامنے رکھا اور بتایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاملہ میں یہودی کے حق میں فیصلہ دے دیا ہے، میں چاہتا ہوں کہ آپ اس تنازعہ کا فیصلہ کر دیں۔ اسے امید تھی کہ مسلمان سمجھ کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس کے حق میں فیصلہ کر دیں گے۔ حضرتِ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ٹھہرو، ابھی فیصلہ کر دیتا ہوں، پھر آپؓ گھر میں تشریف لے گئے اور وہاں سے ننگی تلوار لے کر نکلے اور اس مسلمان کی گردن اڑا دی، پھر فرمایا:

هٰذَا قَضَاءُ مَنْ لَّمْ يَرْضِ بِقَضَاءِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. ''یہ اس شخص کا فیصلہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر راضی نہ ہو۔''

مدینہ میں شور ہو گیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مسلمان کو قتل کر دیا ہے، پھر حضرت جبرئیلؑ کے ذریعہ قرآن مجید کی سورہ نساء کی یہ آیت اتری:

فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا. ''اے نبی قسم ہے تیرے پروردگار کی، یہ لوگ مومن نہیں ہوں گے جب تک وہ اپنے تمام جھگڑوں کا فیصلہ تم سے نہ کرائیں اور پھر تمہارے فیصلے سے اپنے دل میں کوئی تنگی نہ محسوس کریں اور خوشی خوشی مان کر اسے منظور نہ کرلیں۔''

گویا یہ آیت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی برأت میں نازل ہوئی کہ چونکہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا اس لیے وہ مسلمان نہیں تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مسلمان کی نہیں بلکہ ایک منافق کی گردن ماری ہے اس لیے وہ مجرم نہیں ہیں۔

قرآن مجید میں جگہ جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ مثلاً سورۂ نساء میں فرمایا گیا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ، ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا. ''اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں صاحب امر ہوں، پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملے میں نزاع پیدا ہو جائے تو اسے اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف پھیر دو، اگر تم واقعی اللہ اور یومِ آخرت پر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایمان رکھتے ہو، یہی ایک صحیح طریق کار ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر ہے۔''

سورۂ احزاب میں ارشاد ہوا: وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا

''اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی اس نے بڑی کامیابی حاصل کی۔''

سورۂ محمد میں یہ آیت آئی:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ.

''اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول ﷺ کی اور اپنے عملوں کو برباد مت کرو۔''

سورۂ نساء میں یہ بھی بتایا گیا:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا. ''اور جو اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کرے گا وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے۔ یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین، کیسے اچھے ہیں یہ رفیق جو کسی کو میسر آئیں۔''

سورۂ نور میں حکم دیا گیا:

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ. ''اور نماز ادا کرو اور زکوٰۃ دو اور رسول کے حکم پر چلو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔''

سورۂ آل عمران میں یہ تنبیہ کی گئی:

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ. ''ان سے کہو کہ اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت قبول کرلو، پھر اگر وہ تمہاری دعوت قبول نہ کریں تو یقیناً یہ ممکن نہیں ہے کہ اللہ ایسے لوگوں سے محبت کرے جو اس کی اور اس کے رسول کی اطاعت سے انکار کرتے ہیں۔''

سورۂ حشر میں حکم دیا گیا:

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا. وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ. ''اور جو رسول تمہیں دیں اسے لے لو اور جس سے روکیں اس سے رک جاؤ اور اللہ سے ڈرد کیوں کہ اس کی مار بہت سخت ہے۔''

سورۂ احزاب میں یوں ارشاد ہوا:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا. ''کسی مسلمان مرد اور کسی مسلمان عورت کے لیے یہ درست نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول اس کے بارے میں کوئی کام ٹھہرا دیں تو اس بات میں اس کا اختیار باقی رہے اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا۔''

سورۂ فرقان میں حشر کے متعلق بتایا گیا:

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا.

''اس دن نافرمان بندہ اپنے ہاتھوں کو کاٹے گا اور کہے گا اے کاش میں رسول کے راستے پر لگ جاتا۔''

بخاری شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ واقعہ منقول ہے: ''ایک بار کچھ فرشتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے جب کہ آپؐ سو رہے تھے۔ فرشتوں نے آپس میں کہا کہ ان کے لیے مثال ہے پس اسے بیان کرو، فرشتوں نے کہا یہ تو سو رہے ہیں، بعض نے کہا کہ آنکھ سوتی ہے مگر دل جاگتا ہے۔''

پھر فرشتوں نے کہا: ''ان کی مثال اس شخص کی مانند ہے جس نے ایک گھر بنایا اور اس نے دستر خوان سجایا اور ایک بلانے والے کو بھیجا، پس جس شخص نے دعوت قبول کی وہ گھر میں داخل ہوگا اور دستر خوان سے کھائے گا، اور جس نے قبول نہیں کیا وہ نہ گھر میں داخل ہو پائے گا اور نہ کھانا کھائے گا۔''

پھر بعض فرشتوں نے کہا: ''اس مثال کو بیان کرو یعنی اس کی تشریح کرو۔''

بعض فرشتے کہنے لگے کہ آپؐ سو رہے ہیں، بعض نے کہا آنکھ سوتی ہے مگر دل جاگتا ہے، پھر فرشتوں نے کہا:

''گھر سے مراد بہشت ہے، اور بلانے والے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پس جس نے آپؐ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے آپؐ کی نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم (حق و باطل میں) لوگوں کے درمیان فرق کرنے والے ہیں۔''

بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''میری مثال اس شخص کی مانند ہے جس نے آگ جلائی، پھر جب آگ نے اپنے اردگرد روشن کیا، پروانوں اور ان جانوروں نے جو آگ میں گرتے ہیں، گرنا شروع کیا اور آگ جلانے والے نے انہیں اس میں گرنے سے روکنا شروع کیا اور وہ غالب آگئے ہیں اس پر یعنی اس کے روکنے سے بھی نہیں رکتے اور آگ میں داخل ہو جاتے ہیں اسی طرح سے میں تمہاری کمروں کو پکڑتا ہوں تاکہ تمہیں آگ سے بچاؤں اور تم مجھ سے اپنی کمریں چھڑا چھڑا کر آگ میں داخل ہو رہے ہو۔''

مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''خدا کی قسم! کوئی بھی شخص چاہے اس امت کا ہو یا یہودی یا نصرانی ہو، اگر میری نبوت کی خبر پائے پھر جس چیز کو دے کر میں بھیجا گیا ہوں اس پر ایمان لائے بغیر مر جائے تو سوائے دوزخ کے اس کا کوئی ٹھکانہ نہ ہوگا۔''

مسند دارمی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''خدا کی قسم اگر تم میں حضرت موسیٰ (علیہ السلام) ظاہر ہوں اور تم مجھ کو چھوڑ کر ان کی پیروی کرنے لگ جاؤ تو تم سیدھی راہ سے بھٹک جاؤ گے، اگر آج موسیٰ (علیہ السلام) زندہ ہوتے تو وہ بھی میری پیروی کرتے۔''

مسلم میں روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم اپنے دشمنوں پر اس وقت تک غالب رہو گے جب تک میری سنت کو پکڑے رہو گے اور جب تم میری سنت سے نکل جاؤ گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر ایسے کو مسلط کر دے گا جو نہ تم سے ڈرے گا اور نہ تم پر رحم کرے گا یہاں تک کہ تم میری سنت کی طرف لوٹ آؤ۔''

بیہقی شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص میری امت کے فساد اور اختلاف کے وقت میری سنت پر عمل کرے گا اسے سو شہیدوں کا ثواب ملے گا۔''

ترمذی میں حضرت بلالؓ بن حارث سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے میری ایسی سنت کو زندہ کیا جو میرے بعد چھوڑ دی گئی تھی، اسے اتنا ثواب ہے جتنا اس سنت پر عمل کرنے والے کے لئے ہے اور اس کے ثواب میں سے کچھ کم نہ ہوگا۔''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چند واقعات:

اب اطاعت رسولؐ کے سلسلے میں چند واقعات آپ کے سامنے رکھے جاتے ہیں:

مسلم شریف میں ہے، ایک بار صحابیٔ رسول حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث میں بیان کی کہ آپؐ نے فرمایا تھا: ''لوگو! اپنی عورتوں کو مسجدوں میں نماز ادا کرنے سے مت روکو۔''

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کے صاحبزادے حضرت بلالؓ نے اپنے والد کی زبان سے جب یہ بات سنی تو کہا: ''خدا کی قسم، میں تو انہیں مسجدوں میں جانے سے روکوں گا۔''

اس پر حضرت عبداللہ ابن عمرؓ بہت بگڑے اور فرمایا: ''میں حدیث رسولؐ سنا رہا ہوں اور تو اس کی مخالفت کرنے کی بات کہتا ہے، خدا کی قسم میں تجھ سے کبھی نہیں بولوں گا۔''

اور یہی ہوا، جب تک وہ زندہ رہے اپنے بیٹے سے نہیں بولے محض اس لیے کہ اس نے فرمان رسولؐ کی خلاف ورزی کے لیے کہا تھا۔

ہر باپ کو اپنے بیٹے سے محبت ہوتی ہے مگر صحابیٔ رسول کو اپنے بیٹے سے زیادہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے محبت ہے۔

بخاری شریف کی روایت کے مطابق حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

''شراب کی حرمت کی آیت نازل ہونے سے پہلے میں حضرت ابوطلحہؓ کے گھر لوگوں کو شراب پلا رہا تھا، اسی دوران شراب کی حرمت کی آیت نازل ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منادی کرادی کہ اب شراب حرام ہوگئی ہے اس لیے کوئی شخص نہ تو شراب پیئے، نہ پلائے، نہ اس کی خرید و فروخت کرے۔

آپؐ کے حکم کو سنتے ہی ہم نے شراب کے مٹکے توڑ دیئے اور اسے مدینہ کی گلیوں میں بہادیا۔ پھر لوگوں نے کبھی نہ تو شراب پی نہ ہی اسے چھوا۔''

بیہقی شریف میں یہ واقعہ منقول ہے:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ایک بار ان کا گذر ایک ایسی گلی سے ہوا جو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے مکان کے پاس سے ہو کر گذرتی تھی۔ چند روز پہلے حضرت عباسؓ کے یہاں مہمان آئے تھے جن کی ضیافت کے لیے ان کے مکان کی چھت پر کبوتر ذبح کیے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گئے تھے، خون سوکھ گیا تھا' پھر بارش ہوگئی جس کی وجہ سے خون آلود پانی کے قطرے ان کے مکان کی چھت پر لگے ہوئے پرنالے سے گرنے لگے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس راستہ سے گذرے تو گندے پانی کے قطرے ان کے کپڑوں پر بھی گر پڑے، پھر وہ مسجد تشریف لے گئے، وہاں اپنے کپڑوں کو دھویا، پھر حکم دیا کہ پرنالہ وہاں سے اکھاڑ دیا جائے تاکہ راستہ چلنے والوں کو تکلیف نہ پہنچے۔ پرنالہ اکھاڑ دیا گیا، کچھ دیر بعد حضرت عباسؓ کو اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کہا:

قَلَعْتَ مِيْزَابِيْ وَاللّٰهِ مَاوَضَعَهٗ حَيْثُ كَانَ اِلَّا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهٖ. ''آپ نے میرا پرنالہ اکھاڑ دیا، حالاں کہ جس جگہ پر یہ لگا تھا وہاں اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی اپنے دست مبارک سے لگایا تھا۔''

یہ سنتے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ رو پڑے اور انہوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''تم اپنے ہاتھوں سے اس کو اس مقام پر رکھ دو اور میڑھی عمر کو بناؤ۔''

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی گردن پر پاؤں رکھ کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے پرنالہ وہاں لگا دیا جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لگایا تھا۔

پہلے بیت المقدس مسلمانوں کا قبلہ تھا، مکی زندگی میں تیرہ سال اور ہجرت کے بعد مدنی زندگی میں چودہ ماہ تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام مسلمان اسی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔

۲ھ میں صحابہ کرامؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں ظہر کی نماز ادا کر رہے تھے، آپؐ نے نماز ہی کی حالت میں اپنا رخ خانۂ کعبہ کی طرف پھیر لیا، کیوں کہ حالتِ نماز میں آپؐ پر قرآن مجید کی سورۂ بقرۃ کی یہ آیت نازل ہوئی تھی۔

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِالْحَرَامِ. ''اپنے چہرے کو مسجد حرام کی طرف پھیر لو۔''

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا رخ کعبہ کی طرف پھیر لیا تو صحابہؓ نے آپؐ کے اس طرزِ عمل کو شرعی درجہ کا حکم دے دیا اور فوراً انہوں نے بھی اپنا منہ کعبہ کی طرف پھیر لیا۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپؐ نے صحابہؓ کو تحویل قبلہ کی آیت سنائی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علامہ ابن قیمؒ لکھتے ہیں کہ قبلہ کی تبدیلی کا واقعہ بلاشبہ ایک اہم معاملہ تھا اور یہ ایمان والوں کی وفاداری اور اطاعت رسول کی کھلی آزمائش تھی۔

فتح الباری میں حضرت قیسؓ بن ثابت کا واقعہ منقول ہے۔

یہ اونچی آواز میں بولا کرتے تھے لیکن جب قرآن کی سورۂ حجرات کی یہ آیت نازل ہوئی:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ. ''اے ایمان والو! اپنی آواز کو نبی کی آواز پر بلند نہ کیا کرو، اور ان سے اس طرح بے تکلفی سے بات نہ کرو جس طرح آپس میں ایک دوسرے سے کرتے رہتے ہو، ایسا نہ ہو تمہارے اعمال تمہاری لاپرواہیوں سے اکارت ہو جائیں۔''

تو انہوں نے مسجد نبوی میں آنا چھوڑ دیا، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نہ آنے کی وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا:

''میں بلند آواز تھا، اس خطرہ سے حاضر نہیں ہوتا تھا کہ احتیاط کے باوجود کہیں میری آواز بلند نہ ہو جائے اور میرے سارے اعمال برباد ہو جائیں۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم ان میں سے نہیں ہو، تم تو جنتی ہو۔''

ترمذی شریف کی روایت کے مطابق، بیوہ کی عدت کے بارے میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا یہ خیال تھا کہ وہ جہاں چاہے اپنی عدت کے ایام گذار سکتی ہے، لیکن جب حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی بہن حضرت فریعہ رضی اللہ عنہا نے یہ بتایا کہ میرا شوہر مارا گیا تھا تو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ پوچھا تھا کہ میں عدت کہاں گذاروں؟ جواب میں آپؐ نے فرمایا تھا، اپنے شوہر کے گھر۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کو سن کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اسی کے مطابق فیصلہ کیا اور اپنے پہلے خیال سے رجوع کر لیا۔

ترمذی ہی میں یہ روایت بھی آتی ہے، ایک بار کسی نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ حج تمتع کو جائز سمجھتے ہیں جب کہ آپ کے والد یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس سے اختلاف تھا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی جائیگی یا میرے والد کی؟

فتح الباری میں ہے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خلافت کے مسئلہ میں صحابہ کرامؓ میں اختلاف پیدا ہوگیا لیکن جب انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث سنی کہ ''خلیفہ قریشی ہوگا۔'' تو سب نے اس حکم پر اپنا سر جھکا دیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے لگ گئے۔

بخاری میں واقعہ آیا ہے،

ایک شخص نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے حجر اسود کے بوسہ کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بوسہ لیتے دیکھا ہے، اس لیے بوسہ لینا چاہیے۔ اس نے کہا اگر بھیڑ زیادہ ہو اور بوسہ نہ لے سکوں تو کیا کروں؟

انہوں نے فرمایا: اگر مگر یمن میں لے جا کر رکھو، میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بوسہ لیتے دیکھا ہے اور بس۔

ابوداؤد میں روایت ہے،

ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اس بات کی ضمانت دے کہ وہ لوگوں سے سوال نہیں کرے گا تو میں اس کے جنتی ہونے کی ضمانت دیتا ہوں۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اس کے لیے حاضر ہوں۔

چنانچہ اسی وقت سے انہوں نے اپنا یہ طریقہ بنالیا کہ وہ کسی سے سوال نہیں کرتے تھے، یہاں تک کہ اگر سواری سے کوڑا گر جاتا تو خود اتر کر اٹھا لیتے تھے مگر کسی سے اٹھانے کے لیے نہیں کہتے تھے۔

صلح حدیبیہ کا واقعہ ذی قعدہ ٦ھ میں پیش آیا،

حدیبیہ کے مقام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے درمیان صلح کا معاہدہ ہوا۔ اس میں جو دفعات طے ہوئیں ان میں ایک دفعہ یہ تھی کہ قریش کا جو آدمی اپنے سرپرست کی اجازت کے بغیر، یعنی بھاگ کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جائے گا تو محمد (صلی اللہ علیہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وسلم) اسے واپس کر دیں گے لیکن ان کے ساتھیوں میں سے جو شخص پناہ لینے کی غرض سے بھاگ کر قریش کے پاس آئے گا، قریش اسے واپس نہیں کریں گے۔

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاہدہ کو لکھنے کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا، سب سے پہلے لکھو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ سہیل بن عمرو نے، جو قریش کا نمائندہ تھا، کہا "ہم نہیں جانتے کہ رحمٰن کیا ہے، آپ یوں لکھئے **باسمک اللھم**، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اسی طرح لکھ دو۔

اس کے بعد آپؐ نے لکھایا "یہ وہ ہے جس پر **محمد رسول اللہ** نے مصالحت کی۔"

اس پر سہیل نے کہا:

"اگر ہم جانتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو نہ ہم آپ کو بیت اللہ سے روکتے اور نہ آپ سے جنگ کرتے، اس لیے آپ یہ لکھوائیے "محمد بن عبداللہ کی طرف سے۔"

آپؐ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ لفظ رسول کو مٹا دیں اور اس کی جگہ پر محمد بن عبداللہ لکھ دیں، لیکن حضرت علیؓ نے یہ گوارہ نہیں کیا کہ وہ اس لفظ کو مٹا دیں، لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے مٹا دیا۔ اس کے بعد پوری دستاویز لکھی گئی۔

صحابہ کرامؓ اس معاہدے پر بہت برہم ہوئے۔ ان کا دماغ کسی طرح سے اس بات پر آمادہ نہیں ہو رہا تھا کہ وہ اس ذلت آمیز صلح پر راضی ہو جائیں، لیکن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جب فرمایا کہ یہی حق ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کی مرضی بھی ہے تو سب نے جذبات کے طوفان کے باوجود خود کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے جھکا دیا اور یہ ثابت کر دیا کہ، مومن وہ ہے کہ جب اس کی بڑائی ختم ہو رہی ہو تب بھی وہ رسولؐ کے حکم کو مانے۔ جب اس کی خواہشات پامال ہو رہی ہوں تب بھی وہ رسولؐ کے فرمان سے نہ ہٹے اور جب اس کا ذہنی سانچہ ٹوٹ رہا ہو تب بھی وہ اپنی رائے کو رسولؐ کی رائے کے تابع رکھے۔

حدیث:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ بتایا، جو کر کے دکھایا، جن کاموں کو دیکھ کر اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا اور جن جن باتوں سے روکا انہی کو حدیث کہتے ہیں۔

دین میں حدیث کی بہت بڑی اہمیت ہے کیوں کہ اللہ کی مرضی جاننے کے لیے جس طرح

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرآن ہے اسی طرح حدیث رسول بھی ایک مستند و معتبر ذریعہ ہے اور اللہ کی قربت چاہنے والا بندہ جس طرح اللہ کے کلام کو نظر انداز نہیں کر سکتا، اسی طرح رسولؐ کے فرمان اور طریقے کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتا۔

بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ ''دین میں حدیث کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔''

اس طرح کی باتیں نہ صرف کم فہمی کی بلکہ کج فہمی کی علامت ہیں، کیوں کہ جب قرآن نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ اعلان کر دیا:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى. اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰى. ''یہ نبی اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہتے، یہ وہی کچھ کہتے ہیں جو بذریعۂ وحی ان پر نازل کی جاتی ہے۔''

تو معلوم ہوا کہ رسولؐ کی ہر بات اللہ کی بات ہے۔ قرآن نے دوٹوک یہ بھی اعلان کر دیا:

وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ. ''جس نے رسولؐ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔''

اس لیے قرآن کو ماننا اور قرآن لانے والے کی بات کو نہ ماننا دو متضاد چیزیں ہیں جو بیک وقت کسی ذہن میں سنجیدگی کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتیں۔ جو قرآن کو مانے گا وہ حدیث رسولؐ کو ضرور مانے گا اور جو حدیث رسولؐ کا منکر ہوگا وہ قرآن کا بھی انکاری کہلائے گا۔

ترمذی میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''سنو! ایسا ہوگا کہ ایک شخص کے پاس میری حدیث پہنچے گی، وہ اپنے تخت پر ٹیک لگائے ہوئے بیٹھا ہوگا، وہ سن کر کہے گا ''ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ کی کتاب ہے، ہم اس میں جو چیز حلال پائیں گے اس کو حلال قرار دیں گے اور جس چیز کو اس میں حرام پائیں گے، اس کو حرام قرار دیں گے'' حالاں کہ جو اللہ کے رسولؐ نے حرام کیا ہے وہ ویسا ہی حرام ہے جیسے اللہ نے حرام کیا۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن سے متعلق دو ذمہ داریاں تھیں۔

ایک یہ کہ جو کچھ آپؐ پر اترا ہے اس کو اسی طرح پڑھ کر لوگوں کو سنا دیں جیسا کہ اللہ نے سورہ نحل میں ارشاد فرمایا:

وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ. وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ. ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں مسلمانوں میں سے رہوں اور قرآن کی تلاوت کروں۔"

دوسری ذمہ داری یہ تھی کہ آپ لوگوں کے سامنے قرآن کی توضیح وتشریح کریں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ نحل میں ہی فرمایا:

وَاَنزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ۔ "اور یہ قرآن ہم نے تمہارے اوپر اتارا تا کہ تم لوگوں کے سامنے وہ چیز بیان کردو جوان کے لیے اتری ہے تا کہ وہ غور کریں۔"

پہلی ذمہ داری کے تحت آپ کو صرف یہ کرنا تھا کہ جو قرآنی آیات آپؐ پر نازل ہوں، انہیں ہو بہو ان کی اصلی صورت میں لوگوں کو سنادیں اور دوسرا کام جو توضیح وتشریح کا تھا، اس کے لیے ضروری تھا کہ آپؐ نازل شدہ الفاظ کے علاوہ مزید الفاظ بولیں، انہی مزید وضاحتی الفاظ کا نام حدیث ہے۔

حدیث اگرچہ داخل قرآن نہیں ہے مگر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب رسالت کے لیے لازمی جزو ہے۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے اس طرح جڑے ہوئے ہیں کہ ان میں جدائی ممکن نہیں ہے۔

۱ ہمارا ایمان ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے، آخر کیوں؟

اسی لیے نا کہ قرآن ہم کو رسولؐ کے ذریعہ ملا ہے، اور آپؐ ہی کے کہنے کی وجہ سے ہم یہ مانتے ہیں کہ یہ اللہ کی کتاب ہے۔ جب ہم پیغمبر کی صداقت پر ایمان لا کر ہی قرآن کی صداقت پر ایمان لاتے ہیں تو پھر اسی پیغمبر کی زبان سے نکلی ہوئی دوسری باتوں کو ہم کیوں کر جھٹلا سکتے ہیں؟

ابوداؤد شریف کی روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلَا اِنِّیْ اُوْتِیْتُ هٰذَا الْکِتَابَ وَ مِثْلَهٗ مَعَهٗ. "سن لو! مجھے یہ قرآن دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ اس کا مثل بھی۔"

جو لوگ حدیث کا انکار کرتے ہیں وہ ذرا غور کریں،

ہم نے نہ اپنی آنکھوں سے حضرت جبرئیلؑ کو دیکھا اور نہ یہ دیکھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کی آیات سنا رہے ہیں، صرف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کہنے پر ہم یہ مانتے ہیں کہ ان پر قرآن اتارا گیا ہے، پھر وہی پیغمبر جب یہ کہے کہ مجھے وحی غیر متلو بھی دی گئی ہے، تو اس

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے بعد کسی کے پاس وہ کون سی دلیل ہے جس کی بناء پر وہ یہ کہہ سکے کہ وحی متلو کی حد تک وہ رسول کے بیان کو مانے گا اور وحی غیر متلو کے بارے میں وہ پیغمبر کی بات کو نامعتبر ٹھہرا کر چھوڑ دے گا؟

قرآن میں عام طور پر اساسی احکام ہیں، ان کی عملی تفصیل قرآن میں درج نہیں ہے اس لیے نماز اور زکوۃ کی ادائیگی سے لے کر زندگی کے تمام معاملات میں کوئی شخص اسلامی اصولوں پر کاربند ہو ہی نہیں سکتا اگر وہ حدیث سے مدد نہ لے۔ مثلاً

قرآن نے نماز کی ادائیگی کی تاکید کی ہے، مگر اس کی تفصیل نہیں ہے کہ اس کے اوقات کیا کیا ہیں؟ ہر نماز کے وقت کتنی رکعتیں پڑھی جائیں؟ کن کن باتوں سے نماز فاسد ہو جاتی ہے؟ نماز کیسے شروع کی جائے؟ اس میں کب اور کیا پڑھا جائے؟ وضو کا طریقہ کیا ہے؟ وغیرہ۔

قرآن نے زکوۃ کا حکم دیا ہے مگر نصاب زکوۃ کیا ہے؟ غلہ پر کس شرح سے اور سونا، چاندی اور سکوں پر کس شرح سے زکوۃ ادا کی جائے گی؟ اس کی تفصیل نہیں ہے۔

قرآن نے سال کے ایک ماہ، ماہ رمضان کے روزے فرض کئے ہیں مگر روزے کے مسائل، اس کے مفسدات اور مکروہات کی کوئی وضاحت نہیں ہے۔

قرآن نے بشرط استطاعت حج فرض کیا ہے مگر یہ نہیں بتایا کہ حج کی میقات کون کون ہیں؟ حاجی کس تاریخ کو منیٰ پہنچے؟ وہاں کب تک قیام کرے؟ عرفات کب جائے؟ وہاں کب تک ٹھہرے؟ مزدلفہ کب روانہ ہو اور وہاں کتنا وقت گذارے؟ ایام حج میں کیا پڑھے اور پوری عمر میں کتنی بار حج کرے؟ وغیرہ۔

اس کے علاوہ قرآن میں بہت سے جرائم کی سزائیں بتائی گئی ہیں مگر وہ مجمل صورت میں ہیں۔ مثلاً قرآن کی سورۂ مائدہ میں حکم دیا گیا ہے:

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ.

''اور چور خواہ مرد ہو یا عورت، دونوں کے ہاتھ کاٹ دو۔ یہ ان کی کمائی کا بدلہ ہے اور اللہ کی طرف سے عبرتناک سزا۔''

مگر اس کے نافذ کرنے کے لیے بہت سی تفصیلات درکار ہیں، جن کا ذکر قرآن میں نہیں ہے، مثلاً

چوری کی تعریف کیا ہے؟ کتنی مقدار کی چوری پر حد قائم کی جائے گی؟ دونوں ہاتھ کاٹے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جائیں گے یا ایک؟ جب ہاتھ کاٹا جائے گا تو کس مقام سے؟ وغیرہ۔

اس طرح کے بہت سے سوالات ہیں جن کا جواب حدیث میں موجود ہے۔ اگر ہم ان تفصیلی بیانات سے اعراض کریں تو اسلام کی مکمل تعلیمات ہمارے سامنے آ ہی نہیں سکتیں۔

اس دنیا میں ہر انسان یہ چاہتا ہے کہ اسے خدا کی محبت اور قربت مل جائے۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنا محبوب بنالے اور اللہ بھی اس کا محبوب بن جائے اور قدم قدم پر اللہ کی رحمت اس کے ساتھ ہو۔

لیکن آخر وہ کون سا طریقہ ہے، کون سا اصول اور فارمولہ ہے جسے اپنا کر انسان اللہ تعالیٰ کی محبت پا سکتا ہے؟

اس کے لئے دنیا میں بہت سے نظریات ایجاد ہوئے، انہی نظریات میں سے ایک نظریہ وسیلہ کا بھی ہے۔

لوگوں نے سمجھا کہ چوں کہ اللہ کا دربار بہت بڑا ہے اور وہاں تک ہماری رسائی نہیں ہو سکتی اس لیے اللہ کے مقرب بندوں کو اس کی قربت پانے کے لیے وسیلہ بنایا جائے، اس طرح اس ذات لامحدود کو دنیا کے بادشاہوں اور حکمرانوں کی طرح محدود اور بے بس سمجھ لیا گیا اور اسی نظریہ سے شرک کی بنیاد پڑی۔ مشرکین مکہ کا شرک بھی اسی طرح کا تھا، وہ بھی خدا کو ماننے کے باوجود بتوں کو خدا تک پہنچنے کا وسیلہ سمجھتے تھے، چنانچہ وہ خدا کا تقرب حاصل کرنے کے لیے وسیلہ کے نظریہ کی وجہ سے خدا کی قربت پانے کے بجائے اس سے دور ہوتے چلے گئے، کیوں کہ آدمی کو اپنی منزل پر پہنچنے کے لیے صحیح راستے پر چلنا پڑتا ہے، اگر کوئی شخص غلط راستے پر چلے تو نہ صرف یہ کہ وہ منزل تک نہیں پہنچ سکتا بلکہ منزل سے دور بھی ہوتا چلا جاتا ہے۔

ایک لطیفہ:

کہتے ہیں کہ ایک مسافر دہلی میں کناٹ پلیس کی سڑک پر چل رہا تھا۔ اس کو پارلیمنٹ ہاؤس جانا تھا مگر اس کا رخ الٹی طرف تھا۔ اس نے راستہ میں ایک شخص سے پوچھا: ''پارلیمنٹ ہاؤس یہاں سے کتنی دور ہوگا؟''

جواب دینے والے نے کہا: ''تقریباً پچیس ہزار میل۔''

مسافر یہ سن کر گھبرا گیا اور اس نے کہا جناب: ''میں آپ سے راستہ پوچھ رہا ہوں اور آپ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مجھ سے مذاق کر رہے ہیں۔"

اس نے کہا: "معاف کیجئے گا، میں نے مذاق نہیں کیا ہے۔ اصل میں آپ پارلیمنٹ ہاؤس کی الٹی طرف چل رہے ہیں، اس لیے اگر آپ یونہی چلتے رہے تو زمین کا پورا چکر کرنے کے بعد آپ اپنی منزل پر پہنچ سکیں گے، جس کی گولائی پچیس ہزار میل ہے۔ یہ بات بھی اسی وقت ٹھیک ہے جب کہ آپ عرض البلد کے ٹھیک اس خط پر چل رہے ہوں جس پر پارلیمنٹ ہاؤس واقع ہے۔ اگر آپ کچھ دائیں بائیں ہو گئے تو بار بار چکر لگانے کے بعد بھی آپ اپنی منزل کو پانے سے محروم رہیں گے۔"

اب سوال یہ ہے کہ وہ کون سا طریقہ ہے جسے اپنا کر انسان اللہ کی قربت پا سکتا ہے؟ وہ کون سا راستہ ہے جس پر چل کر وہ اللہ کی رضامندی کی منزل تک پہنچ سکتا ہے؟

وہ راستہ ہے اطاعت رسولؐ اور اتباع سنت کا راستہ۔ کیوں کہ خود خدائے رب العزت نے اسے اپنی محبت کے پانے کا راستہ بتایا ہے۔ جیسا کہ اس نے سورۂ آل عمران میں فرمایا:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ. "اے نبی! لوگوں سے کہہ دو کہ اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی اختیار کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خطاؤں کو درگذر فرمائے گا۔ وہ بڑا معاف کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔"

صحابۂ کرام صحیح معنوں میں مطیع رسولؐ اور متبع سنت تھے، حالاں کہ وہ غربت و افلاس کے مارے تھے۔ ان کی زندگی پھٹے جوتے اور پیوند لگے ہوئے کپڑے پہن کر گذرتی تھی لیکن یہ جدھر نکلے انہوں نے فتح و کامرانی کے جھنڈے گاڑ دیئے، یہ جہاں گئے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دیئے۔

کسی جگہ اگر زیادہ پانی جمع ہو جائے تو اسے روکنے کی تدبیریں کی جاتی ہیں، بڑے بڑے بند بنا کر سیلاب کے پانی کو روک دیا جاتا ہے، مگر تاریخ اس پر گواہ ہے کہ متبعین سنت کی یہ جماعت جدھر نکلی اس کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو دنیا کی کوئی طاقت روک نہیں سکی اور معلوم ہوتا تھا کہ جس قلم سے تقدیریں لکھی جاتی ہیں وہ مسلمانوں کے ہاتھ میں آ گیا ہے یہ جس طرح چاہتے ہیں اپنی مرضی کے مطابق اپنی تقدیریں لکھ لیتے ہیں کیوں کہ ان کے خدا کا یہ وعدہ تھا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں　　یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے ساتھیوں کے ساتھ ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ چلے گئے تو مشرکین مکہ نے انہیں یہاں بھی امن وچین سے نہیں بیٹھنے دیا۔ یہاں تک کہ کفر واسلام کا ایک بہت بڑا معرکہ رمضان ۲ھ میں مقام بدر پر پیش آیا جو غزوۂ بدر کے نام سے مشہور ہے۔

اس غزوہ میں مسلمانوں کی تعداد صرف تین سو تیرہ تھی جب کہ کفار کا لشکر ایک ہزار کی تعداد میں تھا۔ مشرکین ہر طرح کے مادی وسائل وساز وسامان سے مسلح تھے، جب کہ ایمان والے تقریباً نہتے تھے۔

چنانچہ پورے لشکر میں صرف دو گھوڑے تھے اور ستر اونٹ، جن میں سے ہر اونٹ پر دو یا تین آدمی باری باری سوار ہوتے تھے۔

یہ نہتے سرفروش جانتے تھے کہ اتنے بڑے لشکر سے لڑنے کی ہمت کرنا اپنی موت کو دعوت دینا ہے لیکن وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر اپنا سب کچھ یہاں تک کہ اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہا دینے کے لیے تیار تھے۔

فرمانِ نبی پر اپنا سب کچھ نچھاور کر دینے کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر طرح سے ان کی مدد فرمائی۔ جیسا کہ سورۂ انفال میں آیا:

اِذْ یُغَشِّیْکُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَ یُنَزِّلُ عَلَیْکُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّیُطَهِّرَکُمْ بِهٖ وَ یُذْهِبَ عَنْکُمْ رِجْزَ الشَّیْطٰنِ وَلِیَرْبِطَ عَلٰی قُلُوْبِکُمْ وَ یُثَبِّتَ بِهِ الْاَ قْدَامَ. ”اور (یاد کرو) جب اللہ تعالیٰ تم پر اپنی طرف سے امن اور بے خوفی کے طور پر نیند طاری کر رہا تھا اور تم پر آسمان سے پانی برسا رہا تھا تا کہ تمہیں اس کے ذریعہ سے پاک کر دے اور تم سے شیطان کی گندگی کو صاف کر دے اور تمہارے دل مضبوط کر دے اور تمہارے قدم جما دے۔“

میدان بدر میں پہنچنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پروردگار سے نصرت ومدد کا وعدہ پورا کرنے کے لیے دعا مانگنے لگے۔ آپ کی دعا یہ تھی:

اَللّٰهُمَّ اَنْجِزْلِیْ مَاوَعَدْتَنِیْ اَللّٰهُمَّ اَنْشُدُکَ عَهْدَکَ وَوَعْدَکَ. ”اے اللہ! تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے اسے پورا فرما دے۔ اے اللہ! میں تجھ سے تیرا عہد اور تیرے وعدے کا سوال کرتا ہوں۔“

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پھر جب گھمسان کی جنگ شروع ہوگئی، نہایت زور کا رن پڑا اور لڑائی شباب پر آ گئی تو آپ نے یہ دعا فرمائی:

اَللّٰهُمَّ اِنْ تُهْلِكْ هٰذِهِ الْعِصَابَةُ الْيَوْمَ لَاتَعْبُدُ اَللّٰهُمَّ اِنْ شِئْتَ لَمْ تُعْبَدْ بَعْدَ الْيَوْمِ اَبَداً. ''اے اللہ! اگر آج یہ گروہ ہلاک ہو گیا تو تیری عبادت نہ کی جائے گی۔ اے اللہ! اگر تو چاہے تو آج کے بعد تیری عبادت کبھی نہ کی جائے'' حفیظ جالندھری لکھتے ہیں۔

اگر اغیار نے ان کو جہاں سے محو کر ڈالا قیامت تک نہ ہوگا کوئی تیرا پوجنے والا

الٰہی اب وہ عہد لیلۃ المعراج پورا کر محمدؐ سے جو وعدہ ہو چکا ہے آج پورا کر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قدر، تضرع اور عاجزی کے ساتھ دعا کی کہ آپ کی چادر دونوں کندھوں سے گر گئی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے چادر درست کی اور عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! بس کیجئے، آپ نے اپنے رب سے بڑے تضرع کے ساتھ دعا فرمائی۔''

ادھر اللہ نے فرشتوں کو حکم دیا:

اَنِّیْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَاُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ. ''میں تمہارے ساتھ ہوں، تم اہل ایمان کے قدم جماؤ، میں کافروں کے دل میں رعب ڈال دوں گا۔''

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی بھیجی:

اَنِّیْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ. ''میں ایک ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کروں گا جو آگے پیچھے آئیں گے۔''

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جھپکی آ گئی، پھر آپ نے سر اٹھایا اور فرمایا:

''ابوبکرؓ! خاموش ہو جاؤ، یہ جبرئیل ہیں گرد و غبار میں اٹے ہوئے، ابوبکرؓ خوش ہو جاؤ، تمہارے پاس اللہ کی مدد آ گئی، یہ جبرئیل علیہ السلام ہیں اپنے گھوڑے کی لگام تھامے اور اس کے آگے آگے چلتے ہوئے آ رہے ہیں۔''

اس کے بعد آپؐ باہر تشریف لائے، آپؐ پرجوش طور پر آگے بڑھ رہے تھے اور قرآن مجید کی سورہ قمر کی یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَ يُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ. ''عنقریب یہ جتھہ شکست کھا جائے گا اور پیٹھ پھیر کر بھاگے گا۔''

اس کے بعد آپؐ نے ایک مٹھی کنکریلی مٹی لی اور قریش کی طرف رخ کر کے فرمایا:

شَاهَتِ الْوُجُوْهُ. ''چہرے بگڑ جائیں۔''

اور ساتھ ہی ان کے چہروں کی طرف پھینک دی، پھر مشرکین میں سے کوئی نہیں تھا جس کی دونوں آنکھوں، نتھنے اور منہ میں ایک مٹھی میں سے کچھ نہ کچھ گیا نہ ہو۔ اسی کی بابت قرآن مجید کی سورۂ انفال میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى. ''جب آپ نے پھینکا تو درحقیقت آپ نے نہیں پھینکا بلکہ اللہ نے پھینکا۔''

بہرحال مسلمانوں نے جوش و خروش سے یہ جنگ لڑی اور فرشتوں نے بھی ان کی مدد فرمائی۔ چنانچہ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اس دن آدمی کا سر کٹ کر گرتا اور یہ پتہ نہ چلتا کہ اسے کس نے مارا؟ اور آدمی کا ہاتھ کٹ کر گرتا اور یہ پتہ نہ چلتا کہ کس نے کاٹا؟

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مسلمان ایک مشرک کو دوڑا رہا تھا کہ اچانک اس مشرک پر کوڑے کی مار پڑنے کی آواز آئی۔ مسلمان نے مشرک کو دیکھا کہ وہ چت گر پڑا، لپک کر دیکھا تو اس کی ناک پر چوٹ کا نشان تھا، چہرہ پھٹا ہوا تھا جیسے کوڑے سے مارا گیا ہو۔ اس انصاری مسلمان نے آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ماجرا بیان کیا تو آپؐ نے فرمایا: ''تم سچ کہتے ہو، یہ تیسرے آسمان کی مدد تھی۔''

ایک صحابی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ایک کافر کو مارنے کے لیے دوڑ رہا تھا کہ اچانک اس کا سر میری تلوار پہنچنے سے پہلے کٹ کر گر گیا، میں سمجھ گیا کہ اسے میرے بجائے کسی اور نے قتل کیا ہے۔

ایک انصاری، حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کو قید کر کے لائے، تو حضرت عباسؓ کہنے لگے واللہ! مجھے اس نے قید نہیں کیا ہے، مجھے تو ایک بے بال کے سر والے نے قید کیا، جو بہت خوبرو تھا اور ایک چتکبرے گھوڑے پر سوار تھا، اب میں لوگوں میں اسے نہیں دیکھ رہا ہوں۔ انصاری نے کہا یا رسول اللہ! انہیں میں نے قید کیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا، خاموش رہو، اللہ نے ایک بزرگ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فرشتے کے ذریعہ تمہاری مدد فرمائی ہے۔

الغرض اس جنگ میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعہ ایمان والوں کی مدد فرمائی، میدان پورے طور پر ان کے ہاتھ رہا اور دشمنان اسلام کثیر التعداد ہونے کے باوجود شکست سے دوچار ہوئے اور ان کے بڑے بڑے لیڈر جیسے عتبہ، شیبہ، ابوجہل، امیہ بن خلف اور عتبہ بن ابی معیط وغیرہ اسی میں مارے گئے اور یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ابولہب بھی اسی میں مارا گیا، حالاں کہ وہ اس جنگ میں شریک نہیں تھا۔

ابولہب مکہ ہی میں تھا اور جب ابوسفیان کے ذریعہ مشرکین مکہ کی شکست کی خبر اس کے کانوں میں پڑی تو وہ حیرت زدہ رہ گیا کیوں کہ اسے اس طرح کی قطعی امید نہیں تھی کہ مسلمانوں کا یہ قلیل التعداد لشکر ہماری اتنی بڑی فوج پر غالب آسکتا ہے۔ اس لیے اس نے ابوسفیان سے بزبان حال مسلمانوں کے بارے میں یہ پوچھا تھا ؎

مجھے معلوم ہے تعداد میں یہ لوگ تھوڑے ہیں ۔۔۔ نہ انکے پاس تلواریں نہ انکے پاس گھوڑے ہیں
ٹھہرنے کے لیے تنبو، تنبوٹی تک نہیں ملتی ۔۔۔ انہیں تو رات کے کھانے کو روٹی تک نہیں ملتی
بتا وہ کون سی بجلی گری تیغ آزماؤں پر ۔۔۔ کہ انکا اک خدا غالب ہوا سارے خداؤں پر؟

بدر کی شکست کے بعد ابولہب سات دن سے بھی زیادہ زندہ نہیں رہ سکا۔ اسے عدسہ نام کی عجیب وغریب بیماری لاحق ہوگئی، جب یہ مرا تو اس کے بیٹوں نے بھی اسے چھوڑ دیا اور تین دن تک اس کی لاش بے گور وکفن پڑی رہی، کوئی نہ تو اس کے قریب جاتا تھا نہ اسے دفنانے کی کوشش کرتا تھا، جب پڑوسیوں نے اس کے بیٹوں کو طعنہ دیا تو انہوں نے کچھ حبشی مزدور رکھے جنہوں نے ابولہب کی لاش کو لکڑی سے ڈھکیل کر ایک گڈھے میں ڈال دیا، اس دشمن اسلام کا یہ بدترین انجام ہوا۔

بدر میں مسلمانوں کی فتح کسی اتفاقی حادثہ کا نتیجہ نہیں تھی۔ چوں کہ اللہ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر اور آپ کی اطاعت میں اپنا سب کچھ انہوں نے داؤں پر لگا دیا تھا اس لیے بے سروسامانی کے باوجود انہیں حیرت انگیز فتح وکامرانی نصیب ہوئی۔ علامہ اقبال نے سچ کہا ہے ؎

فضائے بدر پیدا کر، فرشتے تیری نصرت کو ۔۔۔ اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بدر کے کچھ دنوں بعد ایک دوسرا معرکہ شوال ۳ھ میں مقام احد پر پیش آیا جو غزوۂ احد کے نام سے مشہور ہے۔

اس غزوہ میں کفار کی تعداد تین ہزار تھی اور مسلمان صرف سات سو تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہدین کی اس طرح صف بندی کرائی کہ پہاڑ پشت پر تھا اور دشمن کا لشکر سامنے، پہلو میں ایک درہ ایسا تھا جہاں سے دشمن اچانک حملہ کر سکتا تھا، اس لیے آپؐ نے وہاں حضرت عبداللہ ابن جبیرؓ کے زیر قیادت پچاس تیر اندازوں کو بٹھا دیا اور انہیں تاکید کی کہ،

''کسی کو ہمارے قریب نہ پھٹکنے دینا، کسی بھی حال میں یہاں سے نہ ہٹنا اور اگر تم یہ دیکھو کہ ہماری بوٹیاں پرندے نوچے لیے جاتے ہیں تب بھی تم اپنی جگہ نہ چھوڑنا یہاں تک کہ میں بلا بھیجوں۔''

اس کے بعد جنگ شروع ہوئی، مسلمان غالب رہے، مشرکین کے لشکر میں ابتری پھیل گئی، میدان خالی ہونے لگا۔

ادھر جن تیر اندازوں کو درہ کی حفاظت پر مامور کیا گیا تھا وہ اپنی جگہ سے ہٹ گئے اور مالِ غنیمت لوٹنے میں مصروف ہو گئے۔ حضرت عبداللہ ابن جبیرؓ نے انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تاکیدی حکم کا واسطہ دے کر بہت روکا مگر چند آدمیوں کے سوا کوئی نہ ٹھہرا، ادھر دشمن نے اس موقع سے بروقت فائدہ اٹھایا اور پہاڑی کا چکر کاٹ کر پہلو کے درہ سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا، اس طرح جنگ کا پانسہ یک دم پلٹ گیا اور اس جنگ میں ستر صحابہؓ شہید کر دیے گئے۔

جنگ ختم ہونے کے بعد مسلمان بہت حیران اور سراسیمہ ہوئے کیوں کہ فتح پا جانے کے باوجود وہ شکست کھا گئے تھے جسے ایک مثال سے یوں سمجھا جا سکتا ہے۔

ایک مثال:

فرض کیجیے کسی آدمی نے ایک لاکھ کا سرمایہ لگا کر ایک کاروبار شروع کیا، اسے امید تھی کہ سال بھر میں اسے تیس ہزار روپے نفع کے ملیں گے، مگر سال پورا ہونے کے بعد اس نے جب حساب کیا تو اسے صرف پندرہ ہزار روپے کا منافع ہوا، اب اسے کوئی بہت زیادہ ذہنی اذیت نہیں محسوس ہوگی کیوں کہ اسے اندازہ سے کم ملا۔ لیکن اسی آدمی کی جیب سے اگر پانچ ہزار روپوں کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گڈی کہیں گر جائے تو وہ بوکھلا جائے گا کیوں کہ یہ رقم اس کے ہاتھ میں آ کر ضائع ہو گئی۔

اسی طرح احد میں صرف یہی نہیں کہ فتح کی امید تھی بلکہ فتح سے وہ ہمکنار ہو چکے تھے، مگر جب ہاتھ میں آئی ہوئی فتح شکست سے تبدیل ہو گئی تو ان کا سراسیمہ ہونا بالکل فطری تھا۔

چنانچہ وہ حیران ہو کر پوچھ رہے تھے کہ یہ کیا ہوا؟ ہم اللہ کے دین کی خاطر لڑنے گئے، اس کی مدد کا وعدہ ہمارے ساتھ تھا، اس کا رسول خود میدان جنگ میں موجود تھا، پھر بھی ہم شکست سے دوچار ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ آل عمران میں فرمایا:

اَوَ لَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا. ''اور تمہارا کیا حال ہے کہ جب تم پر ایسی تکلیف آ پڑی کہ تم اس جیسی دو چند پہنچا چکے ہو تو تم کہنے لگے، یہ کہاں سے آ گئی؟''

قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ. ''اے نبی! تم کہو کہ یہ مصیبت خود تمہاری اپنی لائی ہوئی ہے''

یعنی تم نے صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیا اور مال کی محبت میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان و ہدایت سے اعراض کیا، جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ تمہیں ملی ہوئی جیت تمہاری ہار میں تبدیل ہو گئی۔

تو بدر کی فتح نے بتایا کہ مسلمانو! اگر تم نبیؐ کے حکم پر اپنا سب کچھ قربان کر دینے پر تیار رہے تو قلیل التعداد ہونے کے باوجود فتح و کامرانی تمہارا قدم چومے گی۔

اور احد کی شکست نے یہ ثابت کیا کہ اگر تم نے فرمان رسولؐ سے غفلت کی تو حالات پورے طور پر سازگار ہونے کے باوجود فتح و کامیابی تم سے دور ہو جائے گی۔

حضرات! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور قیامت تک کے لیے دنیا و آخرت کی کامیابی و کامرانی اور انسانیت کی فلاح و سعادت آپ کی اطاعت کے ساتھ وابستہ کر دی گئی ہے۔

اگر دنیا میں سعادت و کامیابی کے ایک سے زیادہ راستے ہوتے تو ہمیں اختیار ہوتا کہ جس راستے کو چاہیں اختیار کر لیں، لیکن ایسا نہیں ہے، بلکہ ہدایت و سعادت، صلاح و فلاح اور کامیابی و کامرانی کا بس ایک ہی راستہ کھلا ہے اور وہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے، اس راستہ کے علاوہ باقی تمام راستے بند کر دیے گئے ہیں۔

حدیث میں آتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تورات کے چند اوراق اٹھالائے اور انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پڑھنا شروع کیا، پھر آپؐ کے چہرۂ انور کا رنگ بدلنے لگا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے توجہ دلانے پر انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کا رنگ دیکھا تو اوراق لپیٹ کر رکھ دیا اور کہنے لگے، میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں اللہ کے غضب سے اور اس کے رسولؐ کے غضب سے، میں اللہ تعالیٰ کو اپنا رب مان کر، اسلام کو اپنا دین مان کر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا نبی مان کر راضی ہوا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم! جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر موسیٰ تمہارے درمیان آجائیں اور تم مجھے چھوڑ کر ان کی پیروی کرنے لگو تو سیدھے راستے سے بھٹک جاؤ گے، اور اگر وہ زندہ ہوتے اور میری نبوت کا زمانہ پاتے تو خود وہ میری پیروی کرتے۔''

معلوم ہوا کہ تمام انبیاء اپنے اپنے دور میں ہدایت کا سرچشمہ تھے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ تمام سرچشمے بند کر دیے گئے اور ان پر خط تنسیخ کھینچ دیا گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت وطریقہ کے بجائے ان حضرات کی سنت وطریقے پر عمل کرنا بھی ضلالت وگمراہی قرار پائی۔

اس لیے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے گذرے ہوئے انبیاء کی پیروی بھی ہمارے لیے موجب فلاح وسعادت نہیں، بلکہ گمراہی وضلالت ہے، تو ان کی بھٹکی ہوئی قوموں کے نقش قدم پر چلنا فلاح وسعادت کا سبب کیوں کر ہوسکتا ہے؟

اسی سے اندازہ کیجیے کہ آج کے مسلمان جو سنت نبوی پر عمل پیرا ہونے کے بجائے یہود ونصاریٰ کی نقالی کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں، کس قدر فلاح وسعادت سے محروم ہیں اور ان کی ضلالت وگمراہی کس قدر لائق ماتم ہے؟

آج امت مسلمہ در در کی ٹھوکریں کھا رہی ہے اس کا راز یہی ہے کہ وہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم سے کٹ کر اغیار سے وابستہ ہوگئی ہے۔

وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس طریقۂ زندگی کو چھوڑ کر گمراہ ومغضوب قوموں کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اختراع کردہ نظام ہائے زندگی کی تاریکیوں میں بھٹک رہی ہے۔

اس نے آفتاب مدینہ سے منہ موڑ کر مغرب کی ظلمتوں سے روشنی کی دریوزہ گری شروع کردی ہے۔

اس نے اپنے آئین سیاست، اپنے آداب معاشرت، اپنی شکل وصورت اور اپنی عقل و خرد کو یہود ونصاریٰ کے سانچے میں ڈھال لیا ہے۔

آج مسلمانوں کی شکل وصورت، ان کے رہن سہن، ان کی نشست و برخاست، ان کے اندازِ گفتگو اور ان کے مظاہر زندگی کو دیکھ کر یہ اندازہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ یہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہے یا کسی یہودی، عیسائی یا خدا بیزار قوم کا فرد ہے؟

اپنے نبی رحمت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بے وفائی ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ ہر شخص کا ذہنی سکون غارت ہو چکا ہے اور اجتماعی طور پر ذلت وخواری اس کا مقدر بن چکی ہے۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد، پچھلے انبیاء کی سنتوں اور طریقوں کو بھی اختیار کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے، تو بعد کے کسی انسان کی خود تراشیدہ خواہشات و بدعات کو اپنانے کی کیا گنجائش باقی رہ جاتی ہے؟

یہی وجہ ہے کہ خود ساختہ رسوم و بدعات کی سخت مذمت کی گئی ہے اور اسے ضلالت و گمراہی بتایا گیا ہے۔

ترمذی اور ابوداؤد میں حضرت عرباضؓ بن ساریہ سے روایت ہے۔ ایک دن نماز سے فارغ ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایسا بلیغ وعظ فرمایا جس سے ہماری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور دل تھرا گئے۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپؐ نے تو ہمیں ایسا وعظ فرمایا جیسے ہم سے رخصت ہو رہے ہیں، اس لیے خصوصی وصیت فرمایئے۔ ارشاد ہوا:

''میں تمہیں اللہ سے ڈرتے رہنے کی اور امیر کی سمع وطاعت کی وصیت کرتا ہوں خواہ وہ حبشی غلام ہو، کیوں کہ تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہا وہ بہت سے اختلافات دیکھے گا، پس میری سنت کو اور خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑنا اور دانتوں کی کچلیوں سے انہیں مضبوط تھام لینا، اور جو نئے نئے امور دین میں ایجاد کیے جائیں، ان سے بچتے رہنا، کیوں کہ ہر ایسی ایجاد بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علمائے سلف اور اکابرامت کا یہ قول ہے کہ دین میں بدعات کی ایجاد، دراصل رسالت محمدیہ کی تنقیص ہے کیوں کہ بدعات کی ایجاد کرنے والا گویا یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس کی نکالی ہوئی بدعت کے بغیر دین نامکمل ہے اور یہ کہ نعوذ باللہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی نظر وہاں تک نہیں پہنچی، جہاں اس کی نظر پہنچی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بدعت کے ایجاد کرنے کو دین اسلام کے منہدم کردینے سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

جیسا کہ پہلے بتایا گیا کہ قرآن وحدیث لازم وملزوم ہیں، جس طرح قرآن کے بغیر حدیث رسول نفع بخش نہیں ہے اسی طرح حدیث کو مانے بغیر قرآن پر عمل پیرا ہونا ممکن نہیں ہے۔

مؤطا کی روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا:

تَرَكْتُ فِيكُمْ اَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كِتَابُ اللّٰهِ وَ سُنَّةُ رَسُوْلِهِ؛

''میں نے تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑی ہیں، انہیں مضبوطی کے ساتھ تھامنے پر تم کبھی گمراہ نہیں ہوسکتے، اللہ کی کتاب اور اس کے رسولؐ کی سنت۔''

اب مسلمان کے لیے حق وباطل، حلال وحرام، صحیح وغلط اور شر وخیر کا معیار کتاب وسنت ہے۔

اس دنیا میں کوئی شخص کوئی بھی بات کہے، کوئی بھی طریقہ بتائے، کسی بھی اصول کی تبلیغ کرے، ہر طریقہ، ہر اصول اور ہر بات کو جس کسوٹی پر پرکھا جائے گا وہ کسوٹی ہے کتاب وسنت۔ اس کسوٹی پر جو چیز کھری اترے گی مسلمان کے لیے وہی کھری ہے اور جو چیز کھوٹی اترے گی مسلمان کے لیے وہ ناقابل عمل ہے۔

قرآن وحدیث کے ہوتے ہوئے مسلمان کو یہ نہیں دیکھنا ہے کہ ہمارا فائدہ کس میں ہے یا ہمارے آباء واجداد کیا کرتے آئے ہیں؟ یا ماحول کا تقاضہ کیا ہے؟ یا دنیا کیا کہہ رہی ہے؟ یا ہمارے نفس کا مطالبہ کیا ہے؟ یا لوگ کس راستہ پر چل رہے ہیں؟ یا فلاں بزرگ نے کیا کہا ہے یا فلاں امام نے کیا کہا ہے؟

مسلمان کو صرف یہ جاننا ہے کہ اللہ نے کیا بتایا ہے اور اس کے رسولؐ نے کن راہوں پر چلنے کی تلقین کی ہے اور خود چل کر دکھایا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہم صحیح معنوں میں تبھی مسلمان بن سکتے ہیں جب ہمارے اخلاق وہی ہوں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق تھا۔

ہمارے تمام معاملات انہی خطوط پر انجام پائیں جو خطوط قرآن وحدیث نے کھینچ دیئے ہیں۔

ہماری معیشت، ہماری معاشرت، ہماری عبادت، ہماری سیاست، غرض زندگی کا ایک ایک شعبہ اسی نقشہ کے مطابق تعمیر ہو جسے اللہ اور اس کے رسولؐ نے ہمیں کتاب وسنت کی شکل میں دے دیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی امت پر یہ بھی حق ہے کہ آپؐ سے حقیقی اور سچی محبت رکھتے ہوئے کثرت سے آپ کا ذکر کریں اور جب بھی اور جہاں بھی آپ کا ذکر خیر ہو تو آپؐ پر درودوسلام بھیجنے میں غفلت نہ کریں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۂ احزاب میں فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔ ''اللہ اور اس کے ملائکہ نبی پر درود بھیجتے ہیں، اے لوگو جو ایمان لائے ہو تم بھی ان پر درود وسلام بھیجو۔''

جس شخص کو یہ احساس ہوگا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ تعالیٰ کے بعد ہمارے سب سے بڑے محسن ہیں، وہ آپؐ پر ضرور درود بھیجے گا۔

کثرت درود دراصل ایک پیمانہ ہے جو ناپ کر بتا دیتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے دین کے ساتھ ایک آدمی کتنا گہرا تعلق رکھتا ہے۔

اسی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف موقعوں پر اس کی فضیلت بیان کی ہے۔ مثلاً ابن کثیر کی روایت کے مطابق آپؐ نے فرمایا:

مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ صَلٰوةً لَمْ تَزَلِ الْمَلَائِكَةُ تُصَلِّيْ عَلَيْهِ مَا صَلّٰى عَلَيَّ۔ ''جو شخص مجھ پر درود بھیجتا ہے، ملائکہ اس پر درود بھیجتے رہتے ہیں جب تک وہ مجھ پر درود بھیجتا رہے۔''

مسلم کی ایک روایت میں ہے:

مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ وَاحِدَةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ عَشْرًا۔ ''جو مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللہ تعالیٰ اس پر دس بار اپنی رحمت بھیجتا ہے۔"

ترمذی میں فرمانِ رسولؐ یوں منقول ہے:

اَوْلَی النَّاسِ بِیْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَكْثَرُهُمْ عَلَیَّ صَلٰوةً. "قیامت کے روز میرے ساتھ رہنے کا سب سے زیادہ مستحق وہ ہوگا جو مجھ پر سب سے زیادہ درود بھیجے گا۔"

ترمذی میں یہ روایت بھی آئی ہے:

اَلْبَخِیْلُ الَّذِیْ ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیَّ. "بخیل ہے وہ شخص جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔"

بہر حال درود شریف کی اہمیت وفضیلت، اس کے موجب ثواب ہونے اور اس کا ایک بہت بڑی نیکی ہونے پر ساری امت متفق ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو کتاب وسنت پر عمل کرنے کی سچی توفیق نصیب فرمائے اور رسالت محمدیؐ سے ہمارا تعلق اس طرح جوڑ دے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا ہر دوسری رہنمائی ہمارے لیے بے حقیقت ہو جائے۔ آمین۔

وما علینا الا البلاغ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دعوتِ عمل

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدَانَا لِھٰذَا وَ مَاکُنَّا لِنَھْتَدِیَ لَوْلَا اَنْ ھَدَانَا اللّٰہُ۔

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

اِنْ تَمْسَسْکُمْ حَسَنَۃٌ تَسُؤْھُمْ وَ اِنْ تُصِبْکُمْ سَیِّئَۃٌ یَّفْرَحُوْا بِھَا وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا لَا یَضُرُّکُمْ کَیْدُھُمْ شَیْئًا۔

کبھی اے نوجواں مسلم تدبر بھی کیا تو نے؟ وہ کیا گردوں تھا، تو جسکا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا

تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبت میں کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں سے تاجِ سردارا

غرض میں کیا کہوں تجھ سے کہ وہ صحرانشیں کیا تھے جہاں گیر و جہاں دار و جہاں بان و جہاں آرا

تجھے آباء سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی کہ تو گفتار، وہ کردار، تو ثابت، وہ سیارا

گنوادی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا

حضرات! آج ہم اپنی زندگی کے انتہائی نازک موڑ پر کھڑے ہیں اور ذہنی طور پر عجیب سی صورت حال سے دوچار ہیں۔

لیکن یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ آج ہم جس دور سے گذر رہے ہیں، اس سے پہلے ہم اس سے بھی زیادہ بھیانک دور سے گذر چکے ہیں، اس سے زیادہ ہولناک دن دیکھ چکے ہیں اور اس سے بھی زیادہ مشکل حالات کا سامنا کر چکے ہیں۔

یاد کیجئے اسلام کی مقدس تاریخ، جب اللہ کے پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کی تبلیغ شروع کی، لوگوں کو دینِ حق کی طرف بلانا شروع کیا تو عرب کے سرداروں کو ان کی سرداریاں اور جاگیریں خطرے میں نظر آنے لگیں، اس لیے وہ بوکھلا گئے اور آپؐ پر اس طرح ٹوٹ پڑے جس طرح کوئی شکاری اپنے شکار پر ٹوٹ پڑتا ہے، پھر آپؐ پر ظلم وستم کی انتہا کر دی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گئی۔

چنانچہ آپ کو غیروں نے بھی مارا اور اپنوں نے بھی مارا، دشمنوں نے بھی مارا اور خاندان والوں نے بھی مارا، مردوں نے بھی مارا اور یہ زمین و آسمان اس بات پر گواہ ہیں کہ رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو ستانے میں عورتوں نے بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

یہ جنگل سے کانٹے لاتیں اور آپ کی راہوں میں بچھاتی تھیں اور اپنی چھتوں سے آپؐ پر کوڑا اڈالا کرتی تھیں۔ حفیظ جالندھری نے کہا ہے۔

قریشی عورتیں کانٹے بیابانوں سے لاتی تھیں   گذر گاہِ گل گلزار وحدت میں بچھاتی تھیں

نجاست گھر کے دروازے پہ لاکر ڈال جاتی تھیں   جھگڑتی، بدزبانی کرتی تھیں، فتنے اٹھاتی تھیں

مگر وہ منبع جود و سخا خاموش رہتا تھا

زباں سے کچھ نہ کہتا تھا دعائے خیر کرتا تھا

آپ کو کس طرح ستایا گیا، اس سلسلے میں چند واقعات پیش ہیں:

ابولہب، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سگا چچا تھا، لیکن آپ کو ستانے اور اذیت پہنچانے میں دوسروں سے کہیں زیادہ آگے تھا۔

ترمذی میں روایت ہے، ایام حج میں ابولہب، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلانے کے لیے بازاروں اور مجلسوں میں آپؐ کے پیچھے پیچھے لگا رہتا تھا اور یہ صرف آپ کو جھٹلانے پر بس نہیں کرتا تھا، بلکہ آپؐ پر پتھر بھی مارتا تھا جس سے آپ کی ایڑیاں خون سے تر ہو جاتی تھیں۔

آپ کی بعثت سے پہلے آپ کی دو لڑکیاں، رقیہؓ اور ام کلثومؓ، ابولہب کے دو بیٹوں عتبہ اور عتیبہ سے بیاہی تھیں لیکن بعثت کے بعد اس نے بڑی درشتی اور سختی سے ان دونوں کو طلاق دلوادی۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں صاحبزادے، قاسم اور عبداللہ کا یکے بعد دیگرے انتقال ہو گیا تو یہ سگا چچا ہونے کے باوجود اس قدر خوش ہوا کہ یہ اپنے رفقاء کے پاس جاتا اور انہیں خوشخبری سناتا کہ محمدؐ بے نام و نشان ہو گئے۔

سیرت ابن ہشام میں ابولہب کی بیوی ام جمیل کا واقعہ آتا ہے کہ وہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت میں اپنے شوہر سے کم نہ تھی۔

چنانچہ آپؐ کے خلاف بدزبانی کرنا، افتراء پردازی سے کام لینا، فتنے کی آگ بھڑکانا اور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خوفناک جنگ برپا کرنا اس کا شیوہ تھا، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے اور دروازے پر رات کو کانٹے ڈال دیا کرتی تھی، اس لیے قرآن نے اس کو حمالة الحطب (لکڑی ڈھونے والی) کا لقب عطا کیا۔

جب اسے معلوم ہوا کہ اس کی مذمت میں قرآن کی آیتیں نازل ہوئی ہیں تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کرتی ہوئی آئی۔ آپؐ اس وقت مسجد حرام میں تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی آپؐ کے ہمراہ تھے، یہ مٹھی بھر کنکریاں لیے ہوئی تھی، جب یہ آپؐ کے سامنے آئی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی نگاہ پکڑ لی اور وہ آپ کو دیکھ نہ سکی، صرف حضرت ابوبکر صدیقؓ کو دیکھ رہی تھی، اس نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے پوچھا، ابوبکر! تمہارا ساتھی کہاں ہے؟ مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ میری ہجو کرتا ہے، بخدا! اگر مجھے معلوم ہو گیا اور میں اسے پا گئی تو اس کے منہ پر کنکریاں دے ماروں گی۔ اس کے بعد وہ واپس چلی گئی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کہا، یا رسول اللہ! کیا اس نے آپ کو دیکھا نہیں؟ آپؐ نے فرمایا نہیں، اس نے مجھے نہیں دیکھا، اللہ تعالیٰ نے اس کی نگاہ پکڑ لی۔

ابولہب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سگا چچا ہی نہیں بلکہ پڑوسی بھی تھا، اس کا گھر آپؐ کے گھر سے بالکل ملا ہوا تھا، اس کے باوجود یہ ساری حرکتیں کر رہا تھا۔ اس کے علاوہ آپؐ کے دوسرے پڑوسی بھی آپؐ کے گھر کے اندر بڑی اذیتیں پہنچاتے تھے۔

ان کے ستانے کا طریقہ یہ تھا کہ جب آپ نماز پڑھتے تو کوئی شخص بکری کی بچہ دانی ٹکا کر اس طرح پھینکتا کہ وہ ٹھیک آپؐ کے اوپر گرتی۔

چولہے پر ہانڈی چڑھائی جاتی تو بچہ دانی اس طرح پھینکتے کہ سیدھی ہانڈی میں گر جاتی۔ آپؐ نے مجبور ہو کر ایک گھروندا بنا لیا تھا تاکہ نماز پڑھتے ہوئے اس سے بچ سکیں۔

عقبہ بن ابی معیط، اپنی بدبختی اور خباثت میں اور زیادہ بڑھا تھا۔ بخاری میں حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے۔ ابوجہل اور اس کے دوسرے ساتھی بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں بعض نے بعض سے کہا: کون ہے جو اونٹ کی اوجھڑی لائے اور جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سجدہ کریں تو ان کی پیٹھ پر ڈال دے؟

اس پر قوم کا بدبخت ترین آدمی، عقبہ بن ابی معیط اٹھا اور اوجھ لا کر انتظار کرنے لگا، جب آپ سجدہ میں گئے تو اسے آپ کی پیٹھ پر دونوں کندھوں کے درمیان ڈال دیا۔ پھر وہ سب ہنسی کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مارے ایک دوسرے پر گرنے لگے اور آپ سجدے ہی میں پڑے رہے، سر نہیں اٹھایا یہاں تک کہ حضرت فاطمہ آئیں اور انہوں نے آپ کی پیٹھ سے اوجھ اٹھا کر پھینکی تب آپ نے سر اٹھایا۔

صرف یہی نہیں کہ آپ کو ظلم و ستم کا نشانہ بنایا جاتا تھا، بلکہ آپ پر ایمان لانے والوں پر اور آپ کے جاں نثاروں پر بھی ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جاتے تھے۔ ہر قبیلہ اپنے مسلمان ہونے والے افراد کو طرح طرح کی سزائیں دیتا تھا اور جس شخص کا کوئی قبیلہ نہیں ہوتا تھا اس پر اوباشوں اور سرداروں نے ایسے ایسے ظلم و ستم روا رکھے تھے، جنہیں سن کر مضبوط دل کا انسان بھی بے چینی سے تڑپنے لگتا ہے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا چچا انہیں کھجور کی چٹائیوں میں لپیٹ کر نیچے سے دھواں دیتا تھا۔

ابن ہشام میں ہے کہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی ماں کو جب ان کے اسلام لانے کا علم ہوا تو ان کا اس نے دانہ پانی بند کر دیا، انہیں گھر سے نکال دیا۔ یہ بڑے ناز و نعم میں پلے تھے، حالات کی شدت سے دوچار ہوئے تو کھال اس طرح ادھڑ گئی جیسے سانپ کیچلی چھوڑتا ہے۔

رحمۃ للعالمین میں ہے:

حضرت بلال رضی اللہ عنہ، امیہ بن خلف کے غلام تھے۔ امیہ ان کی گردن میں رسی ڈال کر لڑکوں کو دیتا تھا اور انہیں وہ مکے کے پہاڑوں میں گھماتے پھرتے تھے یہاں تک کہ گردن پر رسی کا نشان پڑ جاتا تھا۔ خود امیہ بھی انہیں باندھ کر ڈنڈے سے مارتا تھا اور چلچلاتی دھوپ میں جبراً بٹھائے رکھتا تھا، کھانا پانی بھی نہ دیتا بلکہ بھوکا پیاسا رکھتا تھا اور اس سے کہیں بڑھ کر یہ ظلم کرتا تھا کہ جب دوپہر کی گرمی اپنے شباب پر ہوتی تو مکہ کے پتھریلے کنکروں پر لٹا کر ان کے سینے پر بھاری پتھر رکھوا دیتا تھا پھر کہتا، خدا کی قسم! تو اسی طرح پڑا رہے گا یہاں تک کہ مر جائے یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ کفر کرے۔ حضرت بلالؓ اس حالت میں بھی کہتے احد، احد۔ ایک روز یہی کارروائی ہو رہی تھی کہ حضرت ابوبکرؓ کا گذر ہوا۔ انہوں نے حضرت بلالؓ کو خرید کر آزاد کر دیا۔

ابن ہشام میں حضرت عمار ابن یاسرؓ کا واقعہ منقول ہے:

انہوں نے اور ان کی والدہ نے جب اسلام قبول کیا تو ان پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ مشرکین جن میں ابوجہل پیش پیش تھا، سخت دوپہر میں انہیں پتھریلی زمین پر لے جا کر اس کی تپش سے سزا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیتا۔ ایک بار انہیں اسی طرح کی سزا دی جارہی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر ہوا، آپ ؐ نے فرمایا: ''آل یاسر صبر کرنا، تمہارا ٹھکانا جنت ہے۔'' آخر کار حضرت عمار ابنؓ یاسر ظلم کی تاب نہ لاکر وفات پا گئے۔

اور حضرت سمیہؓ جو حضرت عمارؓ کی والدہ تھیں، ان کی شرمگاہ میں ابوجہل نے نیزہ مارا اور وہ دم توڑ گئیں۔

حضرت عمارؓ پر سختی کا سلسلہ جاری رہا، انہیں کبھی دھوپ میں تپایا جاتا تو کبھی ان کے سینے پر سرخ پتھر رکھ دیا جاتا اور کبھی پانی میں ڈبو دیا جاتا تھا۔

حضرت افلح رضی اللہ عنہ ایک غلام تھے، ان کا مالک ان کے پاؤں میں رسی باندھ کر انہیں زمین میں گھسیٹتا تھا۔

حضرت خبابؓ بن ارت کو مشرکین طرح طرح کی سزائیں دیتے تھے۔ ان کے سر کے بال نوچتے تھے اور سختی کے ساتھ گردن مروڑتے تھے، کئی بار دہکتے انگاروں پر لٹا کر اوپر سے پتھر رکھ دیتے کہ وہ اٹھ نہ سکیں۔

قبیلۂ بنی عدی کی ایک لونڈی مسلمان ہوئی تو انہیں حضرت عمر ابن خطابؓ، جو بنی عدی سے تعلق رکھتے تھے اور ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے، اس قدر مارتے تھے کہ مارتے مارتے خود تھک جاتے تھے اور اس کے بعد کہتے تھے کہ تجھ پر رحم کر کے نہیں چھوڑا ہے بلکہ تھک جانے کی وجہ سے چھوڑا ہے۔

مشرکین نے ایمان والوں کو سزا دینے کا یہ طریقہ بھی اختیار کر رکھا تھا کہ بعض صحابہ کو اونٹ اور گائے کی کچی کھال میں لپیٹ کر دھوپ میں ڈال دیتے تھے اور بعض کو لوہے کی زرہ پہنا کر جلتے ہوئے پتھر پر لٹا دیتے تھے۔

لیکن اللہ والوں کی بھی عجیب شان ہوتی ہے۔ انہوں نے سب کچھ برداشت کر لیا مگر دین حق سے ایک انچ بھی ہٹنے کے لیے تیار نہیں ہوئے، انہوں نے جان دے دی مگر اسلام سے تعلق نہیں توڑا، انہوں نے سب کچھ چھوڑ دیا مگر اللہ کی رسی ان کے ہاتھ سے نہیں چھوٹی۔

نبوت کے ساتویں سال مشرکین مکہ نے بنی ہاشم اور بنی مطلب کے لیے آپس میں یہ عہد و پیمان کیا کہ نہ ان کے ساتھ شادی بیاہ کریں گے، نہ ان کے ساتھ خرید و فروخت کریں گے، نہ ان

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے میل جول رکھیں گے، نہ ان کے گھروں کو جائیں گے، نہ ان کے ساتھ اٹھیں بیٹھیں گے اور نہ ان سے بات چیت کریں گے، جب تک وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے لیے ہمارے حوالے نہ کردیں۔

اس معاہدہ پر مشتمل ایک صحیفہ لکھا گیا اور خانۂ کعبہ کے اندر لٹکا دیا گیا۔

اس کے نتیجے میں ابولہب کے علاوہ بنی ہاشم اور بنی مطلب کے سارے افراد، خواہ وہ مسلمان رہے ہوں یا کافر، سب سمٹ کر شعب ابی طالب میں محصور ہوگئے، جو ابوطالب کی ایک موروثی گھاٹی تھی۔

اس بائیکاٹ کے نتیجے میں حالات بہت سنگین ہوگئے، بازار میں ہر چیز بکتی تھی لیکن بیچنے والے دشمن تھے۔ جب کوئی باہر کا آدمی سامان بیچنے آتا تو ابولہب اس سے کہتا کہ ان لوگوں سے زیادہ قیمت مانگو، چنانچہ ایسا ہی ہوتا، تاجران سے زیادہ پیسے مانگتا، مجبوری کی وجہ سے یہ نہ خرید پاتے اور اپنے بھوک و پیاس سے تڑپتے بال بچوں کے پاس خالی ہاتھ واپس لوٹ جاتے تھے۔ پھر مشرکین اس کا سارا مال خرید لیتے تھے، اس لیے ان کی حالت بہت خراب تھی۔ انہیں درختوں کے پتے اور چمڑے کھانے پڑتے، فاقہ کشی کا یہ حال تھا کہ بھوک سے بلکتے بچوں اور عورتوں کی آوازیں گھاٹی سے باہر سنائی دیتی تھیں۔ شعب ابی طالب میں ان محصورین کی حالت کیا تھی، حفیظ جالندھری اس کی ترجمانی یوں کرتے ہیں ؎

نبی کے حکم کی تعمیل کرنا اور چپ رہنا — غضب کو ضبط کرنا قہر اپنی جان پر سہنا
وہ بھوکی بچیوں کا روٹھ کر فی الفور من جانا — خدا کا نام سن کر صبر کی تصویر بن جانا
تڑپنا بھوک سے کچھ روز آخر جان کھو دینا — وہ ماؤں کا فلک کو دیکھنا چپ چاپ رو دینا

گزارے تین سال اس رنگ سے ایمان والوں نے
دکھادی شان استقلال اپنی، شان والوں نے

جب ظلم وستم کی انتہا ہوگئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے یار غار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ لے کر مکہ سے مدینہ روانہ ہوگئے، حالاں کہ اس رات مشرکین کے تمام قبائل کے سرداروں نے آپ ﷺ کے مکان کا محاصرہ کر رکھا تھا اور سب کا یہی منصوبہ تھا کہ سب مل کر آپ کا کام تمام کردیں لیکن آپ ﷺ باہر نکلے اور ایک مٹھی سنگریزوں والی مٹی لے کر ان کے سروں پر ڈالی، اللہ نے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان کی نگاہوں کی بینائی چھین لی، وہ آپ کو دیکھ نہ سکے، اس وقت آپؐ سورہ یٰسین کی یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے:

وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَأَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ. ''ہم نے ان کے آگے رکاوٹ کھڑی کر دی اور ان کے پیچھے رکاوٹ کھڑی کر دی پس ہم نے انہیں ڈھانک لیا ہے اور وہ دیکھ نہیں رہے ہیں۔''

اس طرح آپؐ عافیت کے ساتھ مشرکین سے بچ کر نکل گئے۔

ادھر مکہ میں صبح ہوئی اور مشرکین کو پتہ چلا کہ ان کی تدبیریں خاک میں مل گئیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نکل گئے تو وہ بوکھلا گئے اور ان پر ایک طرح کا جنون سوار ہو گیا۔

ابوجہل حضرت ابوبکر صدیقؓ کے گھر گیا، دروازہ کھٹکھٹایا تو ان کی صاحبزادی حضرت اسماءؓ نکلیں۔ اس نے پوچھا: ''بتا تیرا باپ کہاں ہے؟'' بچی نے جواب دیا: ''خدا کی قسم مجھے نہیں معلوم ہے کہ والد کہاں ہیں۔'' اس پر خبیث نے اس معصوم بچی کو اتنے زور کا طمانچہ مارا کہ اسماء کی بالیاں ٹوٹ کر زمین پر گر پڑیں۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ چلے گئے تو صحابہؓ بھی اپنا سب کچھ چھوڑ کر مدینہ چلے گئے، کیوں کہ جہاں شمع رہے گی وہیں پروانہ بھی تو رہے گا۔

صحابہ کرامؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اور دین کی خاطر اپنا سب کچھ چھوڑ دیا، جس کا ایک واقعہ آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔

آپؐ کے ایک صحابی حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ روم کے رہنے والے تھے، مکہ میں آ کر انہوں نے تجارت شروع کی اور مالدار ہو گئے۔ پھر انہیں اللہ نے اسلام کی دولت بھی عطا کی۔

اللہ تعالیٰ کی عجیب شان ہے، وہ جب ہدایت دینا چاہتا ہے تو روم جیسے دور دراز ملک کے صہیبؓ کو ہدایت دے دیتا ہے، فارس کے سلمانؓ کو ہدایت کی نور سے نواز دیتا ہے، حبش کے بلالؓ کو اسلام کی دولت عطا کر دیتا ہے مگر جب ہدایت نہیں دینا چاہتا ہے تو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سگے چچا ابولہب کو ہدایت سے محروم کر دیتا ہے۔

حضرت صہیبؓ نے بھی اپنا مال و اسباب سمیٹا اور ہجرت کے ارادے سے نکل کھڑے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوئے، مشرکین کو جب پتہ چلا تو انہوں نے انہیں گھیر لیا اور کہا:

''تم نے ساری دولت مکہ میں کمائی ہے اس لیے ہم انہیں نہیں لے جانے دیں گے، یا تو تم ہجرت کا ارادہ چھوڑ دو ورنہ تمہیں اپنی پوری زندگی کی کمائی سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔''

انہوں نے جواب دیا:

''نادانو! مجھے حق مل گیا ہے، ایمان و اسلام کی دولت مل گئی ہے، میں اپنا سب کچھ قربان کر سکتا ہوں، میں اپنے خون کا آخری قطرہ بہا سکتا ہوں مگر ہجرت کا ارادہ نہیں ترک کر سکتا ہوں۔''

اب حضرت صہیبؓ خالی ہاتھ مکہ سے مدینہ جا رہے ہیں مگر انہیں اس بات کا غم نہیں ہے کہ ان کا سب کچھ لٹ گیا، بلکہ اس بات پر مگن ہیں کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نہیں چھوٹا۔

جب یہ حضرات مدینہ پہنچ گئے تو انہیں سکون سے سانس لینے کا موقع مل گیا، کیوں کہ مدینہ کے مسلمانوں نے، جنہیں انصار کہا جاتا ہے، ان کی بھرپور مدد کی، حالاں کہ ان سے ان کا کوئی تعلق نہیں تھا، کوئی جان پہچان نہیں تھی، کوئی رشتہ نہیں تھا، لیکن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اخوت کے ایسے رشتے میں پرو دیا کہ انصار نے ان مہاجرین کو اپنے کھیتوں، اپنے باغوں اور اپنے گھروں میں حصہ دے دیا، یہی نہیں بلکہ ایسا بھی ہوا کہ کسی انصاری کے اگر دو بیویاں ہوتیں تو وہ اپنے مہاجر بھائی سے کہتا کہ میں ایک کو طلاق دے دوں اور تم اس سے نکاح کر لو۔

لیکن ادھر مکہ والوں کی ریشہ دوانیاں جاری تھیں، ادھر انہیں مدینہ میں بھی دشمن مل گئے، یہ تھے یہودی، عیسائی اور کچھ دوست نما دشمن جنہیں منافق کہا جاتا ہے۔

یہ منافقین خود کو مسلمانوں میں شامل کراتے تھے مگر نہ ادھر کے تھے نہ ادھر کے، یعنی نہ مسلمان تھے نہ کافر، جسے ہم ایک مثال سے سمجھ سکتے ہیں۔

ایک مثال:

جب کوئی آدمی باقاعدہ سو جاتا ہے تو اگرچہ وہ دنیا کے حالات سے بے خبر ہوتا ہے مگر اسے نیند کا لطف ملتا ہے، لیکن کوئی شخص جب باقاعدہ جاگتا ہے تو اگرچہ وہ نیند کا لطف نہیں اٹھا پاتا مگر تمام چیزوں سے باخبر ہوتا ہے۔ لیکن نیند کی ایک قسم ہوتی ہے غنودگی، جس میں آدمی نہ تو باقاعدہ سوتا ہے کہ اسے نیند کا لطف ملے اور نہ باقاعدہ جاگتا ہے کہ وہ ہر چیز کو دیکھ سکے اور اس کے بارے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں باخبر رہ سکے۔

اسی طرح منافقین تھے جو نہ ادھر کے تھے نہ ادھر کے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی سورۂ بقرہ میں اس کا نقشہ یوں کھینچا ہے:

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ. ''جب یہ اہل ایمان سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں اور جب علیحدگی میں اپنے شیطانوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ اصل میں ہم تو تمہارے ساتھ ہیں اور ان لوگوں سے مذاق کر رہے ہیں۔''

منافقین:

ان کی کوئی مستقل جماعت نہیں تھی، نہ ہی ان کا کوئی منظم لائحہ عمل تھا، یہ ذہنی طور پر چاروں قسموں میں بٹے ہوئے تھے۔

پہلی قسم ان منافقین کی تھی جو سرے سے اسلام اور اسلامی اصولوں کے منکر تھے، صرف فتنہ برپا کرنے کے لیے مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہو گئے تھے، کیوں کہ فتنہ پروری ان کا مزاج بن چکی تھی۔

دوسری جماعت میں وہ منافقین تھے جو اسلام کے دائرہ اقتدار میں گھر جانے کی وجہ سے اپنا فائدہ اس میں سمجھتے تھے کہ ایک طرف مسلمانوں سے ملے رہیں اور دوسری طرف کافروں سے بھی تعلقات رکھیں، تاکہ دونوں طرف کے فائدے سمیٹتے رہیں اور دونوں طرف کے خطرات سے محفوظ رہیں۔

تیسری قسم میں وہ لوگ تھے جو اسلام اور جاہلیت کے درمیان متردد تھے یعنی شک میں پڑے ہوئے تھے، لیکن چوں کہ ان کے خاندان والے ایمان لے آئے تھے اس لیے یہ بھی مسلمان ہو گئے تھے۔

چوتھی قسم، ان منافقین کی تھی جو امر حق ہونے کی حیثیت سے اسلام کے قائل تھے، ان کا ضمیر اس بات کی گواہی دیتا تھا کہ اسلام سچا مذہب ہے، مگر اس کے باوجود وہ جاہلیت کے رسم و رواج چھوڑنے پر تیار نہیں تھے اور اسلام کی طرف سے عائد کردہ پابندیاں اور فرائض اور ذمہ داریوں کا بار اٹھانے سے ان کا نفس انکار کرتا تھا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ منافقین اپنے خیال میں ان لوگوں کو بے وقوف سمجھتے تھے جو سچائی کے ساتھ اسلام کو قبول کر کے اپنے آپ کو خطرات اور مشقتوں میں مبتلا کر رہے تھے، ان کے خیال میں یہ سراسر احمقانہ فعل تھا کہ محض سچائی اور حق کے لیے پورے ملک سے دشمنی مول لی جائے، یہ بات ان کے نزدیک عقل مندی تھی کہ آدمی حق و باطل کے بحث میں نہ پڑے بلکہ ہر معاملہ میں صرف اپنا مفاد دیکھے۔ گویا مفاد پرستی ہی ان کا مذہب تھی۔

اسلام اور مسلمانوں کو کفر سے بھی نقصان پہنچا اور یہودیوں اور عیسائیوں سے بھی، مگر سب سے زیادہ نقصان منافقین نے پہنچایا۔ جس طرح کفار نے اسلام کی راہوں میں مشکلات پیدا کیں، اسی طرح منافقین نے بھی کیں بلکہ اس معاملے میں وہ مشرکین سے بھی آگے ہو گئے کیوں کہ ان کی دشمنیاں دوستی کے پردے میں ہوتی تھیں۔

غور کیجیے کفر کے مقابلے میں نفاق کی خطرناکیاں کتنی زیادہ اور کتنی بے پناہ ہوں گی، دن کے اجالے میں کوئی سانپ آپ کی طرف آرہا ہو تو آپ اس کے ضرر سے اپنے کو بچا سکتے ہیں یا اسے مار سکتے ہیں، مگر اس ناگن کے زہر سے خود کو بچانا بہت مشکل ہے جو آپ کی آستین میں چھپی ہوئی ہو۔

اسی طرح منافقین بھی تھے جو دوستی کے پردے میں دشمنی کر رہے تھے۔

چنانچہ بہت سے موقعوں پر انہوں نے کافروں کو مسلمانوں کے خلاف لڑائیوں پر اکسایا، غزوات میں اپنی فریب کاریوں اور دغابازیوں سے اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچایا، وطن اور نسب کے جھگڑے کھڑا کر کے مسلمانوں کی جمعیۃ کو پراگندہ کرنے کی کوشش کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہؓ کی تذلیل و توہین کی، یہاں تک کہ انہوں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر جھوٹا الزام لگانے سے بھی دریغ نہیں کیا۔

غرض ایذا رسانی کے جتنے بھی طریقے ہو سکتے تھے ان میں سے ایک بھی نہیں چھوڑا۔ یہ مسلمانوں کے ساتھ میدان جنگ میں جاتے اور جب جنگ کی آگ بھڑک اٹھتی چپکے سے پیچھے کھسک جاتے اور دوسروں کو بھی بھاگ جانے کی ترغیب دیتے تاکہ مسلمانوں کے دل ٹوٹ جائیں اور دشمن کے حوصلے بڑھ کر انہیں فنا کی گھاٹ اتار دیں۔

اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق قرآن پاک کی سورۂ نساء میں فرمایا:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ. ''بلاشبہ منافقین جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے۔''

دشمنانِ اسلام، یعنی یہ یہودی، عیسائی، منافقین اور مشرکین مکہ الگ الگ مسلک سے تعلق رکھتے تھے، ان میں کوئی ذہنی مطابقت بھی نہیں تھی مگر یہ اسلام دشمنی میں متفق تھے۔

مسلمانوں کے خلاف یہ کس قسم کے جذبات رکھتے تھے، اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے سورۂ آل عمران میں فرمایا:

اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَ اِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا. ''اے مسلمانو! جب تمہیں کوئی بھلائی ملتی ہے جب تمہارے دن اچھے آتے ہیں اور جب کہیں تمہیں سکون ملتا ہے تو ان کو بہت برا معلوم ہوتا ہے، یعنی تمہاری خوشی کی خبر پا کر وہ رنجیدہ ہو جاتے ہیں اور جب تم پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ بہت خوش ہوتے ہیں، یعنی تمہیں مصیبت میں مبتلا دیکھ کر وہ مگن ہو جاتے ہیں۔''

وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئاً. ''اور اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کر لو تو ان کی ریشہ دوانیاں، ان کے مکر و فریب اور ان کی سازشیں سب دھری کی دھری رہ جائیں گے۔ وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔''

اللہ رب العالمین نے مشکل ترین حالات سے نمٹنے کے لیے مسلمانوں کو صبر و تقویٰ کا ہتھیار دیا اور یہ وعدہ فرمایا کہ اگر تمہارے پاس یہ دولت رہے گی تو بھیانک حالات بھی تمہیں کچھ نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔

صبر کا مطلب ہے، راہِ حق میں آنے والی مصیبتوں کو جھیل لینا، حق پر ثابت قدم رہنا، اللہ کی بندگی پر جمے رہنا، حالات چاہے جیسے ہوں، چاہے وہ گوارہ ہوں یا ناگوار، موافق ہوں یا ناموافق، اچھے ہوں یا برے، صحیح عقیدہ پر قائم رہنا، ہر اس فائدے کو ٹھکرا دینا جو اللہ کی نافرمانی کے نتیجے میں ملے اور ہر اس نقصان کو گوارہ کر لینا جو اللہ کی فرماں برداری کے صلے میں ملے۔ اور صابر وہ ہے جسے کوئی خوف، کوئی لالچ، کوئی دباؤ اور خواہشات نفسانی کا کوئی بھی تقاضہ سیدھے راستے سے نہ ہٹا سکے۔ صابر وہ ہے جس کے مزاج میں تلون نہ ہو بلکہ ثابت قدمی ہو، یعنی اس میں یہ کمزوری نہ ہو کہ جب مصیبت پڑے تو اللہ کی یاد میں لگ جائے اور جب مصیبت کا دور ختم ہو جائے تو اللہ کو

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھول جائے، یا حالات اچھے رہیں تو اللہ کی عبادت کرے اور مصیبت کی ایک چوٹ پڑتے ہی اللہ کو گالیاں دینے لگے۔

اور تقویٰ دل کے اس گہرے احساس کا نام ہے جس میں اللہ کا اس قدر خوف ہو اور اللہ کے سامنے جواب دہی کا اتنا احساس ہو کہ آدمی اس کی وجہ سے اپنے کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور گناہ کے کاموں سے بچا سکے، گویا تقویٰ کا مطلب ہے اللہ کے خوف سے اپنے کو معصیت کے کاموں سے بچانا۔

حضرات! یہ آزاد ہندوستان ہے جو ہمارا دیش ہے، ہمارا وطن ہے، ہم یہیں پیدا ہوئے اور جب ہم مریں گے تو اس وطن کی دھرتی سے ہمیں اپنی قبر کے لئے دو گز زمین بھی لینی ہے۔ اس لیے ہمیں کسی پڑوسی ملک کی طرف نہیں دیکھنا چاہیے بلکہ یہ عزم کر لینا چاہیے کہ ہمیں مسلمان بن کر اپنے اسی وطن میں رہنا ہے۔

اپنے پیارے وطن کو بنانے، سنوارنے اور اسے غیروں کی غلامی سے چھٹکارا دلانے میں ہم کسی سے پیچھے نہیں رہے۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر مسلمان جنگ آزادی میں حصہ نہ لیتا تو ہندوستان کی آزادی کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا تھا۔

اور آج اسی آزاد ملک میں ہم اس بھیانک دور سے گذر رہے ہیں۔

تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ ہم کہیں نہیں ہارے، کہیں بھی نہیں لٹے، کہیں بھی نہیں مٹائے گئے۔

چاہے وہ اندلس ہو جہاں ہمارا قتل عام ہوا اور ہماری لاشوں سے تالاب اور گڈھے پٹ گئے۔

چاہے وہ بغداد ہو، تاتاریوں نے جس کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔

اگر ہم کہیں ہارے، کہیں ذلیل و رسوا ہوئے، کہیں بھی ناقابل برداشت اذیتیں ہمیں سہنی پڑیں تو اسی نفسانیت کی وجہ سے، اسی نفس پرستی کی وجہ سے اور اسی خود غرضی اور بے عملی کے سبب جس میں آج ہم مبتلا ہیں۔

اسی کی وجہ سے ہم نے حکومتیں کھوئی ہیں، سلطنتیں گنوائی ہیں اسی کے سبب ہم پر زوال آیا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہم پر یقیناً ظلم ہو رہا ہے مگر یہ ظلم اس ظلم کے نتیجے میں ہے جو ہم خود پر، اسلام پر اور اسلامی اصولوں پر کر رہے ہیں۔

اب ذرا ہم اسلامی تعلیمات پر نگاہ ڈالیں اور اپنے کردار کا جائزہ لیں کہ ان سے ہم کس قدر دور ہو چکے ہیں۔

ایمان لانے کے بعد مسلمانوں پر جو سب سے پہلا فریضہ عائد ہوتا ہے وہ نماز ہے۔ نماز اسلام کے تمام عملی ارکان میں سرفہرست ہے اور اس کے متعلق قرآن میں سات سو بار سے بھی زیادہ تاکید کی گئی ہے۔

قیامت کے دن تمام حقیقتوں سے پردہ اٹھایا جائے گا، اس روز انسان کا سارا پول کھل جائے گا۔

کتنے لوگ جو آج عظیم ترین شخصیت نظر آ رہے ہیں، اس دن ان کی حیثیت کیڑے مکوڑوں سے بھی زیادہ نہیں ہوگی۔ کتنے لوگ جو آج اعلیٰ مقام پر کھڑے ہیں، اس دن مجرموں کے کٹہرے میں کھڑے کیے جائیں گے۔ کتنے لوگ جن کے پاس آج ہر سوال کا جواب ہے، اس دن وہ وہ ایسے لاجواب ہو جائیں گے جیسے ان کی زبان میں بولنے کی طاقت ہی نہ ہو۔

اللہ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حشر کے دن جب بندوں کے اعمال کی پیشی ہوگی تو سب سے پہلے نماز ہی کا حساب ہوگا۔

ہجرت سے ایک سال پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوئی تھی۔ حضرت جبرئیل آپ کو براقؑ پر بٹھا کر بیت المقدس لے گئے، وہاں آپؐ نے تمام انبیاء کی امامت فرمائی پھر ساتوں آسمانوں کی سیر کی، جنت و جہنم کو دیکھا، سدرۃ المنتہیٰ سے آگے گئے، اللہ تعالیٰ سے باتیں ہوئیں اور اسی موقع پر اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت پر پچاس وقت کی نمازیں فرض کیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے بار بار سفارش کر کے اسے کم کرایا، اب صرف پانچ وقت کی نمازیں باقی رہ گئیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''اے نبی! تمہاری امت میں جو لوگ پنج وقتہ نماز کی پابندی کریں گے انہیں پانچ وقت کا نہیں بلکہ پچاس وقت ہی کا ثواب دیا جائے گا۔''

گویا نماز اللہ رب العالمین کی طرف سے اپنے عظیم پیغمبر کے ذریعہ اس کی امت کے لیے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک عظیم تحفہ ہے۔

آپ کے پڑوس یا خاندان میں کوئی لڑکی یا بہو آئے اور اس کالایا ہوا تحفہ آپ کو نہ ملے، تو آپ کو اس کا احساس بڑی شدت کے ساتھ ہوتا ہے اور اس معمولی تحفہ کے نہ پانے کی وجہ سے آپ دل برداشتہ ہو جاتے ہیں۔

مگر اس اہم ترین تحفہ کی ہمیں کوئی پرواہ نہیں ہوتی جسے اللہ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی رات میں اللہ کے یہاں سے لائے تھے۔

اگر ہم چاہتے ہیں کہ دوسرے لوگ ہماری عبادت گاہوں کا احترام کریں تو سب سے پہلے ضروری ہے کہ ہم اپنی مسجدوں کی بے حرمتی نہ کریں اور مسجدوں کی اس سے بڑی بے حرمتی کیا ہو سکتی ہے کہ ہم انہیں کھڑی کر دیں اور آباد نہ کریں۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اذان کی آواز سن کر شیطان بھاگتا ہے اور اتنی دور بھاگتا ہے جتنی دور اذان کی آواز پہنچتی ہے۔''

مگر کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ اذان کی آواز سن کر مسلمان بھی بھاگتا ہے اور اذان سن کر جس طرح ایک کافر کو پرواہ نہیں ہوتی اسی طرح مسلمان کو بھی مسجد جانے کی کوئی فکر نہیں ہوتی؟

کیا یہ سچ نہیں ہے کہ ہماری مسجدیں اوپر سے چمچما رہی ہیں اور اندر سے ویران ہیں؟ کیا اس حقیقت سے انکار کیا جا سکتا ہے کہ ہمارے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے محبت والفت کے بجائے نفرت اور کدورت پنپ رہی ہے؟

کیا یہ بات جھوٹ ہے کہ ہم ایک دوسرے کے ہمدرد وغمگسار ہونے کے بجائے ایک دوسرے کے بدترین دشمن بن گئے ہیں؟

کیا ہم اس بات کو جھٹلا سکتے ہیں کہ آج ہم قومی وملی مفاد پر ذاتی مفاد کو ترجیح دیتے ہیں؟

کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ ہم ذرا ذرا سی بات میں الجھ کر اپنی قوت اور مرکزیت کا جنازہ اٹھانے پر تلے رہتے ہیں؟

کیا یہ ناقابل تردید سچائی نہیں ہے کہ ہم اسلام کا نام لیوا ہونے کے باوجود اس کے اصولوں اور اس کی تعلیمات کی دھجیاں اڑا رہے ہیں؟

کیا یہ بات قابل انکار ہے کہ ہم نے قرآن سے ہدایت حاصل کرنے کے بجائے اسے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ریشمی جزدانوں میں باندھ کر طاق کی زینت بنا رکھا ہے؟

حالی مرحوم نے ہماری بداعمالیوں کا نقشہ یوں کھینچا ہے ۔

جنہیں چار پیسے کا مقدور ہے یاں — سمجھتے نہیں ہیں وہ انساں کو انساں
موافق نہیں جن کے ایام دوراں — نہیں دیکھ سکتے کسی کو وہ شاداں

نشہ میں تکبر کے ہے چور کوئی
مرض میں حسد کے ہے رنجور کوئی

ہماری رگوں میں ہمارے لہو میں — ہمارے ارادوں میں اور جستجو میں
دلوں میں، زبانوں میں اور گفتگو میں — طبیعت میں، عادت میں، فطرت میں، خو میں

نہیں کوئی ذرہ نجابت کا باقی
اگر ہو کسی میں تو ہے اتفاقی

ہماری ہر اک بات میں سفلہ پن ہے — کمینوں سے بدتر ہمارا چلن ہے
لگا نام آباء کو ہم سے گہن ہے — ہمارا قدم ننگِ اہل وطن ہے

بزرگوں کی توقیر کھوئی ہے ہم نے
عرب کی شرافت ڈبوئی ہے ہم نے

نہ قوموں میں عزت نہ جلسوں میں وقعت — نہ اپنوں سے الفت نہ غیروں سے ملت
مزاجوں میں مستی دماغوں میں نخوت — خیالوں میں پستی کمالوں سے نفرت

عداوت نہاں دوستی آشکارا
غرض کی محبت غرض کا مداوا

یہ ہے ہماری حالت۔ اور پھر اس ذلت وخواری کے دور کو ہم اپنی بدنصیبی کہتے ہیں اور مقدر کا گلہ کرتے ہیں۔

کوئی شخص چلتی ہوئی ٹرین کے آگے کود پڑے تو اس کی لاش کو دیکھ کر کیا یہ کہنا درست ہے کہ اس پر مقدر کی مار پڑی ہے؟ یا یہ خودکشی، یعنی اپنے ہی ہاتھوں اپنی ہلاکت ہے۔ سچ ہے ۔

کیوں مجھ کو شکایت ہو کسی غیر سے جھوٹی — خود اپنی ہی تقصیر سے قسمت مری پھوٹی
اللہ کی رسی تو نہ ٹوٹے گی نہ ٹوٹی — افسوس یہی ہے کہ مرے ہاتھ سے چھوٹی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آج ہم برادران وطن کی طرف سے جس الجھن کا شکار ہیں، اس کے سلسلے میں چند ضروری باتوں کی طرف آپ کا دھیان مبذول کرانا چاہتا ہوں۔

پہلی بات یہ ہے کہ جو کچھ ہم پر بیت رہی ہے، اس سے ہمیں یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ یہ ہم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے اور وہ ہمیں مٹانا اور برباد کرنا چاہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ تو رحمٰن ورحیم ہے، جب وہ دشمنوں پر مہربان ہے تو اپنے ماننے والوں پر، اپنے وفاداروں پر اور اپنے رسولؐ کے امتیوں پر کیوں نہ مہربان ہوگا۔

آج ہم جس دور سے گذر رہے ہیں، دراصل یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ٹھوکر ہے، ایک تازیانہ ہے، ایک تنبیہ ہے تاکہ ہم سنبھل جائیں۔

جیسے ایک دشمن اپنے دشمن کو مارتا ہے اور ایک باپ بھی اپنے بیٹے کو مارتا ہے، مار کی نوعیت ایک ہی ہوتی ہے مگر مقصدیت میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے۔

ایک دشمن اپنے دشمن کو برباد کرنے اور ذلیل کرنے کے لیے مارتا ہے، مگر ایک باپ اپنے بیٹے کو بنانے اور سیدھے راستے پر لانے کے لیے مارتا ہے۔

ایک دشمن جب اپنے دشمن کو مارتا ہے تو اس کے دل میں یہ جذبات ہوتے ہیں کہ اسے صفحۂ ہستی سے مٹا دے مگر ایک باپ جب اپنے بیٹے کو سزا دیتا ہے تو نفرت اور غصہ کے ساتھ نہیں بلکہ گہری محبت کے ساتھ دیتا ہے، اپنے خطادار بیٹے پر باپ کی شعلہ بار نگاہوں کا ایک گوشہ یہ خبر دیئے جاتا ہے کہ تجھ سے دشمنی نہیں ہے بلکہ تیرے قصور پر تیری ہی خاطر دل تڑپ رہا ہے، تو درست ہو جائے تو میرا سینہ تجھے چمٹا لینے کے لیے تیار ہے۔

بہرحال یہ حالات ہمارے لیے عذاب نہیں بلکہ ہمیں سنبھالنے کے لیے ایک سزا کے طور پر ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں ان مصیبتوں سے دوچار کر کے ہمیں سیدھے راستے پر لگانا چاہتا ہے۔ اکبر الٰہ آبادی نے سچ کہا ہے ؎

مصیبت کا بھی اک مقصد ہے دنیائے حوادث میں
کہ اک ٹھوکر لگے اور آدمی ہوشیار ہو جائے

اب اگر ٹھوکر لگنے کے باوجود کوئی شخص نہ سنبھلے اور محتاط نہ بنے تو گویا اس کی بدقسمتی اپنی انتہا کو پہنچ گئی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسری بات یہ ہے کہ ہمیں موت سے گھبرانا نہیں چاہیے، کیوں کہ موت کا ایک وقت مقرر ہے، موت آنے پر جہاں اپنے مقررہ وقت سے ایک سکنڈ کی تاخیر نہیں ہوسکتی وہیں یہ بھی ایک زندہ حقیقت ہے کہ وہ اپنے وقت مقررہ سے ایک سکنڈ پہلے بھی نہیں آسکتی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا: ''لوگ موت سے ڈرتے ہیں حالاں کہ خود موت زندگی کی محافظ ہے۔''

اگر کوئی قوم دنیا کی محبت میں گرفتار اور موت سے خوف زدہ ہو تو پھر وہ دوسری قوموں کا لقمۂ تر بن جاتی ہے، معمولی سے معمولی قوم اسے اپنا شکار بنالیتی ہے اور اگر کوئی قوم باوقار زندگی گذارنے پر تل جاتی ہے تو اپنا مقصد حاصل کر کے رہتی ہے اور بڑی سے بڑی طاقت اس کا راستہ نہیں روک سکتی۔

ایک بادشاہ کی رعایا باغی ہوگئی، وہ رات کے سناٹے میں روپوش ہو کر سلطنت سے نکل کھڑا ہوا اور ایک دریا کو عبور کرنے کے لیے کشتی میں بیٹھا، اتفاق کی بات کہ بادشاہ زندگی میں پہلی بار کشتی پر سوار ہوا تھا، کشتی جب دریا کے تیز و تند لہروں میں ہچکولے کھانے لگی تو وہ گھبرا کر ملاح سے کہنے لگا: ''ارے بھائی یہ الٹ تو نہیں جائے گی۔''

ملاح نے بھی چٹکی لی اور کہنے لگا: ''جناب گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے، جب الٹنا ہوتا ہے تو الٹ جاتی ہے، کشتی الٹی تھی تو میرے دادا جان فوت ہوگئے، میرے والد بھی کشتی الٹنے کی وجہ سے مرے اور میرے دو بھائی بھی کشتی الٹنے کی وجہ سے فوت ہوئے۔''

بادشاہ بری طرح گھبرا گیا اور کہنے لگا: ''تمہارے اتنے آدمی مر گئے مگر تم کشتی رانی نہیں چھوڑتے ہو، بڑے بے وقوف ہو۔''

ملاح بڑا ذہین تھا کہنے لگا: ''تمہارے دادا جان کہاں فوت ہوئے؟''

بادشاہ نے کہا ''وہ تو بستر پر لیٹے لیٹے دوا لیتے لیتے گھر میں فوت ہوئے۔''

اس نے پوچھا ''تمہارے والد؟'' بادشاہ کہنے لگا ''میرا دادا، میرا باپ، میرا چچا اور میرا سارا خاندان گھر ہی میں مرا۔''

ملاح کہنے لگا ''تو تم مجھ سے بھی زیادہ بے وقوف ہو، جس گھر میں پورے خاندان کو مروائے بیٹھے ہو، ابھی تک اس گھر کو نہیں چھوڑ رہے ہو۔''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیکھئے اس نے کتنی سادگی اور تمثیل سے یہ حقیقت ذہن نشین کرادی کہ موت کشتی یا طوفان میں نہیں آتی بلکہ اپنے وقت پر آتی ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ اس صورت حال سے ہمیں گھبرانے کی، ہراساں ہونے کی یا اپنے حال و مستقبل سے مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے کیوں کہ اس بات پر ہمیں کامل ایمان ہے کہ زندگی اور موت کے فیصلے زمین پر نہیں آسمان پر ہوتے ہیں، زندگی اور موت کا مالک فرش والے نہیں بلکہ عرش والا ہے، زندگی اور موت کسی حکومت کے ہاتھ میں نہیں، کسی قوم کے ہاتھ میں نہیں، کسی فورس کے ہاتھ میں نہیں، کسی پارٹی کے ہاتھ میں نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

وہ جب مارنا چاہے گا تو پوری دنیا مل کر نہیں بچا پائے گی اور جب وہ بچانا چاہے گا تو پوری دنیا مل کر بال بھی بیکا نہ کر سکے گی۔

چوتھی بات یہ ہے کہ ہمیں کسی بھی حال میں ہراساں اور خوف زدہ نہیں ہونا چاہیے، کیوں کہ خوف و دہشت انسان کو کمزور بناتے ہیں جب کہ بے خوفی انسان کو بہادر اور طاقتور بنا دیتی ہے۔

کسی آدمی کے پاس ہر طرح کے اسلحہ جات ہوں لیکن اس پر خوف و دہشت کا غلبہ ہو تو موقع پڑنے پر وہ انتہائی کمزور ثابت ہوتا ہے، اس کے مقابلے میں دوسرے آدمی کے پاس کچھ نہ ہو لیکن وہ نڈر ہو تو بے سروسامانی کے باوجود وہ طاقت ور ہوتا ہے۔

یہ ہمارے اسلاف کی بے خوفی ہی کا نتیجہ تھا کہ مشکل ترین حالات بھی انہیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکے اور ان کی بے سروسامانی کے باوجود ان کے جذبات کا جو عالم تھا، اس کی ترجمانی علامہ اقبالؒ نے یوں کی ہے۔

ٹل نہ سکتے تھے اگر جنگ میں اڑ جاتے تھے — پاؤں شیروں کے بھی میداں سے اکھڑ جاتے تھے
حق سے سرکش ہوا کوئی تو بگڑ جاتے تھے — تیغ کیا چیز ہے ہم توپ سے لڑ جاتے تھے
دشت تو دشت ہے دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے — بحر ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

نپولین کا نام فوجی تاریخ میں عظمت کا نشان مانا جاتا ہے، وہ ایک پستہ قد فوجی کمانڈر تھا۔ ایک روز وہ پریڈ گراؤنڈ میں معمولی لباس پہنے کھڑا تھا، اتنے میں اس کا ایک سپاہی پیچھے سے آیا اور یہ سمجھ کر کہ یہ کوئی معمولی انسان ہے اس کے اوپر سے کود گیا، اس کے بعد جب فخریہ انداز سے پیچھے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مڑ کر دیکھا تو وہ نپولین تھا جو اسے گھور رہا تھا۔ نپولین کو دیکھتے ہی وہ ہوش و حواس کھو بیٹھا اور فوراً مر گیا۔

غور کیجیے، وہی نپولین ہے اور وہی فوجی سپاہی، مگر ایک بار وہ نپولین کو پھاند جاتا ہے اور دوسری بار اسے دیکھتے ہی اتنا بدحواس ہو جاتا ہے تو اس کی حرکتِ قلب بند ہو جاتی ہے۔ یہ دونوں احساس کے کرشمے ہیں۔

اگر آپ کا دل بے خوف ہے تو آپ شیر سے لڑ سکتے ہیں اور دریاؤں کو پھلانگ سکتے ہیں۔

لیکن دل میں اگر خوف و دہشت ہو تو گیدڑوں کا غول بھی آپ کو بوکھلا دے گا اور معمولی نہر بھی آپ کو ڈبو دینے کے لیے کافی ہو گی۔

مومن کو ہر حال میں اللہ پر کامل یقین اور بھروسہ رکھنا چاہیے، کیوں کہ اسی میں شجاعت و عزیمت کا راز پنہاں ہے۔

دوسری جنگ عظیم میں جب اتحادی طاقتوں نے جرمنی کو شکست دے دی تو تمام نازی لیڈروں کو اسی برلن میں پھانسی کے تختہ پر لٹکا دیا گیا جہاں بیٹھ کر وہ ساری دنیا کے قتل کے منصوبے بنایا کرتے تھے۔ ہٹلر اور اس کے دستِ راست گورنگ نے تو پہلے ہی خودکشی کر لی تھی، اس کے بعد دوسرے نازی لیڈر جو زندہ بچے تھے، ایک ایک کر کے ختم کر دیئے گئے۔

یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے چالیس لاکھ یہودیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا، انہوں نے ایک ایسی جنگ چھیڑی تھی جس سے تقریباً ایک کروڑ افراد ہلاک ہوئے، خود جرمن قوم کے بیس لاکھ سپاہی بھی اس میں کام آئے۔

یہ اس قدر سفاک، خونخوار اور ظالم تھے کہ مقتول بچوں، لاشوں سے اٹے ہوئے گڑھوں اور بیواؤں اور یتیموں کے غول کو دیکھ کر بھی ان کا پتھر جیسا دل پسیجتا نہیں جانتا تھا۔

ان کی درندگی کا یہ عالم تھا کہ اپنے ملک کے بوڑھے، معذور اور بیمار لوگوں کو "جرمنی کے لیے بے فائدہ" قرار دے کر گولی سے اڑا دیتے تھے۔

مگر شکست کے بعد ان کا یہ حال ہوا کہ جب وہ پھانسی کے تختے کے سامنے لائے گئے تو ان کے چہرے زرد تھے، ان کی ٹانگیں لڑکھڑا رہی تھیں، وہ کچھ بولنا چاہتے تھے مگر معلوم ہو رہا تھا کہ زبان ان کا ساتھ نہیں دے رہی ہے، شعلہ بیان لیڈر قوت گویائی کھو چکے تھے، جو دوسروں کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جانوں سے کھیلتے تھے وہ اپنے انجام کو دیکھ کر پاگل ہو گئے تھے۔

جس بہادری کا انحصار صرف مادی سہارے پر ہو وہ اس وقت بزدلی میں تبدیل ہو جاتی ہے جب کہ مادی سہارا اس سے چھن جائے، البتہ جس کا اعتماد خدائے لازوال پر ہو وہ ہر حال میں شجاعت اور عزیمت کی چٹان بنا رہتا ہے، خواہ وہ کتنا ہی زیادہ بے سر و سامان کیوں نہ ہو۔

اگر خدا کی مدد کا یقین دلوں میں زندہ ہو تو آدمی کبھی مایوسی کا شکار نہیں ہو سکتا۔ وہ طاقتور دشمنوں میں گھر کر بھی عزم وہمت کی چٹان بنا رہے گا۔

پانچویں بات یہ ہے کہ برادران وطن نے ہمیں مشتعل کرنے کے لیے کچھ نعرے ایجاد کر لئے ہیں جنہیں سن کر ہم آپے سے باہر ہو جاتے ہیں اس کے بعد وہی ہوتا ہے جو وہ چاہتے ہیں، ان کے نعروں سے مشتعل ہو جانے کا مطلب ہے، اپنے خلاف اپنے دشمن کے ہاتھ میں ہتھیار دے دینا۔

ہاتھی چلا جاتا ہے کتنے بھونکتے رہتے ہیں، ہاتھی کبھی کتے کے بھونکنے کا جواب نہیں دیتا کیوں کہ وہ سمجھتا ہے کہ میں ان کا جواب دوں گا تو میرا راستہ رکے گا اور پھر کتوں کا کام ہی بھونکنا ہے۔ آخر کار وہ بھونک بھونک کر تھک جائیں گے اور پھر خاموش ہو جانے کے سوا ان کے پاس کوئی چارہ نہ ہوگا۔

ان حالات میں جب کہ ہمیں اشتعال دلانے کی کوششیں ہو رہی ہوں، ہمیں دل ودماغ کے دریچے کھلے رکھنے چاہئیں اور کسی بھی حالت میں عقل وشعور کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے، کیوں کہ بے جا اشتعال انسان کی بربادی کا سبب ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک بار اللہ تعالیٰ سے دعا کی: ''یا اللہ! میری قوم سے سب کچھ لے لینا مگر ان کی عقل نہ چھیننا''

اللہ نے فرمایا: ''موسیٰ! جب ہم کسی سے کچھ لینا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے اس کی عقل ہی تو چھین لیتے ہیں۔''

اسی کے ساتھ ہم میں سے ہر شخص کو انفرادی اور شخصی حیثیت سے ایسی تمام زیادتیوں سے الگ رہنا چاہیے جس سے غیر مسلموں میں اشتعال پیدا ہوتا ہو۔ لین دین، بات چیت اور سفر وحضر میں ہر جگہ اور ہر موقع پر پورے طور پر محتاط رہنا چاہیے۔ اگر کوئی شر پسند مسلمان اس طرح کی کوئی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حرکت کر بیٹھے تو ہمیں حق وانصاف کا ساتھ دینا چاہیے۔اس شخص کا ساتھ اس لیے نہ دینا چاہیئے کہ وہ مسلمان ہے،اس طرح کے جاہلانہ تعصب سے اپنا ذہن پاک کر لینا چاہیے۔

آخری بات یہ ہے کہ ہمیں سچا مسلمان بننا ہے،ایسا مسلمان جو قرآنی تعلیمات اور سیرت نبوی کا چلتا پھرتا نمونہ ہو،کیوں کہ اسلام کو چھوڑ کر ہمارا کوئی مستقبل نہیں ہے۔

آنکھ اللہ کی ایک نعمت ہے اگر ہماری دونوں آنکھیں پھوٹ جائیں تو کیا ہمارا جینا دوبھر نہ ہو جائے گا؟

تو اسلام تو اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے اسے چھوڑ کر ہمیں سکون وعافت کی زندگی کیسے مل سکتی ہے؟

آج ہم ذلیل وخوار ہیں اور بربادیوں کے دہانے پر پہنچ رہے ہیں،اس کی وجہ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ کوئی چیز ایسی ہے جسے ہم نے بھلا دیا ہے،کوئی سرا ایسا ہے جو ہمارے ہاتھ سے چھوٹ گیا ہے،وہ چیز ہے تعلق باللہ،اللہ کی سچی پرستش،اللہ پر زندہ عقیدہ،اللہ کے لیے جینے مرنے کا احساس اور اللہ کے آگے کھڑا ہونے اور جواب دہی کی فکر،اسی کمی نے ہمارے اندر تمام کمیاں پیدا کی ہیں اور اسی وجہ سے ہم مٹ رہے ہیں اور دوسروں کے عتاب کا شکار ہیں۔

جب ہم اللہ کے نہیں رہے تو کہیں کے نہیں رہے،جب ہم اللہ سے دور ہوئے تو دنیا والوں کی نگاہ میں کانٹے کی طرح کھٹکنے لگے۔اکبرالہ آبادی نے سچ کہا ہے ؎

میں نے اک نکتہ سنا اک پیر حق آگاہ سے ۔۔۔ پھر گیا اس سے زمانہ جو پھرا اللہ سے

ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ سرخ وسفید سامراج ہمارے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف ہے۔

فلسطین اور لبنان میں مسلمان بہنیں اور بیٹیاں صیہونی درندوں اور اسرائیلی آدم خوروں کے مظالم کا شکار ہیں اور خود اپنے ملک کے جو حالات ہیں اس کے عواقب ونتائج کتنے ہولناک ہیں۔

پھر بھی ہم ان سے کوئی سبق لینے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

اس سلسلے میں ایک تمثیلی واقعہ آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔

ایک شیر،ایک بھیڑیا اور ایک لومڑی شکار پر نکلے۔تینوں نے مل کر تین شکار کیے،ایک

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گدھا مارا، ایک ہرن اور ایک خرگوش۔ جب شکار ہو گیا تو شیر نے بھیڑیئے سے کہا، تم شکار آپس میں تقسیم کر دو، بھیڑیئے نے کہا ٹھیک ہے، گدھا آپ لے لیں، ہرن میں لے لیتا ہوں اور خرگوش لومڑی کو دے دیا جائے۔ اب شیر کو بھیڑیئے پر اس قدر غصہ آیا کہ اس نے اتنے زور سے اپنا پنجہ بھیڑیئے کی گردن پر مارا کہ اس کا سر اس کے دھڑ سے الگ ہو گیا اور بھیڑیا مر گیا۔ اب شیر نے لومڑی سے کہا، تم شکار تقسیم کر دو۔ اس نے کہا حضور! شکار تقسیم کرنا تو بہت آسان ہے، گدھا آپ ناشتہ میں تناول فرمائیں، ہرن شام کو کھایئے اور بیچ میں بھوک لگے تو منہ کا ذائقہ بدلنے کے لیے خرگوش کو کھا لیجئے۔ تو شیر لومڑی کے اس فیصلے سے بہت خوش ہوا اور کہا، واہ لومڑی واہ، تو نے بڑا اچھا فیصلہ کیا لیکن یہ بتا کہ تجھے اتنا اچھا فیصلہ کرنا کس نے سکھایا؟ تو اس نے جواب دیا: ''بھیڑیئے کے کٹے ہوئے اسی سر نے سکھایا۔''

یعنی اگر میں ایسا نہ کرتی تو میرا بھی وہی حشر ہوتا جو بھیڑیئے کا ہوا ہے، اس لیے جو حالات تھے میں نے انہیں کے مطابق فیصلہ کیا۔

لیکن افسوس ہم مسلمان نہ قرآن سے سبق لینے کے لیے تیار ہیں، نہ حدیث سے، نہ حضرات صحابہؓ کی زندگی سے اور نہ ماضی کے واقعات اور موجودہ حالات سے۔

پانی سر تک پہنچ چکا ہے اب ہم کب سنبھلیں گے، جب پانی سر سے اونچا ہو جائے گا؟ جب سنبھلنے کا موقع ہی باقی نہ رہے گا۔

وطن کی فکر کر ناداں مصیبت آنے والی ہے　　　تری بربادیوں کے تذکرے ہیں آسمانوں میں
نہ مانو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندی مسلمانو　　　تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمارے حال پر رحم فرمائے۔

امت مسلمہ کو اتحاد و یگانگت کی توفیق عطا فرما کر اسے اسلام دشمن قوتوں پر غلبہ نصیب فرمائے اور ہم سب کو اپنے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہؓ کے نقش قدم پر چلنے کی سعادت مرحمت فرمائے۔ آمین

وما علینا الا البلاغ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

تبلیغ دین

اَلۡحَمۡدُلِلّٰہِ الَّذِیۡ ھَدَانَا لِھٰذَا وَ مَا کُنَّا لِنَھۡتَدِیَ لَوۡلَا اَنۡ ھَدَانَا اللّٰہُ. اَمَّا بَعۡدُ.

اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ. بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ.

کُنۡتُمۡ خَیۡرَ اُمَّۃٍ اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ تَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَ تَنۡھَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡکَرِ وَ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ.

زمانے کو کو پیام حق سنانے کی ضرورت ہے
خدا کے دین کی جانب بلانے کی ضرورت ہے
جنہیں نیند آ گئی ہے نیند گہری، نیند موت ایسی
انہیں پھر خواب غفلت سے جگانے کی ضرورت ہے
کہیں یہ لٹ نہ جائے رہزنوں کی چیرہ دستی سے
متاع علم و ایماں کو بچانے کی ضرورت ہے
پرستارانِ حق پھر سے کفن بردوش ہو جائیں
خدا کی راہ میں سب کچھ لٹانے کی ضرورت ہے

حضرات! ہر مسلمان اس بات کو اچھی طرح سے جانتا ہے اور اس پر کامل یقین بھی رکھتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں، یعنی آپ کی بعثت کے بعد نبوت و رسالت کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا گیا ہے۔

آپؐ سے پہلے جتنے انبیاء اس دنیا میں آئے تھے، وہ سب کے سب کسی مخصوص خطے کے لیے ہوتے تھے پوری دنیا کے لیے نہیں، وہ کسی مخصوص قوم کے لیے آئے تھے دنیا کے تمام انسانوں کے لیے نہیں ہاں اس طرح ان کی لائی ہوئی شریعت کسی مخصوص مدت کے لیے ہوتی تھی، ہمیشہ کے لیے نہیں۔

اس کے برخلاف حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی مخصوص قوم یا کسی خاص خطے کے لیے نہیں بلکہ پوری دنیا کی ہدایت کے لیے مبعوث فرمائے گئے تھے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخاطب کرتے ہوئے سورۂ سبا میں ارشاد فرمایا:

وَمَا اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیۡرًا وَّ نَذِیۡرًا. ”اے نبی! ہم نے تمہیں پوری

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دنیائے انسانیت کے لیے بشیر ونذیر بنا کر بھیجا ہے۔"

یہی نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبین ہیں، بلکہ آپؐ امام الانبیاء بھی ہیں اور آپؐ کو خیر الرسل کا خطاب بھی ملا ہے۔

لیکن جس طرح آپؐ امام الانبیاء ہیں، اسی طرح آپ کی امت امام الامت ہے اور جس طرح آپؐ خیر الرسل ہیں اسی طرح آپ کی امت کو خیر امت کا خطاب ملا ہے۔

آپ کی امت کو خیر امت کا لقب کیوں ملا؟ اللہ تعالیٰ نے سورۂ آل عمران میں ارشاد فرمایا:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ. "تم وہ بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے نکالی گئی ہے، تم بھلائیوں کا حکم دیتے ہو اور برائیوں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔"

معلوم ہوا کہ امت محمد یہ اس لیے خیر امت ہے کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یعنی تبلیغ دین کا فریضہ انجام دیتی ہے۔

کوئی بھی چیز اپنی قدر و قیمت اسی وقت تک باقی رکھ سکتی ہے جب تک وہ اس کام اور مقصد کو پورا کرتی رہے جس کام اور مقصد کے لیے وہ وجود میں لائی گئی ہے۔ مثلاً

بجلی کا یہ بلب جو اس وقت آپ کے سروں پر لٹک رہا ہے، اس کی قدر آپ اس وقت تک کرتے ہیں جب تک یہ روشنی دیتا ہے یا روشنی دینے کی صلاحیت رکھتا ہے مگر جب یہ فیوز ہو جاتا ہے یعنی اپنے مقصد وجود کو پورا کرنے کے قابل نہیں رہ جاتا تو آپ اسے اکھاڑ کر کسی کوڑے دان یا نالی میں پھینک دیتے ہیں۔

اب ایک تمثیلی واقعہ سنئے: کہتے ہیں کہ ایک چوڑی بیچنے والا آدمی اپنے سر پر چوڑی کی گٹھری رکھے ہوئے جا رہا تھا، راستہ میں اسے ایک چور مل گیا، اس نے پیچھے سے گٹھری پر ایک لاٹھی ماردی اور پوچھا، بتا! اس میں کیا ہے؟

چوڑی فروش نے کہا "اگر اس گٹھری پر ایک لاٹھی اور ماردو تو اس میں کچھ نہیں ہے۔"

یعنی تم نے ایک لاٹھی ماردی تو آدھی چوڑیاں ٹوٹ گئیں اب اگر اس پر ایک لاٹھی اور پڑ جائے گی تو ساری چوڑیاں ٹوٹ جائیں گی۔ یہ چوڑیاں صرف اس لیے تھیں کہ وہ کچھ عورتوں کے ہاتھ کی زینت بنیں مگر چوں کہ اب وہ اپنے مقصد کو پورا کرنے کے لائق نہیں رہیں اس لیے یہ کچھ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی نہیں ہیں۔

مذکورہ مثال کی روشنی میں معلوم ہوا کہ مسلمان اگر تبلیغ دین کا فریضہ انجام دیں گے تو اللہ کے یہاں ان کا مقام خیر امت کا ہوگا اور اگر انہوں نے اس فریضہ کو چھوڑ دیا تو اللہ کے یہاں ان کی کوئی وقعت نہیں ہوگی۔

امر بالمعروف کا مطلب ہے بھلائیوں کا حکم دینا اور نہی عن المنکر سے مراد ہے برائیوں سے روکنا۔

اور یہ دونوں چیزیں لازم اور ملزوم ہیں کیوں کہ جہاں لوگوں کو نیک کام پر آمادہ کرنا ضروری ہے وہیں انہیں برائیوں سے روکنا بھی لازم ہے۔ اور یہ وہ دینی واخلاقی فریضہ ہے جس کا فقدان تباہی کا باعث ہے۔ اس فریضہ کی کوتاہی ہی میں بنی اسرائیل کی بربادی کا راز مضمر ہے جس کے نتیجے میں ان پر ایسی ذلت اور مسکنت طاری ہوئی جو قیامت تک کے لیے ان کی تباہی اور بدنامی کا باعث بن گئی۔

اس فریضہ کی اہمیت کو ہم دوسرے انداز سے سمجھیں، ہم مسلمان ہیں اور جس دین کی طرف نسبت کر کے ہم خود کو مسلمان کہتے ہیں اس کا نام اسلام ہے۔

قرآن مجید ہمیں بتاتا ہے کہ اسلام اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے، یہی حق اور سچا مذہب ہے۔ یہ ہر پہلو سے کامل ہے اور پوری دنیائے انسانیت کی نجات اسلام ہی کی پیروی پر منحصر ہے۔

اب اسلام کی اس مخصوص حیثیت کا تقاضہ ہے کہ اسے پوری دنیا میں پہنچایا جائے، اس کی تعلیمات کو ہر ہر گوشہ میں عام کیا جائے، اس کی دعوت ہر ہر فرد کو دی جائے، اس نے جن جن کاموں سے روکا ہے دنیا کے تمام انسانوں کو اس سے روکا جائے اور جن جن کاموں کے کرنے کا اس نے حکم دیا ہے ان کے کرنے پر سب کو آمادہ کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۂ مائدہ میں اپنے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسٰلَتَهٗ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ. ''اے پیغمبر! اللہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی طرف سے جو کچھ تم پر اترا ہے اسے لوگوں تک پہنچا دو اور اگر تم نے یہ نہیں کیا تو تم نے اس کا پیغام نہیں پہنچایا اور اللہ تعالیٰ تمہیں لوگوں سے بچائے گا۔''

اس آیت میں اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے لیکن آپ کی تبعیت میں پوری امت مسلمہ مخاطب ہے۔

اس دنیا میں مسلمان مختلف قوموں کے درمیان رہتے ہیں اور ان سے موافق یا ناموافق حالات پیش آتے رہتے ہیں، لیکن ان تمام حالات سے نمٹنے کے لیے انہیں الگ الگ توجہ دینے کی ضرورت نہیں، اللہ نے ان کے ہاتھ میں ایک جامع سرا دے دیا ہے، وہ ہے اللہ کے دین کی تبلیغ۔

جس طرح انسان کو دنیا میں زندہ رہنے کے لیے بہت سی چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے، مثلاً روٹی، کپڑا، مکان، دوا علاج وغیرہ۔

لیکن انسان ان تمام ضروریات پر الگ الگ توجہ نہیں دیتا، بلکہ اپنی تمام تر صلاحیتیں صرف ایک چیز کو حاصل کرنے میں لگا دیتا ہے، وہ ہے پیسہ، کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ جب اسے پیسے مل جائیں گے تو اس کی تمام ضروریات خود بخود پوری ہوتی چلی جائیں گی۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے تمام مسائل کا حل تبلیغ دین میں رکھا ہے، تبلیغ دین ہی میں لوگوں سے محفوظ رہنے کا راز مضمر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سورۂ آل عمران میں فرمایا:

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۔ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ. ''تم میں ایک گروہ ایسا بھی ہونا چاہئے جو لوگوں کو نیک کام کی طرف بلائے اور اچھے کام کا حکم دے اور برے کام سے روکے اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہوں گے۔''

اس آیت سے دو باتیں واضح ہوئیں۔ ایک یہ کہ امت مسلمہ کی تشکیل اسی غرض سے ہوئی ہے کہ وہ دین حق کی طرف لوگوں کو دعوت دے، نیکی کا حکم کرے اور برائی سے روکے۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ ان کاموں کے کرنے کے بعد ہی مسلمان دنیا و آخرت میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔

جس انسان تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پہنچی ہو اور اس نے دین حق پالیا ہو، اس کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ دوسرے انسانوں تک اس پیغام کو پہنچائے، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا تھا:

فَلْيُبْلِغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ. ''جو موجود ہے وہ غیر موجود تک (میرا پیغام) پہنچائے۔''

بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ دعوت وتبلیغ خالص علماء کا کام ہے۔ حالاں کی یہ شدید ترین غلط فہمی ہے کیوں کہ اس کام کے لیے کسی بڑے علم کی ضرورت نہیں ہے، اگر انسان کو قرآن کی ایک آیت اور اسلام کا ایک ہی حکم معلوم ہو تو دوسرے تک اسے پہنچانا ضروری ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بخاری میں منقول ہے:

بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً. ''میری بات اوروں تک پہنچاؤ چاہے ایک آیت ہی ہو۔''

تبلیغ دین کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم یہ ہے کہ مسلم سماج میں ایک دوسرے کو اچھے کاموں پر آمادہ کیا جائے اور برے کاموں سے روکا جائے۔

مسلمان کو اپنے معاشرہ میں یہ بنیادی ذمہ داری نبھانی ہے کہ وہ کسی نیکی کو مٹنے اور کسی بدی کو پروان نہ چڑھنے دے، جہاں بھی اللہ تعالیٰ کے احکام وفرامین سے غفلت برتی جارہی ہو اس کی ذمہ داری ہے کہ بروقت اس کا نوٹس لے، سمجھا بجھا کر، اپنا اثر ڈال کر، اپنی طاقت استعمال کر کے بدی کا انسداد کرے اور نیکی کو فروغ دینے کی انتھک کوشش کرے، اس کے ہوتے ہوئے جوا، شراب خوری، سود، زنا، غیبت، چغلی، ظلم، جھوٹ، دھوکہ بازی وغیرہ کا رواج نہ ہو، مسجدیں آباد ہوں، رمضان شریف کی بے حرمتی نہ ہو، زکوٰۃ اور حج کی ادائیگی میں کوتاہی نہ ہو، مسلمان آپس میں نہ لڑسکیں، کوئی کسی کا حق نہ مارے، وعدہ خلافی، بے حیائی، خیانت، غصب اور دروغ گوئی کو فروغ نہ ہو۔

غرض اللہ تعالیٰ کی کوئی نافرمانی نہ ہو، اگر ہو تو اسے روکنے کے لیے اپنا پورا زور صرف کردے، اس طرح وہ خود کو اور اپنے سماج کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچا سکے گا۔

قرآن مجید ہمیں بتاتا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، ایمان کی فطرت ہے، یہ اسلام کا خاصہ ہے اور مومن سے کبھی الگ نہ ہونے والی صفت ہے۔ جیسا کہ سورۂ توبہ میں ارشاد ہوا:

وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ. ''مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے رفیق ودم ساز ہیں، یہ لوگ نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے ہیں"

اس آیت نے یہ بات واضح کردی کہ اقامتِ صلوٰۃ، ادائیگی زکوٰۃ اور اطاعت خدا اور رسول ﷺ کے ساتھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی اہل ایمان کی لازمی اور بنیادی صفات ہیں۔

حکومت کے امور کو انجام دینا بہت بڑی ذمہ داری ہے لیکن قرآنی فیصلے کے رو سے مسلمانوں کو اگر حکومت مل جائے تو ان پر سے بھی یہ فریضہ ساقط نہیں ہوتا، ایمان والوں کی کیا صفات ہوتی ہیں؟ اس کے متعلق قرآن مجید کی سورۂ حج میں ارشاد ہوا:

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ. "یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار بخش دیں تو نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، بھلائی کا حکم کریں گے اور برائی سے روکیں گے۔"

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۂ عصر میں فرمایا:

وَالْعَصْرِ. اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِىْ خُسْرٍ. اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ. "قسم ہے زمانہ کی، تمام انسان خسارے میں ہیں سوائے ان کے جو ایمان لائے، نیک عمل کئے اور ایک دوسرے کو حق بات اور صبر کی تلقین کرتے رہے۔"

مسلم شریف میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ رَاٰى مِنْكُمْ مُنْكَراً فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ. "تم میں سے جو شخص کوئی منکر دیکھے تو اسے چاہئے کہ اسے اپنے ہاتھ سے مٹا دے۔"

فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ. "اور اگر ایسا نہ کرسکتا ہو تو اس کے لیے اپنی زبان سے کام لے۔"

فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ. "اور اگر اس کی بھی جرأت نہ رکھتا ہو تو یہ کوشش اپنے دل سے کرے۔"

وَذٰلِكَ اَضْعَفُ الْاِيْمَانِ. "اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔"

مسلم شریف میں حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلدَّالُّ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهٖ. "نیک کام بتانے والے کو اس کے کرنے والے کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

برابر ثواب ملتا ہے۔''

جو شخص ان کاموں میں لگا رہے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بہت دعائیں دی ہیں جیسا کہ دارمی میں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

''اللہ تعالٰی اسے سرسبز و شاداب رکھے جو مجھ سے حدیث سنے اور اسے لوگوں تک بجنسہ اسی طرح پہنچادے جس طرح اس نے مجھ سے سنا تھا۔''

ترمذی اور ابن ماجہ میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ النَّاسَ إِذَا رَأَوْا مُنْكَراً فَلَمْ يُغَيِّرُوْا يُوْشِكُ اَنْ يَّعُمَّهُمُ اللّٰهُ بِعِقَابِهٖ. ''لوگ جب کسی برائی کو دیکھیں اور اسے مٹانے کی کوشش نہ کریں تو وہ دن قریب ہے کہ ان سب کو اللہ کا عذاب گھیر لے۔''

ترمذی ہی کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ اَوْ لَيُوْشِكَنَّ اللّٰهُ اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَاباً مِنْ عِنْدِهٖ ثُمَّ لَتَدْعُنَّهٗ وَلَا يُسْتَجَابُ لَكُمْ. ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم نیکی کا ضرور حکم کرو گے اور برائی سے ضرور روکو گے ورنہ وہ دن قریب ہے جب اللہ تم پر اپنے پاس سے عذاب بھیجے پھر اس سے دعا کرو گے اور تمہاری دعائیں قبول نہ ہوں گی۔''

جب اللہ کی نافرمانی ہو رہی ہو اور کوئی اسے روکنے والا اور نافرمان کا ہاتھ پکڑنے والا نہ ہو تو پورا سماج کس طرح تباہ ہو جاتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ایک بہت ہی عمدہ تمثیل سے سمجھایا ہے: جیسا کہ بخاری میں ہے۔

''اللہ کی حدود میں سستی برتنے والے اور انہیں توڑنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے ایک گروہ نے ایک جہاز کو مل کر لیا اور قرعہ اندازی کی، تو کچھ لوگ اس کی اوپر کی منزل میں ہو گئے اور کچھ نیچے کی منزل میں، تو نیچے والا پانی لے کر اوپر والوں کے پاس سے گذرا تو انہیں تکلیف ہوئی (اور انہوں نے منع کر دیا) تو اس نے کلہاڑا لیا اور جہاز کے نیچے کے حصہ میں سوراخ کرنے لگا، لوگ اس کے پاس آئے اور انہوں نے پوچھا یہ کیا کر رہے ہو؟ اس نے کہا: میرے اوپر جانے آنے سے تمہیں تکلیف ہوئی اور مجھے بہر حال پانی چاہئے (اس لیے سوراخ کر رہا ہوں) تو اگر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تو اسے بھی بچا لیں گے اور اپنے آپ کو بھی اور اگر اسے (جہاز میں سوراخ کرنے کے لیے) چھوڑ دیا تو اسے بھی ہلاک کر دیں گے اور اپنے آپ کو بھی۔"

کتنی بہترین تمثیل ہے یہ۔ برائیاں معاشرہ کو اس طرح تباہ کرنے والی ہیں، جیسے سوراخ ہو جانے سے جہاز اپنے سواریوں سمیت تباہ ہو جاتا ہے۔ جہاز میں سوراخ کرنے کا عمل اگر چہ انفرادی ہوتا ہے مگر یہ عمل جہاز اور اس کی تمام سواریوں کو غرق کرنے کا سبب بنتا ہے، یہی معاملہ اللہ کی نافرمانی کا بھی ہے اگر لوگوں کا انفرادی فعل سمجھ کر اسے چھوڑ دیا جائے تو سماج میں نافرمانی عام ہو جاتی ہے۔ جس کے نتیجے میں پورا سماج بدترین بربادی کا شکار ہو جاتا ہے، پھر نہ برائی کرنے والا بچتا ہے اور نہ اسے گوارا کرنے والے لوگ۔

البتہ اگر کوئی شخص کسی برائی اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی حکم عدولی کو شروع ہی میں روک دیتا ہے تو نہ صرف یہ کہ اس شخص کو گناہ اور تباہی سے بچا لیتا ہے بلکہ پورے سماج کو گناہ اور اس کی نتائج سے محفوظ کر دیتا ہے۔

برائی کو نہ روکنا خود برائی میں شامل ہوتا ہے جسے ہم ایک مثال سے سمجھیں:

ایک مثال:

فرض کیجیے رات میں کسی جگہ ڈاکوؤں کا حملہ ہو جائے تو لوگوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ ڈاکوؤں کا مقابلہ کریں تا کہ لوگ ان کے شر سے محفوظ رہ سکیں اور اگر ایسا کرنے کی جرأت اور ہمت ان میں نہ ہو تو کم از کم شور کر کے لوگوں کو بیدار کر دیں، اگر ایسا نہیں کریں گے تو ڈاکوؤں کو تقویت ملے گی، پھر ڈاکو ڈکیتی ڈالنے کے مجرم ہوں گے اور وہ لوگ انہیں تقویت پہنچانے اور سہارا دینے کے مجرم ہوں گے۔

یہی معاملہ برائی کے سلسلے میں خاموشی کا بھی ہے جس کی وضاحت قرآن مجید کی سورۂ انفال کی اس آیت سے ہوتی ہے:

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ. "اس فتنے سے بچتے رہو جس کی مار تم میں سے صرف انہی لوگوں تک محدود نہ رہے گی جنہوں نے ظلم کا راستہ اختیار کیا ہوگا۔ اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ بڑی سخت پاداش والا ہے۔"

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے مختلف جگہوں پر بنی اسرائیل کے واقعات اور ان کے جذبات و عمل کو بیان فرمایا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان پر سبت کے دن ہر قسم کا کاروبار اور خرید و فروخت وغیرہ ممنوع تھا، یہ دن صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے مخصوص کر دیا گیا تھا، مگر جب ان پر زوال وانحطاط کا دور آیا تو وہ کھلم کھلا سبت کے دن مچھلیوں کا شکار کرنے لگے، پھر بنی اسرائیل میں تین جماعتیں ہو گئیں۔

ایک جماعت ان لوگوں کی تھی جو کھلے عام شکار کرتے تھے۔ دوسری جماعت ان کی تھی جو شکار تو نہیں کرتے تھے لیکن اپنے گھروں میں بیٹھے ہوئے تھے اور کہتے تھے ''ہم سے کیا مطلب، یہ برائی کریں گے تو خود ہی انہیں اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔'' تیسرے گروہ میں وہ لوگ تھے جو اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے تھے اور دوسروں کو بھی اللہ کی نافرمانی کرنے سے روکتے تھے۔

پھر ان پر اللہ تعالیٰ کا ایسا عذاب آیا کہ ان کی شکلیں مسخ ہو گئیں، ان کے چہرے بندر کے ہو گئے پھر تین روز کے بعد وہ مر گئے۔

جو لوگ سبت کے دن علانیہ اللہ کی نافرمانی کرتے تھے ان پر عذاب آیا اور جو نافرمانی نہیں کرتے تھے لیکن برائی سے روکنے کے معاملہ میں بالکل خاموش تھے وہ بھی اللہ کے عذاب سے نہیں بچ سکے، صرف وہی لوگ محفوظ رہے جو نافرمانی نہیں کرتے تھے اور دوسروں کو بھی اللہ کی نافرمانی سے روکنے کی پوری پوری کوشش کر رہے تھے۔

بنی اسرائیل والے اللہ کے سخت ترین عتاب کی زد میں اسی وقت آئے تھے جس وقت ان کے اندر برائیاں جنگل کے پودوں کی طرح آزادی کے ساتھ نشوونما پا رہی تھیں اور ان سے روکنے کے لیے کوشش نہیں ہو رہی تھی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۂ مائدہ میں فرمایا:

لُعِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَ عِیْسَى ابْنِ مَرْیَمَ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا یَعْتَدُوْنَ. كَانُوْا لَا یَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ. ''بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کی روش اختیار کر رکھی تھی ان پر داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبانوں سے لعنت کر دی گئی۔ ایسا اس لیے ہوا کہ وہ نافرمان ہو گئے اور حد سے بڑھتے رہتے تھے۔ جن برائیوں کا ان سے ارتکاب ہوتا ان سے ایک دوسرے کو روکا نہیں کرتے تھے۔ یقیناً برا تھا ان کا یہ رویہ جو وہ اختیار کیے ہوئے تھے۔''

کسی سماج میں ایسے بہت کم لوگ ہوتے ہیں جو شر و فساد مچاتے ہیں، اب اگر سماج ایک زندہ سماج ہو تو جب لوگ یہ دیکھتے ہیں کہ ایک شخص دوسرے کا حق مار رہا ہے، ایک پڑوسی دوسرے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پڑوسی پر ظلم کر رہا ہے، ایک رشتہ دار دوسرے رشتہ دار کو تکلیف دے رہا ہے، ایک صاحب معاملہ دوسرے صاحب معاملہ کے حقوق پر ڈاکے ڈال رہا ہے تو ایسے سماج میں مظلوم کو خود اپنے آس پاس ایسے لوگ مل جاتے ہیں جو اس کی حمایت میں کھڑے ہو جائیں، وہ ظالم کو مجبور کرتے ہیں کہ اپنی شرارتوں سے باز آجائے، ایسے سماج میں برائیاں پیدا ہوتی ہیں مگر وہیں کی وہیں دبادی جاتی ہیں۔

اس کے برعکس جب لوگوں کا یہ حال ہو جائے کہ وہ اپنے سامنے برائیاں اور ظلم وزیادتی کے واقعات دیکھیں مگر غیر جانبدار بن کر رہ جائیں تو دھیرے دھیرے ان خرابیوں سے ایسے فتنے ابھرتے ہیں جو پورے سماج کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں۔

حدیث میں آیا ہے کہ ایک بار اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیلؑ کو حکم دیا ''جاؤ فلاں بستی کو الٹ دو اور اس کی تمام انسانی آبادی کو تباہ و برباد کر دو۔'' حضرت جبرئیل نے کہا: ''اے اللہ! اس بستی میں اگر چہ تیری نافرمانی ہو رہی ہے مگر اسی میں تیرا ایک نیک بندہ بھی ہے جو تیری نافرمانی نہیں کرتا، کیا اسے بچالوں یا اس کے سمیت پوری آبادی کو تباہ کر دوں؟'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اس کے سمیت سب کو برباد کر دو، کیوں کہ اس بستی کی پوری آبادی برائیوں میں لگی ہے اور یہ ایک کونے میں بیٹھا ہوا ہے، لوگوں کو برائیوں سے روکنے کی کوشش نہیں کرتا۔''

تبلیغ کی ابتداء گھر والوں کی اصلاح سے ہوگی۔ کیوں کہ انسان کے بیوی بچے اور اس کے گھر کے افراد اس کی عزیز ترین سرمایہ ہوتے ہیں۔ ہر انسان یہ چاہتا ہے کہ اس کے گھر والے پھلیں پھولیں، وہ ہر طرح کے مصائب و آلام سے محفوظ رہیں، انسان انتھک جدو جہد اور دوڑ و دھوپ کرتا ہے تا کہ اس کے بیوی بچوں کو سکھ اور آرام ملے، وہ دکھ اٹھاتا ہے تا کہ یہ سکھ پائیں، وہ اپنی تمام تر طاقت نچوڑ دیتا ہے تا کہ اس کے گھر کے لوگ فارغ البالی اور سکون کے ساتھ زندگی بسر کر سکیں۔ چوں کہ اسے ان سے بے انتہا محبت ہوتی ہے اس لیے وہ اپنے مال اور اپنی جان کو بے تامل ان پر نثار کر دیتا ہے۔

جب یہ بات نا قابل تردید ہے تو پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ بندۂ مومن خود تو حق پر گامزن رہے اور اپنے گھر والوں کو چھوڑ دے؟

اس لیے وہ اس بات کی کوشش کرنے پر فطرتاً مجبور ہے کہ اس کے گھر کے لوگ بھی اللہ کے فرماں بردار بن جائیں۔ جس دین کو اس نے حق سمجھ کر اپنایا ہے اسے وہ بھی اپنالیں، جس اللہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی رضا کی خاطر وہ صبح وشام سرگرداں رہتا ہے اسے راضی کرنے میں وہ بھی لگ جائیں تا کہ وہ بھی رحمت خداوندی کے مستحق بن جائیں، جس جہنم سے بچنے کی وہ فکر کرتا ہے اس سے وہ بھی دور رہیں اور جس جنت کے حصول کے لیے وہ بے انتہا جدو جہد کرتا ہے اس کے وہ بھی شیدائی بنیں۔

قرآن مجید کی سورۂ تحریم میں گھر والوں کی اصلاح پر اس طرح زور دیا گیا ہے:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَاراً وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ.

''اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر کے لوگوں کو (جہنم کی) آگ سے بچاؤ جس کے ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔''

اس آیت سے یہ بات واضح ہے کہ مومن بندہ اپنی اصلاح کے ساتھ گھر والوں کی اصلاح پر بھی پوری توجہ دے، اگر اس کی غفلت اور کوتاہی کی وجہ سے اس کے گھر والے غلط راستے پر رہے اور جہنم کے عذاب کے مستحق ہوئے تو وہ اللہ کے حضور جواب دہی سے نہ بچ سکے گا۔

بخاری ومسلم کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلَا كُلُّكُمْ رَاعٍ وَ كُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ...... فَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلٰى اَهْلِ بَيْتِهِ وَهُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ وَالْمَرْءَةُ رَاعِيَةٌ عَلٰى بَيْتِ زَوْجِهَا وَ وَلَدِهِ وَهِيَ مَسْئُوْلَةٌ عَنْهُمْ. ''تم میں سے ہر آدمی ذمہ دار اور نگراں ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا...... تو مرد اپنے گھر کے لوگوں کا ذمہ دار ہے اور اس سے اس کے بارے میں باز پرس ہوگی اور عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کی اولاد کی نگراں ہے اور اس سے اس کے بارے میں باز پرس ہوگی۔''

یہ ہے مسلم سماج میں تبلیغ کی اہمیت، لیکن ہم اس مہم میں تبھی کامیاب ہو سکتے ہیں جب خود ہمارا دامن برائیوں سے پاک اور ہماری زندگی نیکیوں سے معمور ہو۔

اگر ہم دوسروں کو برائیوں سے روکتے رہے اور خود برائیوں کا ارتکاب کرتے رہے، عوام کے درمیان نیکیوں کا وعظ کرتے رہے اور خود نیکیوں سے کوسوں دور رہے تو نہ صرف یہ کہ ہم سماج کی اصلاح کرنے میں کامیاب نہ ہوں گے بلکہ آخرت میں اللہ کے شدید عذاب کے مستحق بھی ہوں گے۔ جیسا کہ بخاری کی روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''قیامت کے دن ایک آدمی کو لایا جائے گا اور اسے دوزخ کی آگ میں ڈال دیا جائے گا تو

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کی آنتیں آگ میں نکل پڑیں گی اور وہ (تکلیف کے مارے) دوزخ میں اس طرح چکر کاٹتا پھرے گا جیسے گدھا اپنی چکی میں گھومتا ہے۔ دوزخی اس کے گرد جمع ہو کر اس سے پوچھیں گے، اے فلاں! یہ تمہارا کیا حال ہے، کیا تم ہمیں نیکی کا حکم نہیں کرتے تھے اور برائی سے نہیں روکتے تھے؟ وہ کہے گا، ہاں میں تمہیں نیکی کا حکم کرتا تھا، مگر خود نہ کرتا تھا، برائیوں سے روکتا تھا مگر خود برائیاں کرتا تھا۔“

اللہ اکبر! کتنا دردناک انجام ہے ایسے مبلغ کا جو دوسروں کو نیکی کے لیے۔ کہے اور خود پرواہ نہ کرے، اوروں کو برائی سے روکے اور خود اسی طرح کی برائیوں میں ملوث رہے۔

تبلیغ دین کی دوسری قسم ہے، غیر مسلموں تک اسلام کی تعلیمات کو پہنچانا اور ان کے دلوں میں اسلام کے سلسلے میں جو شکوک و شبہات ہیں انہیں دور کرنے کی کوشش کرنا۔

اس میں شک نہیں کہ مسلم سماج میں بگاڑ حد سے زیادہ پھیلا ہوا ہے اور اس میں بھی شک نہیں کہ ان کی اصلاح کی تمام تر ذمہ داری ان افراد پر فرض ہے جو دین کا شعور اور ملت کا درد رکھتے ہوں۔ مسلمان ہمارے بھائی ہیں ان کا بگاڑ ہمارا بگاڑ ہے اور ان کی اصلاح ہماری اصلاح ہے، اس کام کی اہمیت ذرا بھی کم نہیں ہے۔ لیکن دین کو غیر مسلموں تک پہنچانے کی اہمیت بھی بہت زیادہ ہے، اس سلسلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثال قربانیاں، آپ کی پگھلا دینے والی بے قراری اور انتھک جدو جہد ہمارے لیے مشعلِ راہ ہے۔

آپؐ صبح و شام مکہ کی گلیوں میں دیوانہ وار محض اس لیے پھرا کرتے تھے کہ کوئی اللہ کا بندہ مل جائے اور وہ اللہ کے پیغام کو قبول کر لے، آپ کی اس بے چینی اور بے قراری کا عالم یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۂ کہف میں ارشاد فرمایا:

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا.

”اے محمد! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اگر یہ لوگ ایمان نہ لائے تو تم ان کے پیچھے اپنے آپ کو مارے غم کے ہلاک کر ڈالو گے۔“

مکی زندگی کا ایک واقعہ ہے:

ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت بخار تھا، آپؐ لیٹے ہوئے تھے، ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپؐ کے پاس بیٹھی تھیں، اچانک حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آواز دی۔ آپؐ نے پوچھا ”کیا ہے علی؟“ انہوں نے عرض کیا ”اے اللہ کے رسول! ایک قافلہ آیا ہے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور میں یہی بتانے آپ کے پاس آیا ہوں، ویسے میں یہ جانتا ہوں کہ آپ کو بخار ہے لیکن اگر میں آپ کو قافلہ کے آنے کی اطلاع نہ دیتا تو آپ مجھ پر ناراض ہوتے۔"

اب آپؐ اٹھے، چادر اوڑھی اور قافلہ والوں تک اللہ کا پیغام پہنچانے کے لئے چل پڑے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپؐ کے دونوں ہاتھوں کو تھام لیا اور عرض کیا:

''یا رسول اللہ! بخار کی حالت میں آپ باہر نہ نکلیں، یہ کام کل بھی کیا جا سکتا ہے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی نرمی کے ساتھ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے دونوں ہاتھوں کو چھڑا دیا اور فرمایا:

''خدیجہ! اللہ تعالیٰ نے دین کو پہنچانے کی جو ذمہ داری مجھ پر ڈالی ہے اس میں تم میری معاون بنو، میری مزاحم نہ بنو، میری مدد کرو میرے راستے کا روڑا نہ بنو۔"

یہ کہہ کر آپؐ بخار کی حالت میں نکلے اور قافلہ والوں تک اللہ کا پیغام پہنچایا۔

دنیا جانتی ہے کہ دین کی تبلیغ کے لیے آپ کو کن کن مشکلات سے گذرنا پڑا، کیا کیا مصیبتیں جھیلنی پڑیں، کتنے دکھ سہنے پڑے، لیکن آپؐ نے یہ سب کچھ برداشت کر لیا مگر اپنے اس فریضے کی ادائیگی میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔

ایک وقت ایسا بھی آیا کہ آپ کو رشوتیں پیش کی گئیں، آپؐ سے کہا گیا:

''اے محمدؐ! اگر تم خوبصورت عورتوں سے شادی کرنا چاہتے ہو تو دنیا کی حسین ترین عورتیں ہم تمہارے قدموں میں ڈال دیں گے۔ اگر تمہیں مال و زر کی ہوس ہے تو ہم تمہیں دنیائے عرب کا سب سے مالدار انسان بنا دیں گے، اگر تم سرداری چاہتے ہو تو آج سے ہی ہمارے سردار بن جاؤ مگر نئے دین کی تبلیغ سے باز آ جاؤ اور ہمارے معبودوں کی تردید کرنا چھوڑ دو۔"

تو آپؐ نے بزبان حال یہ فرمایا تھا۔

مرے ہاتھوں پہ لا کر چاند سورج بھی اگر رکھ دیں ۔۔۔ مرے قدموں تلے روئے زمیں کا مال و زر رکھ دیں
خدا کے کام سے میں باز ہرگز رہ نہیں سکتا ۔۔۔ یہ بت جھوٹے ہیں، میں جھوٹوں کو سچا کہہ نہیں سکتا

جب ترغیب کے پھندے کام نہیں آئے، جب رشوت کے جال میں آپؐ نہیں پھنسائے جا سکے تو پھر آپؐ پر بے پناہ مظالم ڈھائے گئے، آپؐ پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے گئے مگر حوصلہ شکن مصائب بھی آپ کا راستہ نہ روک سکے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعض لوگ شعبان کی پندرہ تاریخ کو حلوہ پکاتے ہیں۔ مشہور یہ ہے کہ اسی تاریخ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دندان مبارک شہید ہوا تھا اور پھر آپؐ نے اس روز کچھ نہ کھا کر حلوہ تناول فرمایا تھا۔ حالاں کہ یہ بات تاریخ کے بالکل خلاف ہے۔

کیوں کہ آپؐ کا دندان مبارک غزوۂ احد میں شہید ہوا تھا جو شوال ۳ھ میں پیش آیا تھا، نہ کہ شعبان میں۔ دوسرے یہ کہ اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ اس موقع پر آپؐ نے حلوہ کھایا تھا۔

تو دانت ٹوٹنے سے حلوہ کھانے کی سنت تو نکال لی گئی مگر کسی کو اس بات پر غور کرنے کی توفیق نصیب نہیں ہوئی کہ وہ کون سا مشن تھا جس کے لیے آپؐ نے اتنی سرگرمی دکھائی کہ آپ کا دندان مبارک شہید ہو گیا؟ وہ مشن تھا دعوت الی اللہ اور تبلیغ دین کا۔

اسی طرح صحابہ کرامؓ نے بھی دین کی تبلیغ کے لیے انتھک جدو جہد کی اور اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اگر انہوں نے دین کو دوسروں تک پہنچانے میں کوئی کوتاہی کی ہوتی تو آج دین ہمارے سامنے اپنی اصلی صورت میں موجود نہ ہوتا۔

دور نبوی میں ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام قبول کرتے ہی ہر شخص اسلام کا مبلغ بن جاتا تھا۔ شروع میں حالات اتنے سخت تھے کہ علانیہ نماز پڑھنے کی گنجائش نہیں تھی اور اسلام قبول کرنے کا مطلب یہ تھا کہ آدمی خود کو خطرات میں جھونک رہا ہے، اس کے باوجود جو لوگ حق کو قبول کرتے تھے وہ تبلیغ دین کے پرخطر کام میں منہمک ہو جاتے تھے کیوں کہ ان کا ایمان و یقین انہیں بے چین کیے رہتا تھا۔

لیکن جہاں دین حق کی تبلیغ اور دعوت الی اللہ کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بے پناہ جدو جہد اور صحابہ کرامؓ کی بے مثال قربانیاں ہمارے لیے مشعل راہ ہیں، وہیں اپنے مذہب کے لیے دوسری قوموں کی تبلیغی کوششیں بھی ہمارے لیے باعث عبرت ہیں۔

مثلاً عیسائیوں کو لے لیجیے۔ عیسائیت ایک مردہ مذہب ہے، انجیل کی تعلیمات منسوخ ہو چکی ہیں، یہ کتاب ہر طرح کی تحریف کا شکار ہو کر اپنی اصلیت کھو بیٹھی ہے، مگر عیسائی مشنریاں انجیل کی تعلیمات کو عام کرنے کے لیے کس قدر محنت کر رہی ہیں؟ کتنا پیسہ خرچ کر رہی ہیں اور کس قدر قربانیاں دے رہی ہیں؟

حالت یہ ہے کہ آپ دنیا کے کسی گوشے میں چلے جائیے، چاہے وہ یورپ کا کوئی شہر ہو یا افریقہ کا کوئی دیہات، چاہے ایشیا کا کوئی قصبہ ہو یا آسٹریلیا کی کوئی چھوٹی آبادی، ہر جگہ آپ کو اس

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علاقہ کی زبان میں انجیل کے ترجمے مل جائیں گے۔

ایک محتاط اندازہ کے مطابق اس وقت ہندوستان میں ان کا کام اس قدر پھیلا ہوا ہے کہ ان کے پاس ۶۵۰ مشن اسپتال ہیں جو ان کے مذہب کی تبلیغ کا موثر ذریعہ ہیں۔

پورے ہندوستان میں ۹۷۴ مسیحی مشن تبلیغ کا کام انجام دے رہے ہیں۔

لوگوں کو عیسائی بنانے کے لیے ان مشنوں کے پاس ۴۳۵۷ وہ عیسائی ہیں جو یورپ سے اپنا وطن اور کاروبار چھوڑ کر یہاں اسی مقصد سے آئے ہیں، اور ۹۵۰۰ ہندوستانی مبلغ تبلیغی کام کر رہے ہیں۔

اس کے علاوہ ان کے سولہ ہزار سے زائد اسکول و کالج وغیرہ اسی مقصد میں لگے ہوئے ہیں اور ہر سال یہ اربوں روپے اس کام پر خرچ کرتے ہیں۔

قرآن مجید کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ کے آخری رسول ہیں۔ آپؐ نے قرآن کے ذریعہ اپنے منصب رسالت کی ذمہ داریوں کو ادا کیا اور اپنے بعد اللہ کی کتاب کو محفوظ حالت میں چھوڑ گئے تاکہ وہ قیامت تک لوگوں کے لیے ہدایت کا ذریعہ بنی رہے۔

آپؐ کے بعد یہ قرآن اور اس کی تعلیمات دنیا والوں تک کس طرح پہنچیں گی؟

اس کا ذریعہ امت محمدیہؐ ہے، اس امت کی پہلی اور لازمی ذمہ داری ہے کہ وہ قرآن کی آواز، اس کا پیغام اور اس کی ابدی تعلیمات کو دنیا کے انسانوں تک پہنچائے۔

لیکن افسوس ہم مسلمان اپنی اس ذمہ داری کے احساس وشعور تک سے خالی ہیں۔

عجیب بات ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے تو یہ کہا تھا کہ میں بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس بھیجا گیا ہوں، مگر ان کے پیروؤں کے جوش تبلیغ نے مسیحیت کی تعلیمات کو پوری دنیا میں پھیلا دیا۔

اس کے برعکس حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح لفظوں میں اعلان فرمایا تھا کہ ''میری بعثت سارے عالم کے لیے ہے'' مگر آپؐ کے پیروؤں کے اندر یہ آگ نہیں بھڑکتی کہ آپؐ کے پیغام کو ساری دنیا میں پہنچائیں۔ علامہ اقبالؒ نے اس کا ماتم یوں کیا ہے۔

خیر یورپ کی جو تقلید تھی منظور تجھے تو نمونہ اسے ہر طرح بنایا ہوتا
وہ جو انجیل سنانے یہاں تجھکو آئے تو نے قرآن وہاں جاکے سنایا ہوتا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تبلیغ دین کی اس مہم میں شریک ہونے کے لیے ضروری ہے اور یہی اس کام کا پہلا قدم ہے کہ ہم خود عامل بنیں۔ جس اللہ پر ہم ایمان لائے ہیں اس کے خود مطیع بنیں، جس ضابطے کا ہم اقرار کرتے ہیں اس کے خود پابند ہوں، جس اخلاق کو صحیح کہتے ہوں اس کا خود نمونہ بنیں، جس چیز کو ہم فرض کہتے ہیں اس پر خود عمل پیرا ہوں، جسے حرام کہتے ہیں اسے چھوڑ دیں۔

یعنی دین کو غیروں تک پہنچانے کا سب سے پہلا قدم یہ ہے کہ ہم خود سچے مسلمان بن جائیں، اس طرح کے مسلمان کہ ہماری پوری زندگی اسلام کی سچی تصویر بن جائے، ہم اسلامی اصولوں کا چلتا پھرتا نمونہ بن جائیں، تاکہ دوسری قومیں ہماری گفتگو، ہمارے اخلاق وعادات اور ہمارے رہن سہن وغیرہ کو دیکھ کر اسلام کی افادیت اور حقانیت کی قائل ہو جائیں۔ جس کو ہم ایک مثال سے یوں سمجھ سکتے ہیں۔

ایک مثال:

فرض کیجیے آپ کے گاؤں یا محلہ میں ایک شخص صابن بیچنے آتا ہے۔ وہ اپنے صابن کی بہت تعریف کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ کپڑے خوب صاف دھوتا ہے، اس میں جھاگ بہت زیادہ ہوتا ہے، یہ کپڑوں میں سفیدی اور چمک لاتا ہے، مگر یہ سب کہنے کے باوجود جب وہ اپنا کپڑا صاف کرنے بیٹھتا ہے تو دوسری کمپنی کے بنے ہوئے صابن سے دھوتا ہے، اب آپ اس کی باتوں پر اعتبار نہیں کریں گے، آپ اس کے صابن کو خریدنے پر تیار نہیں ہوں گے، آپ سوچیں گے اور آپ کا یہ سوچنا حق بجانب بھی ہوگا کہ اگر اس کا صابن عمدہ اور اصلی ہوتا تو یہ اپنا کپڑا صاف کرنے کے لیے اپنا صابن استعمال کرتا نہ کہ دوسری کمپنی کے صابن کو۔

اسی طرح اگر ہم دنیا والوں سے کہیں کہ اسلام نے احترام انسانیت کی تعلیم دی ہے اور ہماری حالت یہ ہو کہ ہمارے شر سے نہ ہمارے پڑوسی محفوظ ہوں، نہ گاؤں کے لوگ محفوظ ہوں، نہ محلہ والوں کو سکون نصیب ہو، تو ہم اسلام کی تبلیغ نہیں کر رہے ہیں، بلکہ اسے رسوا کر رہے ہیں۔

اگر ہم اس بات کا ڈھنڈورا پیٹیں کہ قرآن نے سود کو مطلق حرام قرار دیا ہے اور ہمارا عمل اس کے خلاف ہو یعنی ہم گلے تک ہی نہیں بلکہ سینے اور کمر تک سودی کاروبار میں ڈوبے رہیں تو ہم دین کی خدمت نہیں کر رہے ہیں بلکہ اسے نقصان پہنچا رہے ہیں۔

اگر ہم دوسروں سے کہیں کہ اللہ کے راستے پر آؤ اور خود اس راستے سے کٹے رہیں تو کوئی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی ہماری بات پر اعتبار نہیں کرے گا۔

الغرض، دعوت الی اللہ کی شروعات یہیں سے ہوگی کہ سب سے پہلے ہم خود با اصول، با اخلاق، با کردار اور پکے سچے مسلمان بنیں کہ دوسرے لوگ ہمیں دیکھ کر اسلام اور مسلمانوں کے متعلق صحیح رائے قائم کرسکیں۔

ایک واقعہ:

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں نجران کے علاقہ میں مسلمانوں اور عیسائیوں سے جنگ ہو رہی تھی۔ اتفاق سے ایک عیسائی سپہ سالار پکڑا گیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ انہوں نے اسے قتل کرنے کے لئے اپنی تلوار اٹھائی تو وہ چلانے لگا:

''پانی، پانی، مجھے پیاس لگی ہے، مجھے پیاس لگی ہے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا ہاتھ روک لیا اور حکم دیا کہ پانی کا پیالہ لایا جائے اور اسے پلایا جائے، جب پانی سے بھرا پیالہ اس کے ہاتھ میں دیا گیا تو وہ اسے لیے ہوئے کھڑا رہا، اس نے پانی نہیں پیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا: ''جب تم اتنے پیاسے تھے اور پانی تمہیں مل گیا تو اب تمہاری پیاس کہاں چلی گئی؟ تم پانی کیوں نہیں پی رہے ہو؟

تو اس نے جواب دیا: ''میں یقیناً بہت پیاسا ہوں لیکن چوں کہ آپ کے ہاتھ میں ننگی تلوار ہے اور آپ میرے سر پر کھڑے ہیں، اس لیے مجھے خدشہ ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں پانی پینے لگوں اور آپ اسی حالت میں مجھے قتل کر دیں، اسی خوف سے میں پانی نہیں پی رہا ہوں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ جب تک تم پیالے کے اس پانی کو نہیں پی لو گے، جو تمہارے ہاتھ میں ہے، تب تک میں تمہیں قتل نہیں کروں گا۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان سے یہ سننا تھا کہ اس نے پانی سمیت پیالہ دور پھینک دیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''تم نے پانی ضائع کیوں کر دیا؟''

اس نے جواب دیا: ''اس لیے کہ مجھے یقین ہے کہ یہ زمین و آسمان اور چاند و سورج جھوٹے ہو سکتے ہیں مگر حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے امتی کا وعدہ جھوٹا نہیں ہو سکتا، جب آپ نے یہ کہہ دیا کہ جب تک تم پیالے کے اس پانی کو نہیں پی لو گے میں تمہیں قتل نہیں کروں گا، تو میں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے وہ پانی اس لیے پھینک دیا کہ نہ میں اسے پیوں گا نہ آپ کے ہاتھوں قتل کیا جاؤں گا۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار میان میں رکھ لی، اسے آزاد کر دیا اور فرمایا کہ میرا وعدہ سچا ہے، چوں کہ تم وہ پانی نہیں پی سکے اس لیے میں تمہارے قتل سے باز آ گیا۔

عیسائی نے کہا کہ میں حقیقت کا تجربہ کرنا چاہتا تھا، اب میں اپنے آبائی دین کو چھوڑ کر اسلام قبول کرتا ہوں۔ چنانچہ وہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔

لیکن ہماری یہ حالت ہے کہ ہم اپنی بے عملی اور بدعملی سے دوسری قوموں کو اسلام سے قریب لانے کے بجائے اس سے برگشتہ کرنے کا سبب بن رہے ہیں۔ ہماری حالت تو اس مریض کی سی ہو گئی ہے جو دانت کے درد سے بری طرح پریشان تھا۔

ایک لطیفہ:

جب کسی طرح اس کا درد ٹھیک نہیں ہوا تو اس نے ڈاکٹر سے جا کر کہا کہ میرے دانت اکھاڑ دیجئے۔ ڈاکٹر تیار ہو گیا، اس نے فیس پوچھی، ڈاکٹر نے دو روپے بتائے، پھر ڈاکٹر اسے ایک کمرے میں لے گیا، جب دانت اکھاڑنے لگا تو وہ تکلیف سے چلانے لگا، بہرحال دانت اکھاڑ دیا گیا، دوا لگا دی گئی اس کے بعد ڈاکٹر نے کہا: ''لاؤ چھ روپے۔''

مریض نے حیران ہو کر کہا، جناب! دانت اکھاڑنے کی فیس دو روپے طے ہوئی تھی اب آپ چھ روپے کیوں مانگ رہے ہیں؟

ڈاکٹر نے کہا: ''اس لیے کہ جب میں تمہارا دانت اکھاڑ رہا تھا تب تم اتنے زور سے چلائے تھے کہ باہر میرے دو مریض بیٹھے تھے وہ ڈر کے مارے بھاگ گئے، اس لیے ان کی فیس بھی تم ہی سے وصول کروں گا۔''

اسلام اور اس کی تعلیمات میں حیرت انگیز کشش ہے، یہی وجہ ہے کہ اسلام کے بدترین دشمن بھی روز بروز اسلام کے اصولوں کو اپنانے پر مجبور ہوتے جا رہے ہیں۔

آج مورتیوں کی پوجا کرنے والے لاکھوں بت پرستوں اور تین خداؤں کے ماننے والے بے شمار عیسائیوں نے وید اور انجیل کی تعلیمات کو چھوڑ کر قرآن کے عقیدۂ توحید کو مان لیا ہے۔

وہی ہندو جو کل تک اپنی بیواؤں کو شوہروں کی چتا میں جلا دیا کرتے تھے، اب اسلام کی تعلیمات کے مطابق بیواؤں کی شادی پر زور دے رہے ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

منوشاستر کی بنیاد ذات پات کی تمیز پر رکھی گئی تھی لیکن وہ اب خود ہی ذات پات کے خلاف تنظیم بنا رہے ہیں۔

اسلام کے تعدد ازدواج کی مخالفت کرنے والے بھی اس کی اہمیت کے قائل ہو رہے ہیں۔

امریکہ اور دوسرے یورپی ممالک میں شراب کی برائی کا اعتراف ہونے لگا ہے، آخر کیوں؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ انجیل اور پوران وغیرہ کے اصول اس قدر ناقص اور نامکمل ہیں کہ ان میں پوری زندگی کے اصول وضوابط نہیں ملتے، اس لیے ان کے ماننے والے ہر طرف سے ٹھوکریں کھا کر قرآنی تعلیمات کی پناہ لینے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

ایسی حالت میں اگر ہم بیدار ہو جائیں اور اشاعت اسلام کی کوشش میں جٹ جائیں تو بلاشبہ اس دنیا میں پھر وہی یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا کا سماں پیدا ہو سکتا ہے۔

اگر ہم ہندوستان میں صرف اچھوتوں کو دین حق کی طرف راغب کرنے کا کام شروع کر دیں تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کامیابی کے دروازے اسی طرح کھل سکتے ہیں جس طرح صحابہ پر کھلے تھے۔

اس وقت ہندوستان میں اچھوتوں کی آبادی بہت زیادہ ہے۔ گاندھی جی نے ان کی مظلومی اور مصیبت کے علاج کی کوشش کی مگر وہ کامیاب نہ ہو سکے، ضرورت ہے کہ مسلمان آگے بڑھیں اور ایک مستقل نظام کے تحت غیر مسلموں میں اسلام کی ترویج واشاعت کا کام شروع کر دیں۔

ہر کام کے کرنے کے دو طریقے ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ آدمی اس کام کو خود اپنے ہاتھوں انجام دے، دوسرے یہ کہ اس کام کے انجام دینے میں ہر طرح کی مدد کرے۔

اپنے ہاتھ سے کوئی کام انجام دینا بھی، کام کرنا ہے اور اس کے انجام دینے میں تعاون کرنا بھی اس کام کا کرنا ہے۔ مثلاً

ایک مثال:

ٹرین چلتی ہے، اسے ایک ڈرائیور چلاتا ہے لیکن جب تنخواہ کا دن آتا ہے تو صرف ڈرائیور ہی تنخواہ نہیں پاتا بلکہ اسٹیشن ماسٹر بھی تنخواہ پاتا ہے، گارڈ کو بھی تنخواہ ملتی ہے، ریل کے پٹریوں کو درست کرنے والے مزدور بھی اجرت پاتے ہیں، حتیٰ کہ انجن کے لیے کوئلہ نکالنے والا بھی تنخواہ کا حق دار ہوتا ہے۔ اگرچہ یہ لوگ ٹرین نہیں چلاتے لیکن اسے چلانے میں مدد کرتے ہیں اس لیے اسے چلانے والے کی طرح یہ بھی اجرت کے مستحق ہوتے ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسی طرح تبلیغ دین کے کاموں میں کسی طرح کی مدد کرنا بھی تبلیغ دین کی حیثیت رکھتا ہے اور ایسا شخص بھی پورے طور پر اجر و ثواب کا مستحق قرار پاتا ہے۔

حکمت تبلیغ:

دعوت الی اللہ میں حکمت اور عمدہ نصیحت کا ملحوظ رکھنا بہت ضروری ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۂ نحل میں ارشاد فرمایا:

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ. ''اے نبی! اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ اور لوگوں سے مباحثہ کرو ایسے طریقے پر جو بہت عمدہ ہو۔''

حکمت کا مطلب یہ ہے کہ اندھا دھند تبلیغ نہ کی جائے بلکہ دانائی کے ساتھ اور موقع و محل دیکھ کر بات کی جائے اور اس طرح کا انداز اپنایا جائے کہ دین کی باتیں مخاطب کے دل و دماغ کی گہرائیوں میں اتر سکیں۔

عمدہ نصیحت کا مطلب ہے کہ ایسے انداز میں کی جائے جس سے دل سوزی، ہمدردی اور خیر خواہی ٹپکتی ہو۔ آپ جس سے مخاطب ہیں وہ یہ نہ سمجھے کہ آپ اسے حقیر سمجھ رہے ہیں بلکہ اسے یہ محسوس ہو کہ آپ کے دل میں اس کی اصلاح کے لیے بڑی تڑپ ہے اور حقیقت میں آپ اس کی بھلائی چاہتے ہیں اور بحث و مباحثہ بھی اس انداز کا کیا جائے جس میں طعنہ زنی اور الزام تراشی نہ ہو بلکہ شیریں کلامی ہو، اعلیٰ درجہ کا شریفانہ اخلاق ہو اور معقول و مستند دلائل سے اسے قائل کرنے کی کوشش کی جائے۔

تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ مبلغ اعظم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کو دوسروں تک پہنچانے میں ہمیشہ حکمت بالغہ اور موعظۂ حسنہ سے کام لیا۔

آپؐ نے تبلیغ میں کیا انداز اپنایا؟

مسلم شریف کی روایت کے مطابق، ایک صحابیؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار میں حالت نماز میں بول پڑا۔ صحابہ کرام مجھے ترچھی نگاہوں سے گھورنے لگے، بعض نے میرے زانو پر ہاتھ رکھ کر مجھے خاموش کرنا چاہا، جب نماز ختم ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو مجھے جھڑکا، نہ برا بھلا کہا، بلکہ دل نشیں پیرایہ میں سمجھایا کہ یہ اللہ کی مسجد ہے، یہاں صرف اللہ کا ذکر کرنا چاہئے، اس

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں اور کسی قسم کی گفتگو مناسب نہیں ہے۔

خصائص کبریٰ میں یہ واقعہ آتا ہے:

ایک بار ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زنا کی اجازت مانگی۔لوگ اس کے اس سوال پر اسے جھڑکنے لگے اور ملامت کرنے لگے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: ''آؤ یہاں بیٹھ جاؤ!''

جب وہ آپؐ کے پاس بیٹھ گیا تو آپؐ نے فرمایا: ''کیا تم اپنی ماں کے لیے یہ بات پسند کرتے ہو؟''

اس نے کہا، نہیں۔

آپؐ نے فرمایا: ''ہاں کوئی شخص بھی اپنی ماں کے لیے یہ بات پسند نہیں کرتا۔''

پھر پوچھا: ''کیا تم اپنی بیٹی کے لیے یہ چیز پسند کرتے ہو؟'' وہ بولا ''ہرگز نہیں۔''

آپؐ نے فرمایا: ''ہاں کوئی شخص بھی اپنی بیٹی کے لیے پسند نہیں کرتا۔''

پھر آپؐ نے اس سے کہا: ''کیا تم اپنی بہن کے لیے اس بات کو پسند کرتے ہو؟'' اس نے کہا: ''قطعاً نہیں۔''

آپؐ نے فرمایا: ''ہاں کوئی بھی اپنی بہن کے لیے یہ گوارا نہیں کر سکتا۔''

آپؐ نے اس سے پھر سوال کیا: ''کیا تم اپنی پھوپھی کے لیے یہ بات پسند کرتے ہو؟'' وہ کہنے لگا: ''ہرگز نہیں۔''

آپؐ نے فرمایا: ''ہاں کوئی بھی اپنی پھوپھی کے لیے یہ نہیں پسند کر سکتا۔''

آخر میں آپؐ نے پوچھا: ''کیا تم اپنی خالہ کے لیے یہ بات پسند کرتے ہو؟'' وہ بولا: ''ہرگز نہیں۔''

آپؐ نے فرمایا: ''ہاں، کوئی بھی اپنی خالہ کے لیے یہ چیز پسند نہیں کر سکتا۔''

اس عمدہ نصیحت کے بعد آپؐ نے اس کے لیے دعا فرمائی اور وہ شخص اپنی غلطی سے تائب ہو گیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا عمدہ استدلال اپنایا؟ اور کتنے بہترین طریقے سے اسے قائل کر دیا کہ جس طرح تمہاری غیرت وحمیت اس بات کی اجازت نہیں دے سکتی کہ تم اپنی ماں،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بہن لڑکی، خالہ اور پھوپھی سے زنا کرو، اسی طرح ہر دوسرا شخص بھی اپنی ماں، بہن لڑکی، خالہ اور پھوپھی کے لئے ایسے مکروہ فعل کو نہیں پسند کر سکتا، تو تمہیں اس امر شنیع کی اجازت کیسے مل سکتی ہے؟ یوں کہ تمہاری ہی طرح ہر شخص کو اسی غیرت وحمیت کا فطری حق حاصل ہے، پس یقینی طور پر زنا مکارم اخلاق اور انسانی غیرت وشرافت کے منافی ہے۔

دوسرے یہ کہ جس عورت سے تم یہ کام چاہتے ہو آخر وہ کسی کی ماں، کسی کی بیٹی، کسی کی بہن، کسی کی پھوپھی یا کسی کی خالہ ہوگی، تو جب تم اپنے لیے اس بات کو برداشت نہیں کر سکتے تو پھر دوسرے کی ماں بہن کے لیے کیسے گوارہ کرتے ہو؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ ایسے دل نشیں طریقے سے ہوتی تھی کہ سننے والا متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا تھا۔

خصائص کبریٰ میں یہ واقعہ بھی آتا ہے:

حضرت رفاعہؓ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپؐ نے انہیں اسلام کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا:

آسمان وزمین اور پہاڑ کس نے بنائے؟ انہوں نے کہا: ''اللہ نے۔''

پھر سوال کیا: ''تمہارا خالق کون ہے؟'' انہوں نے کہا: ''اللہ تعالیٰ۔''

پھر پوچھا: ''پتھر کو تراش کر بت کس نے بنایا؟'' انہوں نے کہا: ''ہم نے بنایا۔''

آپؐ نے فرمایا: ''تمہارے اقرار کے مطابق یہ بت مخلوق ہوئے، بس بتاؤ: خالق عبادت کے لائق ہے یا مخلوق؟ تعظیم وادب کا سزاوار مالک ہے یا مملوک؟'' پس اللہ ہی عبادت کا سزاوار ہے کیوں کہ وہی خالق ومالک ہے اور میں اسی کی طرف بلاتا ہوں۔''

یہ سنتے ہی وہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔

اس دنیا میں انسان جتنے بھی کام کرتا ہے، کوئی بھی کام خسارہ اور گھاٹا کے احتمال سے خالی نہیں ہوتا، کوئی بھی مشغلہ ایسا نہیں ہے جس کی کامیابی کی حتمی ضمانت دی جا سکتی ہو لیکن تبلیغ دین کا کام وہ کام ہے جس میں خسارہ اور گھاٹا کا سوال ہی نہیں پیدا ہوا، یہ وہ انوکھا کام ہے جس میں نفع ہی نفع ہے، کسی بھی حالت میں اس میں نقصان کی گنجائش نہیں ہوتی۔

مثلاً آپ کوئی مکان بنا رہے ہیں، دیوار بن کر تیار ہو گئی، اچانک سیلاب آ گیا، دیوار بہہ گئی،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اب آپ کا سارا سامان ضائع ہو جائے گا اور آپ کی دیوار اٹھانے تک کی محنت برباد ہو جائے گی۔

فرض کیجئے الیکشن کا دور ہے، آپ کسی امیدوار کی حمایت کر رہے ہیں، اس کے لیے سخت محنت کر رہے ہیں، بے انتہا دوڑ دھوپ کر رہے ہیں، اس کے لیے عوام سے ووٹ کی بھیک مانگ رہے ہیں اور اس کوشش میں آپ نے اپنی راتوں کی نیند حرام کر رکھی ہے لیکن جب الیکشن کا نتیجہ نکلتا ہے تو آپ کا پسندیدہ امیدوار ہار جاتا ہے، اب آپ کو اپنی ساری جدو جہد مٹی میں ملتی محسوس ہو گی اور آپ کی ساری کوششیں رائیگاں معلوم ہوں گی۔

ایک اور مثال لیجئے۔ آپ کو کہیں جانا ہے، آپ کی منزل یہاں سے سو قدم کے فاصلہ پر ہے، آپ صرف دس قدم چلے کسی وجہ سے آگے نہیں بڑھ سکے اور وہیں سے واپس ہو گئے تو آپ کو اپنی منزل نہیں ملے گی اور آپ کا یہ دس قدم چلنا بیکار ہو جائے گا۔

لیکن تبلیغ دین کا سفر وہ سفر ہے جس کا پہلا قدم بھی منزل ہے اور آخری قدم بھی منزل ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ ہم سے یہ نہیں فرماتا کہ ہم کسی کی اصلاح کر دیں، کسی کو بدل کر رکھ دیں، کسی بے نمازی کو نمازی بنا دیں، کسی جھوٹے سے اس کا جھوٹ، بدعہد سے اس کی بدعہدی، شراب خور سے اس کی شراب اور مشرک سے اس کی بت پرستی چھڑا دیں۔ یوں کہ یہ معاملہ تمام تر اللہ کے اختیار میں ہے۔

اللہ تعالیٰ صرف ہم سے مخلصانہ جدو جہد چاہتا ہے، کہ ہم اس کے دین کو دوسروں تک پہنچانے کے لیے انتھک جدو جہد کرتے رہیں۔

اس دنیا میں ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء بھیجے گئے انہوں نے دین حق کی تبلیغ کی۔ بعض انبیاء ایسے گذرے جن کے ماننے والے ہزاروں کی تعداد میں تھے، بعض کے ماننے والوں کی تعداد سو سے زیادہ تجاوز نہ کر سکی اور بعض تو ایسے بھی تھے جن کا ماننے والا ایک بھی نہیں پیدا ہوا۔ تو کیا وہ ناکام رہے؟

ہرگز نہیں، ناکام وہ انبیاء نہیں رہے بلکہ وہ لوگ رہے جنہوں نے ان کی دعوت کو ٹھکرا دیا تھا۔ انبیاء ہر حال میں کامیاب رہے اس لیے کہ اللہ نے ان کے ذمہ جو کام لگایا تھا، انہیں جو ذمہ داری سونپی تھی اس کو انہوں نے ادا کیا۔ باقی رہا ان کے پیغام کو قبول کر کے راہ راست پر آنا سو وہ اللہ کا کام تھا وہ جسے چاہے ہدایت دے جسے چاہے گمراہ کر دے۔

ہدایت اور گمراہی کسی انسان کے بس میں نہیں ہے یہ تمام تر اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہر خطبہ میں فرمایا کرتے تھے: مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ. ''اللہ جسے ہدایت دے دے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں۔'' وَ مَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ. ''اور جسے وہ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔''

اس لیے ہمارا کام ہدایت دینا نہیں، ہدایت کی طرف بلانا ہے، ہماری ذمہ داری برائیوں اور منکرات سے بچانا نہیں بلکہ ان سے بچانے کی کوشش کرنا ہے، بقیہ سارے اختیارات اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہیں۔

اس بات کو سمجھانے کے لیے میں پیکر صبر واستقامت حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا ایک دل سوز واقعہ آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو قرآن کے معاملے میں سخت ترین اذیتیں دی گئیں مگر اس صبر واستقامت کے مجسمہ کو حوصلہ شکن مصائب بھی راہِ حق سے نہ ہٹا سکے۔

وہ جیل خانے میں ڈال دیئے گئے، کافی عرصہ تک انہوں نے جیل کی زندگی بسر کی، ان کا معمول تھا کہ پنج وقتہ نماز وہ جیل کے کمرے میں ادا کرتے تھے، لیکن جب جمعہ کی نماز کا وقت ہوتا اور مسجد سے اذان کی آواز بلند ہوتی تو وہ مصلیٰ بغل میں دباتے اور جیل کے دروازے پر آکر وہیں نماز جمعہ ادا کرتے۔

ایک دن جیلر نے ان سے پوچھا:

''جناب! آپ پنج وقتہ نماز جیل میں پڑھتے ہیں، پھر نماز جمعہ ادا کرنے کے لیے آپ جیل کے پھاٹک پر کیوں جاتے ہیں، جبکہ آپ جانتے ہیں کہ جیل کے پھاٹک آپ کے لیے بند ہیں اور آپ مسجد نہیں پہنچ سکتے؟''

تو انہوں نے بڑا مومنانہ جواب دیا، فرمایا:

''ہاں میں پنج وقتہ نماز جیل میں پڑھتا ہوں مگر نماز جمعہ ادا کرنے کے لیے جیل کے پھاٹک پر اس لیے جاتا ہوں کہ میرا رب قرآن کی سورۂ جمعہ میں ارشاد فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ.

''اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لیے پکارا جائے تو اللہ کے ذکر یعنی نماز جمعہ کے لیے چلو''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تو اللہ نے ہمیں مسجد کی طرف چلنے اور بڑھنے کا حکم دیا ہے پہنچنے کا نہیں، اس لیے میں وہاں تک چلتا ہوں جہاں تک پہنچ پاتا ہوں اور جب دیکھتا ہوں کہ جیل کے پھاٹک میرے لیے بند ہیں تو وہیں جمعہ کی نماز ادا کر لیتا ہوں۔

یہی معاملہ تبلیغ دین کا بھی ہے۔

مان لیجئے، ایک غیر مسلم بھی اسلام قبول نہیں کرتا اور ہم دعوت دیتے دیتے دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں تو کیا ہم ناکام ہو گئے؟

ہم اللہ کے بندے ہیں۔ ہماری کامیابی اس میں ہے کہ اس کے حکم کی تعمیل کریں، ہم کو حکم ملا کہ ہم دین کو دوسروں تک پہنچائیں، ہم نے کما حقہٗ اس فریضہ کو ادا کیا، تو ہم کامیاب ہو گئے، ہمارا اجر کہیں نہیں گیا، ہم اللہ کی رضا اور اس کی جنت کے مستحق ہو گئے، نقصان ان لوگوں کا ہوا جنہوں نے حق کو قبول نہیں کیا۔

دھیان رہے کہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم، ان کی اصلاح و ہدایت ہمارے بس میں نہیں، اللہ کے ہاتھ میں ہے، ہمارا کام صرف کوشش کرنا ہے۔

تبلیغ دین کی کوششوں کے نتیجہ میں کوئی شخص بھی آگے نہ بڑھا تو بھی ہم ناکام نہیں ہوئے اگر اللہ تعالیٰ نے کچھ لوگوں کو قبولیت حق کی توفیق دی تو ان کے ایمان و عمل صالح سے بھری ہوئی زندگی کا اجر جس طرح انہیں ملے گا، اسی طرح ہمیں بھی ملے گا، مسلم کی روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ دَعَا اِلٰی هُدًی كَانَ لَهٗ مِنَ الْاَجْرِ مِثْلُ اُجُورِ مَنْ تَبِعَهٗ لَا يَنْقُصُ ذَالِكَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَيْئًا. ’’جو شخص ہدایت کی طرف بلائے تو جو لوگ اس کی پیروی کریں گے اسے ان سب لوگوں کے اجر کے برابر اجر ملے گا جو اس کی پیروی کریں، بغیر اس کے کہ ان کا اجر کم ہو۔‘‘

اللہ اکبر! کتنے عظیم نفع کا سودا ہے یہ، مبارک ہیں وہ لوگ جو یہ عظیم سودا کر سکیں۔

حضرات! ہم اپنی زندگی کے انتہائی نازک دور سے گذر رہے ہیں اور دنیا کی تمام قومیں مسلمانوں پر اس طرح ٹوٹ پڑی ہیں جیسے بھوکا آدمی دستر خوان پر ٹوٹ پڑتا ہے اور یہ سب ہمارے اس جرم کی سزا ہے کہ ہم اپنی زندگی کے اصلی مقصد یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ سے غافل ہو کر ذلیل ترین فرقہ بندی، مذہبی جھگڑوں، شیعہ سنی مباحثوں اور آمین اور رفع

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یدین کے مناظروں میں الجھے ہوئے ہیں۔

آیئے ہم اس بات کا عہد کریں کہ ہم اسلام کی خاطر ہر طرح کی قربانیاں پیش کریں گے۔ ہم اشاعت اسلام اور تبلیغ دین کا پورا حق ادا کریں گے۔ دین کو دوسروں تک پہنچانے میں کوئی بھی کوتاہی نہیں کریں گے۔

اس طرح اگر ہم دین کے مددگار بن گئے تو اللہ ہمارا مددگار ہوگا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی سورۂ محمد میں ارشاد فرمایا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ. ''اے ایمان والو! اگر تم نے اللہ کی (دین کی) مدد کی تو اللہ تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہارے قدموں کو مضبوط کر دے گا۔''

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق نصیب فرمائے اور اس راستے میں آنے والی دشواریوں کو آسان بنائے۔ آمین۔

وما علینا الا البلاغ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

موت وقیامت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدَانَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَا اَنْ هَدَانَا اللّٰهُ. اَمَّا بَعْدُ.

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

وَمَا هٰذِهِ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا اِلَّا لَهْوٌ وَّ لَعِبٌ، وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِیَ الْحَیَوَانُ ۔

سفر در پیش ہے غافل تجھے اس دارِ فانی سے — لگا دل کو نہ دنیا سے نہ عیش و کامرانی سے
چلے گا کام کب تک زور سے، زر سے، جوانی سے — کنارہ ایک دن کرنا پڑے گا زندگانی سے
سرائے دہر میں مہماں فقط تو رات بھر کا ہے — کمر باندھے ہوئے تیار رہ عالم سفر کا ہے
حقیقت میں جگہ دنیا نہیں ہے دل لگانے کی — وفا کرتی نہیں یہ بے وفا سارے زمانے کی
نہیں ٹلتی مقرر ہے جو ساعت موت آنے کی — جگہ اس میں نہیں دم مارنے کی لب ہلانے کی

نہیں خوفِ خزاں کب تک بہارِ زندگانی میں
کہاں تک شمع ہستی کی جلے گی بزم فانی میں

حضرات! اس حقیقت سے کون واقف نہیں کہ یہ دنیا اور دنیا کی زندگی چند روزہ ہے۔ انسان اس دنیا میں ایک مقررہ مدت کے لیے پیدا کیا جاتا ہے اور اپنی مقررہ مدت العمر گذار دینے کے بعد مر جاتا ہے۔

انسان کی دنیوی زندگی کی کیا حیثیت ہے؟ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۂ عنکبوت میں فرمایا: وَمَا هٰذِهِ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّ لَعِبٌ، وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِیَ الْحَیَوَانُ. ''اور یہ دنیا کی زندگی کچھ نہیں ہے مگر ایک کھیل اور دل کا بہلاوا، اصل زندگی کا گھر تو دار آخرت ہے۔''

اور سورۂ انعام میں فرمایا: وَمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ، وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَیْرٌ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ. ''اور دنیا کی زندگی تو ایک تماشہ ہے۔ حقیقت میں آخرت ہی کا مقام ان لوگوں کے لیے بہتر ہے جو پرہیز گار ہیں۔''

انسانی زندگی کا خاتمہ یعنی موت، قدرت کا وہ اٹل قانون ہے جس سے کوئی بھی مستثنیٰ نہیں، چاہے وہ نبی ہو یا رسول، ولی ہو یا قطب، شاہ ہو یا گدا، امیر ہو یا غریب، کالا ہو یا گورا، عربی ہو یا عجمی، آقا ہو یا غلام۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی سورۂ آل عمران میں ارشاد فرمایا: كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ. ''ہر متنفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔''

انسان کی یہ چلتی پھرتی اور ہنستی گاتی زندگی اللہ تعالیٰ کی امانت ہے۔ اور امانت کا مالک وہ نہیں ہوتا جس کے پاس امانت ہے بلکہ اس کا مالک وہ ہوتا ہے جس کی وہ چیز ہوتی ہے۔

مثلاً اگر میں لکھنے کے لیے کسی سے قلم مانگ لوں، تو وہ اگرچہ میرے ہاتھ میں ہوگا، چاہے میں اس سے ہندی لکھوں یا انگریزی، لیکن قلم کا مالک میں نہیں رہوں گا بلکہ وہ ہوگا جس کا قلم ہے۔ وہ جب چاہے گا قلم کو مجھ سے واپس لے لیگا۔ یہی حال زندگی کا بھی ہے۔

موطا امام مالک، جو کتب احادیث کا سب سے پہلا معتبر اور مستند مجموعہ ہے، میں ایک واقعہ آتا ہے:

کسی زمانے میں کوئی عالم دین تھے، اچانک ان کی بیوی کا انتقال ہو گیا۔

انہیں اپنی بیوی کی موت اور اس کی جدائی کا اس قدر قلق ہوا کہ وہ مارے غم کے نڈھال ہو گئے، انہوں نے خود کو اپنے مکان میں بند کر لیا، نہ وہ کسی سے ملاقات کرتے تھے، نہ کسی سے گفتگو کرتے تھے نہ ہی کسی کے آواز دینے پر گھر سے نکلتے تھے۔

ایک روز ایک عورت ان کے دروازے پر آئی، اس نے آواز دی مگر وہ نہیں نکلے، عورت نے کہا کہ میں ان سے ایک مسئلہ پوچھنا چاہتی ہوں، اگر وہ باہر نہ نکلے اور انہوں نے اس مسئلہ کا جواب نہیں دیا تو میں ان کی چوکھٹ سے نہیں ہٹوں گی چاہے میری جان چلی جائے۔

عالم مجبوراً باہر نکلے اور بولے ''پوچھ کیا پوچھنا چاہتی ہے؟''

اس نے کہا ''جناب! مجھے ایک عورت نے ایک قیمتی زیور بطور امانت دے دیا تھا لیکن آج بغیر کسی اطلاع کے اس نے وہ زیور مجھ سے واپس لے لیا، مجھے اس امانت کے ہاتھ سے نکل جانے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا اس قدر غم ہے کہ میں بدحواس ہو رہی ہوں، میں کیا کروں؟''

عالم نے کہا ''تو پاگل ہوئی ہے؟ جس کی امانت تھی وہ اپنی چیز واپس لے گئی تو تجھے اس قدر غم کرنے کیا حق ہے؟''

عورت نے ترکی بہ ترکی جواب دیا: ''آپ کی بیوی کی زندگی بھی تو اللہ تعالیٰ کی امانت تھی اور اس نے جب اپنی امانت واپس لے لی تو آپ کے لیے اس قدر غم کرنا کیوں کر درست ہو سکتا ہے؟''

جب یہ امانت واپس لے لی جاتی ہے تو زندگی موت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

ہم آئے دن اس زندہ حقیقت کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں کہ جو لوگ چیتھڑے پہن کر گزارہ کرتے ہیں موت انہیں بھی آتی ہے، جو عمدہ اور شاہانہ لباس پہن کر انتہائی ٹھاٹ باٹ کی زندگی گزارتے ہیں، موت انہیں بھی آتی ہے، جو لوگ فٹ پاتھوں پر لیٹ کر اپنی راتیں کاٹ دیتے ہیں موت انہیں بھی دبوچ لیتی ہے اور فرش مخمل پر اور شاندار محلوں میں سونے والوں کو بھی موت نہیں چھوڑتی۔ جو لوگ اپنے علاج کے لیے چند سکے بھی خرچ کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے موت انہیں بھی آتی ہے اور جو لوگ صحت و شفاء حاصل کرنے کے لیے تجوریوں کا منہ کھول دیتے ہیں، موت سے انہیں بھی چھٹکارا نہیں ملتا۔

ہوائی جہاز کے مسافر پر بھی موت اسی طرح قابو پا لیتی ہے جس طرح ایک پیدل چلنے والے پر، وہ عالیشان محلوں میں بھی اسی طرح فاتحانہ داخل ہوتی ہے جس طرح ایک معمولی مکان میں۔ جب موت کا وقت آجاتا ہے تو انسان کو نہ اس کی دولت بچا سکتی ہے نہ اس کی فوج۔ موت نہ مقیم کو دیکھتی ہے نہ مسافر کو۔

آجاتی ہے واں موت جہاں گھر نہیں ہوتا   بہتوں کو کفن تک بھی میسر نہیں ہوتا

انسان اپنی عظمت کا محل تعمیر کرتا ہے مگر موت کا طوفان اس کے بنائے ہوئے محل کو تنکوں کی طرح اڑا کر یہ سبق دیتا ہے کہ انسان کو اس دنیا میں کوئی قدرت حاصل نہیں۔

انسان موجودہ دنیا میں اپنی آرزوؤں کے باغ اگانا چاہتا ہے مگر موت اس کے منصوبوں کو برباد کر کے یہ سبق دیتی ہے کہ اپنے لیے دوسری دنیا تلاش کرو کیوں کہ موجودہ دنیا میں تمہاری آرزوؤں کی تکمیل ناممکن ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انسان زندگی چاہتا ہے مگر بہت جلد اس کو معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں موت اس کا استقبال کرنے کے لیے کھڑی ہوتی ہے عین اس وقت جب کہ وہ اپنی ترقی کے عروج پر پہنچ چکا ہوتا ہے، موت اس کے اور اس کی کامیابیوں کے درمیان حائل ہو جاتی ہے۔

انسان اپنے بچوں کے مستقبل کی خاطر اپنا سب کچھ لٹا دیتا ہے مگر اس سے پہلے کہ وہ اپنے بچوں کے مستقبل کو دیکھ کر خوش ہو، خود ہی اپنے مستقبل کی طرف ہانک دیا جاتا ہے۔

انسان کماتا ہے اور سمجھتا ہے کہ میں خود کو عزت و ترقی کی بلندیوں پر بٹھانے جا رہا ہوں مگر بہت جلد اس کو معلوم ہوتا ہے کہ آنے والا دن جس چیز کا انتظار کر رہا تھا وہ ایک سنسان قبر تھی نہ کہ عزت و ترقی کی رونقیں۔

آج پوری دنیا جد و جہد اور دوڑ دھوپ میں لگی ہوئی ہے اور یہ دوڑ دھوپ، کھانا، کپڑا، مکان، عزت، دولت اور دنیوی خوشیوں کے حصول کے لیے ہے۔ ہر شخص اپنی پوری طاقت اور صلاحیت بس انہی چیزوں کو پانے میں لگائے ہوئے ہے، سب کی توجہ انہی چیزوں کی طرف ہے، انہی کے ملنے سے لوگ خوش ہوتے ہیں اور انہی کے نہ ملنے سے ناخوش۔

مگر موت کا واقعہ بتاتا ہے کہ یہ خوشیاں موجودہ دنیا میں آدمی کے لیے مقدر نہیں۔ یہاں اگر کوئی شخص ان تمام چیزوں کو پالے تب بھی انہیں ایک مختصر اور عارضی مدت کے لیے پاتا ہے، پچیس سال کے بعد آدمی جب اپنی ترقیوں کے کنارے پہنچتا ہے، عین اس وقت موت آ جاتی ہے اور اس کی تمام ترقیوں کو باطل کر دیتی ہے۔

انسان اپنی پیدائش اور تقدیر کے معاملہ میں نہیں بلکہ اپنی موت کے معاملہ میں بھی اپنے خالق کے آگے بے بس ہے۔ وہ نہ اپنے اختیار سے پیدا ہو سکتا ہے نہ اپنے اختیار سے مر سکتا ہے اور نہ اپنی موت کو ایک لمحہ کے لیے ٹال سکتا ہے۔

جہاں، جس وقت اور جس حال میں بھی اس کی موت کا فیصلہ کر دیا گیا ہے، اسی جگہ، اسی وقت اور اسی حال میں وہ مر کر رہتا ہے اور جس نوعیت کی قبر اس کے لئے طے کر دی گئی ہے اسی نوعیت کی قبر میں ودیعت ہو جاتا ہے، خواہ وہ زمین کا پیٹ ہو یا سمندر، کسی دریا کی گہرائیاں ہوں یا آگ کا الاؤ یا کسی درندہ کا معدہ۔

انسان تو در کنار، ساری دنیا مل کر بھی اگر چاہے تو کسی شخص کے معاملے میں اللہ تعالیٰ کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس فیصلے کو رد نہیں کر سکتی۔ انسان کی موت اس کی مرضی پر موقوف نہیں ہے کہ یہ مرنا چاہے تو مرے اور مرنے سے بچنا چاہے یا انکار کر دے تو اس سے بچ جائے۔

بجلی، سائنس کی ایک حیرت انگیز ایجاد ہے۔ جب بجلی کے تاروں میں کرنٹ دوڑتا ہے تو بلب روشن ہو جاتا ہے اور جب کرنٹ آنا بند ہو جاتا ہے تو بلب بجھ جاتا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد جب تاروں میں کرنٹ واپس آ جاتا ہے تو بلب پھر جل جاتا ہے۔

لیکن جب زندگی کا بلب بجھ جاتا ہے تو پھر کوئی طاقت اسے جلا نہیں سکتی۔ پوری تاریخ انسانیت میں آج تک کوئی شخص کسی کی زندگی کے بجھے ہوئے بلب کو روشن نہیں کر سکا۔

ہر انسان کی موت کا ایک وقت مقرر ہے مگر کسی کو یہ پتہ نہیں کہ وہ کب، کہاں اور کس حالت میں مرے گا؟ یا کون سا حادثہ اس کی موت کا سبب بنے گا؟

ایک واقعہ:

کہا جاتا ہے کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے اندر اس بات کی بڑی تڑپ تھی کہ ان کا انتقال مدینہ میں ہو اور یہیں ان کی قبر بنے۔

ایک بار انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا، اسی حالت میں انہوں نے آپ سے پوچھا: ''یا رسول اللہ! میں کب اور کہاں مروں گا؟''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا داہنا ہاتھ اٹھا کر اپنی پانچوں انگلیوں کو دکھایا اور خواب ختم ہو گیا۔

صبح اٹھتے ہی وہ اور زیادہ پریشان ہو گئے، انہوں نے سوچا کہ میری موت کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ کا اشارہ فرمایا ہے۔ یہ بات میرے لیے ناقابل فہم ہے۔ پتہ نہیں میں پانچ دن میں مروں گا یا پانچ ہفتے میں؟ پانچ ماہ کے بعد میری موت آئے گی یا پانچ سال کے بعد میری وفات ہونے والی ہے۔

اس وقت مدینہ میں ایک بزرگ محدث تھے جو خواب کی تعبیر بتایا کرتے تھے۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک آدمی کو ان کے پاس اس خواب کی تعبیر جاننے کے لیے بھیجا اور یہ تاکید کر دی کہ ان سے میرا نام مت بتانا۔

آدمی نے جب محدث کے سامنے اس خواب کو رکھا تو انہوں نے کہا: ''اس زمانے میں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس سرزمین پر، اس طرح کا خواب سوائے امام مالک (رحمۃ اللہ علیہ) کے کوئی نہیں دیکھ سکتا۔"

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے بھیجے ہوئے آدمی نے اس کی تصدیق کی کہ ہاں، یہ خواب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ہی نے دیکھا ہے اور انہوں نے ہی مجھے اس کی تعبیر جاننے کے لیے آپ کے پاس بھیجا ہے۔

محدث نے کہا کہ ویسے تو علم غیب اللہ کے پاس ہے مگر مجھے یقین ہے کہ جب امام مالک نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی موت کے وقت اور مقام کے بارے میں پوچھا تو آپ نے جو پانچ انگلیوں کا اشارہ فرمایا تھا وہ دراصل قرآن پاک کی سورہ لقمان کی آیت کی طرف اشارہ کیا تھا جس میں پانچ باتوں کا ذکر ہے:

اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ۔ "اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے۔"

وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ۔ "اور وہی بارش نازل فرماتا ہے۔"

وَيَعْلَمُ مَافِي الْاَرْحَامِ۔ "اور وہی جانتا ہے کہ ماؤں کے رحم میں کیا پرورش پا رہا ہے؟"

وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا۔ "اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کمائے گا؟"

وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ۔ "اور کسی بھی متنفس کو پتہ نہیں کہ وہ کب اور کہاں مرے گا؟"

گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اشارہ سے یہ بات واضح فرمائی ہے کہ موت کی مقررہ گھڑی اور اس کے مقام سے کوئی واقف نہیں ہو سکتا یہ بالکلیہ طور پر اللہ تعالیٰ ہی کے علم و اختیار میں ہے۔

چنانچہ لاکھوں کے قاتل ہٹلر کو اس بات کا نہیں علم تھا کہ ایک دن اسے اپنی محبوبہ سمیت خودکشی کرنی پڑے گی؟

قارون یہ نہیں جانتا تھا کہ ایک دن وہ خزانے سمیت زمین میں دھنسا دیا جائے گا؟

فرعون اس بات سے قطعاً ناواقف تھا کہ ایک دن وہ موسیٰ اور ان کی قوم کو ڈبونے کے بجائے خود ہی دریا میں غرق کر دیا جائے گا؟

ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم گرا کر اس خطۂ ارض کو جہنم کا نمونہ بنانے والوں کو یہ نہیں معلوم تھا کہ ایک دن انہیں اسپتال کے بستر پر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر جان دینی پڑے گی؟

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسٹر سنجے گاندھی کو کیا خبر تھی کہ وزارت عظمٰی کی چوکھٹ پر پہنچتے ہی ۳۴ سال کی عمر میں وہ اس طرح ہوائی حادثے کا شکار ہوں گے کہ ان کے جسم کے چیتھڑے اڑ جائیں گے؟

پاکستان کے مرد آہن، جنرل ضیاء الحق کو اس بات کا پتہ نہیں تھا کہ ایک دن ان کے فوجی ہوائی جہاز کے ساتھ ساتھ ان کے جسم کے بھی پرخچے اڑ جائیں گے اور ان کی شخصیت، ان کے جسم اور ان کے چہرے سے نہیں بلکہ ان کے دانتوں سے پہچانی جائے گی؟ سچ ہے ؎

آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں　　سامان سو برس کے ہیں پل کی خبر نہیں

موت کی یاد:

حدیث پاک میں اپنی موت کو یاد رکھنے کی بڑی تاکید آئی ہے۔ مثلاً ترمذی کی روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''موت کو زیادہ یاد کرو جو تمام لذتوں کو ختم کر دینے والی ہے۔''

مشکوٰۃ میں یہ روایت آئی ہے: ''جس طرح لوہے کو پانی لگنے سے اس پر زنگ لگ جاتا ہے اسی طرح دلوں کو بھی زنگ لگ جاتا ہے۔''

پوچھا گیا: دلوں کے زنگ کس طرح دور ہوں گے؟

فرمایا: ''اس طرح کہ آدمی کثرت کے ساتھ موت کو یاد کرے اور یہ کہ قرآن کی تلاوت (فہم وشعور کے ساتھ) زیادہ سے زیادہ کرے۔''

ترمذی میں ارشاد نبوی منقول ہے: ''ہوشیار اور دور اندیش وہ ہے جس نے اپنے نفس کو قابو میں کیا اور موت کے بعد آنے والی زندگی کے سنوارنے میں لگ گیا۔''

طبرانی میں روایت ہے: ''ہوشیار اور دور اندیش وہ ہے جو موت کو زیادہ یاد کرتا ہے اور اس کے لیے زیادہ سے زیادہ تیاری کرتا ہے۔''

احادیث میں نماز جنازہ میں شرکت کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے اور اس میں شریک ہونے والے کے لیے بے پناہ اجر و ثواب کا وعدہ کیا گیا ہے۔ مثلاً بخاری کی روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی نماز جنازہ میں شریک ہوتا ہے اور نماز ادا کر کے واپس آ جاتا ہے، اسے ایک قیراط کا ثواب ملتا ہے اور ہر قیراط احد پہاڑ کے برابر ہے اور جو شخص نماز جنازہ پڑھ کر اس کے کفن دفن میں بھی شریک ہوتا ہے وہ دو قیراط کا ثواب

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لے کر لوٹتا ہے۔"

آخر نماز جنازہ میں شریک ہونے کی اتنی فضیلت کیوں بیان کی گئی؟

اس کی وجوہات میں سے ایک اہم وجہ یہ ہے کہ انسان اپنی موت کو یاد کرے۔

جب وہ ایک میت کی نماز جنازہ ادا کرنے کے لیے صف میں کھڑا ہوتا ہے تو گویا اسے یہ سبق دیا جاتا ہے کہ یہ شخص ہماری ہی طرح دنیا میں زندہ تھا مگر آج دنیا چھوڑ چکا ہے۔ اس کی لاش کفن سے لپٹی ہے اور ہم اس کے جنازہ کی نماز ادا کر رہے ہیں، اسی طرح ایک دن ایسا آئے گا کہ ہماری لاش کفن میں لپٹی رہے گی اور دوسرے لوگ ہماری نماز جنازہ پڑھیں گے۔

جب ایک مردہ کو قبر میں لٹایا جاتا ہے تو گویا دیکھنے والوں کو اس بات کا احساس دلایا جاتا ہے کہ یہ شخص ہماری ہی طرح ہنستا بولتا تھا، کھاتا پیتا تھا، سوتا جاگتا تھا اور بال بچوں کے بیچ میں رہتا سہتا تھا، مگر یہ اپنے بیوی بچوں، دوست احباب، اعزہ واقارب اور پڑوسی اور محلہ والوں کو چھوڑ کر دنیا سے جا رہا ہے۔ اس کے پاس کچھ نہ ہو کر صرف وہی سرمایہ ہے جو اس نے اپنی آخرت کی نجات کے لیے جمع کیا تھا بقیہ تمام چیزوں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا ہے۔ جیسا کہ اکبر الہ آبادی نے کہا تھا۔

کہا احباب نے یہ دفن کے وقت — کہ ہم کیا قبر کے احوال جانیں
لحد تک آپ کی تعظیم کر دی — اب آگے آپ کے اعمال جانیں

موت کی تمنا:

اسلام نے اس بات کی ممانعت کی ہے کہ مسلمان اپنی موت کی تمنا کرے یا موت کے لیے اللہ سے دعا کرے، کیوں کہ عمر کوئی بری چیز نہیں ہے، مومن اس میں کچھ نہ کچھ خیر ہی کرے گا۔

بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تم میں سے کوئی شخص کسی مصیبت سے گھبرا کر ہرگز موت کی تمنا نہ کرے، اگر تکلیف اور پریشانی کی شدت ہو تو ان الفاظ میں دعا کرے:

اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِيْ مَا كَانَتِ الْحَيٰوةُ خَيْرًا لِّيْ وَتَوَفَّنِيْ مَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِّيْ.

"اے اللہ! مجھے اس وقت تک زندہ رکھ جب تک میرے لیے زندہ رہنے میں بھلائی ہو اور اگر موت ہی میرے لیے بہتر ہو تو مجھے موت دیدے۔"

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بخاری ہی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی شخص موت کی ہرگز تمنا نہ کرے، کیوں کہ وہ یا تو نیک ہے تو شاید نیکی زیادہ کرے اور یا بدکار ہے تو ممکن ہے بدی سے باز آجائے اور اللہ کی خوشنودی کا طالب بن جائے۔''

بخاری میں حضرت قیس بن حازم کا بیان منقول ہے: ''ہم لوگ حضرت خباب کی بیمار پرسی کے لیے گئے، انہوں نے بیماری کی وجہ سے اپنے جسم پر سات داغ لگوائے تھے۔ وہ کہنے لگے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں موت کی تمنا کرنے سے منع نہ فرماتے تو میں ضرور موت کی تمنا کرتا۔''

مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''موت کے آنے سے پہلے تم میں سے کوئی شخص ہرگز موت کی تمنا اور دعا نہ کرے۔ اس لیے کہ جب انسان مر جاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے اور انسان کی عمر خیر ہی کو بڑھاتی ہے۔''

بیہقی کی روایت کے مطابق حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان منقول ہے: ''تم موت کی تمنا نہ کیا کرو، اس لیے کہ بلاشبہ آنے والی دہشت بہت سخت ہے اور عمر کی درازی بندے کے لیے نیک بختی کی علامت ہے، ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی طرف رجوع اور توبہ میں خلوص دے۔''

احمد کی روایت کے مطابق حضرت ام فضل کہتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز اپنے چچا حضرت عباس کی عیادت کو تشریف لائے، آپ کی موجودگی میں انہوں نے موت کی تمنا کی، آپ نے فرمایا:

''اے چچا! موت کی تمنا نہ کرو اس لیے کہ اگر تمہیں مہلت دے دی جائے اور تم گنہ گار ہو تو تم گناہ سے توبہ کر سکتے ہو اور وہ معاف ہو جائیں تو تمہارے لیے بہتر ہے۔''

انسان مر کر فرصت نہیں پا جاتا بلکہ اسے ایک دن اپنے پروردگار کے حضور اپنی پوری زندگی کے حساب و کتاب کے لیے پیش ہونا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۂ مومنون میں فرمایا:

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ. ''کیا تم نے یہ سمجھ لیا ہے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ ہم نے تمہیں بے کار پیدا کر دیا ہے اور تم دوبارہ ہمارے پاس نہیں لوٹائے جاؤ گے؟''

عالم برزخ اور قبر:

انسان مر کر دوبارہ اٹھایا جائے گا لیکن اس کی موت اور اس کے دوبارہ اٹھائے جانے کے درمیان بھی ایک طویل وقفہ ہوتا ہے جسے برزخ کہتے ہیں، جیسا کہ قرآن کی سورۂ مومنون میں ارشاد ہوا:

وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ. ''ان سب (مرنے والوں) کے پیچھے ایک برزخ حائل ہے دوسری زندگی تک۔''

برزخ فارسی لفظ پردہ کا معرب ہے۔ چوں کہ یہ قیامت تک دنیا اور آخرت کے درمیان حد فاصل ہے اس لیے اسے برزخ کہا جاتا ہے۔

قرآن مجید میں عالم برزخ کے حالات اور اس کے عذاب کا نقشہ مختلف مقامات پر کھینچا گیا ہے:

مثلاً سورۂ مومن میں ایک جگہ فرعون اور آل فرعون کے بارے میں فرمایا گیا:

اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّ عَشِيًّا ۚ وَ يَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۫ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ. ''وہ لوگ (برزخ میں) صبح و شام آگ کے سامنے لائے جاتے ہیں اور جس روز قیامت قائم ہوگی، حکم دیا جائے گا کہ آل فرعون کو سخت عذاب میں داخل کرو۔''

اس آیت نے منکرین حدیث کے اس غلط دعویٰ کی جڑ کاٹ دی کہ ''عالم برزخ بالکل عدم محض کا عالم ہے جس میں کوئی شعور و احساس نہ ہوگا اور نہ ہی کسی قسم کا عذاب و ثواب ہوگا۔''

جہاں تک قبر میں عذاب کا سوال ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اس پر صراحۃً دلالت کرتی ہیں۔ مثلاً ترمذی میں روایت ہے: ''قبر جنت کے باغات میں سے ایک باغ یا جہنم کے گڈھوں میں سے ایک گڈھا ہے۔''

ترمذی ہی میں یہ روایت بھی آتی ہے: ''قبر میں کافر کو ڈسنے اور کاٹنے کے لیے ننانوے ایسے سانپ مقرر کر دیے جاتے ہیں کہ اگر ان میں سے کوئی سانپ زمین پر پھنکار مار دے تو اس پر کوئی سبزی نہ اگے۔''

بخاری کی روایت کے مطابق، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازوں میں درود شریف

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے بعد جو دعا سکھائی ہے اس میں عذاب قبر سے بھی خدا کی پناہ مانگی گئی ہے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ...الخ ''اے اللہ! میں عذاب قبر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔''

ترمذی اور ابوداؤد میں عذاب قبر پوری تفصیل کے ساتھ یوں مذکور ہے: ''جب مردہ قبر میں دفنایا جاتا ہے تو دو فرشتے (منکر نکیر) ڈراؤنی شکل، کالے رنگ اور نیلی آنکھوں والے، اس کے پاس آتے ہیں اور جان پہنا کر اسے بٹھا دیتے ہیں پھر سوال کرتے ہیں۔

مَنْ رَّبُّکَ؟ ''تیرا رب کون ہے؟''

مومن کہتا ہے: رَبِّیَ اللّٰهُ. ''میرا رب اللہ ہے۔'' اور کافر کہتا ہے: هَا هَا لَا اَدْرِیْ. ''ہائے افسوس میں نہیں جانتا۔''

دوسرا سوال ہوتا ہے: مَا دِیْنُکَ؟ ''تیرا دین کیا ہے؟''

اس کے جواب میں مومن کہتا ہے: دِیْنِیَ الْاِسْلَامُ. ''میرا دین اسلام ہے۔'' لیکن کافر پہلے ہی کی طرح کہتا ہے: ''ہائے افسوس میں تو نہیں جانتا۔''

اس کے بعد تیسرا سوال یوں کرتے ہیں: مَنْ نَبِیُّکَ؟ ''تیرا نبی کون ہے؟''

مومن جواب دیتا ہے: نَبِیِّ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ. ''میرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔'' اور کافر کہتا ہے: ''ہائے افسوس میں نہیں جانتا۔''

پھر مومن کے لیے اس کی قبر کشادہ کر دی جاتی ہے، اس کے لیے جنت کا بچھونا بچھا دیا جاتا ہے اور جنتی لباس پہنا دیا جاتا ہے اور جنت کی کھڑکی کھول دی جاتی ہے جس سے قیامت تک جنت کی خوشبو اور ہوا پہنچتی رہے گی، پھر کہا جاتا ہے، سو جا۔

مومن کہتا ہے کہ میں اپنے اہل و عیل کے پاس چلا جاؤں اور ان کو اس آرام و آسائش کی خبر دے دوں۔

فرشتے جواب دیتے ہیں: ''یہیں سو جا، ایسی دولہن کی طرح جس کو اس کے محبوب کے سوا کوئی جگا نہیں سکتا۔''

پھر وہ اسی عیش و عشرت میں سو جاتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے گا۔''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن کافر کے لیے اس کی قبر تنگ اور اندھیری کر دی جاتی ہے۔ اس کے لیے جہنم کا بچھونا بچھا دیا جاتا ہے، اسے آگ ہی کا لباس پہنا دیا جاتا ہے، ایک دروازہ جہنم کی طرف کھول دیا جاتا ہے جس سے اس کی گرمی اور حرارت پہنچتی رہتی ہے۔ اس کی قبر تنگ ہو کر اسے اس طرح دباتی ہے کہ دونوں پسلیاں باہم مل جاتی ہیں، عذاب کے فرشتے جن کے پاس لوہے کا ایسا ہتھوڑا ہوتا ہے کہ اگر اسے پہاڑ پر مار دیا جائے تو وہ ریزہ ریزہ ہو جائے، اسی ہتھوڑے سے اسے مارتے ہیں جس کی آواز انسان اور جنات کے سوا ہر مخلوق سنتی ہے۔"

بخاری میں روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جب قبر کے بارے میں پوچھا تو آپؐ نے فرمایا: "ہاں عذاب قبر برحق ہے۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز میں قبر کے عذاب سے اللہ کی پناہ مانگا کرتے تھے۔

ترمذی میں حدیث ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے جو اس سے نجات پا گیا اس کے لیے بعد کی منزلیں آسان ہیں اور جس نے اس سے نجات نہیں پائی تو اس کے لیے اس کے بعد کی منزلیں بہت زیادہ سخت ہیں۔"

یہ بھی فرمایا: "میں نے قبر سے زیادہ گھبراہٹ کا کوئی مقام نہیں دیکھا۔"

ابوداؤد میں صحابہ کرامؓ کا یہ بیان منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی میت کے دفن سے فارغ ہوتے تو اس کی قبر کے پاس ٹھہرتے اور فرماتے:

"اپنے بھائی کے لیے مغفرت کی دعا کرو اور اس کی ثابت قدمی کے لیے اللہ سے سوال کرو، کیوں کہ اس وقت اس سے سوال کیا جا رہا ہے۔"

بخاری کی روایت کے مطابق ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور قبر کے عذاب اور فتنہ کا ذکر کیا تو تمام مسلمان چیخ پڑے۔

طبرانی میں حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "اے عمر! اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب کہ لوگ تمہیں قبر میں رکھ کر اور مٹی ڈال کر واپس چلے آئیں گے، پھر تمہارے پاس قبر کے ممتحن (منکر نکیر) آئیں گے جن کی آواز سخت گرج کی ہوگی اور جن کی آنکھیں اچک لینے والی بجلی کی طرح ہوں گی، وہ تمہیں ہلا ڈالیں گے اور تم سے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حاکمانہ گفتگو کریں گے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''یارسول اللہ! کیا اس وقت ہماری عقلیں ہمارے ساتھ ہوں گی؟''

آپؐ نے فرمایا: ''ہاں، اس وقت تمہاری عقلیں تمہارے ساتھ ہوں گی جیسے آج ہیں۔''

انسان کی فطرت اس بات کا مطالبہ کرتی ہے کہ انسان جب کوئی اچھا کام کرے تو اسے اس کا اچھا صلہ ضرور ملے اور کوئی شخص کوئی برا کام کرے تو اسے اس کی برائی کی بھی سزا ضرور ملے۔ مثلاً

ایک بس کہیں جارہی ہے جس میں لوگ ٹھسا ٹھس بھرے ہوئے ہیں، اس میں تل رکھنے کی گنجائش نہیں ہے، اسی بس میں ایک اسی سالہ بڑھیا کھڑی ہے، اسے بیٹھنے کی جگہ نہیں مل سکی، وہ چلتی ہوئی بس میں ہچکولے کھا کر ادھر ادھر جھول رہی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اب گری کہ تب گری۔ بڑھیا کی اس حالت زار پر ترس کھا کر ایک مسافر اپنی سیٹ چھوڑ دیتا ہے اور بڑھیا کو اس پر بٹھا دیتا ہے، جب لوگ اس کے اس ایثار کو دیکھتے ہیں تو اسے سیٹ پر جگہ دینے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں، کیوں کہ ایک مجبور کے لیے اس کی اس نیکی کے متعلق ہر شخص چاہتا ہے کہ اسے اس کا اچھا بدلہ ضرور ملے۔

اسی بس میں ایک شخص اپنی نوجوان اور خوبصورت بیوی کے ساتھ سفر کررہا ہے، ایک لفنگا بس ہی میں اس عورت کے ساتھ دست درازی شروع کردیتا ہے، اب لوگ اس کی اس حرکت پر لسے پیٹنے لگتے ہیں اور جو مارنے میں شریک نہیں ہوتے وہ بھی چاہتے ہیں کہ اسے ضرور مارا جائے کیوں کہ اس نے بہت بڑی غلطی کی تھی۔

لیکن جہاں تک جزا وسزا کا سوال ہے، اس دنیا کے امکانات اتنے محدود ہیں کہ کسی کو اس کے اچھے کاموں کا پورے طور پر بہترین بدلہ اور اس کے گناہوں کی بھرپور سزا دی ہی نہیں جاسکتی۔

اس دنیا کی محدود زندگی اور اس کے امکانات سرے سے اس بات کی گنجائش ہی نہیں رکھتے کہ یہاں کسی کو اس کے کسب وکمائی کا بھرپور بدلہ مل سکے۔

مثلاً ایک شخص اپنی فتنہ پردازیوں سے نفرت کی ایسی آگ بھڑکاتا ہے، جس سے جنگ کے شعلے بھڑک اٹھتے ہیں اور اس جنگ کے نتیجہ میں لاکھوں افراد متاثر ہوتے ہیں اور اس کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھڑ کائی ہوئی جنگ کے اثرات سیکڑوں سال تک باقی رہتے ہیں۔ کیا کوئی ایسی بڑی جسمانی، روحانی اور مادی سزا بھی جو اس دنیا میں ممکن ہے، اس کے اس جرم کی منصفانہ سزا ہو سکتی ہو؟

اسی طرح ایک شخص ایسا ہے جو پوری زندگی انسانوں کی بھلائی اور ان کی فلاح کے لیے کام کرتا رہا ہو اور ہزاروں سال سے لوگ اس کی جدوجہد کے ثمرات سے فائدہ اٹھاتے چلے آرہے ہوں۔ کیا دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا انعام ایسے محسن شخص کے لیے کافی ہو سکتا ہے؟

۲۶/اگست ۱۹۷۸ء کو ہندوستان کی راجدھانی دہلی میں ایک بھیانک اور رونگٹے کھڑے کر دینے والا عجیب واقعہ ہوا۔

ایک فوجی افسر ایم. ایم. چوپڑہ کے دو بچوں سنجے اور گیتا، جن کی عمر بالترتیب ۱۵/ اور ۱۷/ سال تھی، کو دو مجرموں جسبیر سنگھ عرف بلا اور کلجیت سنگھ عرف رنگا نے انتہائی بے دردی کے ساتھ بے قصور قتل کر دیا۔

آخر کار یہ دونوں آگرہ، ریلوے اسٹیشن کے پاس گرفتار کر لیے گئے۔

دونوں پر مقدمہ چلا اور ایک لمبی عدالتی کاروائی کے بعد ایڈیشنل سیشن جج ایم. کے. چاولہ نے دونوں کو پھانسی کی سزا دے دی۔ آخر کار مختلف قانونی مراحل سے گذرنے کے بعد دونوں کو ۳۱/جنوری ۱۹۸۲ء کو دہلی کے تہاڑ جیل میں پھانسی دے دی گئی۔

ہندوستان ٹائمنز ۱۰/فروری ۱۹۸۲ء کے مطابق جج نے اپنے پانچ صفحات کے فیصلے میں دونوں کے لیے موت کا حکم دیتے ہوئے لکھا:

''انصاف کے مقاصد صرف اسی وقت حاصل ہو سکتے ہیں جب دونوں مجرم ہمیشہ کی نیند سلا دیے جائیں تاکہ دوسروں کو امن کے ساتھ جینے کا موقع ملے۔''

جج کے اس فیصلے پر غور کیجیے کہ انسان کا بنایا ہوا جزا و سزا کا قانون کس قدر محدود ہے؟

انسان کے بنائے ہوئے قانون میں صرف یہ ہے کہ مجرم کو دنیا سے ہمیشہ کے لیے ختم کر دے مگر وہ مجرم کو اس کے جرم کی حقیقی سزا نہیں دے سکتا۔

ایک خونخوار قاتل جب کسی معصوم جان کو ناحق ذبح کر دے تو یہ اتنا بڑا گناہ ہے کہ موجودہ محدود دنیا کی کوئی بھی سزا اس کے اس جرم کے برابر نہیں ہو سکتی۔ دنیا میں اس کی سزا بس یہی ہو سکتی ہے کہ اسے موت کی سزا دے کر پھانسی پر چڑھا دیا جائے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

موجودہ دنیا کی محدودیت یہ تقاضہ کرتی ہے کہ اس کے بعد ایک لامحدود دنیا آئے جہاں یہ کمی پوری ہو۔ یہاں صرف یہ نہ ہو کہ ظالم کو مظلوم کے قتل کے بدلے موت کی سزا دے دی جائے، بلکہ ظالم کو اس کے بھیانک ظلم کی ایسی سزا دی جاسکے جو انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے والی ہو۔

جرمنی کے ڈکٹیٹر ہٹلر نے ایک ایسی جنگ چھیڑی تھی جس کے نتیجہ میں تقریباً تین کروڑ انسان ہلاک ہوئے۔ اس طرح کروڑوں بچے یتیم و بے سہارا ہوکر دردر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہوگئے۔ اور اس سے بھی زیادہ تعداد میں عورتیں بیوہ ہوکر پیٹ کی آگ بجھانے کے لیے اپنے جسموں کو دوسروں کے حوالے کرنے پر تیار ہوگئیں۔ کیا کوئی بھی حکومت ہٹلر کو اس کے اس بدترین جرم کی سزا دے سکتی ہے؟

زیادہ سے زیادہ یہ ہوسکتا ہے کہ ہٹلر کو گولی مار کر ختم کردیا جائے، حالاں کہ اگر اسے تین کروڑ بار زندہ کرکے اتنی ہی بار گولی ماردی جائے (جو اگرچہ ناممکن ہے) تب بھی اس کی سزا مکمل نہیں ہوسکتی۔

پھر یہ معاملہ فرعون، نمرود، ہٹلر، چنگیز خان اور اسٹالن جیسے مجرموں ہی کا نہیں ہے، حقیقت یہ ہے کہ ایک معمولی آدمی جب کوئی جرم کرتا ہے تو اس جرم کے اثرات اتنے وسیع ہوتے ہیں کہ نہ کوئی دنیاوی عدالت اس کے سارے پہلوؤں کی تحقیق کرسکتی ہے اور نہ کوئی قانون اسے اس جرم کی پوری سزا دے سکتا ہے۔

اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ آدمی کوئی جرم کرتا ہے مگر وہ گرفتاری اور سزا سے بچا رہتا ہے اور اس جرم کی سزا پائے بغیر مرجاتا ہے۔ یہی معاملہ انعام کا بھی ہے۔

ایک شخص انتہائی ایمانداری کے ساتھ اپنی محنت اور قوت بازو سے مال کمائے اور مال دار ہونے کے باوجود بخیل نہ بنے بلکہ اس دولت کو اللہ کے حکم کے مطابق اس کے دین کی ترویج و اشاعت میں اور اس کے محتاج بندوں پر خرچ کرے، کیا اس کو دنیا میں اس کے اس حسن عمل کا انعام دینا ممکن ہے؟

ایک شخص کو حکومت ملے، مگر وہ حکومت پانے کے باوجود متکبر نہ بنے، وہ اپنے اقتدار کو دولت جمع کرنے، قیمتی کاریں خریدنے، عمدہ مکانات تعمیر کرنے، نوکروں کی فوج رکھنے، شان و

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شوکت کی زندگی بسر کرنے، اپنے مخالفوں کو برباد کرنے، اپنے حریف کو زیر کرنے اور غریبوں کا خون سوچنے کا ذریعہ نہ بنائے، بلکہ خود کو عام انسانوں کی طرح ایک انسان سمجھے اور اپنے اقتدار کو خدمت خلق کا ذریعہ بنائے تو کیا اس کو اس دنیا میں اس کے عمل کا پورا بدلہ دیا جا سکتا ہے؟

ایک شخص علم میں کمال پیدا کرے اور اس علم کو انسانیت کی تعمیر میں لگائے، کیا اس کو اس خدمت کا پورا معاوضہ دنیا میں دیا جا سکتا ہے؟

یہی نہیں بلکہ ایک چھوٹے سے نیک عمل کا انعام دینا بھی اس دنیا کے محدود حالات میں ممکن نہیں ہے، کیوں کہ جس طرح ایک برا عمل بے شمار طریقوں سے انسان کے لیے مصیبت بنتا ہے، اسی طرح ایک نیک عمل بے شمار طریقوں سے انسانیت کے لیے خیر و فلاح کا سبب بنتا ہے۔

شیخ عطاء الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ نے دہلی کی عظیم درسگاہ مدرسہ رحمانیہ کی آبیاری کی، پوری زندگی اس کے تمام اخراجات کی کفالت کی، مدرسہ کے طلباء کو انہوں نے اپنے بچوں کی طرح مانا اور مدرسین کے ساتھ ہمیشہ عزت و محبت سے پیش آتے رہے۔

آج مدرسہ رحمانیہ موجود نہیں ہے، شیخ عطاء الرحمٰن اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں مگر مدرسہ کے فارغین کے ذریعہ رحمانیہ کا فیض براہِ راست اور بالواسطہ طور پر آج بھی جاری ہے اور تا قیامت اس کے فیوض و برکات سے قوم مستفید ہوتی رہے گی۔ کیا شیخ عطاء الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کے اس عظیم صدقۂ جاریہ کا پورا صلہ اس دنیا میں دیا جا سکتا ہے؟

عمل و جزا کے مسئلہ کو اس پہلو سے دیکھنے کے بعد ہر شخص کو یقین ہو جائے گا کہ جزا و سزا کے لیے دوسرا عالم درکار ہے، جہاں دنیا کے تمام انسان جمع ہوں، حساب لینے کے لیے ایک خدائے علیم و بصیر انصاف کی کرسی پر موجود ہو اور اپنے کسب و کمائی کا پورا بدلہ پانے کے لیے انسان کے پاس کبھی ختم نہ ہونے والی زندگی ہو اور اس کے گرد و پیش جزا و سزا کے بیشمار امکانات موجود ہوں۔

اکثر یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ ایک شخص نیکی کرتا ہے مگر اس دنیا میں اس کو کوئی فائدہ نہیں ملتا بلکہ الٹا اس کا نقصان ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک شخص برائی کرتا ہے مگر اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا، بلکہ وہ الٹا مزے کرتا ہے۔ اس قسم کے واقعات کو دیکھ کر بھی عقل مطالبہ کرتی ہے کہ کہیں نہ کہیں نیک آدمی کو اس کی نیکی کا، اور برے آدمی کو اس کی برائی کا پھل ملنا چاہیے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو دن حساب، کتاب اور جزا و سزا کے لیے مقرر ہے وہ قیامت کا دن ہے۔

علاماتِ قیامت:

قیامت آنے سے پہلے اس کی کھلی علامتیں ظاہر ہوں گی، جو احادیث رسولؐ کے مطابق یہ ہیں۔

دنیا میں عام طور پر عیسائیوں کا زور ہوگا، ظلم و بے انصافی کا دور ہوگا، انصاف جاتا رہے گا، لوگوں میں سرکشی، زنا اور فواحش کی کثرت ہوگی اور شرم و حیا باقی نہیں رہے گی، والدین کی نافرمانی اور امانت میں خیانت ہوگی، گانے اور بجانے کے سامان بہت زیادہ ہوں گے، نادان اور بے علم لوگ قوم کے امام اور پیشوا ہوں گے، چرواہے اور مفلس لوگ مالدار ہو کر اونچی عمارتیں بنوائیں گے اور ان پر فخر کریں گے، زکوٰۃ کو تاوان سمجھا جائے گا، عورتیں مردوں کے دوش بدوش ہر کام میں دخل دیں گی، مرد کم ہو جائیں گے اور عورتیں اس قدر زیادہ ہوں گی کہ ہر پچاس پر ایک ہی مرد حاکم بنے گا، بدعات کو فروغ ہوگا، مسجدوں کا ادب جاتا رہے گا، اس میں شور و غل ہوں گے، ظالموں اور غنڈوں کی ان کے ڈر کی وجہ سے عزت ہونے لگے گی اور رذیل لوگ قوم کے سردار ہو جائیں گے۔

مسلم شریف کی روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''آخری زمانے میں بڑے بڑے جھوٹے اور مکار پیدا ہوں گے جو تمہیں وہ باتیں سنائیں گے جو نہ کبھی تم نے سنی ہوں گی اور نہ تمہارے باپ دادا نے، تم ان سے بچنا اور انہیں اپنے سے بچانا کہیں وہ تمہیں گمراہ کر کے فتنہ میں نہ ڈال دیں۔''

یعنی یہ لوگ جھوٹی باتیں کریں گے، نئے نئے احکام جاری کریں گے اور غلط عقیدے ایجاد کر لیں گے۔ اس قسم کے لوگوں میں سے بہت سے گذر چکے ہیں، جن میں سے ایک مرزا غلام احمد قادیانی تھا، جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مردہ بتایا، ختم نبوت سے انکار کیا اور خود نبوت کا دعویٰ کر بیٹھا۔ اس کے علاوہ اور بہت سی خرافات مشہور ہیں۔

ملت اسلامیہ کا ایک بہت بڑا فتنہ یہ ہے کہ جو کوئی باطل جماعت فاسد اور غلط عقائد لے کر کھڑی ہوتی ہے تو اس کے ہمنوا ان غلط عقائد کو قرآن اور حدیث سے ثابت کرنے لگتے ہیں۔

چنانچہ آج کمیونزم قرآن سے ثابت کیا جا رہا ہے اور موجودہ جمہوریت کو اسلامی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جمہوریت کی طرح بتایا جارہا ہے۔

مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ قرب قیامت کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دوزخیوں کے دو گروہ پیدا ہونے والے ہیں جن کو میں نے نہیں دیکھا (کیوں کہ وہ ابھی پیدا نہیں ہوئے) ایک گروہ تو ایسا ہوگا جس کے افراد بیل کی دم کی طرح کوڑے لیے پھریں گے اور ان سے لوگوں کو مارا کریں گے، دوسرا گروہ ایسی عورتوں کا ہوگا جو کپڑے پہننے کے باوجود ننگی ہوں گی، غیر مردوں کو اپنی طرف مائل کریں گی اور خود بھی ان کی طرف مائل ہوں گی، ان کے سر اونٹوں کی جھکی ہوئی پشتوں کی طرح ہوں گے، وہ نہ جنت میں جائیں گی اور نہ اس کی خوشبو سونگھ پائیں گی، حالاں کہ بلاشبہ جنت کی خوشبو دور دور سے آتی ہے۔''

اس حدیث میں دو پیشین گوئیوں کا ذکر ہے۔ ایک ظالم گروہ کے بارے میں جو کوڑے لیے پھریں گے اور لوگوں کو ان سے پیٹا کریں گے۔ یعنی اقتدار کے نشہ میں ضعیفوں اور بیکسوں پر ظلم کریں گے اور بلاوجہ عام لوگوں کو ستائیں گے۔

دوسری پیشین گوئی عورتوں کے بارے میں ہے کہ وہ کپڑے پہنے ہوئے ہوں گی لیکن پھر بھی ننگی ہوں گی کیوں کہ ان کے پہننے سے جسم چھپانے کا کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا۔ یا تو وہ باریک ہوگا جس سے پورے جسم کا اندرونی حصہ دکھائی دے گا، یا تو باریک نہ ہوگا مگر چست ہونے اور بدن کی ساخت پر کس جانے کی وجہ سے اس کا پہننا نہ پہننے کے برابر ہوگا۔

اور آج کل تو چست ہونے کے ساتھ کپڑے کا بدن کے ہم رنگ ہونا بھی فیشن میں داخل ہو چکا ہے۔

چنانچہ موجودہ دور میں گندمی رنگ کے ایسے موزے داخل لباس ہو چکے ہیں جن سے پیر سے اوپر کا حصہ پنڈلیوں پر کھال کی طرح چپکا ہوتا ہے۔

بدن پر کپڑا ہونے کے باوجود ننگا ہونے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ بدن پر صرف تھوڑا سا کپڑا ہو اور اس کا زیادہ حصہ خصوصاً وہ اعضاء کھلے رہیں جن کو باحیا عورتیں غیر مردوں سے چھپاتی ہیں، جیسا کہ آج کل شہروں میں ایسے لباس پہننے کا رواج ہے کہ پیٹ کھلا رہتا ہے، پنڈلیاں ننگی ہوتی ہیں اور سر بھی دوپٹہ سے خالی ہوتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا مطلب کہ یہ عورتیں غیر مردوں کو اپنی طرف

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مائل کریں گی اور ان کی طرف خود مائل ہوں گی، یہ ہے کہ ننگا ہونے کا رواج مفلسی کی وجہ سے نہ ہوگا بلکہ ان کی نیت ہوگی مردوں کو اپنا بدن دکھانا اور ان کا دل لبھانا۔

بیہقی میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری زمانہ کے متعلق فرمایا

''عنقریب لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ اسلام کا صرف نام باقی رہ جائے گا اور قرآن کی صرف رسم باقی رہ جائے گی، ان کی مسجدیں نقش ونگار سے مزین ہوں گی اور ہدایت کے اعتبار سے ویران ہوں گی، ان کے علماء آسمان کے نیچے رہنے والوں میں سب سے زیادہ برے ہوں گے۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا مطلب ہے کہ اسلامی اعمال کے صرف نام باقی رہ جائیں گے، ان کی حقیقت باقی نہ رہے گی، جیسا کہ آج نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج وغیرہ کے صرف نام باقی ہیں، ان کی حقیقت، ان کی روح اور ان کی ادائیگی کے وہ طریقے اور کیفیتیں باقی نہیں ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں۔

قرآن مجید بھی صرف رسماً پڑھا جاتا ہے، اس کے الفاظ اور خوش الحانی کے ساتھ ان کی ادائیگی کا خیال تو ہے مگر اس کے معانی پر غور کرنا اور اس کی منع کی ہوئی چیزوں سے بچنا مسلمان کے تصور میں بھی نہیں رہا۔

مسجدیں زیب وزینت سے خوب آراستہ ہیں، دلکش غالیچے، دیدہ زیب فانوس اور آرام وراحت کی چیزیں مسجدوں میں موجود ہیں مگر وہ ہدایت سے خالی ہیں۔

مسجدوں میں دنیا کی باتیں، طعنے، غیبت، چغلی بے دھڑک ہوتی ہے۔

علماء کے بارے میں جو یہ فرمایا گیا کہ ''وہ آسمان کے نیچے رہنے والوں میں سب سے بدتر ہوں گے۔'' اس کا مطلب یہ ہے کہ علماء بگڑ جائیں گے اور رشد وہدایت کی باتیں چھوڑ دیں گے۔ دنیا میں فساد ہوگا اور پھر اس کی زد میں وہ بھی آجائیں گے۔

اور یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ علماء دنیاداروں، اقتدار پسندوں، حکمرانوں اور ظالموں کی مدد کریں گے اور اپنا مفاد حاصل کرنے کے لیے ان کی مرضی کے مطابق مسئلے بتائیں گے۔

ابوداؤد میں روایت ہے کہ مسجدوں کے بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''قیامت کی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ لوگ مسجدیں بنا کر فخر کریں گے۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کے مطابق، آج کل دل کو منتشر کرنے والے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جھاڑ فانوس، ہانڈیاں، دلفریب فرش، بیش بہا پردے اور دوسری زیب وزینت اور آرام و راحت کی چیزیں مسجدوں میں موجود ہیں۔ اور ان دنیاوی چیزوں نے مسجدوں میں سج کر اوقات نماز کے علاوہ مسجدوں کو مقفل کردینے پر مجبور کردیا ہے اور حفاظت کے لیے مستقل نگراں اور چوکیداروں کی ضرورت پڑتی ہے۔

مسجدیں ان دنیاوی چیزوں سے آباد ہیں مگر نمازیوں سے خالی ہیں۔ جو نمازی ہیں، وہ مسجدوں میں دنیاوی باتوں میں مشغول رہتے ہیں۔ مسجدوں میں نہ خشوع والی نماز ہے، نہ علمی مجلسیں، نہ دینی حلقے ہیں، نہ مخلصانہ تلاوت واذکار۔

حالاں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات خلفاء راشدین کے دور میں مسجدیں دین اور اس کی ترقی کے کاموں اور ان سے متعلق مشوروں کا مرکز تھیں۔

قیامت آنے سے پہلے دنیا میں غیر معمولی واقعات ظہور پذیر ہوں گے۔

بخاری کی روایت کے مطابق، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قیامت قائم نہ ہوگی جب تک تم اس سے پہلے دس علامتیں نہ دیکھ لو، دھواں، دجال، دابۃ الارض، سورج کا مغرب سے طلوع، عیسیٰ بن مریم کا نزول، یاجوج وماجوج کی یورش اور تین بڑے خسوف (زمین کا دھنسنا) ایک مشرق میں، دوسرا مغرب میں اور تیسرا جزیرۃ العرب میں، پھر سب سے آخر میں یمن سے ایک سخت آگ اٹھے گی جو لوگوں کو محشر کی طرف ہانکے گی۔''

ایک اور حدیث میں یاجوج وماجوج کی یورش کے بارے میں ارشادِ نبویؐ یوں منقول ہے:

''اس وقت قیامت اس قدر قریب ہوگی جیسے پورے پیٹوں کی حاملہ عورت کہ کہہ نہیں سکتے کہ وہ کب بچہ جن دے۔''

یہ ہے قرب قیامت پیدا ہونے والے حالات کا خلاصہ۔

قیامت کب آئے گی:

قیامت دو مرحلوں میں آئے گی۔ پہلی بار اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت اسرافیل علیہ السلام صور میں پھونک ماریں گے جس سے دنیا کے تمام انسان مرجائیں گے۔

پہلا صور کب پھونکا جائے گا یعنی قیامت کا پہلا مرحلہ کب واقع ہوگا؟

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے پاس نہیں ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ اعراف میں ارشاد فرمایا:

يَسْـئَـلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّي. ''لوگ پوچھتے ہیں کہ آخر وہ قیامت کی گھڑی کب آئے گی؟ کہو اس کا علم میرے رب ہی کے پاس ہے''

سورۂ لقمان میں فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ. ''بے شک اللہ کے پاس ہی قیامت کا علم ہے۔''

اور اس کے آنے کے وقت کو مخفی رکھنے کی وجہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ طٰہٰ میں یوں بیان فرمائی:

اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ م بِمَا تَسْعٰى. ''قیامت کی گھڑی ضرور آنے والی ہے، میں اس کا وقت مخفی رکھنا چاہتا ہوں تا کہ ہر متنفس اپنی سعی کے مطابق بدلہ پائے۔''

قیامت اچانک آئے گی جیسا اللہ تعالیٰ نے سورۂ انبیاء میں فرمایا:

بَلْ تَاْتِيْهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ. ''وہ بلا اچانک آئے گی اور انہیں اس طرح یک لخت دبوچ لے گی کہ وہ نہ اس کو دفع کر سکیں گے اور نہ ان کو لمحہ بھر مہلت ہی ملے گی۔''

بخاری شریف کی روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لوگ راستوں پر چل رہے ہوں گے، اپنے کاروبار میں مشغول ہوں گے، بازاروں میں خرید وفروخت میں لگے ہوں گے کہ قیامت آجائے گی۔''

کوئی بازار میں سودا خرید رہا ہوگا مگر اپنا سامان تھیلے میں نہ رکھ پایا ہوگا، کوئی اپنے جانور کو پانی پلانے کے لیے حوض بھر رہا ہوگا مگر وہ پانی نہ پلا سکے گا، کوئی کھانا کھانے بیٹھا ہوگا مگر لقمہ منہ تک پہنچانے کی مہلت اسے نہ مل سکے گی کہ قیامت آجائے گی۔''

قیامت کے آنے کے وقت پہلا صور پھونکتے ہی دنیا کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا، اس نظام کے درہم برہم ہونے کی صورت قرآن مجید میں کئی مقامات پر بیان کی گئی ہے۔ مثلاً سورۂ الحاقہ میں بتایا گیا:

فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ. وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَّاحِدَةً. فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ. ''پس جب صور میں ایک پھونک ماری جائیگی اور زمین اور پہاڑ اٹھا کر ایک ہی چوٹ میں توڑ دیے جائیں گے تو وہ واقعہ عظیم پیش آ جائیگا۔''

سورۂ واقعہ میں ارشاد ہوا: اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا. وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا. فَكَانَتْ هَبَاءً مُّنْبَثًّا. ''جس روز زمین جھنجھوڑ ڈالی جائے گی اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر غبار کی طرح اڑنے لگیں گے۔''

سورۂ زلزال میں فرمایا گیا: اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا. وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا. وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَالَهَا. ''جب کہ زمین پوری کی پوری ہلا دی جائے گی اور وہ اپنے پیٹ کے بوجھ کو نکال پھینکے گی اور انسان کہے گا یہ اس کو کیا ہو رہا ہے۔''

سورۂ تکویر میں بیان ہوا:

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ. ''جب سورج لپیٹ دیا جائے گا۔''

وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ. ''اور جب تارے بکھر جائیں گے۔''

وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ. ''اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے۔''

پہاڑ کے بارے میں سورۂ قارعہ میں بتایا گیا:

وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ. ''اور پہاڑ دھنے ہوئے اون کی طرح ہوں گے۔''

سورۂ نحل میں ارشاد ہوا۔

وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ. ''اور تو پہاڑوں کو دیکھتا ہے اور سمجھتا ہے کہ یہ اپنی جگہ سے جنبش نہ کریں گے حالاں کہ وہ بادلوں کی طرح اڑے اڑے پھریں گے۔''

اس وقت انسانی زندگی پر کیا گذرے گی؟ قرآن مجید میں مختلف مقامات پر اس کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ مثلاً سورۂ نمل میں ارشاد ہوا:

وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَاءَ اللّٰهُ، وَكُلٌّ اَتَوْهُ دَاخِرِيْنَ. ''اور جس دن صور میں پھونک ماری جائے گی تو زمین و آسمان میں جتنے ہیں سب گھبرا جائیں گے مگر جس کو اللہ چاہے اور سب کے سب اسی (خدا) کے سامنے دبے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جھکے رہیں گے۔''

سورۂ نازعات میں بیان ہوا:

يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ. تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ. قُلُوْبٌ يَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ. اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ. ''جس روز ہلا مارے گا زلزلے کا جھٹکا اور اس کے بعد دوسرا جھٹکا، اس دن دل کانپ رہے ہوں گے اور نگاہیں خوف زدہ ہوں گی۔''

سورۂ مزمل میں یوں کہا گیا:

فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا. ۨ السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌ بِهٖ. ''اگر تم نے پیغمبر کی بات نہیں مانی تو اس دن کی آفت سے کیسے بچو گے جو بچوں کو بوڑھا کردے گا اور جس کی شدت سے آسمان پھٹا پڑتا ہوگا۔''

سورۂ قارعہ میں فرمایا گیا:

يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ. ''اس دن لوگ بکھرے پروانوں کی طرح ہوں گے۔''

سورۂ حج میں اس کی ہولناکی یوں بیان ہوئی ہے:

يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَاهُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ. ''جس روز تم اسے دیکھو گے، حال یہ ہوگا کہ ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے بچے سے غافل ہو جائے گی اور ہر حاملہ کا حمل گر جائے گا اور لوگ تم کو مدہوش نظر آئیں گے، حالاں کہ وہ نشے میں نہ ہوں گے بلکہ اللہ کا عذاب ہی کچھ ایسا ہوگا۔''

یہ ہیں وہ ہولناک واقعات جو پہلا صور پھونکنے کے بعد پیش آئیں گے۔ اس کے بعد کیا ہوگا؟ اس کی تفصیل دوسری تقریر ''میدانِ حشر'' میں آئے گی۔ ان شاءاللہ۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میدانِ حشر

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَحْدَهٗ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَهٗ. اَمَّا بَعْدُ.

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْهِ. وَ اُمِّهٖ وَ اَبِیْهِ. وَصَاحِبَتِهٖ وَ بَنِیْهِ.

لِکُلِّ امْرِیٍٔ مِّنْهُمْ یَوْمَئِذٍ شَاْنٌ یُّغْنِیْهِ.

یقیناً آئے گا وہ دن کہ جب محشر بپا ہوگا
وہاں نہ باپ بیٹے کا نہ بیٹا باپ کا ہوگا

نہ ہمشیرہ برادر کی نہ زوجہ ہوگی شوہر کی
وہاں دہشت کے مارے بھائی سے بھائی جدا ہوگا

تپش ہوگی بہت سے ڈوب جائینگے پسینوں میں
سوا نیزے سے یہ سورج حرارت ڈالتا ہوگا

رہیگا آسماں باقی نہ سورج، چاند اور تارے
ستارے ٹوٹ جائینگے زمیں پر زلزلہ ہوگا

خدا بیٹھے گا جس دم عرش کی کرسی پہ محشر میں
وہ دن یوم سزا ہوگا وہ دن یومِ جزا ہوگا

کوئی جنت میں جائیگا کوئی دوزخ میں جائیگا
غرض ہر نیک اور بد کا برابر فیصلہ ہوگا

اگر اللہ نے محشر میں بخشی مجھ کو گویائی
وہاں میری زباں پر نغمۂ حمد و ثنا ہوگا

حضرات! قرآن مجید اس حقیقت کو واضح طور پر بیان کرتا ہے کہ انسان کی تخلیق کسی اتفاقی حادثہ کے نتیجے میں نہیں ہوئی ہے بلکہ وہ ایک واضح اور متعین مقصد کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ جیسا کہ خالق انسان نے سورۂ ذاریات میں فرمایا:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ. ''میں نے جنوں اور انسانوں کو محض اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں۔''

اس طرح انسان کوئی غیر ذمہ دار نہیں بلکہ ایک ذمہ دار ہستی ہے اور اپنے ہر کام اور اللہ کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طرف سے ملی ہوئی ہر نعمت کا اپنے رب کے سامنے جواب دہ ہے۔ اور موجودہ زندگی جس کی مقدار چند سالوں سے زیادہ نہیں ہوتی محض ایک سفر کا عارضی مرحلہ ہے۔

گذشتہ تحریر ''موت اور قیامت'' میں قیامت کے پہلے مرحلہ کے متعلق وضاحت کی گئی تھی، جب حضرت اسرافیلؑ کے صور میں پھونک مارتے ہی ساری دنیا ختم ہو جائے گی، کائنات کا نظام درہم برہم ہو جائے گا اور تمام انسانی آبادی موت کے گھاٹ اتار دی جائے گی۔

دنیا کے تمام انسانوں کے مر جانے کے چالیس سال بعد اللہ تعالیٰ ایک دوسرا عالم بنائے گا اور پوری کی پوری نسل انسانی کو جو حضرت آدم علیہ السلام سے قیامت تک زمین پر پیدا ہوئی تھی، بیک وقت دوبارہ زندہ کرے گا اور سب کو اکٹھا کر کے ان کا حساب و کتاب لے گا۔

جس دن تمام انسان اللہ کے یہاں زندگی کے حساب و کتاب کے لئے اکٹھا کئے جائیں گے، اسے حشر کہا جاتا ہے جس کے لغوی معنیٰ سمیٹنے اور اکٹھا کرنے کے ہیں۔

یہ دن پچاس ہزار برس کے برابر ہوگا، سورج سوا نیزہ کے فاصلہ پر آجائے گا۔ گرمی کی شدت کی وجہ سے لوگ اپنے اعمال کے حساب سے تلوؤں، ایڑیوں، ٹخنوں، گھٹنوں، کمر اور سینہ تک پسینے میں شرابور ہوں گے۔

یہ بہت ہولناک دن ہوگا لیکن مومن کے لیے بہت ہلکا اور مختصر ہوگا۔

اس دن انسان اپنی پوری زندگی کے پورے کارنامے کے ساتھ حاضر کیا جائے گا۔

جب بندے کے ہاتھ میں اس کا نامۂ اعمال دیا جائے گا (جس میں اس کی پوری زندگی کا کچا چٹھا درج ہوگا) تو وہ اپنی زندگی کے پورے ریکارڈ کو دیکھ کر پکار اٹھے گا:

''یہ کیسی کتاب ہے جس نے نہ چھوٹی بات چھوڑی نہ بڑی، سب کے سب کو اپنے اندر درج کر لیا۔''

اس طرح ہر شخص بہت جلد اپنی پوری زندگی کا حساب سمجھ لے گا۔ اللہ تعالیٰ اس وقت فرمائے گا:

اِقْرَاْ كِتٰبَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا۔ ''تو اپنے نامۂ اعمال کو پڑھ لے آج خود ہی تیرا نفس اپنے حساب کرنے کو کافی ہے۔''

مومن کو اس کا نامۂ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا اور کافروں کو ان کے پیٹھ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے پیچھے سے بائیں ہاتھ میں۔

نامۂ اعمال کو پانے کے بعد مومنین اور صالحین بہت خوش ہوں گے۔ وہ خود بھی اسے پڑھیں گے اور دوسروں کو بھی دکھائیں گے جیسا کہ قرآن مجید کی سورۂ الحاقہ میں فرمایا گیا:

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ فَیَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا کِتٰبِیَهْ. اِنِّیْ ظَنَنْتُ اَنِّیْ مُلٰقٍ حِسَابِیَهْ. ''اس وقت جس کا نامۂ اعمال اس کے سیدھے ہاتھ میں دیا جائے گا وہ کہے گا، لو دیکھو، پڑھو میرا نامۂ اعمال، میں سمجھتا تھا کہ مجھے ضرور اپنا حساب ملنے والا ہے۔''

لیکن کافر اپنے نامۂ اعمال کو پا کر بہت مایوس ہوں گے، واویلا مچائیں گے جیسا کہ قرآن مجید کی اسی سورۃ میں بیان کیا گیا ہے:

وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ فَیَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اُوْتَ کِتٰبِیَهْ. وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِیَهْ. یٰلَیْتَهَا کَانَتِ الْقَاضِیَةَ. مَآ اَغْنٰی عَنِّیْ مَالِیَهْ. هَلَکَ عَنِّیْ سُلْطٰنِیَهْ. ''اور جس کا نامۂ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ کہے گا، کاش میرا نامۂ اعمال مجھے نہ دیا گیا ہوتا اور میں نہ جانتا کہ میرا حساب کیا ہے، کاش میری وہی موت (جو دنیا میں آئی تھی) فیصلہ کن ہوتی، آج میرا مال میرے کچھ کام نہ آیا، میرا سارا اقتدار ختم ہو گیا۔''

جنہیں نامۂ اعمال داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا، ان سے ہلکا حساب لیا جائے گا۔ جیسا کہ قرآن پاک کی سورۂ انشقاق میں بتایا گیا:

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا. ''پھر جس کا نامۂ اعمال اس کے سیدھے ہاتھ میں دیا جائے گا اس سے آسان حساب لیا جائے گا۔''

یعنی اس سے سخت قسم کا حساب نہیں ہوگا، اس کے نامۂ اعمال میں اس کی برائیوں کے ساتھ اس کی نیکیاں بھی درج ہوں گی، مگر صرف یہ دیکھ کر کہ اس کی بھلائیوں کا پلڑا اس کی برائیوں سے بھاری ہے، اس کے قصوروں سے درگذر کر کے اسے معاف کر دیا جائے گا۔

ایسے خوش نصیب لوگوں کے بارے میں قرآن کی سورۂ احقاف میں بتایا گیا:

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَ نَتَجَاوَزُ عَنْ سَیِّاٰتِهِمْ. ''یہ وہ لوگ ہیں جن سے ہم ان کے بہتر اعمال قبول کریں گے اور ان کی برائیوں سے درگذر کریں گے۔''

قرآن اس حقیقت کو واضح طور پر بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سخت محاسبہ انہی لوگوں کا لے گا جو

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کے باغی اور نافرمان بن کر رہے، لیکن جنھوں نے اپنے رب سے وفاداری کی اور اس کے مطیع وفرماں بردار بن کر رہے ان سے حساب یسیر یعنی ہلکا حساب لیا جائے گا، ان کی خدمات کے مقابلے میں ان کی خطاؤں سے درگذر کیا جائے گا اور ان کے مجموعی طرز عمل کی بھلائی ملحوظ رکھ کر ان کی بہت سی کوتاہیوں سے صرف نظر کر لیا جائے گا۔

اس کی مزید وضاحت ابوداؤد کی اس حدیث سے ہوتی ہے:

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یارسول اللہ! میرے نزدیک قرآن کی سب سے زیادہ خوفناک آیت وہ ہے جس میں ارشاد ہوا ہے، مَنْ يَّعْمَلْ سُوْءً يُّجْزَ بِهٖ. ''جو شخص برائی کرے گا وہ اس کی سزا پائے گا۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''عائشہ! کیا تمھیں معلوم نہیں کہ اللہ کے مطیع وفرماں بردار بندے کو دنیا میں جو تکلیف پہنچتی ہے، حتیٰ کہ کوئی کانٹا بھی چبھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اس کے کسی نہ کسی قصور کی سزا قرار دے کر دنیا ہی میں اس کا حساب صاف کر دیتا ہے، آخرت میں تو جس سے محاسبہ ہوگا وہ سزا پا کر رہے گا۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: پھر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا مطلب کیا ہے،

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا. ''پس جس کا نامۂ اعمال اس کے سیدھے ہاتھ میں دیا جائے گا اس سے ہلکا حساب لیا جائے گا۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: ''اس سے مراد ہے پیشی، یعنی اس کی بھلائیوں کے ساتھ اس کی برائیاں بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوں گی، مگر جس سے باز پرس ہوئی وہ تو بس سمجھ لو کہ مارا گیا۔''

جہاں تک مومنین، صالحین کا سوال ہے حشر کی نازک گھڑی ان کے لیے ہولناک، پریشان کن اور تکلیف دہ نہ ہوگی، بلکہ ان پر اس وقت اطمینان کی ایک کیفیت طاری ہوگی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۂ انبیاء میں فرمایا:

لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَ تَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ. ''انتہائی گھبراہٹ کا وقت ان کو ذرا بھی پریشان نہ کرے گا اور ملائکہ بڑھ کر ان کو ہاتھوں ہاتھ لیں گے کہ یہ تمہارا وہی دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان پر سکون و اطمینان کی کیفیت کی وجہ یہ ہوگی کہ جو کچھ ہو رہا ہوگا، ان کی امیدوں اور توقعات کے مطابق ہو رہا ہوگا، ایمان وعمل کی جو پونجی وہ دنیا سے لے کر رخصت ہوئے تھے وہ اس وقت ان کی ڈھارس بندھائے گی اور خوف وحزن کے بجائے ان کے دلوں میں امید پیدا کرے گی کہ وہ عنقریب اپنی جد و جہد کا بہترین معاوضہ پانے والے ہیں۔ ایسے لوگوں کے بارے میں قرآن مجید کی سورۂ نحل میں بتایا گیا:

وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ. ''اور ایسے لوگ اس دن کے ہول سے محفوظ رہیں گے۔''

لیکن جنہیں نامۂ اعمال پیٹھ کے پیچھے سے ان کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، ایسے بد اعمالوں سے بہت سخت حساب ہوگا، جس کے لیے قرآن میں سُوْءَ الْحِسَابِ (بری طرح حساب لینے) کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔

اس دن کوئی کسی کا پرسان حال نہ ہوگا، ہر شخص کو اپنی پڑی ہوگی۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ اس دن حضرت ابراہیم علیہ السلام کہیں گے:

نَفْسِیْ نَفْسِیْ يَا رَبِّ لَا اَسْئَلُكَ الْيَوْمَ اِلَّا نَفْسِیْ. ''اے اللہ! آج میں تجھ سے صرف اپنے لیے سوال کرتا ہوں، اے اللہ! مجھے نجات دے، اے اللہ! میرے نفس کو بچالے۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فریاد کریں گے: ''خدایا! آج میں تجھ سے صرف اپنی نجات چاہتا ہوں، آج میں اپنی والدہ مریم کے بارے میں بھی تجھ سے کوئی سوال نہیں کرتا۔''

اس روز بیٹا باپ کی مدد کر سکے گا اور نہ باپ بیٹے کی مدد کر سکے گا۔ ہر ایک اپنے حال میں کچھ اس طرح گرفتار ہوگا کہ دوسرے کو پوچھنے تک کا ہوش نہ رہے گا کجا کہ اس کے ساتھ کسی قسم کی ہمدردی یا اس کی مدد کر سکے۔

قرآن مجید کی سورۂ عبس میں اللہ تعالیٰ نے اس ہولناک گھڑی کا نقشہ یوں کھینچا ہے:

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ. وَ اُمِّهٖ وَ اَبِيْهِ. وَ صَاحِبَتِهٖ وَ بَنِيْهِ. لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ. ''اس روز آدمی اپنے بھائی، اپنی ماں، اپنے باپ، اپنی بیوی اور اپنی اولاد سے بھاگے گا۔ ان میں سے ہر شخص پر اس دن ایسا وقت آپڑے گا کہ اسے اپنے سوا کسی کا ہوش نہ رہے گا۔''

یعنی وہ مصیبت کی گھڑی اتنی کٹھن ہوگی کہ انسان اپنے عزیزوں کو جو دنیا میں اسے بہت

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زیادہ پیارے تھے، مصیبت میں مبتلا دیکھ کر بجائے اس کے کہ ان کی مدد کرے، الٹا ان سے اس خوف سے بھاگے گا کہ کہیں یہ لوگ اسے مدد کے لیے نہ پکار بیٹھیں۔

اور بھاگنے کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دنیا کی زندگی میں یہ لوگ اللہ کے خوف سے بے پرواہ اور آخرت کی فکر سے غافل ہو کر ایک دوسرے کی خاطر گناہ میں ملوث رہے اور ایک دوسرے کو گمراہ کرتے رہے، اس کے برے نتائج سامنے آتے دیکھ کر ان میں سے ہر ایک دوسرے سے بھاگے گا کہ کہیں وہ اپنی گمراہیوں اور گنہ گاریوں کی ذمہ داری ان پر نہ ڈالنے لگے، اولاد کو والدین سے، والدین کو اولاد سے، بھائی کو بھائی سے، شوہر کو بیوی سے اور بیوی کو شوہر سے خطرہ ہوگا کہ کہیں یہ لوگ ہمارے خلاف گواہی نہ دینے لگیں۔

قرآن مجید کی سورۂ مومنون میں ارشاد ہوا:

فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ. ''اس وقت ان کے درمیان کوئی رشتہ نہ رہے گا اور نہ وہ ایک دوسرے کو پوچھیں گے۔''

اس کا مطلب یہ نہیں کہ باپ، باپ نہ رہے گا اور بیٹا، بیٹا نہ رہے گا بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس وقت نہ بیٹا باپ کے کام آئے گا اور نہ باپ بیٹے کی مدد کر سکے گا، ہر شخص کچھ اس طرح پریشان، سراسیمہ اور اپنی مصیبت میں گرفتار ہوگا کہ دوسرے کو پوچھنے تک کا ہوش نہ ہوگا چہ جائے کہ کوئی کسی کی مدد کے لیے دوڑے۔

قرآن مجید میں دوسرے مقامات پر بھی مصیبت کی اس گھڑی کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔

مثلاً سورۂ معارج میں ارشاد ہوا:

لَا يَسْئَلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا. ''کوئی جگری دوست اپنے دوست کو نہ پوچھے گا۔''

اسی سورۃ میں دوسری جگہ فرمایا گیا:

يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِىْ مِنْ عَذَابِ يَوْمَئِذٍ م بِبَنِيْهِ. وَصَاحِبَتِهٖ وَ اَخِيْهِ. وَ فَصِيْلَتِهِ الَّتِىْ تُؤْيْهِ. وَ مَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ يُنْجِيْهِ. ''اس روز مجرم کا جی چاہے گا کہ اپنی اولاد اور بیوی، بھائی اور اپنی حمایت کرنے والے کنبے اور دنیا بھر کے سب لوگوں کو فدیے میں دیدے اور اپنے کو عذاب سے بچا لے۔''

حشر کے دن کوئی شخص کسی دوسرے کے گناہ کو اپنے اوپر نہیں لے گا اور نہ کوئی کسی کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تکلیف بٹائے گا، سب ایک دوسرے سے پیٹھ پھیر لیں گے، چاہے ماں ہو، باپ ہو، اولاد ہو، اعزہ واقارب ہوں یا دوست احباب ہوں۔

حدیث میں ہے کہ پڑوسی، پڑوسی کے پیچھے پڑ جائے گا، کافر مومن کے پیچھے لگ جائے گا اور جو احسان اس نے دنیا میں کیے تھے اسے یاد دلا کر کہے گا کہ آج میں محتاج ہوں، مومن اس کی سفارش کرے گا، کافر جہنم سے تو چھٹکارا نہیں پا سکتا مگر ممکن ہے اس کا عذاب قدرے کم ہو جائے۔

باپ اپنے بیٹے پر کئے ہوئے احسان جتا کر کہے گا کہ تو رائی کے دانہ کے برابر اپنی نیکیوں سے مجھے دے دے، وہ کہے گا کہ جو مصیبت آپ پر ہے وہی مجھ پر بھی ہے، میں کچھ نہیں دے سکتا ۔اسی طرح بیوی بھی شوہر سے معذرت کرے گی۔

اس حقیقت کو قرآن مجید کی سورۂ فاطر میں یوں بیان کیا گیا ہے:

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰی حِمْلِهَا لَا یُحْمَلْ مِنْهُ شَیْءٌ وَّلَوْ کَانَ ذَا قُرْبٰی "اور کوئی کسی کے گناہ کا بوجھ نہ اٹھائے گا اور اگر کوئی (گناہوں میں) دبا ہوا اپنے بوجھ کی طرف بلائے گا تو اس سے کچھ (لے کر) ہلکا نہ کیا جائے گا چاہے قرابت دار ہی کیوں نہ ہو"

حساب وکتاب کی اس گھڑی میں انسان کے لئے نہ تو فرار کی کوئی گنجائش ہوگی اور نہ ہی اس بات کا امکان ہوگا کہ وہ اپنے گناہوں کو چھپا لے یا بہانہ بازی سے ٹال لے جائے۔

اس روز آدمی کے ہاتھ، پاؤں اور جسم کے دوسرے اعضا اس کے خلاف گواہی دیں گے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی سورۂ یٰسین میں ارشاد فرمایا:

اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰی اَفْوَاهِهِمْ وَتُکَلِّمُنَا اَیْدِیْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ "اس روز ہم ان کے منہ پر مہر لگا دیں گے۔اور جو کچھ وہ دنیا میں کر رہے تھے ان کی بابت ان کے ہاتھ ہم سے بولیں گے اور پیر گواہی دیں گے۔"

ترمذی کی روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَزُوْلُ قَدَمَا ابْنِ آدَمَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ حَتّٰی یُسْئَلَ عَنْ خَمْسٍ. "قیامت کے دن ابن آدم کے قدم اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتے جب تک وہ پانچ سوالوں کا جواب نہ دیدے۔"

عَنْ عُمُرِهٖ فِیْمَا اَفْنَاهُ اس کی عمر کے بارے میں کہ کہاں گزاری؟

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَعَنْ شَبَابِهٖ فِيْمَا اَبْلَاهُ اوراس کی جوانی کے متعلق کہ اسے کس میں ختم کی؟

وَعَنْ مَالِهٖ مِنْ اَيْنَ اكْتَسَبَهٗ، اوراس کے مال کے بارے میں کہ کہاں سے کمایا؟

وَفِيْمَا اَنْفَقَهٗ اوراسے کہاں کہاں خرچ کیا؟

وَمَاذَا عَمِلَ فِيْمَا عَلِمَ اوراپنے علم کے مطابق کیا عمل کیا؟

پہلا سوال عمر کے متعلق ہوگا۔

یعنی جتنی عمر آدمی کی ہوگی، سن شعور سے لے کر موت تک کے ہر سال، ہر ماہ، ہر ہفتہ، ہر دن، ہر گھنٹہ اور ہر منٹ کے گذارنے سے متعلق سوال ہوگا کہ کہاں گذارا؟ اور کس طرح گذارا؟

دوسرا سوال جوانی کے بارے میں ہوگا۔

جوانی کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ کس چیز میں پرانی کی؟

جس طرح لباس استعمال کرنے سے پرانا ہو جاتا ہے اور پھر پھٹ جاتا ہے، ایسے ہی جوانی بھی ایک طرح کا قیمتی اور خوب صورت لباس ہے۔ اس کے متعلق بتانا پڑے گا کہ اسے کیسے پرانا کیا؟

جوانی مستانی گذاری؟ عیش وعشرت، لہو ولعب، نفسانی خواہشات، کھیل کود، سیر وتماشہ، رقص وسرور، گانے بجانے اور سینما ہالوں اور نائٹ کلبوں کے حیا سوز مناظر دیکھنے میں بسر کی؟ کیا یہ جوانی نفس امّارہ کے تابع رہی؟ فحاشی اور حیا سوزی کے اشارہ پر ناچتی رہی؟ پینے پلانے میں گذری؟ غیر عورتوں اور حسیناؤں پر فدا رہی؟ یا خوف خدا کے سایہ میں لرزاں اور ترساں رہی اور گناہوں سے متنفر اور کتاب وسنت کے احکام کی پابند رہی؟ پھر مال کے بارے میں سوال ہوگا کہ کہاں سے کمایا تھا؟ کن کن ذرائع سے حاصل کیا تھا، وہ ذرائع حلال تھے یا حرام، محنت ومشقت، مزدوری، صنعت وحرفت، دستکاری، ملازمت اور تجارت سے حاصل کیا تھا یا دھوکہ، فریب، جھوٹ، بددیانتی، رشوت، سودی کاروبار اور لوٹ کھسوٹ سے جمع کیا تھا؟

یعنی دنیا میں تو کسب حلال کا پابند تھا یا آزاد اور کسب حرام کا شوقین؟

پھر سوال ہوگا، مال کو کہاں کہاں خرچ کیا تھا؟

مساجد کی تعمیر، مذہبی اداروں، فلاح عامہ کے کاموں، تبلیغ دین، کتاب وسنت کے احکام کی اشاعت، شرک و بدعات کے استیصال، محتاجوں، مسکینوں، بیواؤں، یتیموں، ناداروں،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مقروضوں اور حاجت مندوں پر خرچ کیا تھا، یا شادی بیاہ کی بے جا رسومات، باجوں گاجوں، دوسروں کو مٹانے اور ذلیل کرنے کے منصوبوں اور تدبیروں پر خرچ کیا تھا؟

یعنی پائی پائی کے مصرف کے متعلق سوال ہوگا کہ وہ شرعی تھا یا غیر شرعی؟

پھر عالم سے اس کے علم کے متعلق سوال ہوگا کہ تو نے علم کے مطابق عمل کیا یا نہیں؟ اگر علم پر عمل کیا ہوگا تو وہ علم ذریعۂ نجات بنے گا اور اگر عمل نہ کیا ہوگا تو وہ بربادی اور سزا کا سبب بن جائے گا۔

علم پر اگر عمل کیا ہوگا تو وہ یار و مددگار ہوگا اور اگر محض دکھاوے یا دنیا کمانے کے لیے اسے حاصل کیا ہوگا تو وہ سانپ ثابت ہوگا۔

میزان:

حشر میں جب لوگوں کے حساب و کتاب کے لیے اللہ تعالیٰ کی عدالت قائم ہوگی تو اس میں فیصلہ اس بنیاد پر ہوگا کہ بندہ اعمال کی جو پونجی لے کر آیا ہے وہ وزنی ہے یا بے وزن؟

یا اس کی نیکیوں کا وزن اس کی برائیوں کے وزن سے زیادہ ہے یا کم؟

جن لوگوں کے نیک اعمال کا وزن ان کے برے اعمال کے مقابلہ میں زیادہ بھاری ہوں گے انہی لوگوں کے لیے نجات ہے اور دوسری قسم کے لوگوں کے لیے عذاب ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی سورۂ قارعہ میں فرمایا:

فَـامَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ. وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُمُّهٗ هَـاوِيَةٌ. وَمَـآ اَدْرٰىكَ مَـاهِيَهْ. نَارٌ حَامِيَةٌ. ''پس جس کے پلڑے بھاری ہوں گے تو وہ دل پسند عیش میں ہوگا اور جس کے پلڑے ہلکے ہوں گے اس کی جائے قرار گہری کھائی ہوگی اور تمہیں کیا خبر وہ کیا چیز ہے، بھڑکتی ہوئی آگ۔''

اس روز اعمال کو تولنے کے لیے میزان رکھا جائے گا۔ جیسا کہ قرآن کی سورۂ انبیاء میں بتایا گیا:

وَنَـضَـعُ الْـمَـوَازِيْـنَ الْـقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ۭ وَاِنْ كَانَ مِثْـقَـالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَـرْدَلٍ اَتَيْنَابِهَا ۭ ''اور قیامت کے دن ہم ٹھیک تولنے والے ترازو رکھ دیں گے، پھر کسی پر ذرہ برابر ظلم نہ ہوگا۔ جس کا رائی کے ذرہ کے برابر کیا دھرا ہوگا، ہم سامنے لے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آئیں گے۔"

سورۂ اعراف میں یوں فرمایا گیا:

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذٍ ۔ الْحَقُّ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ. وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ. "اور وزن اس روز عین حق ہوگا، پس جن کے پلڑے بھاری ہوں گے وہی فلاح پائیں گے اور جن کے پلڑے ہلکے رہیں گے وہی اپنے آپ کو خسارہ میں مبتلا کرنے والے ہوں گے۔"

یہ میزان کیا ہے؟ اس کی نوعیت کیا ہوگی؟ وہ کس شکل کی اور کس طرح کی ہوگی؟ اس میں اعمال کس طرح تولے جائیں گے؟ ہمارے لیے اس کا ٹھیک ٹھیک سمجھنا بہت مشکل ہے۔

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اس میں بعینہ اعمال تولے جائیں گے، چاہے وہ زبان سے نکلنے والے کلمات ہوں یا دوسرے کام۔

اگرچہ یہ ساری چیزیں بظاہر تولی جانے والی نہیں ہیں لیکن اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور اس کی قدرت سے یہ بعید نہیں ہے کہ وہ ایسی ترازو قائم کردے کہ جو پلک جھپکتے ہی پوری زندگی کے کارناموں (نیک و بد) کو صحیح وزن کرکے بتادے۔

بعضوں کا کہنا ہے کہ اعمال کے صحیفے تولے جائیں گے، بعضے اس بات کے قائل ہیں کہ مومنین کے اچھے کام اچھی شکلوں میں اور برے کام بری شکلوں میں حاضر کئے جائیں گے اور انہی مجسموں کو تولا جائے گا۔

بعضوں نے کہا ہے کہ خود صاحب عمل آدمی تولا جائے گا۔

بہرحال ان میں سے جو چیز بھی تولی جائے اس سے نیک و بد کا صحیح وزن کرنے کے لیے جو چیز استعمال ہوگی وہ ترازو سے زیادہ مشابہ ہوگی۔

یا اس سے یہ بات بتانی ہے کہ جس طرح ترازو کے دو پلڑے صحیح صحیح وزن بتادیتے ہیں اسی طرح حشر کے دن اللہ تعالیٰ کی قائم کی ہوئی میزان عدل انسان کا کارنامہ زندگی جانچ کرکے بےکم و کاست یہ بتادے گی کہ اس میں نیکی کا پہلو غالب ہے یا بدی کا؟

نیکی و بدی:

جزا و سزا کے سلسلے میں یہ حقیقت بھی سمجھ لینی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ہر چھوٹی سے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چھوٹی نیکی بھی اپنا وزن اور اپنی قیمت رکھتی ہے اور ہر چھوٹی سے چھوٹی برائی بھی حساب میں آنے والی چیز ہے، یونہی نظر انداز کر دینے والی چیز نہیں۔

اس لیے کسی نیکی کو چھوٹی سمجھ کر اسے چھوڑنا نہیں چاہئے اور نہ کسی برائی کو چھوٹا سمجھ کر نظر انداز کرنا چاہیے، کیوں کہ چھوٹی چھوٹی نیکیاں زیادہ ہو کر اللہ کے یہاں ایک بڑی نیکی بن سکتی ہیں اور چھوٹی چھوٹی برائیاں گناہوں کا انبار بن سکتی ہیں۔

احادیث میں متعدد جگہ اس کی صراحت آئی ہے مثلاً

بخاری و مسلم میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دوزخ کی آگ سے بچو خواہ کھجور کا ایک ٹکڑا دے کر یا کسی کو اچھی بات کہنے کے ذریعہ ہو۔''

بخاری میں روایت ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے مسلمان عورتو! کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کے یہاں کوئی چیز بھیجنے کو حقیر نہ سمجھے چاہے وہ بکری کا ایک کھر ہی کیوں نہ ہو۔''

اسی حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد منقول ہے: ''کسی کام کو حقیر نہ سمجھو چاہے وہ کسی پانی مانگنے والے کے برتن میں ایک ڈول ڈال دینا ہو یا یہی نیکی کہ تم اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے ملو۔''

نسائی کی روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو نصیحت کی: ''اے عائشہ! ان گناہوں سے بچی رہنا جن کو چھوٹا سمجھا جاتا ہے۔ کیوں کہ اللہ کے یہاں ان کی بھی پوچھ گچھ ہونی ہے۔''

مسند احمد میں روایت ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''خبردار چھوٹے چھوٹے گناہوں سے بچے رہنا، کیوں کہ وہ سب آدمیوں پر جمع ہو جائیں گے یہاں تک کہ اسے ہلاک کر دیں گے۔''

نیکی اور بدی کے معاملے میں یہ بات بھی واضح رہے کہ اللہ کے یہاں برائی کا بدلہ برائی کے برابر ملے گا۔

یعنی انسان نے جتنی بدی کی ہے اسے اتنی ہی سزا دی جائے گی، ایسا نہ ہوگا کہ جرم سے ذرہ برابر بھی زیادہ سزا دی جائے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

البتہ نیکیوں کو ان کی نیکی سے زیادہ اجر ملے گا، یعنی جتنی نیکی اس نے کی ہے اس سے زیادہ اسے انعام دیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۂ نمل میں ارشاد فرمایا: مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ خَيْرٌ مِّنْهَا. ''جو شخص بھلائی لے کر آئے گا اسے اس سے زیادہ بہتر صلہ ملے گا۔''

شفاعت:

آخرت میں اس بات کا فیصلہ کرنا کہ کس نے دنیا میں خدا کی دی ہوئی نعمتوں کو ایک فرض شناس بندے کی حیثیت سے اس کی مرضی کے مطابق استعمال کیا ہے اور اس کے حکم کے مطابق زندگی بسر کی ہے، اس لیے وہ نجات اور جنت کا مستحق ہے، اور کس نے اس کی دی ہوئی نعمتوں کا غلط استعمال کیا ہے اور اس کی نافرمانی کی ہے اس لیے وہ جہنم کا مستحق ہے، تمام تر اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہوگا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۂ حج میں ارشاد فرمایا۔

اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ. ''بادشاہی اس دن اللہ کی ہوگی وہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کرے گا۔''

اور جس پہلو سے بھی دیکھا جائے یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی سارے جہان کا حاکم و مالک ہے اس لیے یہ ناممکن ہے کہ حشر کے دن فیصلوں کا اختیار دوسرے کے ہاتھ میں ہو۔

چوں کہ اللہ تعالیٰ ہی علیم و بصیر ہے۔ یعنی ازل سے ابد تک کی ہر بات سے وہ براہ راست بالکلیہ طور پر واقف ہے۔ دنیا میں کس نے کیا کمایا؟ کیا پلان بنایا؟ اس کے ارادے کیا تھے؟ دن کی مصروف گھڑیاں کس طرح گذاریں؟ اور رات کی تاریکی میں کیا کیا؟ ان ساری باتوں سے وہی واقف ہے اس لیے صحیح فیصلوں تک پہنچنے میں وہ قطعاً کسی کی رائے اور مشورہ کا محتاج نہیں ہوسکتا۔

اللہ تعالیٰ عادل بھی ہے۔ اس لیے یہ ناممکن ہے کہ وہ دوسروں کی سفارش پر ان کو بھی بخش دے جو ایمان اور عمل صالح سے خالی ہوں اور اصولاً اس قابل نہ ہوں کہ انہیں بخشا جائے۔ کیوں کہ جو لوگ ناقابل معافی ہوں انہیں دوسروں کی سفارش پر بخش دینا انصاف نہیں بلکہ بے انصافی ہوگی۔

الغرض جس حیثیت سے بھی دیکھا جائے، اس خوش گمانی کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آخرت میں نجات وبخشش ایمان وعمل صالح پر نہیں بلکہ بعض بزرگ ہستیوں پر منحصر ہے اوراس روز وہ خدا کے فیصلے پر اثر انداز ہوکر لازماً بخشوالیں گے خواہ قانون جزاوسزا اس کے بخشے جانے کے حق میں نہ ہو۔

قرآن مجید اس قسم کے باطل نظریہ کی سختی سے تردید کرتا ہے اور صراحت کے ساتھ بتاتا ہے کہ وہاں اس قسم کی کوئی سفارش کام نہ آسکے گی۔ کام آسکنا کیا سرے سے اس قسم کی سفارش ہو ہی نہ سکے گی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۂ بقرہ میں ارشاد فرمایا:

مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا بَیْعٌ فِیْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ. ''اس دن کے آنے سے پہلے جس دن نہ کوئی لین دین ہوگا نہ کوئی دوستی ہوگی نہ کوئی سفارش ہوگی۔''

حقیقت یہ ہے کہ حشر کے دن کسی کو دم مارنے کی جرأت تک نہ ہوگی چہ جائیکہ کوئی شخص بطور خود اپنی زبان کھول سکے۔ قرآن کی سورۂ بقرہ میں فرمایا گیا:

مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ. ''کون ہے جو اس کی جناب میں اس کی اجازت کے بغیر شفاعت کرسکے۔ جو کچھ بندوں کے سامنے ہے اسے بھی وہ جانتا ہے اور جو کچھ ان سے اوجھل ہے اس سے بھی واقف ہے اور اس کی معلومات میں سے کوئی چیز ان کی گرفت اور ادراک میں نہیں آسکتی الا یہ کہ وہ کسی چیز کا علم خود ہی انہیں دینا چاہے۔''

یہ ان مشرکین کے نظریہ کی تردید ہے جو بزرگ انسانوں، فرشتوں اور دوسری ہستیوں کے بارے میں یہ گمان رکھتے ہیں کہ اللہ کے یہاں ان کا زور بہت چلتا ہے جس پر وہ اڑ بیٹھیں اسے منوا کر ہی چھوڑتے ہیں اور جس قسم کا کام چاہیں اللہ سے کرا لیتے ہیں۔

ایسے لوگوں کو بتایا جارہا ہے کہ اس بادشاہِ ارض وسماء کے دربار میں زور چلانا تو درکنار کوئی بڑے سے بڑا پیغمبر اور کوئی مقرب ترین فرشتہ بھی بلا اجازت زبان کھولنے کی ہمت نہیں رکھتا۔

آگے یہ حقیقت بتائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان ساری باتوں کو جانتا ہے جو بندوں کے سامنے ہیں اور ان کو بھی جو ان کی نظروں سے اوجھل ہیں اور اس کی معلومات میں سے کوئی چیز بندوں کی گرفت اور ادراک میں نہیں آسکتی۔

اس حقیقت کے اظہار سے شرک کی بنیادوں پر ایک اور ضرب لگتی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پہلے بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ ہی غیر محدود حاکمیت اور مطلق اختیارات کا مالک ہے، اس کی حکومت میں نہ تو کوئی شریک ہے اور نہ اس کے یہاں کسی کا زور چلتا ہے۔

اب ایک دوسری حیثیت سے یہ بتایا جارہا ہے کہ کوئی دوسرا اس کے کاموں میں کیسے دخل دے سکتا ہے جب کہ اس کے سوا کسی کے پاس وہ علم ہی نہیں ہے کہ وہ کائنات کے پورے نظام اور اس کی مصلحتوں کو سمجھ سکے۔

انسان ہو یا فرشتہ، جن ہو یا کوئی دوسری مخلوق، سبھوں کا علم ناقص ہے۔

پھر اگر کسی چھوٹے سے چھوٹے معاملہ میں کسی بندے کی آزادانہ مداخلت یا اس کی سفارش چل سکے تو کائنات کا نظام درہم برہم ہو جائے۔

تقریباً یہی بات قرآن مجید کی سورۂ انبیاء میں بتائی گئی ہے:

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَىٰ وَهُم مِّنْ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ. ''جو کچھ ان کے سامنے ہے اسے بھی وہ جانتا ہے اور جو کچھ ان سے اوجھل ہے اس سے بھی وہ باخبر ہے۔ وہ کسی کی سفارش نہیں کرتے بجز اس کے جس کے حق میں سفارش سننے پر اللہ راضی ہو اور وہ اس کے خوف سے ڈرتے رہتے ہیں۔''

یہاں شفاعت کے مشرکانہ عقیدے کی تردید کرتے ہوئے اس حقیقت پر زور دیا گیا ہے کہ جنہیں تم سفارشی قرار دیتے ہو وہ علم غیب نہیں رکھتے اور اللہ تعالیٰ ان ساری باتوں کو جانتا ہے جو ظاہر ہوں اور انہیں بھی جو نظروں سے اوجھل ہوں۔ پھر آخر انہیں شفاعت کا مطلق اور غیر مشروط اختیار کیسے حاصل ہو سکتا ہے جب کہ وہ ہر شخص کے پوشیدہ اور ظاہر حالات سے واقف نہیں ہیں؟

قرآن کی سورۂ ہود میں ارشاد ہوا:

يَوْمَ يَأْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ إِلَّا بِإِذْنِهِ. ''جب وہ دن آئے گا تو کسی کو بات کرنے کی مجال نہ ہوگی الا یہ کہ اللہ کی اجازت سے کچھ عرض کرے۔''

یعنی یہ بے وقوف اس خیال خام میں مگن ہیں کہ فلاں بزرگ کی سفارش ہمیں بچالے گی، فلاں حضرت اڑ کر بیٹھ جائیں گے اور ایک ایک متوسل کو بخشوائے بغیر نہ مانیں گے، فلاں صاحب جو اللہ کے چہیتے ہیں، جنت کے راستے میں اڑ جائیں گے اور اپنا دامن پکڑنے والوں کی بخشش کا پروانہ لے کر ہی ٹلیں گے۔ حالاں کہ اللہ کے دربار میں لڑنا اور تڑنا کیسا؟

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس بارعب اور پر جلال عدالت میں تو کسی بڑے سے بڑے انسان اور مقرب سے مقرب فرشتہ کو دم مارنے کی مجال نہ ہوگی۔

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ آخرت میں سرے سے کوئی سفارش ہوگی ہی نہیں۔

دراصل قرآن نے جہاں شفاعت کے مشرکانہ نظریے کی تردید کی ہے، وہیں ایک خاص قسم کے تصور شفاعت کی وضاحت بھی کی ہے۔اور یہ اسلام کے عقائد میں شامل ہے کہ حشر کے دن کچھ لوگ کچھ لوگوں کی شفاعت کریں گے۔

قرآن مجید نے شفاعت کے ان ضابطوں اور اصولوں کی پوری تشریح کردی ہے جن کے تحت یہ شفاعت ہوگی۔

پہلا اصول یہ ہے کہ شفاعت کا معاملہ پورے کا پورا اللہ تعالیٰ کے اپنے ہاتھ میں ہوگا اور جو کچھ ہوگا اس کی مرضی کے تحت ہوگا۔جیسا کہ سورۂ زمر میں ارشاد ہوا:

قُلْ لِلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا. ''اے نبی کہہ دو کہ شفاعت کا پورا اختیار اللہ ہی کے پاس ہے۔''

دوسرا اصول یہ ہے کہ شفاعت کے لیے زبان صرف وہی شخص کھول سکے گا جسے اللہ تعالیٰ اس کی اجازت دے گا۔جیسا کہ سورۂ بقرہ میں بتایا گیا:

مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهُ اِلَّا بِاِذْنِهٖ. ''کون ہے کہ اس کے سامنے کسی کی شفاعت کر سکے سوائے اس کی اجازت کے۔''

تیسرا اصول یہ ہے کہ شفاعت کرنے والا صرف اسی شخص کی شفاعت کر سکے گا جس کے لیے شفاعت کرنے کی اسے اللہ تعالیٰ اجازت اور رضا مل چکی ہوگی۔جیسا کہ سورۂ انبیاء میں فرمایا گیا:

وَلَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی. ''اور وہ کسی کی شفاعت نہیں کرسکیں گے سوائے ان کے جن کی شفاعت کے لیے وہ راضی ہو۔''

اور چوتھا اصول یہ ہے کہ شفاعت کرنے والا شفاعت میں صرف ایسی ہی بات کہے گا جو ہر پہلو سے ٹھیک ہوگی۔جیسا کہ سورۂ نبا میں ارشاد ہوا:

لَا یَتَکَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَ قَالَ صَوَابًا. ''کوئی نہ بولے گا سوائے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کے جسے رحمٰن اجازت دے اور جو ٹھیک بات کہے۔''

شفاعت کے ان قرآنی ضابطوں کے مطابق، شفاعت وہی کر سکے گا جسے اللہ تعالیٰ بولنے کی اجازت دے۔ اور شفاعت اسی کی ہو سکے گی جس کی شفاعت کی اجازت بارگاہ ایزدی سے مل چکی ہو۔ یہ دونوں باتیں قرآن مجید میں مختلف مقامات پر پوری تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہیں۔

مثلاً سورۂ نجم میں ارشاد ہوا:

كَمْ مِنْ مَلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا اِلَّا مِنْ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَ يَرْضٰى. ''کتنے ہی فرشتے آسمانوں میں ہیں جن کی سفارش کچھ بھی مفید نہیں ہو سکتی، بجز اس صورت کے کہ اللہ سے اجازت لینے کے بعد کی جائے اور ایسے شخص کے بارے میں کی جائے جس کے لیے وہ سفارش سننا چاہے اور پسند کرے۔''

سورۂ طٰہٰ میں یوں بیان ہوا:

يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا. يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا. ''اس روز شفاعت کارگر نہ ہوگی الا یہ کہ کسی کو رحمٰن اس کی اجازت دے اور اس کی بات سننا پسند کرے۔ وہ لوگوں کا اگلا پچھلا سب حال جانتا ہے اور دوسروں کو اس کا پورا علم نہیں ہے۔''

اس آیت میں شفاعت پر پابندی کی وجہ بتائی گئی ہے۔

فرشتے، انبیاء، اولیا، صلحا اور شہدا، ان میں سے کسی کو کسی کے بارے میں یہ نہیں معلوم ہے کہ کون دنیا میں کیا کرتا رہا ہے اور کس کا ریکارڈ اچھا رہا ہے اور کس کا برا؟

اس کے برعکس اللہ تعالیٰ کو ہر انسان کے تمام کرتوتوں اور کارناموں کا پورا علم ہے۔ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ کون جزا کے لائق ہے اور کون سزا کے؟ کون نیک ہے تو کیسا نیک ہے اور مجرم ہے تو کس درجے کا مجرم ہے؟ معافی کے لائق ہے یا سزا کے؟

ایسی حالت میں یہ کیوں کر ممکن ہے کہ نبیوں اور صالحین کو شفاعت کی کھلی چھوٹ دے دی جائے اور ہر ایک جس کے حق میں جو سفارش چاہے کر دے۔

دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ کسی محکمے میں اگر کوئی معمولی افسر ہر کام میں اپنے دوستوں اور عزیزوں کی سفارش سننے لگے تو چند ہی دنوں میں سارے محکمے کا ستیاناس ہو جائے گا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پھر بھلا فرماں روائے کائنات سے اس قسم کی توقع کیسے کی جاسکتی ہے کہ اس کے یہاں سفارشوں کا بازار گرم ہوگا اور ہر بزرگ اور ولی جسے چاہیں گے بخشوالیں گے، جب کہ حالت یہ ہے کہ کسی بزرگ کو یہ خبر نہیں کہ جس کی شفاعت وہ کر رہا ہے اس کا نامہ اعمال کیسا ہے؟ وہ بخشے جانے کے قابل ہے یا نہیں؟

دنیا میں وہ افسران جو ذرا بھی ذمہ داری کا احساس رکھتے ہیں، ان کی روش یہ ہوتی ہے کہ ان کے یہاں کوئی دوست، کسی قصوروار ماتحت کی سفارش لے کر جاتا ہے تو وہ اس سے کہتا ہے:

''آپ نہیں جانتے ہیں کہ یہ کس قدر خائن، کام چور اور فرض ناشناس ہے، اس کے سارے کارنامے میرے سامنے ہیں اور میں اس کے تمام کرتوتوں سے پوری طرح واقف ہوں۔ اس لیے آپ مجھ سے اس کی سفارش نہ کریں۔''

اس چھوٹی سی مثال پر قیاس کر کے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ قرآن نے شفاعت کا جو قاعدہ بتایا ہے وہ کس قدر معقول اور انصاف پر مبنی ہے۔

یعنی حشر کے دن شفاعت ضرور ہوگی۔ اللہ کے وہ نیک بندے جو دنیا میں خلق خدا کے ساتھ ہمدردی کے عادی تھے، انہیں اس کا موقع ملے گا کہ وہ آخرت میں بھی ہمدردی کا حق ادا کریں۔ لیکن شفاعت کرنے سے پہلے شفاعت کی اجازت طلب کریں گے اور جب انہیں شفاعت کی اجازت مل جائے گی تو جس کے حق میں اللہ تعالیٰ انہیں بولنے کی اجازت دے گا صرف اسی کے حق میں وہ شفاعت کر سکیں گے۔

پھر شفاعت کے لیے یہ شرط بھی ہوگی کہ وہ مناسب اور انصاف پر مبنی ہو جیسا کہ وقال صوابا (اور ٹھیک بات کہے) کا ارشاد ربانی صاف صاف بتا رہا ہے۔

بوگس شفاعت کی وہاں اجازت نہ ہوگی کہ ایک شخص دنیا میں ہزاروں کے حق مار آیا ہے، نسل در نسل لوگ اس کی فتنہ انگیزیوں سے پریشان رہے ہیں اور حشر کے دن کوئی بزرگ اٹھ کر سفارش کر دیں کہ اے اللہ! تو اسے انعام واکرام سے نواز۔

شفاعت کی اس حقیقت کو سمجھ لینے کے بعد ذہن میں یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ آخرت میں اللہ کے نیک بندے اس کی اجازت سے دوسروں کی شفاعت کریں گے تو پھر شفاعت کا اصلی مقصد کیا ہے؟

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہ دراصل کس غرض سے ہوگی؟

اگر شفاعت کرنے والا اتنا بے اختیار ہے جیسا کہ قرآنی آیات سے معلوم ہوتا ہے تو اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ شفاعت کے بعد جن لوگوں کی مغفرت کا اعلان ہوگا، دراصل اللہ تعالیٰ انہیں پہلے ہی بخش چکا ہوگا، پھر اس شفاعت کا واسطہ درمیان میں کیوں ہوگا؟

بظاہر اس شفاعت کی اصل غرض اللہ کی جناب میں ان مخصوص بندوں کی عزت افزائی معلوم ہوتی ہے جنہیں دربار خداوندی میں زبان کھولنے اور عرض معروض کی اجازت ہوگی۔

غور کیجئے، میدان حشر میں بڑی بڑی ہستیاں سر جھکائے خاموش اور سہمی کھڑی ہوں گی، کسی کو دم مارنے کا اختیار نہ ہوگا، ایسی حالت میں جنہیں بات کرنے اور اللہ تعالیٰ سے عرض معروض کرنے کی اجازت مل جائے، یقیناً بہت بڑے فخر اور عزت کی بات ہوگی۔

اس روز سب سے پہلے شفاعت کا عظیم شرف خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوگا۔ بخاری کی روایت کے مطابق، آپؐ دو موقعوں پر شفاعت کی طرف پہل کریں گے۔

پہلی شفاعت اس وقت ہوگی جب لوگ حشر کی گرمی اور تپش اور بھوک و پیاس کی شدت سے بری طرح پریشان ہو جائیں گے، تب وہ کسی شفاعت کرنے والے کی تلاش میں نکلیں گے اور پہلے حضرت آدم، پھر حضرت نوح، پھر حضرت ابراہیم، پھر حضرت موسیٰ اور اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے پاس جا کر اللہ تعالیٰ سے شفاعت کرنے کی التجا کریں گے، لیکن یہ تمام انبیاء اپنی معمولی لغزشوں کا ذکر فرما کر شفاعت سے معذوری ظاہر کریں گے اور لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیج دیں گے، چنانچہ لوگ آپؐ کے پاس آکر شفاعت کی التجا کریں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی پریشانیوں کو دیکھ کر فوراً اس کے لیے تیار ہو جائیں گے اور عرش الٰہی کے پاس مقام محمود پر پہنچ کر سجدہ میں گر جائیں گے اور مسلسل کئی روز تک اسی حالت میں رہیں گے۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے سر اٹھانے کا حکم ہوگا اور شفاعت کی اجازت دی جائے گی تو آپؐ اللہ تعالیٰ کی ایسی حمد و ثنا کریں گے جو اگلے اور پچھلے لوگوں سے نہ ہو سکی ہوگی، پھر آپؐ عام شفاعت کے ساتھ خصوصیت سے اپنی امت کے لیے بھی اللہ تعالیٰ سے درخواست کریں گے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسری شفاعت خصوصی طور پر اپنی امت کے گنہگار مومنین اور موحدین کے لیے ہوگی۔
پہلے ہی کی طرح آپؐ دربارِ خداوندی میں سربسجود ہوں گے اور ایک طویل مدت تک اسی حالت میں رہیں گے پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا، اے محمد! اپنا سر اٹھاؤ، کہو تمہاری سنی جائے گی، سوال کرو تمہیں دیا جائے گا، شفاعت کرو تمہاری شفاعت قبول کی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے شفاعت کی اجازت پا جانے کے بعد آپؐ اپنی امت کے لیے شفاعت کریں گے، پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوگا کہ جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر ایمان ہو اسے دوزخ سے نکال لایئے۔

یہ ہے شفاعت کی اصل حقیقت اور اس کا صحیح اسلامی تصور۔

دراصل آخرت پر ایمان لانا اس وقت تک بالکل بے معنیٰ ہے جب تک شفاعت کے غلط اور مشرکانہ تصور کو ذہن سے نکال کر صحیح اسلامی تصور کو نہ اپنایا جائے۔

شفاعت کے اس مشرکانہ اور باطل نظریہ کی موجودگی میں توحید، رسالت اور آخرت پر ایمان رکھنے کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے، کیوں کہ توحید، رسالت اور آخرت پر ایمان لانے کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ آدمی کو صحیح علم ہوتا کہ وہ زندگی کی صحیح راہ پا سکے اور اس پر چل سکے، اور دنیا میں اللہ کا بندہ بن کر رہ سکے۔ اور شفاعت کا غلط نظریہ انسان کو صحیح راستہ پر گامزن نہیں ہونے دے گا، اس لیے کہ وہ تو اس خوش فہمی میں مبتلا رہے گا کہ آخرت میں کامیابی کا دارومدار ایمان و عمل صالح پر نہیں بلکہ بعض بزرگ ہستیوں کی خوشنودی اور ان کی سفارش پر ہے اور ان بزرگ ہستیوں کی خوشنودی اور ان کی شفاعت حاصل ہونے کا انحصار اس بات پر ہے کہ ان کے آستانوں پر نذریں چڑھائی جائیں۔

بھلا اس افیونی تخیل اور بے بنیاد نظریہ کے تحت آخرت کی فکر اور اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کا احساس کیوں کر باقی رہ سکتا؟

حوض کوثر:

حشر کے دن ہر نبی کو ایک ایک حوض ملے گا، جن پر ان کی امت گذرے گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دو حوض دیئے جائیں گے، ان میں سے ایک اس وقت ملے گا جب لوگ اپنی قبروں سے پیاسے اٹھیں گے اور محشر کی تپش میں انہیں لذیذ اور ٹھنڈے پانی کی ضرورت ہوگی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور دوسرا حوض جنت میں ہوگا۔

یہ حوض (حوض کوثر) حشر کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوگا۔ آپؐ سب سے پہلے اس پر پہنچے ہوئے ہوں گے۔

آپ کی امت اس پر حاضر ہوگی اور اس کے لذیذ اور ٹھنڈے پانی سے سیراب ہوگی۔

اس حوض کی تفصیل اور اس کی کیفیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف موقعوں پر بیان فرمائی ہے۔ مثلاً مسلم شریف کی روایت کے مطابق آپؐ نے فرمایا: هُوَ حَوْضٌ تَرِدُ عَلَيْهِ أُمَّتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. ''وہ ایک حوض ہے جس پر میری امت قیامت کے روز وارد ہوگی۔''

بخاری شریف میں آپؐ کے یہ الفاظ آئے ہیں:

اِنِّيْ فُرُطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ. ''میں تم سے پہلے اس پر پہنچا ہوا ہوں گا۔''

اِنِّيْ فُرُطٌ لَّكُمْ وَ اَنَا شَهِيْدٌ عَلَيْكُمْ وَ اِنِّي وَاللّٰهِ لَاَنْظُرُ اِلٰى حَوْضِ الْاٰنَ. ''میں تم سے آگے پہنچنے والا ہوں اور تم پر گواہی دوں گا اور خدا کی قسم میں اس وقت حوض پر دیکھ رہا ہوں۔''

اِنَّكُمْ سَتَلْقَوْنَ بَعْدِيْ اَثَرَةً فَاصْبِرُوْا حَتّٰى تَلْقَوْنِيْ عَلَى الْحَوْضِ. ''میرے بعد تم کو خود غرضیوں اور اقربا پروریوں سے پالا پڑے گا، اس پر صبر کرنا یہاں تک کہ مجھے حوض پر آن ملو۔''

ابو داؤد کی روایت کے مطابق، صحابیٔ رسول حضرت ابو برزہ اسلمیؓ سے حوض کوثر کے بارے میں پوچھا گیا کہ آپ نے اس کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سنا ہے؟ انہوں نے کہا:

''ایک بار نہیں، دو بار نہیں، تین بار نہیں، چار بار نہیں، پانچ بار نہیں بلکہ بار بار سنا ہے، جو شخص اسے جھٹلائے اللہ تعالیٰ اسے اس کا پینا نصیب نہ کرے۔''

اس حوض کی وسعت کیا ہوگی؟ اس کی تفصیل مختلف روایات میں آئی ہے۔ مثلاً بخاری، مسلم، ترمذی اور ابو داؤد کی روایت میں ہے کہ وہ ایلہ (اسرائیل کی موجودہ بندرگاہ ایلات) سے یمن کے صنعاء تک، یا ایلہ سے عدن تک، یا عمان سے عدن تک طویل ہوگا اور اس کی چوڑائی ایلہ سے جحفہ تک کے فاصلے کے برابر ہوگی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے بموجب:

"اس کا پانی دودھ اور چاندی سے سفید، برف سے زیادہ ٹھنڈا اور شہد سے زیادہ لذیذ اور میٹھا ہوگا۔ اس کی تہ کی مٹی مشک سے بھی زیادہ خوشبودار ہوگی، اس پر جو کوزے رکھے ہوں گے، ان کی تعداد آسمان کے ستاروں کے برابر ہوگی، جو شخص اس کا پانی پی لے گا وہ کبھی پیاسا نہ ہوگا اور جو اس سے محروم رہ گیا وہ کبھی سیراب نہ ہوگا۔"

حوض کوثر اور اہل بدعت:

بخاری اور مسلم میں یہ روایت بھی آئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حوض کوثر کا بیان کرتے ہوئے اپنے زمانہ کے لوگوں اور اپنے بعد آنے والے مسلمانوں کو خبردار کیا ہے کہ جو لوگ میرے بعد میرے لائے ہوئے دین میں ردو بدل کریں گے، میرے طریقے سے ہٹ کر چلیں گے، میرے دین میں نئی نئی باتیں (بدعات) ایجاد کریں گے، ان کو حوض کوثر سے ہٹا دیا جائے گا اور انہیں اس پر آنے نہ دیا جائے گا۔

میں کہوں گا: "یہ تو میرے ہیں، میری امت کے لوگ ہیں۔"

تو مجھ سے کہا جائے گا: "آپ کو نہیں معلوم کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا، کیا ہے، آپ کے بعد دین میں کس کس طرح تبدیلیاں کی ہیں۔"

پھر میں انہیں دفع کر دوں گا اور کہوں گا: "ہٹاؤ، ہٹاؤ ایسے لوگوں کو جنہوں نے میرا طریقہ بدل دیا تھا۔"

دین میں نئی باتیں ایجاد کرنے والوں کو حوض کوثر پر کس طرح دھتکارا جائیگا، اس کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفات کے خطبہ میں فرمایا:

"خبردار ہو، میں تم سے پہلے حوض پر پہنچا ہوا ہوں گا اور تمہارے ذریعہ سے اپنی امت کی کثرت پر فخر کروں گا، اس وقت میرا منہ کالا نہ کروانا، خبردار ہو، کچھ لوگوں کو میں چھڑاؤں گا اور کچھ لوگ مجھ سے چھڑائے جائیں گے، میں کہوں گا، اے میرے پروردگار! یہ تو میرے ساتھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، تم نہیں جانتے کہ تمہارے بعد انہوں نے کیا کیا نرالے کام کئے ہیں۔"

پل صراط:

حشر کے دن حساب و کتاب کے بعد جنتیوں کو جنت اور دوزخیوں کو دوزخ میں جانے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے لیے ایک پل سے گذرنا ہوگا جسے پل صراط کہتے ہیں۔ جس کے متعلق قرآن مجید کی سورۂ مریم میں بتایا گیا:

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا، كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا. ثُمَّ نُنَجِّى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَ نَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا. ''تم میں سے کوئی ایسا نہیں جو جہنم پر وارد نہ ہو، یہ تو ایک طے شدہ بات ہے جسے پورا کرنا تیرے رب کے ذمہ ہے، پھر ہم ان لوگوں کو بچالیں گے جو (دنیا میں) متقی تھے اور ظالموں کو اسی میں گرا ہوا رہنے دیں گے۔''

معلوم ہوا کہ جہنم پر پل صراط کے ذریعہ سبھوں کا گذر ہوگا چاہے وہ مومن ہوں یا کافر، مگر مومن اور اللہ کے پرہیزگار بندے بچالیے جائیں گی اور ظالم اس میں جھونک دیئے جائیں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اس پر گذرنے پر ہر طرف اندھیرا چھا جائے گا، پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مومنین اور منافقین کو نور ملے گا، لیکن جب وہ پل صراط پر پہنچیں گے تو منافقین کا نور بجھ جائے گا۔

اس وقت مومنین کا نور ان کے آگے اور داہنی طرف دوڑ رہا ہوگا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۂ حدید میں ارشاد فرمایا:

يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ بِاَيْمَانِهِمْ.

''جس دن تم مسلمان مردوں اور عورتوں کو دیکھو گے کہ ان کا نور ان کے آگے اور داہنی طرف دوڑ رہا ہوگا۔''

اس وقت منافقین، مسلمانوں کو پکاریں گے کہ ذرا سا ٹھہر جایئے تا کہ ہم بھی آپ کی روشنی میں چل سکیں۔ وہ جواب دیں گے کہ پیچھے لوٹ کر نور تلاش کرو۔ پھر ان کے اور مومنین کے درمیان پردہ حائل ہو جائے گا۔

سب سے پہلے پل صراط کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پار کریں گے۔

پل صراط پار کرتے وقت ہر نبی اور رسول کی زبان پر یہ دعا ہوگی: اَللّٰهُمَّ سَلِّمْ سَلِّمْ.

''اے اللہ! پل صراط کی تکلیفوں اور آفتوں سے محفوظ رکھ۔''

حشر کے دن، اللہ کے فیصلہ کی رو سے جو لوگ نیک قرار پائیں گے وہ جنت میں جائیں گے جو بہترین قیام گاہ ہے اور جو لوگ بدقرار پائیں گے وہ دوزخ میں جائیں گے جو بدترین قیام

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گاہ ہے۔

موجودہ دنیا عارضی دنیا ہے اور آخرت کی دنیا ابدی ہے۔

موجودہ دنیا کی تکلیفیں بھی معمولی ہیں اور لذتیں بھی معمولی ہیں مگر آخرت کی دنیا میں دونوں چیزیں اپنی انتہا پر ہوں گی۔

وہاں جس کے حصہ میں تکلیف آئے گی وہ بدترین عذاب میں تڑپتا رہے گا، جسے دوزخ کہتے ہیں۔ اور جس کے حصہ میں راحتیں آئیں گی وہ کمال درجہ کی راحتوں میں ابدی طور پر خوشیوں اور لذتوں سے لطف اٹھاتا رہے گا جو اسے جنت کی شکل میں ملیں گی۔

جنت اور جنتیوں کے حالات:

جنت کیا ہے؟

باغ و بہار کی جگہ، بیش قیمت نعمتوں، بے مثل و بے نظیر عیش و عشرت کے سامانوں سے مزین ہے۔ جس میں دودھ اور شہد کی نہریں جاری ہوں گی۔

آنحضرت ﷺ کی صریح ارشادات کی روشنی میں اس کی ایک جھلک اس طرح ہے۔

بخاری و مسلم میں روایت ہے:

''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جنت میں، میں نے اپنے صالح بندوں کے لیے آرام و آسائش کے وہ سامان مہیا کر رکھے ہیں، جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے، نہ کسی نے سنا ہے اور نہ کسی انسان کے وہم و گمان میں گذرا ہے۔''

ترمذی میں روایت ہے: ''جنت کی دیواروں میں ایک اینٹ سونے کی اور ایک اینٹ چاندی کی ہے۔ اس کا گارا بہت ہی خوشبودار مشک سے بنایا گیا ہے، اس کے سنگریزے موتی اور یاقوت کے اور مٹی زعفران کی ہے۔''

بخاری میں فرمانِ رسولؐ یوں منقول ہے: ''جنت میں ایک کوڑا رکھنے کی جگہ، دنیا اور کی ساری دولت اور سلطنت سے بڑھ کر ہے۔''

ترمذی میں روایت ہے: ''اگر جنت کی زیب و زینت کی کوئی چیز ناخن کے برابر ظاہر ہو جائے تو آسمان کے تمام کناروں کو مزین کر دے۔''

بخاری میں ہے: ''جنت میں جو حوریں ملیں گی وہ اتنی خوبصورت ہوں گی کہ حسن کی وجہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے ان کی پنڈلیوں کا گودا تک نظر آئے گا۔“

ابن ماجہ میں روایت ہے: ”ادنیٰ جنتی کے پاس اسی ہزار خادم اور ستر بیویاں ہوں گی، ان بیویوں کی عمر سولہ، سترہ سال کی اور مردوں کی عمریں سے پینتیس سال تک کی ہوگی اور یہ عمر کبھی اس گنتی سے تجاوز نہ کرے گی۔“

بخاری میں ہے: ”اہل جنت کی بیویوں میں سے کوئی اگر زمین کی طرف نظر کر دے تو آسمان سے زمین تک ساری کائنات روشن ہو جائے اور ساری فضا خوشبوؤں سے معطر ہو جائے اور ان کے سر کا دوپٹہ قیمت میں دنیا اور اس کی ساری نعمتوں سے بڑھ کر ہے۔“

جنتی، جنت میں ہمیشہ تندرست رہیں گے، کبھی بیمار نہ ہوں گے۔ ہمیشہ زندہ رہیں گے، انہیں کبھی موت نہ آئے گی۔ اور ہمیشہ جوان رہیں گے، انہیں کبھی بڑھاپا نہیں آئے گا۔ ان کی یہ جائے قیام عارضی نہیں، مستقل ہوگی۔

وہاں آدمی کو اپنی ضروریات کی فراہمی کے لیے نہ کوئی محنت کرنی پڑے گی اور نہ جدوجہد۔ ہر چیز بلا سعی و مشقت کے ملے گی۔

وہاں جنتی جو کچھ چاہے گا وہی اسے ملے گا، کوئی چیز اس کی مرضی اور پسند کے خلاف واقع نہ ہوگی۔ ہر وقت اور ہر طرف سب کچھ اس کی خواہش اور پسند کے عین مطابق ہوگا۔ اس کی ہر آرزو پوری ہوگی۔ ہر ارمان نکلے گا اور ہر چاہت پوری ہو کر رہے گی۔

مسلم شریف کی روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جنتی جنت میں کھائیں گے، پئیں گے، لیکن کھانے پینے کے باوجود یہ لوگ نہ تھوکیں گے، نہ پاخانہ پیشاب کریں گے، نہ ان کو ناک صاف کرنے کی ضرورت پیش آئے گی۔“

صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! تو کھانے کے فضلات بدن سے کس طرح خارج ہوں گے؟

آپؐ نے فرمایا: ”دو صورتیں ہوں گی، اول ان کو ڈکار آئے گی، دوسرے ان کو مشک کی طرح خوشبودار پسینہ آئے گا اور فضلات اس کے ذریعہ بدن سے خارج ہو جائیں گے اور ان لوگوں سے تسبیح و تحمید اس طرح سے بے اختیار جاری ہوگی جس طرح سانس بغیر کسی مشقت کے خود بخود نکلتی رہتی ہے۔“

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسلم ہی میں یہ روایت بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب جنتی جنت میں پہنچ جائیں گے تو ایک آواز دینے والا انہیں آواز دے گا، اے جنت والو! تم ہمیشہ ہمیش تندرست رہو گے، کبھی بیمار نہ ہو گے۔ تم زندہ رہو گے، کبھی نہیں مرو گے۔ تم ہمیشہ جوان رہو گے، کبھی بوڑھے نہ ہو گے۔ تمہارے لیے فیصلہ ہے کہ تم ہمیشہ چین و آرام میں رہو اور کبھی تکلیف و مصیبت نہ دیکھو۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جنت میں بہت سی قومیں اس طرح داخل ہوں گی کہ ان کے دل پرندوں کے دل کی طرح نرم اور صاف یعنی کینہ اور ہر طرح کی کھوٹ سے پاک ہوں گے۔''

وہ دار السلام یعنی امن و عافیت کا گھر ہوگا، وہاں نہ کوئی آفت آئے گی، نہ کوئی نقصان پیش آئے گا، نہ کوئی رنج ہوگا اور نہ تکلیف۔

جنتیوں کے دل میں ایک دوسرے کے خلاف کوئی کدورت اور بدمزگی نہ ہوگی۔

دنیا کی زندگی میں ان نیک لوگوں کے درمیان اگر کچھ رنجش، بدمزگی اور غلط فہمی رہی بھی ہوگی تو آخرت میں وہ سب دور کردی جائے گی۔ ان کے دل دھل جائیں گے اور ایک دوسرے کی طرف سے صاف ہو جائیں گے۔

وہ مخلص دوستوں کی طرح جنت میں جائیں گے، کسی کو اس بات کا قلق نہ ہوگا کہ فلاں نے میری مخالفت دنیا میں کی تھی، فلاں نے مجھ پر تنقید کی تھی، فلاں مجھ سے لڑا تھا، اور آج وہ میرے ساتھ جنت کی نعمتوں میں شریک ہے۔

جنتیوں کے دلوں کی صفائی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۂ اعراف میں ارشاد فرمایا:

وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِنْ غِلٍّ. ''ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف جو کدورت ہوگی ہم اسے نکال دیں گے۔''

جنت اور اس کے مکینوں کے بارے میں سورۂ مریم میں ارشاد ہوا:

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا. ''وہ (جنتی) کوئی بیہودہ بات نہ سنیں گے، جو کچھ سنیں گے ٹھیک ہی سنیں گے۔''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یعنی جنت کی وہ تمام نعمتیں جو انسان کو وہاں میسر ہوں گی، ان میں سے ایک بہت بڑی نعمت یہ ہوگی کہ وہاں کوئی بیہودہ، گندی اور فضول بات سننے میں نہ آئے گی، وہاں کے لوگوں کو غیبت، چغلی، گالی اور فحش باتوں سے پوری طرح نجات مل جائے گی۔

جنتیوں کو جنت میں انواع واقسام کی جو نعمتیں ملیں گی وہ اس پر پھولیں گے نہیں کہ ہم نے ایسے کام کئے تھے کہ ہمیں جنت ملنی چاہئے تھی، بلکہ وہ اللہ کا شکر اور اس کی حمد وثناء کریں گے اور کہیں گے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدَانَا لِهٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَا اَنْ هَدَانَا اللّٰهُ۔ ''تمام تعریف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جس نے ہمیں جنت کے راستہ پر چلایا اور ہم از خود اس کے راستے پر نہیں چل سکتے تھے اگر اللہ تعالیٰ ہماری رہنمائی نہ کرتا۔''

دراصل سرکش اور متکبر انسان کی یہ روش ہوتی ہے کہ جب اسے کوئی نعمت ملتی ہے تو وہ یہ سمجھتا ہے کہ اسے یہ نعمت اس کی قوت بازو سے ملی ہے اور یہ اس کی قابلیت اور جدوجہد کا نتیجہ ہے۔

اس کے برعکس اللہ کے نیک بندوں کو جو نعمت ملتی ہے وہ اسے اللہ کا عطیہ اور اس کا فضل سمجھ کر اس کا شکر ادا کرتے ہیں۔

اس طرح اللہ کے نیک بندے آخرت میں جنت پانے کے بعد اپنے حسن عمل پر غرور نہیں کریں گے کہ ہم تو اپنے اچھے اعمال کے صلہ میں بخشے جانے والے تھے، بلکہ جنت کو اللہ کا فضل سمجھ کر اس کی حمد وثناء کریں گے۔

اس لئے بندے کو اپنے عمل کے بجائے اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہی امیدیں وابستہ کرنی چاہئیں۔

بخاری کی روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''خوب جان لو کہ تم محض اپنے عمل کے بل بوتے پر جنت میں نہ پہنچ جاؤ گے۔''

لوگوں نے عرض کیا، یارسول اللہ! کیا آپ بھی؟ فرمایا: ہاں، میں بھی، الا یہ کہ اللہ مجھے اپنی رحمت وفضل سے ڈھانک لے۔''

لیکن جہاں یہ بات مسلّم ہے کہ لوگوں کی مغفرت اللہ تعالیٰ کے رحم وکرم کے بغیر نہ ہو سکے گی، وہیں یہ حقیقت بھی کچھ کم نہیں ہے کہ اللہ کا یہ فضل وکرم صرف انہی لوگوں کو اپنے سایہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں لے گا جو ایمان اور عمل صالح کی بنا پر اس کے مستحق ٹھہریں گے۔

دنیا کی زندگی میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ ایک شخص اور دوسرے شخص کے مرتبہ میں فرق ہوتا ہے۔

یہ فرق ٹھیک اسی تناسب سے ہوتا ہے جو ایک آدمی اور دوسرے آدمی کی جدو جہد میں پایا جاتا ہے۔ کسی آدمی کی دانشمندی، اس کی محنت، انتھک لگن اور بے مثال قربانیاں جس حد تک ہوتی ہیں اسی درجہ کی کامیابی اسے حاصل ہوتی ہے۔''

ایسا ہی معاملہ آخرت کا بھی ہے۔

وہاں درجات اور مقامات کی ٹھیک تقسیم اسی تناسب سے ہوگی جس تناسب سے کسی آدمی نے دنیا میں اس کے لیے عمل کیا ہے۔

آخرت کے لیے بھی آدمی کو اسی طرح مال اور وقت خرچ کرنا ہے جس طرح وہ دنیا کے لیے اپنے وقت اور مال کو خرچ کرتا ہے۔

آخرت کے معاملہ میں بھی اس کو اسی طرح ہوشیاری دکھانی ہے جس طرح وہ دنیا کے معاملہ میں ہوشیاری دکھاتا ہے۔

آخرت کی باتوں میں بھی اسے مصلحتوں اور نزاکتوں کی اسی طرح رعایت کرنی ہے، جس طرح وہ دنیا کی باتوں میں مصلحتوں اور نزاکتوں کی رعایت کرتا ہے۔

جس خدا کے ہاتھ میں آخرت کا معاملہ ہے وہ ایک ایک شخص کے احوال سے پوری طرح باخبر ہے، اس لیے کچھ بھی مشکل نہ ہوگا کہ وہ ہر ایک کو وہی دے جو اس کے استحقاق کے بقدر اس کو ملنا چاہیے۔

آخرت میں آدمی کو جو بدلہ دیا جائے گا وہ دنیا میں اس کے عمل کا اخروی پہلو ہوگا۔ اس لیے عمل اور بدلہ دونوں ایک دوسرے کے مطابق ہوں گے۔

ایک شخص سونا چاندی جمع کیے ہوئے ہے اور اللہ کا حصہ اللہ کے راستہ میں نہیں دیتا تو وہ سونا گویا آگ کا انگارہ ہے۔

قرآن مجید کی سورۂ توبہ میں بتایا گیا ہے کہ حشر کے دن یہی مال آگ کی صورت اختیار کر کے آدمی کے ساتھ چپک جائے گا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حدیث میں اس قسم کی بہت سی مثالیں دی گئی ہیں کہ آدمی کا عمل اور اس کے اخروی نتائج کس طرح ایک دوسرے کے مطابق ہوں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کے متعلق جو روایات ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آسمانی سفر میں آپ کو جو چیزیں دکھائی گئیں ان میں وہ عالم مثال بھی تھا جہاں انسان کے دنیوی اعمال اپنی اخروی صورت میں دکھائی دیتے ہیں۔

یہاں ایک طرف آپ کو اچھے اعمال کی اخروی صورتیں دکھائی گئیں۔ مثلاً آپؐ نے ایک جگہ دیکھا کہ کچھ لوگ کھیتی کاٹ رہے ہیں، وہ جتنی کھیتی کاٹتے ہیں اتنی ہی ان کی کھیتی بڑھتی چلی جاتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرشتہ سے پوچھا: ''یہ کون لوگ ہیں؟''

فرشتہ نے بتایا: ''یہ راہ خدا میں جہاد کرنے والے ہیں۔''

اسی طرح آپ کو تفصیل کے ساتھ برے اعمال کی اخروی صورتیں بھی دکھائی گئیں۔ آپؐ نے دیکھا کہ کچھ لوگ ہیں جن کے سر پتھروں سے کچلے جا رہے ہیں۔

آپؐ نے پوچھا، ''یہ کون ہیں؟''

فرشتہ نے بتایا: ''یہ وہ لوگ ہیں جن کے سر کی گرانی ان کو نماز کے لیے اٹھنے نہ دیتی تھی۔''

اسی طرح آپؐ نے دیکھا کہ کچھ لوگ ہیں جن کے کپڑوں میں بہت سے پیوند لگے ہیں اور وہ جانوروں کی طرح گھاس چر رہے ہیں۔

آپؐ نے پوچھا، ''یہ کون ہیں؟''

فرشتہ نے بتایا: ''یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے مالوں کو اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرتے تھے۔''

پھر آپؐ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ لکڑیوں کا گٹھا جمع کر کے اٹھانے کی کوشش کرتا ہے اور جب وہ گٹھا اس سے نہیں اٹھتا تو اس میں کچھ اور لکڑیاں بڑھا لیتا ہے۔

آپؐ نے پوچھا، ''یہ کون ہے؟''

فرشتہ نے بتایا: ''یہ وہ شخص ہے جس پر ذمہ داریوں اور امانتوں کا اتنا بوجھ تھا کہ وہ اٹھا نہ سکتا تھا مگر وہ ان کو کم کرنے کے بجائے اور زیادہ ذمہ داریوں کا بوجھ اپنے اوپر ڈال لیتا تھا۔''

پھر آپؐ نے دیکھا کہ کچھ لوگ ہیں جن کی زبانیں اور ہونٹ قینچیوں سے کاٹے جا رہے ہیں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں۔

آپؐ نے پوچھا: ''یہ کون لوگ ہیں؟''

فرشتہ نے بتایا: ''یہ وہ لوگ ہیں جو بے روک ٹوک زبان چلاتے تھے اور یہ غیر ذمہ دارانہ باتیں کہہ کر فتنہ برپا کرتے تھے۔''

ایک جگہ آپؐ نے دیکھا کہ ایک پتھر میں چھوٹا سا سوراخ ہوا اور اس میں سے ایک بڑا سا بیل نکل آیا۔ اس کے بعد وہ بیل دوبارہ اسی سوراخ میں جانے کی کوشش کرنے لگا مگر کوشش کے باوجود وہ دوبارہ اس کے اندر نہیں جا سکا۔

آپؐ نے پوچھا: ''یہ کیا معاملہ ہے؟''

فرشتہ نے بتایا: ''یہ اس آدمی کی مثال ہے جو بے پروائی کے ساتھ ایک فتنہ کی بات کہہ دیتا ہے اس کے بعد اس کے برے نتائج کو دیکھ کر اس کو واپس لینا چاہتا ہے مگر واپس نہیں لے سکتا۔''

اسی طرح آپؐ نے ایک جگہ دیکھا کہ کچھ لوگ ہیں جو خود اپنے جسم کا گوشت کاٹ کاٹ کر کھا رہے ہیں۔

آپؐ نے پوچھا: ''یہ کون لوگ ہیں؟''

فرشتہ نے بتایا: ''یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے دوسرے بھائیوں پر طعن و طنز کرتے تھے۔''

کچھ اور لوگوں کو آپؐ نے دیکھا کہ ان کے ناخن تانبے کے تھے اور وہ اس سے اپنا منہ اور سینے نوچ رہے تھے۔

آپؐ نے پوچھا: ''یہ کون لوگ ہیں؟''

فرشتہ نے بتایا: ''یہ وہ لوگ ہیں جو پیٹھ کے پیچھے دوسروں کی برائیاں کرتے تھے اور ان کی عزت و آبرو پر حملے کرتے تھے۔''

کچھ لوگوں کو آپؐ نے دیکھا کہ ان کے ہونٹ اونٹوں سے ملتے جلتے تھے اور وہ آگ کھا رہے تھے۔

آپؐ نے پوچھا: ''یہ کون لوگ ہیں؟''

فرشتہ نے بتایا: ''یہ وہ لوگ ہیں جو یتیموں کا مال دنیا میں کھاتے تھے۔''

پھر آپؐ نے دیکھا کہ کچھ لوگ ہیں جن کے پیٹ بہت بڑے ہیں اور سانپوں سے بھرے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوئے ہیں۔ آنے جانے والے ان کو روندتے ہوئے گذر جاتے ہیں اور وہ اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتے۔

آپؐ نے پوچھا، ''یہ کون لوگ ہیں؟''

فرشتہ نے بتایا: ''یہ سود کھانے والے لوگ ہیں۔''

پھر کچھ لوگ دکھائی دیئے جن کے ایک جانب اچھا گوشت رکھا ہوا تھا اور دوسری جانب سڑا ہوا گوشت جس سے سخت بدبو آرہی تھی۔ وہ اچھے گوشت کو چھوڑ کر سڑا ہوا گوشت کھارہے تھے۔

آپؐ نے پوچھا، ''یہ کون لوگ ہیں؟''

فرشتہ نے بتایا: ''یہ وہ مرد اور عورتیں ہیں جنہوں نے جائز بیویوں اور شوہروں کو چھوڑ کر حرام سے اپنی خواہش پوری کی۔''

جنت کے مستحق کون لوگ ہیں؟

جو ایمان لائے اور ہر طرح کی مشکلات، مصائب، نقصانات اور اذیتوں کے مقابلے میں اپنے ایمان پر جمے رہے، گوارا یا ناگوارا، سخت اور نرم، اچھے اور برے حالات میں بھی اپنے ایمان سے نہیں ہٹے، جنہوں نے اسباب دنیوی پر نہیں، بلکہ خدائے واحد پر بھروسہ کیا، ایمان کی خاطر ہر خطرہ اور ہر طاقت سے ٹکرا جانے کے لیے تیار ہوگئے، جنہوں نے اس مقصد کو پہچانا جس کے لیے وہ دنیا میں بھیجے گئے تھے، جو اللہ کی بندگی پر قائم رہے، جنہوں نے ہر اس فائدہ کو ٹھکرا دیا جو اللہ کی نافرمانی کرنے سے مل سکتا تھا اور ہر اس نقصان کو گوارا کرلیا جو اس کی اطاعت اور بندگی کے نتیجے میں ہوا، جنہوں نے اللہ کی رضا کو اپنے نفس کی رضا پر ترجیح دی، جنہوں نے خدا کا حکم پاکر سماج، ماحول اور آباء واجداد کے بنائے ہوئے رسم ورواج کو ٹھکرا دیا، جنہوں نے خدا کی رضا کے لیے دوسروں کی ناراضگی مول لے لی، جنہوں نے اللہ سے ڈرتے ہوئے عبدیت کی زندگی بسر کی، جو آخرت کی مصلحت کو دنیا کی مصلحتوں پر اور دنیا کے عیش پر آخرت کی بھلائی کو ترجیح دیتے رہے۔ شیطان کی پیروی سے بچتے رہے اور نیکی اور سعادت کی راہ پر چلتے رہے۔

یعنی جنت ایمان وعمل صالح والوں کو ملے گی، اللہ اس کے رسول کی فرمانبرداری کرنے والوں کو ملے گی۔ جیسا کہ قرآن کی سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الانھٰرُ . ط ''اور اے پیغمبر! جو لوگ ایمان لائیں اور عمل درست رکھیں انہیں خوشخبری دے دو کہ ان کے لئے وہ جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔''

سورۂ نساء میں ارشاد ہوا:

ومن یُّطِعِ اللّٰہَ و رسُوْلَہٗ یُدْخِلْہُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ. ''اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا، اسے اللہ تعالیٰ ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہو گی۔''

یہودیوں کا کہنا تھا کہ ''ہمارے سوا کوئی جنتی نہیں، اور اگر ہمیں جہنم کا عذاب ہوگا بھی تو بہت تھوڑا اور چند روز۔''

اللہ تعالیٰ نے ان کے اس زعم باطل کی تردید کرتے ہوئے سورۂ بقرہ میں فرمایا:

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْجَنَّۃِ. ''اور جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیے وہی لوگ جنتی ہیں۔''

یعنی جنت کا استحقاق قوم و نسل کی تقسیم کی بنیاد پر نہیں بلکہ ایمان اور عمل صالح پر ہے۔

جس نے اپنے اعمال کے ذریعہ برائی کمائی ہوگی، وہ عذاب میں مبتلا کیا جائے گا اور جس نے اچھے کام کیے ہوں گے، خدا ترسی کی راہ اپنائی ہوگی اس کے لیے جنت ہے، چاہے وہ کسی بھی قوم یا نسل سے تعلق رکھتا ہو، مغفرت اور نجات پر کسی کا ذاتی یا خاندانی اجارہ نہیں ہے کہ کسی نے سزا کے لائق کام کیے ہوں اور اسے محض اس لیے بخش دیا جائے کہ وہ کسی اچھے اور اعلیٰ خاندان کا فرد ہے۔

اور جہنم ان لوگوں کے لیے ہے، جنہوں نے اپنے رب کا انکار کیا، اس کے رسولوں کو جھٹلایا، آخرت کا مذاق اڑایا اور یہی سمجھا کہ دنیا کی زندگی ہی اصل زندگی ہے، اس کے بعد پھر کوئی زندگی نہیں جہاں ہمیں خدا کے سامنے حاضر ہو کر اپنے سارے کاموں کا حساب دینا پڑے۔

جہنم اور اس کا دردناک عذاب:

جہنم کیا ہے؟

قرآن کے مطابق:

بِئْسَ الْمِھَادِ. برا ٹھکانہ،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سَاءَتْ مَصِيْرًا. بری جائے قیام،

سَاءَتْ مُرْتَفَقًا. بہت بری آرام گاہ،

بِئْسَ الْقَرَارِ. بری جائے قرار ہے۔

دوزخ اور اس کی ہولناکی کے متعلق کتب احادیث میں ارشادات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منقول ہیں، مثلاً

بخاری میں ہے، ''جہنم کی آگ دنیا کی آگ سے ستر گنا زیادہ بھیانک ہے۔''

ترمذی میں روایت ہے: ''اگر کوئی بھاری پتھر جہنم کے کنارے سے اس میں ڈالا جائے اور ستر سال تک گرتا رہے تو بھی جہنم کی گہرائی میں نہ پہنچ سکے گا۔''

ترمذی ہی میں یہ روایت بھی ہے: ''جہنم کو احاطہ کرنے والی چار دیواریں ہوں گی، اور ہر دیوار کی موٹائی چالیس ہزار سال کی مسافت میں ہوگی۔''

بیہقی میں فرمان رسولؐ یوں منقول ہے: ''حشر کے دن سورج (جو سائنس دانوں کی تحقیق کے مطابق زمین سے چودہ لاکھ اسی ہزار گنا بڑا ہے) اور چاند پنیر کے دو ٹکڑوں کی طرح جہنم میں ڈال دیے جائیں گے۔''

احمد کی روایت ہے: ''دوزخ میں بڑے بڑے سانپ اور بچھو ہیں، ان میں سے کوئی سانپ یا بچھو دوزخی کو کاٹ لے تو چالیس سال تک اس کی تکلیف باقی رہے گی۔''

بخاری میں ہے: ''دوزخیوں میں سب سے ہلکا عذاب اس شخص پر ہوگا جس کی دونوں جوتیاں اور تسمے آگ کے ہوں گے جس کی وجہ سے اس کا دماغ ہانڈی کی طرح کھولتا ہوگا، وہ سمجھے گا کہ مجھے ہی زیادہ عذاب ہو رہا ہے، حالاں کہ اس کو سب سے کم عذاب ہوگا۔''

کفار و مشرکین آگ میں جھونک دیے جائیں گے اور جہنم کی آگ ان کی کھال کو جلا دے گی تو اللہ تعالیٰ دوسری کھال پیدا کر دے گا اور انہیں اسی طرح عذاب دیا جاتا رہے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۂ نساء میں ارشاد فرمایا:

كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ. ''جب ان کے بدن کی کھال جل جائے گی تو ہم اس کی جگہ دوسری کھال پیدا کر دیں گے تاکہ وہ خوب عذاب کا مزہ چکھیں۔''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جہنمیوں کے لباس تارکول اور گندھک کے ہوں گے۔ جیسا کہ سورۂ ابراہیم میں بتایا گیا:

سَرَابِيْلُهُمْ مِنْ قَطِرَانٍ وَّ تَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ. ''ان کے لباس تارکول کے ہوں گے اور آگ کے شعلے ان کے چہروں پر چھائے جارہے ہوں گے۔''

جہنمیوں کے لیے آگ ہی کا اوڑھنا بچھونا ہوگا۔ سورۂ اعراف میں بتایا گیا ہے:

لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّ مِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ. ''ان بدبختوں کے لیے آگ کا بچھونا ہوگا اور اوپر سے آگ ہی کے لحاف اڑھائے جائیں گے۔''

جہنمیوں کے چہرے آگ سے اس طرح جل کر بھسم ہو جائیں گے جیسے بکری کی بھنی ہوئی سری، یعنی کھال جل جائے گی اور دانت باہر نکل آئیں گے۔ جیسا کہ سورۂ مومنون میں بتایا گیا ہے:

تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كَالِحُوْنَ. ''آگ ان کے چہروں کی کھال چاٹ جائے گی اور ان کے جبڑے باہر نکل آئیں گے۔''

ان کا کھانا زقوم اور غسلین کا ہوگا جیسا کہ سورۂ دخان میں بتایا گیا:

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ. طَعَامُ الْاَثِيْمِ. ''گنہگاروں کا کھانا زقوم کا پیڑ ہوگا۔''

سورۂ الحاقہ میں بیان ہوا:

وَلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ. ''انہیں غسلین کا کھانا دیا جائے گا۔''

زقوم ایک درخت ہے جو جہنم کی تہہ میں پیدا ہوگا، دوزخی جب اسے کھائیں گے تو وہ ان کے پیٹ میں اس طرح آگ لگا دے گا جیسے ان کے پیٹ میں پانی کھول رہا ہو۔

اور غسلین کافروں کے جسم کی گندگی اور خون و پیپ کا نکلا ہوا مادہ ہے۔

ترمذی کی روایت کے مطابق زقوم کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اگر زقوم کا ایک ٹکڑا اگر پڑے تو دنیا والوں کی ساری روزیاں فاسد ہو جائیں۔''

جہنمی، سخت تپش اور جلن کی وجہ سے جب پانی مانگیں گے تو انہیں ایسا پانی دیا جائے گا جو کھولتے ہوئے تیل کی تلچھٹ یا پگھلے ہوئے دھات کی طرح ہوگا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۂ کہف میں ارشاد فرمایا:

وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِى الْوُجُوْهَ. ''وہاں اگر پانی مانگیں گے تو

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایسے پانی سے ان کی تواضع کی جائے گی جو تیل کی تلچھٹ جیسا ہوگا اور ان کا منہ بھون ڈالے گا۔"

بخاری شریف میں حدیث ہے کہ جہنمیوں کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"قیامت کے دن ہلکے سے ہلکے عذاب والے دوزخی سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا، "اے شخص! تیرے پاس دنیا بھر کا مال و متاع اور اولاد ہو تو، تو اپنی نجات کے بدلے میں اپنے تمام مال و اولاد کو دینے پر راضی ہے؟ وہ جواب دے گا، ہاں میں راضی ہوں۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: "جب تو دنیا میں پیدا نہیں ہوا تھا اور آدم کی پشت میں تیرا نطفہ تھا، اس وقت میں نے تجھ سے ایک چھوٹی سی بات کا وعدہ لیا کہ تو دنیا میں جا کر میری نافرمانی نہ کرنا مگر تو نے نہیں مانا، اب بدلہ اور تاوان دینے سے کچھ نہیں ہوگا۔"

جہنم اور اس کے دردناک عذاب کا نقشہ قرآن مجید کی سورۂ ابراہیم میں یوں کھینچا گیا ہے:

مِنْ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ وَيُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ. يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَ يَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّ مَا هُوَ بِمَيِّتٍ ط. وَمِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ. "پھر اس کے بعد آگے اس کے لیے جہنم ہے، وہاں اسے کچھ لہو کا سا پانی پینے کو دیا جائے گا، جسے وہ زبردستی حلق سے اتارنے کی کوشش کرے گا اور مشکل ہی سے اتار سکے گا، موت ہر طرف سے اس پر چھائی رہے گی مگر وہ مرنے نہ پائے گا، اور آگے ایک سخت عذاب اس کی جان کو لاگو رہے گا۔"

جہنمی دردناک عذاب کو برداشت کرتے ہوئے ایک اور عذاب کے بھی شکار ہوں گے اور وہ ہے آپسی لڑائی جھگڑے کا عذاب۔

چھوٹے لوگ اپنے امراء و رؤسا سے کہیں گے کہ ہم تو دنیا میں آپ کے تابع فرمان رہے، اب یہاں دردناک گھڑی میں آپ ہماری کچھ مدد کیجیے اور کچھ نہیں تو ہمیں جو عذاب ہو رہا ہے اس کا کچھ حصہ اپنے اوپر اٹھا لیجیے۔

وہ جواب دیں گے کہ ہم بھی تو تمہاری طرح جھلس رہے ہیں، ہمیں جو عذاب ہو رہا ہے وہ کیا کم ہے جو ہم تمہارے عذاب کا کچھ حصہ اپنے اوپر لے لیں۔ اس کا نقشہ قرآن مجید کی سورۂ مومن میں یوں کھینچا گیا ہے:

وَاِذْ يَتَحَآجُّوْنَ فِى النَّارِ فَيَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِيْبًا مِّنَ النَّارِ. قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُلٌّ فِيْهَآ اِنَّ اللّٰهَ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ۔ ''اور جب دوزخی دوزخ میں جھگڑیں گے، کمزور لوگ بڑے لوگوں سے کہیں گے کہ اس میں شک نہیں کہ ہم آپ کے تابع تھے تو کیا (آج) تھوڑا سا عذاب ہم سے ہٹا سکتے ہیں، بڑے لوگ جواب میں کہیں گے، ہم سب (تابع اور متبوع) اسی دوزخ میں پڑے ہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں جو فیصلہ کرنا تھا کر دیا ہے۔''

دوزخی سخت ترین تکلیف اور روح فرسا عذاب کی حالت میں موت اور زندگی کے درمیان لٹکتا رہے گا، اسے نہ موت آئے گی کہ اس کی مصیبت اور تکلیف کا خاتمہ کر دے اور نہ جینے کا لطف اسے مل سکے گا کہ موت کے مقابلے میں ترجیح دے سکے، زندگی سے بیزار ہوگا مگر اسے موت نہ آئے گی، مرنا چاہے گا مگر مر نہ سکے گا۔ جیسا کہ قرآن کی سورۂ طٰہٰ میں بتایا گیا:

اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ؕ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى. ''جو مجرم بن کر اپنے رب کے حضور حاضر ہوگا اس کے لیے جہنم ہے، جس میں نہ وہ جئے گا اور نہ مرے گا۔''

جہنمی، اس بے پناہ تکلیف سے بھاگنے اور نکلنے کی کوشش کریں گے مگر نکل نہ سکیں گے، انہیں پھر اسی میں دھکیل دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۂ حج میں اس کا یوں نقشہ کھینچا ہے:

كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا ۗ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ. ''جب وہ جہنم سے گھبرا کر نکلنے کی کوشش کریں گے تو پھر اسی میں دھکیل دیے جائیں گے کہ چکھو اب جلنے کا مزہ۔''

کفار و مشرکین جہنم میں ہمیشہ جلتے رہیں گے، انہیں کبھی بھی اس عذاب الیم سے چھٹکارا نہیں ملے گا۔

البتہ گنہگار مومن اپنے گناہوں کے سبب دوزخ میں ڈالے جائیں گے اور ایک محدود مدت تک جہنم میں رہیں گے اور اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد جنت میں پہنچا دیے جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو دوزخ کے دردناک عذاب سے محفوظ رکھے۔ حشر کے حساب و کتاب کو آسان بنائے اور جنت کے راستے پر چلنے کی اور جہنم کے راستے سے بچنے کی سچی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فکرِ آخرت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ كَفىٰ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفىٰ. اَمَّا بَعْدُ!

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ.

تمام تعریف اور ہر قسم کی بزرگی و برتری، عظمت اور کبریائی اللہ رب العالمین ہی کے لیے لائق اور رزیبا ہے جو قادر مطلق اور احکم الحاکمین ہے۔

وہ چاہے تو پلک جھپکتے ہی ایک غلام کو بادشاہ بنا دے، جیسے اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ کیا اور وہ چاہے تو ایک عظیم ترین سلطنت کے حکمراں سے تخت شاہی چھین کرا سے دردر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور کر دے، جیسے شہنشاہ ایران کے ساتھ ہوا۔

وہ جسے چاہے کمزور پیدا کرے، جسے چاہے طاقتور بنائے، جسے چاہے بچپن سے جوانی تک نہ پہنچنے دے اور جسے چاہے جوانا مرگ دے، جسے چاہے لمبی عمر دے کر بھی تندرست و توانا رکھے اور جسے چاہے شاندار جوانی کے بعد بڑھاپا میں اس طرح ایڑیاں رگڑ وائے کہ دوسروں کو دیکھ کر عبرت ہو۔

دنیا کی ہر چیز اسی کے قبضہ قدرت میں ہے، اس کائنات کا کوئی بھی پتہ اس کی مرضی کے بغیر نہیں ہل سکتا اور نہ اس کی مرضی کے بغیر کسی کو کچھ مل سکتا ہے۔

طاقتور سے طاقتور انسان اس کے آگے بے بس ولاچار ہے۔

اگر دنیا کی کوئی چیز انسان کے بس میں ہوتی تو پھر کوئی شخص بے اولاد نہ ہوتا، سب اپنی تدبیروں سے اولاد پیدا کر لیتے، تب کوئی مفلس یا قلاش نہ ہوتا، سب اپنی کوششوں سے مالدار بن جاتے، تب کوئی بیمار نہ ہوتا، سب اپنی تدبیروں سے بیماری کو قریب نہ آنے دیتے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان گنت درود وسلام ہو، اللہ کے آخری نبی، سید المرسلین، فخر بنی آدم، حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جن کی محبت عین ایمان ہے، جن کے فرامین وارشادات عین اسلام ہیں، جن کی زبان مبارک سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ قانون کی حیثیت رکھتا ہے، جنہوں نے اس دنیا میں ہدایت کی روشنی پھیلائی اور حق کو باطل سے، نور کو تاریکی سے اور ہدایت کو گمراہی سے چھانٹ کر نمایاں کردیا۔

جنہوں نے ایک غریب اور بیوہ عورت کے بطن سے یتیمی کی حالت میں پیدا ہونے کے باوجود امام الانبیاء کا لقب پایا اور جن پر ایک بار درود بھیجنے والا اللہ تعالیٰ کی دس رحمتوں کا مستحق بن جاتا ہے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ وَ بَارِکْ عَلَیْهِ.

حضرات! اس دنیا میں انسان کے سامنے بہت سے مسائل ہوتے ہیں اور کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو کسی نہ کسی مسئلہ سے دوچار نہ ہو۔

کوئی دوکان کے مسئلہ میں الجھا ہوا ہے تو کوئی مکان کے مسئلہ میں، کوئی کھیت کے معاملہ میں لگا ہے اور کوئی کاروبار کے معاملہ میں، کوئی اولاد کے مستقبل کے بارے میں فکر مند ہے، تو کوئی اپنے اثر ورسوخ کو بڑھانے اور بچانے میں لگا ہوا ہے، کوئی اپنے دشمن کو برباد کرنے میں مصروف ہے تو کوئی اپنے حریف کو زیر کرنے کے منصوبوں میں جی رہا ہے، کوئی ووٹ کے چکر میں ہے تو کوئی نوٹ کے غم میں گھلا جارہا ہے۔

لیکن زندگی کا اصل مسئلہ کچھ دوسرا ہے۔

زندگی کا اصل مسئلہ وہ نہیں ہے جو دکھائی دے رہا ہے۔ اصل مسئلہ وہ ہے جو آنکھوں سے اوجھل ہے۔

لوگ دنیا کے جہنم سے بچنے کی فکر کرتے ہیں اور اپنی ساری توجہ دنیا کی جنت حاصل کرنے اور دنیوی زندگی کو جنت بنانے میں لگادیتے ہیں۔

مگر عقلمندی یہ ہے کہ آدمی آخرت کے جہنم سے اپنے آپ کو بچائے اور وہاں کی جنت کی طرف دوڑے اور اسے حاصل کرنے کے لیے اپنی تمام کوششوں کو صرف کردے۔

دنیا میں غریب ہونا اور مالدار ہونا، جائداد والا ہونا اور بے جائداد والا ہونا، عزت دار ہونا اور بے عزت والا ہونا، یہ سب وہ چیزیں ہیں جو آدمی کو آنکھوں سے نظر آتی ہیں، اس لیے وہ ان پر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ٹوٹ پڑتا ہے۔انہیں حاصل کرنے کے لیے ہر جائز و ناجائز ذرائع استعمال کرتا ہے اور اپنی ساری کوشش اس مقصد میں لگا دیتا ہے کہ وہ یہاں محروم نہ رہے۔

مگر انسان کا اصل مسئلہ آخرت کا مسئلہ ہے جسے اللہ نے امتحان کی مصلحت سے چھپا دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۂ بقرہ میں ارشاد فرمایا ہے:

وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ. ''اس دن سے ڈرو جب تم اللہ کے پاس دوبارہ لوٹائے جاؤ گے۔ پھر ہر شخص اپنے کئے کا پورا بدلہ پائے گا اور کسی کے ساتھ ظلم نہیں ہوگا۔''

معلوم ہوا کہ انسان جن مصروفیات میں جیتا ہے وہ اس کے ضمنی مسائل ہیں۔

اصل مسئلہ اس زندگی کے بعد آنے والی دوسری زندگی کا ہے۔ اس لیے انسان کو اپنی ساری توجہ اسی پر دینی چاہیے۔

ایک مثال:

ایک شخص اپنے بچوں کے ساتھ ایک باغ میں گیا۔ وہاں بہت سے کیڑے مکوڑے، چوہے، گلہریاں اور چیونٹیاں تھیں۔ وہ انہی چیزوں میں کھویا ہوا تھا۔ پھر اچانک اس نے دیکھا کہ باغ کے بیچ میں ایک خونخوار شیر کھڑا ہے۔ اس ڈراؤنے منظر کو دیکھنے کے بعد وہ چیخ پڑے گا: ''بچو! شیر آ گیا، شیر آ گیا، بچاؤ اپنے آپ کو خوفناک شیر سے۔''

وہ شیر کے خوفناک چہرہ کو دیکھنے کے بعد دوسری تمام چیزوں کو بھول جائے گا۔ اس کو ایسا نظر آئے گا کہ سارا باغ شیر بن گیا ہے۔ اس کے سامنے اس کے سوا کوئی مسئلہ نہ ہوگا کہ شیر سے بچنے کی اور اپنے بچوں کو بھی اس سے بچانے کی فکر کرے۔

انسان جس دنیا میں رہتا ہے اس میں بہت سے مسائل ہیں، مگر انہی کے بیچ ایک سب سے بڑا مسئلہ کھڑا ہے۔ یہ آخرت کا مسئلہ ہے۔

قرآن مجید میں مختلف جگہوں پر مختلف طریقے سے انسان کو اس حقیقت کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔ مثلاً

سورۂ آل عمران میں ارشاد ہوا:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ وَ وُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ. ''پس کیا بنے گی ان پر جب انہیں ہم اس روز جمع کریں گے جس کا آنا یقینی ہے۔ اس روز ہر شخص کو اس کی کمائی کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور کسی پر ظلم نہ ہوگا۔''

سورۂ مومن میں پیغمبر کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا گیا:

وَ اَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِالْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ. ''اور اس آنے والے دن سے ان کو ڈراؤ جب کلیجے منہ کو آجائیں گے غم سے بھرے ہوئے۔''

سورۂ بقرہ میں تاکید کی گئی:

وَ اتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا. ''اور ڈرو اس دن سے جب کوئی کسی کے ذرا بھی کام نہ آئے گا۔''

سورۂ تحریم میں آخرت کے عذاب سے خبردار کرتے ہوئے بتایا گیا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ. ''اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔''

سورۂ شوریٰ میں قرآن مجید کے نزول کو عذاب آخرت سے ڈرانے کا سبب بتاتے ہوئے فرمایا گیا:

وَ كَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيْهِ فَرِيْقٌ فِى الْجَنَّةِ وَ فَرِيْقٌ فِى السَّعِيْرِ. ''اور ہم نے عربی قرآن تیرے اوپر اتارا تاکہ تو اس بڑی بستی اور اس کے آس پاس والوں کو خبردار کردے اور جمع ہونے کے دن سے ڈرا دے جس میں کوئی شک نہیں۔ ایک گروہ جنت میں ہوگا اور ایک گروہ دوزخ میں۔''

فکر آخرت ایمان کی فطرت ہے اور آخرت کو نظرانداز کرنا کفر کا مزاج ہے۔

بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب نبی بنائے گئے اور آپ پر قرآن مجید کی سورۂ شوریٰ کی یہ آیت نازل ہوئی:

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ. ''اور آپ اپنے نزدیک ترین قرابت داروں کو

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(عذاب الٰہی سے) ڈرایئے۔''

تو آپؐ نے کوہ صفا پر چڑھ کر آواز لگانی شروع کی: ''اے بنی فہر! اے بنی عدی!''
آپ کی پکار پر سب اکٹھا ہو گئے۔ یہاں تک کہ جو خود نہیں پہنچ سکتا تھا اس نے اپنا قاصد بھیج دیا کہ دیکھئے کیا معاملہ ہے؟

جب سب لوگ جمع ہو گئے تو آپؐ نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ''لوگو! یہ بتاؤ، اگر میں تمہیں یہ خبر دوں کہ ادھر وادی میں شہسواروں کی ایک جماعت ہے جو تم پر چھاپہ مارنا چاہتی ہے۔ تو کیا تم مجھے سچا مانو گے؟ لوگوں نے کہا: ''ہاں، ہم نے آپ پر سچ ہی کا تجربہ کیا ہے۔ اس لیے آپ کی بات کو جھٹلانے کا کوئی سوال ہی نہیں ہے۔''

آپؐ نے فرمایا: ''اچھا تو میں تمہیں ایک سخت عذاب کے آنے سے پہلے خبردار کرنے کے لیے بھیجا گیا ہوں۔''

یہ سن کر ابولہب نے کہا: تَبًّا لَکَ سَائِرِ الْیَوْمِ اَلِھٰذَا جَمَعْتَنَا. ''تو سارے دن غارت ہو تو نے ہمیں اسی لیے جمع کیا تھا۔''

مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب آیت وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ. نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پکار لگائی۔ یہ پکار عام بھی تھی اور خاص بھی۔

آپؐ نے فرمایا: ''اے جماعت قریش! اپنے آپ کو جہنم سے بچاؤ، اے بنی کعب اپنے آپ کو جہنم سے بچاؤ، اے محمدؐ کی بیٹی فاطمہؓ! اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچا، کیوں کہ میں تم لوگوں کو اللہ (کی گرفت) سے (بچانے کا) کچھ بھی اختیار نہیں رکھتا۔''

آپؐ نے یہ بھی نصیحت کی: ''لوگو! آگاہ ہو جاؤ، جس طرح تم سوتے ہو اسی طرح مرو گے اور جس طرح تم جاگتے ہو اسی طرح دوبارہ زندہ کئے جاؤ گے۔ اس کے بعد یا ہمیشہ کے لیے جنت ہے یا ہمیشہ کے لیے جہنم۔''

یہ آخرت کی حقیقت کا اعلان تھا جو دنیا پرست لوگوں کو سنایا جا رہا تھا۔ مگر ابولہب کے دنیوی فکر کے لیے یہ پیغامِ آخرت اس قدر غیر مانوس ثابت ہوا کہ وہ فوراً اٹھ کر چلا گیا۔ اور چلّا کر کہا: ''تمہارا برا ہو کیا تم نے یہی بات سنانے کے لیے جمع کیا تھا۔''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جو چیز سب سے اہم تھی وہ ابولہب کو انتہائی غیر اہم اور معمولی نظر آئی۔

اس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جس کے مزاج میں کفر ہوگا وہی آخرت کو نظر انداز کرے گا۔

انسانی زندگی کے دو پہلو ہوتے ہیں۔ اسلامی زندگی اور غیر اسلامی زندگی۔

غیر اسلامی زندگی یہ ہے کہ آدمی کی سرگرمیوں کا رخ دنیا کی طرف ہو جائے۔ اس کی سوچ، اس کی دلچسپی، اس کی سرگرمی، اس کی دوستی و دشمنی، اس کی جدو جہد اور مشاغل اور اس کا جینا مرنا صرف دنیوی مفاد کے لیے ہوں۔

اس کو صرف اپنے مادی مفادات سے دلچسپی ہو، وہ اپنی دنیوی مستقبل کی تعمیر میں لگا ہوا ہو، وہ انہی چیزوں کے لیے متحرک ہوتا ہو جس میں اس کے دنیوی معاملات درست ہوتے ہوں، جس میں اس کی شخصیت چمکتی ہو، جس میں اس کے احساس برتری کو تسکین ملتی ہو۔

اس کے برعکس اسلامی زندگی آخرت رخی زندگی ہوتی ہے۔

آخرت رخی زندگی یہ ہے کہ آدمی دنیا اور اس کی مشغولیتوں میں رہ کر بھی کسی آن آخرت کو فراموش نہ کرے۔ اور اس بات کو دل و دماغ سے کسی وقت اوجھل نہ ہونے دے کہ ایک دن اسے اپنے پروردگار کے سامنے پیش ہو کر اپنی پوری زندگی اور کارناموں کا حساب دینا ہے۔

یعنی اس کے تمام دنیوی مسائل پر فکر آخرت غالب رہے۔

اللہ سے تعلق، موت کی یاد، جہنم کا اندیشہ، یہ چیزیں اس پر اس طرح چھائیں کہ وہ ہر وقت اسی کے لیے سوچے اور اس کے ہر قول و فعل سے اسی کا اظہار ہونے لگے۔

جب اسے کوئی آرام اور سکون و عافیت کا موقع نصیب ہو تو یہ سوچ کر بے چین ہو جائے کہ معلوم نہیں آخرت میں کیا ہوگا؟

اور جب اس پر کوئی تکلیف آپڑے تو یہ سوچ کر لرز اٹھے کہ جب دنیا کی معمولی سی تکلیف کا یہ حال ہے تو حشر کی تکلیف کیسے برداشت ہوگی؟

جب کسی کے احساس پر کوئی چیز سوار ہو جاتی ہے تو اسے ہر کام اور ہر بات میں اسی کا عکس دکھائی دیتا ہے اور وہ شخص کسی بھی حال میں اسے اپنے دل و دماغ سے اوجھل نہیں کر پاتا۔

ایک شخص بہت بھوکا تھا۔ اس سے کسی نے پوچھا: ''بتاؤ دو اور دو کتنے ہوتے ہیں؟''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہ جھٹ بول پڑا: ''چار روٹیاں''

بھلا یہ بھی کوئی جواب ہے۔ دو اور دو چار قلم بھی تو ہو سکتے ہیں۔

پھر پوچھنے والے نے گنتی کے بارے میں پوچھا تھا نہ کہ کسی چیز کے بارے میں۔ لیکن چوں کہ وہ بھوکا تھا اور اس کے احساس پر روٹی سوار تھی اس لیے اسے ہر بات اور ہر چیز میں روٹی ہی نظر آ رہی تھی۔

ایک واقعہ:

کہا جاتا ہے کہ ایک بہت ہی نیک سیرت بزرگ تھے۔ ایک بار وہ کوئی سودا خریدنے کے لیے بازار گئے۔ سکہ انہوں نے دوکاندار کو دیا اور کہا مجھے فلاں سودا دے دو۔ دوکاندار نے ان کے سکہ کو الٹ پلٹ کر دیکھا اور پھر ان کی طرف اچھال کر پھینک دیا اور کہا:

''آپ کا سکہ کھوٹا ہے اس لیے آپ کو سودا نہیں ملے گا۔''

یہ سن کر وہ بزرگ بیہوش ہو کر گر پڑے۔ کافی دیر کے بعد جب انہیں ہوش آیا اور لوگوں نے پوچھا:

''آخر آپ اچانک بے ہوش کیوں ہو گئے، کون سا صدمہ آپ کے دل و دماغ پر چھا گیا جس کی وجہ سے آپ اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھے؟''

تو انہوں نے جواب دیا: ''میں اپنی آخرت اور حشر کی ہولناکی کو سوچ کر بے ہوش ہو گیا۔ یہ سوچ کر میرے ہوش وحواس جاتے رہے کہ دوکاندار نے میرے سکہ کو کھوٹا کہہ کر واپس کر دیا، مجھے سودا نہیں دیا، میں دنیا میں سودا خریدنے کے لیے دوسرا سکہ لا سکتا ہوں لیکن اگر میرے اللہ نے میدان حشر میں مجھ سے کہہ دیا کہ تمہارے عمل کا سکہ کھوٹا ہے تو میں وہاں اپنی نجات کے لیے دوسرا عمل کہاں سے لاؤں گا؟''

انسان کے اندر اگر اس طرح کی فکر آخرت اور اللہ کے سامنے جواب دہی کا احساس پیدا ہو جائے تو دنیا کی کوئی مشغولیت اور دلچسپی اسے راہ حق سے نہیں ہٹا سکتی۔

اب میں آپ کے سامنے ایک مثال رکھنا چاہتا ہوں۔

لیکن اسے پیش کرنے سے پہلے ایک اہم بات کی طرف توجہ دلانا ضروری سمجھتا ہوں۔

وہ یہ کہ مثالیں اس لیے نہیں بیان کی جاتیں کہ اپنی باتوں کو ثابت کر دیا جائے، بلکہ اس

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیے بیان کی جاتی ہیں تا کہ باتوں کو واضح اور قابل فہم بنا دیا جائے۔

مثالیں باتوں کو ثابت کرنے کے لیے نہیں بلکہ انہیں واضح کرنے کے لیے بیان کی جاتی ہیں۔

اگر مثالوں سے بات ثابت ہو جائے تو جو لوگ باطل پر ہوتے ہیں انہیں بھی تو کوئی نہ کوئی مثال سوجھ جاتی ہے۔

ایک جگہ پر ایک مسلمان اور ایک عیسائی میں بحث ہو رہی تھی۔

بحث کا موضوع حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام اور مرتبہ سے متعلق تھا۔

عیسائی کہہ رہا تھا کہ میرے نبی حضرت عیسیٰ کا مقام تمہارے نبی حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بہت بلند ہے۔

مسلمان نے کہا: ''تمہارا دعویٰ بالکل غلط ہے۔ ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی سے نہیں بلکہ تمام پیغمبروں اور فرشتوں سے زیادہ بلند ہے اور اس پوری کائنات اور اس کی تمام مخلوقات میں اللہ کے بعد سب سے بڑا مقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔''

عیسائی نے کہا: ''دیکھو! میں اپنے اس دعویٰ کو مثال کے ذریعہ ثابت کرتا ہوں۔''

''جو چیز اوپر ہوگی اس کا مقام یقیناً اس چیز سے بلند ہوگا جو نیچے ہوگی۔''

تو میرے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر اٹھا لیے گئے ہیں اور ابھی چوتھے آسمان پر ہیں اور تمہارے نبی حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اسی زمین پر مرے اور اسی میں دفنا دیئے گئے۔ تو کیا تمہارے نبی کا مقام میرے نبی کے مقام سے نیچا نہیں ہوا؟''

مسلمان نے کہا: ''اگر مثال ہی سے بات ثابت ہو جاتی ہے تو میں بھی ایک مثال دیتا ہوں۔ تم کہتے ہو جو چیز اوپر ہوگی مقام اور مرتبہ کے لحاظ سے بلند ہوگی۔ یہ بات ہر معاملہ میں درست نہیں ہو سکتی۔ ایک ترازو لے لو اور اس کے ایک پلڑہ میں سونا بھر دو، دوسرے پلڑہ کو خالی رکھو۔ تو جو پلڑہ سونے سے بھرا ہوگا وہ زمین پر رہ جائے گا اور جو خالی ہوگا وہ آسمان کی طرف اٹھ جائے گا۔''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اب آیئے اس مثال کی طرف۔

فرض کیجیے ایک شخص کسی لمبی دوری کے سفر پر جا رہا ہے۔ وہ ٹرین اسٹیشن پر آ کر کھڑی ہو گئی جس پر اسے سفر کرنا ہے۔ آدمیوں کا ہجوم بہت زیادہ ہے۔ یہ ٹرین میں جگہ بنانے اور اس پر سوار ہونے کی کوشش کر رہا ہے۔ اچانک ایک شخص اسے حلوہ کھلانے کی پیشکش کرتا ہے۔

وہ کہتا ہے: ''یہ بہت عمدہ، لذیذ اور مفید حلوہ ہے۔ براہ کرم اسے تناول فرما لیں، طبیعت ہشاش بشاش ہو جائے گی۔''

کیا یہ شخص ٹرین میں جگہ بنانے کی فکر چھوڑ کر حلوہ کی طرف توجہ دے گا؟

ہرگز نہیں، وہ اس آدمی کی طرف قطعی توجہ نہیں کرے گا، گویا اس نے اس کی بات ہی نہیں سنی۔

ایک اور مثال لیجیے۔

فرض کیجیے آپ چڑیا کے شکار پر نکلے۔ ایک چڑیا آپ کو پیڑ کی اونچائی پر بیٹھی ہوئی مل گئی۔ آپ نے اسے بندوق کے نشانہ پر لیا۔ اب آپ کی نگاہ چڑیا کے سینہ پر ہوگی۔ حالاں کہ اس پیڑ میں خوشبودار پھول، میٹھے پھل اور خوبصورت پتے لگے ہوئے ہیں۔

لیکن چوں کہ آپ کا مقصد شکار ہے اس لیے آپ کی پوری توجہ اسی طرف رہے گی نہ کہ درخت اور اس کے پھولوں اور پھلوں کی طرف۔

یہی معاملہ فکر آخرت اور دنیوی مشغولیتوں کا بھی ہے۔

آخرت کی سختی کا خیال اور اس پر کامل یقین انسان کو ہر چیز سے بے رغبت بنا دیتا ہے۔

کنز العمال میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ منقول ہے: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ اسلام سے پہلے تجارت کرتے تھے۔ اسلام لانے کے بعد ان کی تجارت چھوٹ گئی۔ پھر وہ کہا کرتے تھے:

''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں ابوالدرداء کی جان ہے، آج مجھے یہ بھی پسند نہیں ہے کہ مسجد کے دروازے پر میری ایک دوکان ہو، میری ایک بھی جماعت کی نماز نہ چھوٹتی ہو، میں روزانہ چالیس دینار کماؤں اور سب کا سب اللہ کی راہ میں صدقہ کر دوں۔''

پوچھا گیا: ''اے ابوالدرداء! کیا چیز ہے جس نے آپ کے لیے اسے ناپسند بنا دیا ہے؟''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جواب دیا: شِدَّةُ الْحِسَابِ. ''حساب کی سختی۔''

آج جب ہم مسلمانوں کے حالات پر نگاہ ڈالتے ہیں تو ان میں وہ تمام برائیاں نظر آتی ہیں جو عام طور پر منکرین آخرت کے یہاں پائی جاتی ہیں۔

مثلاً بغض وکینہ، غیبت وچغلی، کبر وحسد، بدگمانی، دوسروں کے عیوب کو ظاہر کرنا اور انہیں مزے لے لے کر بیان کرنا، طعن وتشنیع، دوسروں کا برا چاہنا، کمزوروں پر ظلم کرنا، ظلم ہوتا دیکھ کر ظالم کا ہاتھ نہ پکڑنا وغیرہ۔

حالاں کہ اجتماعی زندگی کے آداب بتاتے ہوئے قرآن مجید کی سورہ حجرات میں تاکید کی گئی ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ. يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوْا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ. بِئْسَ الْاِسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ. يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا. اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ. ''مسلمان سب بھائی بھائی ہیں، تمہارے دو بھائیوں میں جھگڑا ہو تو ان میں صلح کرادو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ اے ایمان والو! نہ مرد دوسرے مردوں پر ہنسیں، ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں دوسری عورتوں پر ہنسیں ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔ اور ایک دوسرے کو طعنہ مت دو اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے یاد کرو۔ ایمان لانے کے بعد گناہ کا نام لگنا برا ہے۔ جو لوگ اس سے باز نہ آئیں وہی ظالم ہیں۔ اے ایمان والو! بہت زیادہ گمان سے بچو کیوں کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ اور کسی کا بھید نہ ٹٹولو اور پیٹھ کے پیچھے کسی کی برائی نہ کرو۔ کیا تم میں سے کوئی شخص یہ بات پسند کرے گا کہ وہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے۔ اس کو تو تم ناگوار سمجھتے ہو۔ اللہ سے ڈرو اور اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا مہربان ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کے لیے دنیا میں جن رحمتوں کا وعدہ کیا ہے، ان سب کا دارو

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مدار اس پر ہے کہ وہ مل جل کر رہیں۔

اور اگر اتفاقیہ طور پر دو مسلمانوں میں کوئی نزاع پیدا ہو جائے تو سارے مسلمان اس کی اصلاح اور باہم صلح وصفائی کے لیے اس طرح دوڑ پڑیں جیسے کوئی اپنے گھر میں آگ لگی ہوئی دیکھ کر اسے بجھانے کے لیے دوڑ پڑتا ہے۔

اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ ان تمام چیزوں اور باتوں سے بچنے کا اہتمام کیا جائے جو میل ملاپ کی فضا کو بگاڑنے کا سبب بنتی ہوں۔

کسی آدمی میں کوئی کمی نظر آئے تو اس کا مذاق نہ اڑائیں۔

جب عزت اور ذلت اللہ کے ہاتھ ہے تو آدمی کو ہمیشہ ڈرتے رہنا چاہیے کہ کیا معلوم دوسرا شخص مجھ سے بہتر ہو۔

کسی سے کوئی غلطی ہو جائے تو اسے طعنہ نہ دے۔ بلکہ خیر خواہی اور محبت کے جذبہ سے اس کی اصلاح کی کوشش کرے، کسی کو بدنام کرنے کے لیے اس کا نام نہ بگاڑے، ایمان کے ساتھ اس قسم کی روش جمع نہیں ہو سکتی، ناکافی معلومات کی وجہ سے کسی سے بدگمانی ہو جائے تو اسے دل میں نہ رکھے، بلکہ تحقیق کرے یا اسے دل سے نکال دے۔

کوئی کسی کا بھید جاننے کی کوشش نہ کرے۔ جس طرح آدمی اپنے بھید کو چھپانے کی کوشش کرتا ہے اسی طرح اس کو پسند کرنا چاہیے کہ دوسروں کا بھید بھی چھپا رہے۔

کوئی کسی کی غیبت نہ کرے۔ غیر موجود آدمی کا برائی کے ساتھ تذکرہ کرنا اس پر ایسی حالت میں حملہ کرنا ہے جب کہ وہ اپنی صفائی کے لیے موجود نہیں ہے۔

یہ تو ہیں اجتماعی زندگی کے آداب۔ مگر افسوس ہمارا عمل اس کے بالکل الٹا ہے۔ آخر کیوں؟

اس لیے کہ یہ احساس ہمارے دلوں سے نکل چکا ہے کہ ایک دن ہمیں اللہ کے سامنے کھڑا ہو کر اپنے تمام کارناموں کا حساب دینا ہے۔

آدمی کے اندر اگر اللہ کے سامنے جواب دہی کا احساس پیدا ہو جائے تو گویا اس کے اندر ساری خوبیاں پیدا ہو گئیں۔

یہ احساس آدمی کی زندگی میں ایک چوکیدار بن کر داخل ہو جاتا ہے۔ وہ ہر اس موقع پر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آدمی کو روکتا ہے جب وہ اپنے بھائی کے ساتھ بے انصافی کرنے جارہا ہو یا بے انصافی کر سکتا ہو۔

آج پوری دنیا ایک بحرانی دور سے گذر رہی ہے اور عالم اسلام سب سے زیادہ اس بحران کا شکار ہے۔ خود اپنے ملک ہندوستان میں ہم اپنی زندگی کے انتہائی نازک موڑ سے گذر رہے ہیں۔

ایسی صورت میں ضروری ہے کہ مسلمان آپس میں مل جل کر اور اتفاق و اتحاد کے ساتھ رہیں۔

نااتفاقی کے بارے میں قرآن مجید کی سورۂ انفال میں تاکید کی گئی ہے

وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِيْحُكُمْ. ''اور لڑو نہیں ورنہ تم کمزور ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔''

طہارت اور صفائی کی بڑی اہمیت ہے۔ آدمی کو ہمیشہ پاک وصاف رہنا چاہیے اور اپنے گرد و پیش کو بھی صاف ستھرا رکھنا چاہیے۔ لیکن جب ہیضہ پھیل جائے یا اس کے پھیلنے کا خطرہ ہو تو صفائی کی اہمیت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔

اسی طرح جب حالات ناگفتہ بہ ہو جائیں اور مسلمان پر چاروں طرف سے مصائب کے بادل منڈلانے لگیں تو اتفاق و اتحاد کی اہمیت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔

مگر آج کے دور میں مسلم قوم ہی وہ قوم ہے جو سب سے زیادہ غیر متحد ہے۔

جہاں بھی دیکھیے مسلمان ہی آپس میں لڑتے بھڑتے نظر آئیں گے۔

موجودہ حالات میں چوں کہ غیروں پر ان کا بس نہیں چلتا اس لیے ان کا غصہ اپنوں ہی پر اترتا ہے۔ وہ دوسروں کے لیے نرم اور اپنے بھائیوں کے لئے سخت بن گئے ہیں۔ آخر کیوں؟

ایک مثال:

فرض کیجیے کسی بستی میں چند افراد ایک میز کے اردگرد بیٹھے ہیں۔ ان میں کسی بات پر جھگڑا ہو رہا ہے۔ ہر ایک دوسرے کو ذلیل کرنا چاہتا ہے۔ ہر ایک کی خواہش ہے کہ وہ دوسرے فریق کو کچا چبا جائے۔

انھیں اس لڑائی سے باز رکھنے کی کوشش بھی کی جارہی ہے مگر لوگوں کی بے پناہ کوشش بھی انہیں متحد رکھنے کے لیے ناکام ثابت ہو رہی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ ابھی آپس میں گتھم گتھا ہو کر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک دوسرے کی جان لینے سے بھی دریغ نہ کریں گے۔

اچانک اسی جگہ ایک بہت بڑا دولت مند آدمی آجاتا ہے جس کے ہاتھ میں ایک تھیلی ہے اور اس میں مختلف رنگ کی گولیاں ہیں۔

ان میں سے ایک گولی لال رنگ کی ہے۔

وہ اعلان کرتا ہے: ''اس لال گولی پر ایک لاکھ روپئے کا انعام ہے۔ میں اسے اچھال کر گراؤں گا جو شخص لال گولی کو حاصل کرلے گا وہ ایک لاکھ روپے پانے کا مستحق ہوگا۔''

اس کے بعد جب وہ گولیوں کو اچھالے گا تو تمام لوگوں کی توجہ لال گولی پر لگ جائے گی۔ دیکھنے میں اگرچہ وہاں بہت سی گولیاں ہوں گی مگر ان میں سے ایسا کوئی نہیں ہوگا جو لال گولی کے سوا کسی اور گولی کی طرف متوجہ ہو۔ سب آپسی جھگڑوں کو بھلا کر اسے حاصل کرنے میں جٹ جائیں گے۔

فرض کیجیے اسی جگہ اور انہی حالات میں ایک دوسرا شخص پہنچ جاتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں ایک بہت بڑا تھیلا ہے۔ وہ اسے میز پر رکھ کر کھولتا ہے تو اس کے اندر سے ایک کالا سانپ نکل کر میز پر چلنے لگتا ہے۔ اس کے بعد ان لڑنے والوں کا جو حال ہوگا، اس کا تصور ہر شخص کرسکتا ہے۔ دوبارہ ہر آدمی کی نگاہ سانپ پر جم جائے گی۔ ہر آدمی یہی سوچے گا کہ وہ بھاگ کر اپنے کو سانپ کی زد میں آنے سے بچائے۔

اس مثال کی روشنی میں ہم سمجھ سکتے ہیں کہ کسی قیمتی چیز کو حاصل کرنے کا والہانہ شوق اور کسی بڑی مصیبت سے بچنے کی فکر ہی وہ چیزیں ہیں جو آپسی نااتفاقی کو ختم کرسکتی ہیں۔

اگر اسی طرح لوگ صحیح معنوں میں جنت کے حصول کی خواہش اپنے دلوں میں پیدا کرلیں، اور جہنم کا خوف ان کے دلوں میں سما جائے تو ہر طرح کی نااتفاقی اتحاد میں بدل تبدیل ہوجائے گی۔

اگر فی الواقع ایسا ہو کہ جنت لوگوں کی شدید ترین طلب بن جائے اور جہنم کا خوف ان پر طاری ہوجائے تو دفعتاً سب ایک ہی نقطۂ نظر پر متحد ہوجائیں گے۔

پھر سارے مسلمان مل کر اتحاد کی چٹان بن جائیں گے۔

وہ دین جو مختلف فرقوں میں بٹا ہوا نظر آتا ہے وہ صرف ایک دین کی صورت میں دکھائی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دینے لگے گا۔

وہ قوم جو آپس کی سر پھٹول کے اندر مبتلا ہے وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح بن جائے گی۔

آج کے دور میں ہم مسلمان ، اسلام کا نام لیوا ہونے کے باوجود عملی میدان میں صفر ہیں۔ نماز جیسی قیمتی اور اہم ترین عبادت سے غفلت، حقوق العباد کی ادائیگی سے بے توجہی، زکوٰۃ کو تاوان سمجھ کر اسے نہ ادا کرنا، حج فرض ہو جانے کے باوجود بخل سے کام لینا اور بیت اللہ کی زیارت سے محروم رہ جانا ہمارا شیوہ بن چکا ہے۔

آخر کیا وجہ ہے کہ نیکیوں کی طرف ہمیں رغبت نہیں ہوتی؟

ایک کسان کو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ سخت دوپہر میں اپنے کھیت میں کام کر رہا ہے۔ اس کے سر کا پسینہ اس کی ایڑی تک پہنچ رہا ہے۔

اپنے کھیت کو جوتنے اور اسے بنانے میں وہ اس قدر محو ہے کہ اسے اپنے جسم اور کھانے پینے تک کا ہوش نہیں ہے۔

آخر اسے کس نے اس طرح کی مشقت اٹھانے پر مجبور کر دیا ہے؟

اس کے اس یقین نے کہ میں محنت کروں گا تو میرے کھیت میں غلہ پیدا ہوگا جس سے میری اور میرے بال بچوں کی پرورش ہوگی۔

اور یہی یقین اس کے لیے اس طرح کی دشواریوں کو آسان بنا دیتا ہے۔

ایک مزدور مئی اور جون کی گرمی میں کھلی دھوپ میں کام کر رہا ہے۔ وہ سر سے پاؤں تک پسینے میں شرابور ہے۔ مگر اپنا کام کیے جا رہا ہے۔

وہ کیوں اپنے آپ کو مشقت کی آگ میں جلا رہا ہے؟ اس لئے کہ وہ جانتا ہے کہ اس ''دھوپ'' کا ایک ''سایہ'' بھی ہے۔ اس کی مزدوری کا ایک پہلو لو اور گرمی ہے اور دوسرا پہلو یہ ہے کہ وہ اجرت کے طور پر شام کو چند روپے حاصل کرے گا جس سے اس کی اور اس کے بیوی بچوں کی ضرورتیں پوری ہوں گی اور وہ رات کو اطمینان کی نیند سوئے گا۔

یہی یقین اسے آمادہ کرتا ہے کہ وہ سخت دھوپ میں محنت کرے۔

یہ الیکشن کا دور ہے۔ آج ہر سیاسی لیڈر بہر صورت کسی کامیاب اور مشہور پارٹی کا ٹکٹ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پہچاننے کے لیے بے تاب ہے۔

بات سیاسی لیڈر کی آ گئی تو ایک ضروری بات سمجھ لیجئے۔ایک تو ہوتا ہے سیاسی لیڈر اور ایک ہوتا ہے سیاسی مدبر۔دونوں میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے۔

سیاسی لیڈر آئندہ آنے والے الیکشن کے بارے میں سوچتا ہے جب کہ سیاسی مدبر آئندہ آنے والی نسل کے بارے میں سوچتا ہے۔

سیاسی لیڈر کو صرف اپنے مفاد اور اپنے اثر و رسوخ سے دلچسپی ہوتی ہے لیکن سیاسی مدبر کو قوم کے مفاد سے دلچسپی ہوتی ہے۔

سیاسی لیڈر قوم سے فائدہ اٹھاتا ہے مگر سیاسی مدبر قوم کو فائدہ پہنچانا ہی اپنی کوششوں کا اولین مقصد سمجھتا ہے۔

سیاسی لیڈر کو اپنے ذاتی مستقبل کی فکر ہوتی ہے لیکن سیاسی مدبر کو قوم کے مستقبل کی فکر ہوتی ہے۔

سیاسی لیڈر اپنی کرسی کے لیے قوم کی بربادی کو گوارا کر لیتا ہے مگر سیاسی مدبر قوم کو بربادی کے راستہ پر ڈالنے کے بجائے اپنی سیاسی موت برداشت کر لیتا ہے۔

سیاسی لیڈر اپنے مفاد اور اپنے اقتدار کے لیے قوم وملت کے مفاد کو داؤں پر لگا دینے سے نہیں چوکتا، جب کہ سیاسی مدبر قوم وملت کے لیے اپنے سارے مفادات کو قربان کر دینے پر تیار رہتا ہے۔

ہاں تو الیکشن کا زمانہ ہے۔لوگ ٹکٹ حاصل کرنے کے لیے دہلی میں جمع ہیں اور ہر شخص دوسرے کو روند کر اپنے لیے جگہ بنانا چاہتا ہے اور وہاں اس قدر بھیڑ لگی ہے کہ کھانے پینے کی چیزیں مہنگی ہوگئی ہیں۔پھر جسے ٹکٹ مل جاتا ہے، وہ اپنی سیٹ کو جیتنے کے لیے ہر جائز و ناجائز حربہ استعمال کرتا ہے۔ ووٹ کی بھیک مانگتا ہے، لوگوں سے جھوٹے وعدے کرتا ہے اور جیتنے کی فکر میں الجھے ہوئے بالوں اور گرد آلود کپڑوں میں ملبوس ہو کر اس قدر محنت کرتا ہے کہ اسے تن بدن کا ہوش نہیں رہتا۔آخر کیوں؟

اسی لیے نا کہ اسے یقین ہے کہ اگر میں اس سیٹ کو جیت لوں گا تو دوکاندار اپنی دوکان پر بیٹھ کر ایک کا چار اور پانچ کرتا ہے اور میں ملکی معاملات میں دخیل ہو کر ایک کا بیس اور چالیس کروں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گا۔

اسی طرح جب آدمی کو اللہ کے وعدوں اور آخرت میں ملنے والے اجر و انعام پر کامل یقین ہوتا ہے تو اس کے اندر نیکیوں کی بے انتہا رغبت پیدا ہو جاتی ہے۔

چند واقعات:

ایک بار خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مدینہ میں قحط سالی پڑ گئی۔ لوگ بہت زیادہ پریشان ہو گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''گھبراؤ نہیں، اللہ تعالیٰ کوئی نہ کوئی سبب ضرور پیدا فرمائے گا جس سے اس مشکل سے نجات مل سکے۔''

پھر ایک روز ایسا ہوا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا ایک تجارتی قافلہ شام سے مدینہ آیا جس میں ایک ہزار اونٹ تھے اور ہر اونٹ پر غذائی سامان لدا تھا۔

جب مدینہ کے تاجروں کو پتہ چلا کہ حضرت عثمانؓ کے پاس فروخت کرنے کے لیے بہت زیادہ غلہ آیا ہے تو وہ وفد کی شکل میں ان کے گھر صبح ہوتے ہی پہنچ گئے اور اپنا مقصد بیان کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ہم آپ کے پاس شام سے آیا ہوا غلہ خریدنا چاہتے ہیں تاکہ اسے مدینہ کے ضرورت مندوں تک پہنچایا جا سکے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''آپ لوگ شام کی خریداری پر مجھے کتنا نفع دیں گے؟''

تاجروں نے کہا: ''دس درہم پر بارہ درہم''

یعنی جو مال آپ نے دس درہم میں خریدا ہوگا اسے ہم بارہ درہم دے کر خرید لیں گے۔''

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''مجھے اس سے زیادہ مل رہا ہے۔'' تاجروں نے کہا: ''ہم آپ کو دس درہم پر چودہ درہم دیں گے۔'' انہوں نے فرمایا: ''مجھے اس سے بھی زیادہ قیمت مل رہی ہے۔''

تب تاجروں نے آخری قیمت لگاتے ہوئے کہا: ''ہم آپ کو دس درہم پر پندرہ درہم دیں گے۔''

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''جو قیمت آپ لوگ مجھے دے رہے ہیں اس سے کہیں زیادہ منافع مجھے مل رہا ہے۔ اس لیے میں اپنا مال آپ کے ہاتھ نہیں فروخت کروں گا۔ میں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کے ہاتھ بیچوں گا جو مجھے دس گنا نفع دے رہا ہے۔" یہ سن کر تاجر حیران رہ گئے۔

انہوں نے پوچھا: ابھی شام کو آپ کا مال آیا ہے اور مدینہ کے تاجر یہاں موجود ہیں، پھر آپ کو دس گنا نفع کون دے رہا ہے؟

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا، میرا خدا قرآن پاک میں فرماتا ہے: مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ امثالها. "جو شخص ایک نیکی لائے گا ہم اسے دس گنا اجر وثواب دیں گے۔"

آپ لوگ مجھے ایک کا ڈیڑھ نفع دے رہے ہیں اور اللہ کے یہاں مجھے ایک کا دس ملے گا، اس لیے اے تاجرو!" تم اس بات پر گواہ رہو کہ میں نے اللہ کی رضا کے لیے یہ تمام غذائی سامان مدینہ کے ضرورت مندوں پر صدقہ کر دیا۔"

جب آدمی کو اللہ کے وعدوں پر کامل یقین ہوتا ہے تو اس کے حوصلے اتنے بلند ہوتے ہیں کہ وہ راہ خدا میں کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کرتا۔

کسی شخص کو حکومت مل جائے لیکن اس کے اندر جواب دہی کا احساس اور حساب آخرت کا خوف نہ ہو تو وہ بے لگام ہو جائے گا۔ پھر وہ اپنے اقتدار کا مقصد سمجھے گا، دولت جمع کرنا، قیمتی کاریں خریدنا، نوکروں کی فوج رکھنا، بینک بیلنس بڑھانا، شان وشوکت کی زندگی بسر کرنا اور غریبوں کے حقوق پر ڈاکہ ڈالنا وغیرہ۔

مگر جب صاحب اقتدار کے اندر فکر آخرت ہوگی تو وہ خود کو قوم کا خادم سمجھے گا اور ملک کے خزانہ کو وہ قوم کی امانت سمجھ کر اس کی حفاظت کرے گا اور اس میں سے ایک حبہ کی خیانت بھی گوارا نہیں کرے گا۔

اسی ہندوستان میں ۱۹۸۱ء میں مرکزی حکومت کے ایک نائب وزیر میرٹھ گئے تھے۔ روزانہ سیاست کانپور (۴ر اگست ۱۹۸۱ء) کی رپورٹ کے مطابق، وہاں کے میونسپل بورڈ کی طرف سے انہیں جو ٹی پارٹی دی گئی اس پر ستر ہزار سے زیادہ روپے خرچ ہوئے اور ظاہر بات ہے یہ تمام روپیہ سرکاری تھا۔

وزیر موصوف نے اس خرچ کی کوئی پرواہ نہیں کی۔ اس لیے کہ انہیں اس بات کا خوف نہیں تھا کہ ایک دن انہیں ان تمام اخراجات کا اللہ کے سامنے جواب دینا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مگر جب حاکم کے اندر فکر آخرت ہوتی ہے تو وہ کس قدر محتاط ہوتا ہے۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے تو معمول کے مطابق وہ اپنی پیٹھ پر کپڑے کی گٹھری رکھ کر بازار کی طرف چلے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''کہاں کا ارادہ ہے؟''

انہوں نے جواب دیا: ''کپڑا بیچنے جا رہا ہوں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''آپ کپڑا بیچیں گے تو خلافت کا کام کون دیکھے گا؟''

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اگر کپڑا نہیں بیچوں گا تو گھر والوں کا گذارہ کیسے ہوگا؟''

آخر کار ان کے لیے بیت المال سے راشن مقرر ہوگیا جس سے ان کے گھر والوں کا گذارہ ہوتا تھا۔

ایک بار ان کی اہلیہ نے ان سے کوئی میٹھی چیز کھانے کی خواہش ظاہر کی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہمارے پاس اتنا کہاں ہے کہ ہم میٹھی چیز کے پکانے کا سامان مہیا کر سکیں۔

چند روز کے گذر جانے کے بعد ان کے سامنے جب کھانا آیا تو اس میں حلوہ تھا۔ کھانا شروع کرنے سے پہلے انہوں نے بیوی سے پوچھا: ''جب ہمارے پاس اس کا کوئی انتظام نہیں تھا تو یہ حلوہ کہاں سے آیا؟''

بیوی نے جواب دیا: ''ہمیں جو راشن ملتا ہے، میں روزانہ اس میں سے تھوڑا تھوڑا بچاتی رہی۔ جب کچھ اکٹھا ہوگیا تو اسے بیچ کر میں نے حلوہ کا سامان منگوالیا۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''تم روزانہ اس میں سے بچاتی رہیں اور ہمارا کام بھی چلتا رہا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو کچھ تم بچا رہی تھیں، وہ ہمیں فاضل ملتا ہے، یعنی اس کے بغیر بھی ہمارا گذارہ ہوسکتا ہے۔''

اس کے بعد انہوں نے اپنے راشن سے کٹوتی کرادی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا دور خلافت انتہائی تابناک ہے۔

ان کی حکومت اتنی بڑی تھی کہ اس کے حدود سندھ سے لے کر فرانس تک پھیلے ہوئے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھے۔

ایک بار انہوں نے دیکھا کہ ان کی لونڈی ہاتھ میں ایک پیالہ لیے ہوئے جا رہی ہے۔

انہوں نے پوچھا: ''تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟''

اس نے جواب دیا: ''یہ تھوڑا سا دودھ ہے جو میں بیت المال سے لائی ہوں۔ آپ کی بیوی حاملہ ہیں اور انہوں نے دودھ پینے کی خواہش ظاہر کی ہے اور حالت حمل میں عورت کی ہر خواہش پوری کرنی چاہیے ورنہ حمل کے ضائع ہونے کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے۔ چوں کہ دودھ مجھے کہیں سے نہیں ملا اس لیے بیت المال سے لے آئی ہوں۔''

لونڈی کا یہ جواب سن کر حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے ہاتھ سے دودھ کا پیالہ چھین لیا اور فرمایا:

''جا کر میری اہلیہ کو بتا دو کہ ان کا وہ حمل جو بیت المال کے دودھ سے باقی رہ سکتا ہے، میں چاہتا ہوں کہ وہ ضائع ہو جائے لیکن مجھے یہ گوارا نہیں ہے کہ اسلام کے اصولوں کو بالائے طاق رکھ کر میں بیت المال سے خیانت کا مرتکب بنوں۔''

انہوں نے بیوی کے حمل کا ضائع ہو جانا گوارا کر لیا مگر بیت المال سے معمولی خیانت گوارا نہیں کی۔

اس لیے کہ انہیں اس بات پر پورا یقین تھا کہ ایک دن انہیں اپنی خلافت اور اس کے بیت المال کا پورا پورا حساب دینا ہے۔

کوئی شخص انصاف کی کرسی پر بیٹھا ہوا ہو تو اسے بے انصافی اور غلط فیصلوں سے جو چیز روک سکتی ہے وہ فکر آخرت ہے۔

لیکن قاضی کے اندر اگر یہ احساس نہ ہو تو وہ ایک مفاد پرست منصف بن کر رہ جاتا ہے جسے انصاف سے کوئی سروکار نہ ہو بلکہ صرف اپنے مفاد اور اپنی ترقی کی فکر ہو۔

وہ شخص جو انصاف کی کرسی پر بیٹھا ہوا ہے، اگر اس کے اندر خوف خدا اور فکر آخرت ہے تو وہ بے لاگ فیصلہ کرنے میں اپنی جان کے چلے جانے کی بھی پرواہ نہیں کرتا۔

سلطان بایزید ترکوں کا ایک بہت مشہور بادشاہ گذرا ہے۔

اس کے دور حکومت میں ایک جج، مولانا شمس الدین رومیؒ تھے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک دن ان کی عدالت میں ایک مقدمہ پیش ہوا جس میں ایک فریق کی طرف سے بادشاہ کو خود گواہی دینی تھی۔

مقدمہ شروع ہوا تو سلطان بایزید گواہ کے کٹہرے میں آکر کھڑا ہو گیا۔

جج نے فریق سے پوچھا: ''تمہارا گواہ کون ہے؟'' اس نے بادشاہ کی طرف اشارہ کیا۔
مولانا شمس الدین رومیؒ نے کہا: ''سلطان بایزید کی گواہی کا اعتبار نہیں ہے۔ اس لیے میں اس کی گواہی نہیں مانوں گا۔ اسے عدالت سے باہر کر دیا جائے۔''

بہر حال مقدمہ کی کارروائی پوری ہوئی۔

شام کو بادشاہ خود مولانا شمس الدین رومیؒ کے پاس گیا اور کہا: ''آخر آپ نے میری گواہی کیوں نہیں مانی؟ جب کہ میں بادشاہ وقت ہوں اور آپ کو قتل بھی کر سکتا ہوں۔''

مولانا شمس الدینؒ نے کہا:

''آپ نماز باجماعت کے پابند نہیں ہیں اور شریعت میں ایسے شخص کی گواہی کا اعتبار نہیں ہے جو نماز باجماعت نہ ادا کرتا ہو۔ اگر آج میں آپ کے ڈر سے آپ کی گواہی مان لیتا، پھر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مجھ سے باز پرس کرتا کہ شمس الدین! تم نے اپنی جان کی خوف سے انصاف کا خون کیوں کر ڈالا؟ تو میں اپنے خدا کو کیا جواب دیتا؟ اس لیے میں نے آپ کی گواہی نہیں مانی۔''

سلطان بایزید نے فوراً اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا۔

بادشاہ وقت کی حیثیت سے سارا اقتدار اس کے پاس تھا۔ اور وہ قاضی کے خلاف کارروائی کر سکتا تھا۔

مگر اس نے قاضی کے اس صاف گوئی پر خوشی کا اظہار کیا اور اس کے بعد پابندی سے مسجد جانے لگا۔ اور سلطان نے ایک موقع پر کہا:

''مجھے فخر ہے کہ میری سلطنت میں ایسے ایماندار اور انصاف پسند قاضی موجود ہیں جو بادشاہ کے آگے بھی حق کا اظہار کرنے سے نہیں چوکتے۔''

عباسی خلیفہ مامون رشید اپنے سیاسی مخالفین کے لیے نہایت بے رحم تھا مگر عام لوگوں کے ساتھ وہ ہمیشہ ہمدردی کے ساتھ پیش آتا تھا۔

ایک روز اس کے دربار میں بغداد کی ایک بوڑھی عورت آئی۔ اس نے خلیفہ سے شکایت

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی:

''میں ایک غریب عورت ہوں، میرے پاس ایک زمین تھی جسے ایک ظالم نے مجھ سے چھین لیا ہے، میں نے کتنی ہی فریاد کی مگر اس نے نہیں سنی، میری دادرسی کی جائے''

مامون نے پوچھا: ''وہ کون ظالم ہے جس نے تمہارے ساتھ یہ سلوک کیا ہے؟''

بڑھیا نے اشارہ سے بتایا کہ وہ وہی ہے جو اس وقت آپ کے پہلو میں بیٹھا ہوا ہے۔

مامون نے دیکھا تو وہ اس کا لڑکا عباس تھا۔

مامون نے اپنے وزیر کو حکم دیا کہ وہ شہزادہ کو پکڑ کر اٹھائے اور اسے لے جا کر بڑھیا کے برابر کھڑا کر دے۔ وزیر نے ایسا ہی کیا۔

اب مامون نے حکم دیا کہ دونوں اپنا اپنا بیان دیں۔

شہزادہ عباس رک رک کر بولتا تھا۔ جب کہ بڑھیا بلند آواز سے بول رہی تھی۔

وزیر نے بڑھیا کو تنبیہ کرتے ہوئے کہا: ''آہستہ بولو، خلیفہ کے سامنے زور سے بولنا آداب کے خلاف ہے۔''

مامون نے اپنے وزیر کو روکا اور کہا: ''اس کو آزاد چھوڑ دو، جس طرح چاہے اسے کہنے دو۔ سچائی نے بڑھیا کی زبان تیز کر دی ہے اور شہزادہ کو اس کے جھوٹ نے گونگا بنا دیا ہے۔''

بڑھیا کا دعویٰ صحیح تھا چنانچہ مقدمہ کا فیصلہ بڑھیا کے حق میں ہوا اور اس کی زمین شہزادہ سے لے کر واپس کر دی گئی۔

ملک شاہ سلجوقی کی سواری ایک روز ایک پل سے گذر رہی تھی۔ ایک بڑھیا وہاں آ کر کھڑی ہو گئی۔ بادشاہ اس کے قریب پہنچا تو بڑھیا نے پکار کر کہا: ''اے بادشاہ بتا، میرا تیرا انصاف اس پل پر ہو گا یا اس پل (پل صراط) پر۔''

ملک شاہ پر اس جملہ کا بہت اثر ہوا۔ وہ گھبرا کر سواری سے اتر پڑا اور کہا: ''ماں! اس پل پر کس کی ہمت ہے کہ کھڑا ہو سکے۔ بہتر ہے کہ میرا اور تیرا حساب اسی پل پر ہو جائے۔''

اس کے بعد بڑھیا نے بتایا کہ سپاہیوں نے اس کی گائے ذبح کر دی ہے۔ میں تم سے اس ظلم کا انصاف چاہتی ہوں۔''

ملک شاہ سلجوقی وہیں ٹھہر گیا اور معاملہ کی تحقیق شروع کر دی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جب ثابت ہو گیا کہ بڑھیا کی شکایت صحیح ہے تو اس نے اسی وقت مجرموں کو سزا دی۔ اس کے بعد بڑھیا سے معافی مانگی اور گائے کی اصل قیمت سے بہت زیادہ معاوضہ دے کر اسے راضی کیا۔

جب حکمران کے دل میں ایمان بالآخرۃ جاگزیں ہوگا تو وہ قوم کو اپنے لیے نہیں بلکہ خود کو قوم کے لیے وقف کر دے گا۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اپنے دور خلافت میں ایک روز رات کو گشت کر رہے تھے۔ اچانک ان کی نگاہ ایک عورت پر پڑی جو چولہا جلائے ہوئے کچھ پکا رہی تھی اور اس کے بچے اس کے پاس بیٹھے رو رہے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس عورت سے کہا: ''تو کیسی عورت ہے جو اپنے روتے ہوئے بچوں کو چپ نہیں کرا سکتی؟''

عورت نے کہا: ''جاؤ اپنا راستہ لو، تمہیں اس سے کیا سروکار کہ یہ بچے کیوں رو رہے ہیں؟''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سوچا کہ ضرور کوئی خاص بات ہے۔

پھر انہوں نے عورت سے پوچھا، آخر کیا بات ہے؟ ذرا میں بھی سنوں۔

اس نے کہا: ''میں ایک غریب عورت ہوں، میرے یہ بچے بھوکے ہیں، ان کے راشن کا کوئی انتظام نہیں ہے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''تمہاری ہانڈی میں کیا پک رہا ہے؟''

اس نے کہا: ''اس میں کچھ نہیں ہے۔ میں نے اس میں صرف پانی رکھ کر اسے چولہا پر چڑھا دیا ہے تاکہ میرے بھوک سے بلکتے ہوئے بچوں کو یقین ہو جائے کہ کھانا پک رہا ہے۔ اور حشر کے دن میرا ہاتھ ہوگا اور عمر کا گریبان، جو خلیفہ ہونے کے باوجود ہماری خبر گیری نہیں کر رہا ہے۔''

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ لرز اٹھے۔

فوراً گھر آئے، غلام اسلم کو جگایا اور اس سے کہا کہ بیت المال سے ایک بورا آٹا نکالو، ایک غریب عورت اور اس کے بچوں کے کھانے کا انتظام کرنا ہے۔ اسلم نے جب آٹا کا بورا نکالا،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اسے میری پیٹھ پر لاد دو۔''

غلام نے کہا: ''نہیں، یہ قطعاً مناسب نہیں ہے۔ میں اسے اٹھاتا ہوں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اسلم خدا کے یہاں تم میرا بوجھ نہیں اٹھاؤ گے، حشر کے دن عمر کو خود اپنا بوجھ اٹھانا پڑے گا، اس لیے میں ہی اسے اٹھا کر لے چلوں گا۔''

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسے اپنی پیٹھ پر لاد کر لائے، فوراً ہی آٹا گوندھا، خود ہی چولہا پھونکا اور روٹیاں پکا کر عورت اور اس کے بچوں کو کھلایا۔

آسودہ ہونے کے بعد عورت نے شکر گذار نگاہوں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھا اور کہا: ''عمر کے بجائے تمہیں خلیفہ ہونا چاہیے۔''

اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ میں ہی عمر ہوں، میری اس کوتاہی کو معاف کر دو۔

اس کے بعد انہوں نے عورت اور اس کے بچوں کے مستقل گذارہ کے لیے بیت المال سے راشن مقرر کر دیا۔

اللہ والے آخرت کی ہولناکی سے کس قدر ڈرتے تھے۔ اس سلسلے میں چند واقعات پیش ہیں۔

ابن ابی شیبہ اور بیہقی نے ضحاک کے واسطے سے نقل کیا ہے: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک چڑیا کو درخت پر بیٹھے دیکھا تو آپؓ نے فرمایا:

''اے چڑیا! تو کتنی خوش نصیب ہے۔ کاش میں بھی تیری طرح ہوتا۔ تو درخت پر بیٹھی ہے۔ اس کا پھل کھاتی ہے پھر اڑ جاتی ہے۔ تیرے اوپر نہ کوئی حساب ہے اور نہ عذاب۔ خدا کی قسم مجھے یہ زیادہ پسند ہے کہ میں راستہ کے کنارے کا درخت ہوتا۔ میرے پاس سے ایک اونٹ گذرتا۔ مجھے پکڑتا اور مجھے اپنے منہ میں ڈال لیتا۔ مجھے چباتا، مجھے نگل لیتا اور پھر مینگنی کر کے باہر نکال دیتا۔''

ابن ابی شیبہ اور ابن عساکر وغیرہ نے عامر بن ربیعہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک تنکا زمین سے اٹھا کر اپنے ہاتھ میں لیا اور فرمایا: ''کاش میں تنکا ہوتا، کاش میں پیدا نہ کیا جاتا، کاش میں کچھ بھی نہ ہوتا، کاش میری ماں مجھے نہ جنتی، کاش میں بھولا بسرا ہوا ہوتا۔''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابن عساکر نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے ملے اور کہا:

''اے ابوموسیٰ! کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ تم نے جو عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہ کر کئے ہیں، وہی تمہارے لیے ہوں اور تم اپنے عمل سے برابر سرابر چھوٹ جاؤ، خیر شر سے اور شر خیر سے برابر ہو جائے، نہ تمہارے لیے کوئی ثواب ہو نہ عذاب؟''

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا: ''نہیں اے امیر المومنین! خدا کی قسم میں بصرہ آیا اور ظلم کرنا ان کے اندر عام تھا، پھر میں نے انہیں قرآن اور سنت کی تعلیم دی، ان کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کیا، میں ان اعمال کے ذریعہ اللہ کے فضل کی امید رکھتا ہوں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''لیکن مجھے یہ پسند نہیں کہ میں اپنے عمل سے اس طرح نکل جاؤں کہ خیر شر سے اور شر خیر سے برابر ہو جائے۔ میرے اوپر نہ کوئی گناہ ہو اور نہ کوئی ثواب۔ میرے لیے وہی عمل رہ جائے جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیے تھے۔''

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس ایک غلام تھا۔ ایک روز آپؓ نے اس سے کہا:

''میں نے ایک روز تیرا کان ملا تھا، تو مجھ سے اس کا بدلہ لے لے۔''

اس نے آپؓ کا کان پکڑا، آپؓ نے فرمایا: ''سختی سے مل، کتنا اچھا ہے کہ دنیا میں بدلہ ہو جائے، آخرت میں بدلہ کے لیے نہ رہے۔''

مسلم کی روایت ہے: ''ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اللہ تعالیٰ سے دعا کر رہی تھیں: ''خدایا میرے شوہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور میرے باپ ابوسفیان اور میرے بھائی معاویہ کا سایہ میرے اوپر دراز کر۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر فرمایا: ''ام حبیبہ! عمریں تو سب کی اللہ کے یہاں مقرر ہو چکی ہیں، تم کو دعا کرنی تھی تو عذاب جہنم سے نجات پانے کی دعا کرتیں۔''

طبرانی اور ابن عساکر نے حضرت بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

''مکہ کے مسلمان ہجرت کر کے مدینہ آئے۔ یہاں کا پانی ان کو پسند نہیں تھا۔ بنی غفار کے ایک آدمی کے پاس ایک کنواں تھا جس کو بیئر رومہ کہا جاتا تھا، مہاجرین کو اس کا پانی پسند تھا۔ اس کا مالک ایک مشک پانی ایک مد (صاع کا چوتھائی) کے عوض بیچتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وسلم نے اس سے کہا: ''اس کنویں کو جنت کے ایک چشمہ کے عوض مجھے بیچ دے۔''

اس آدمی نے کہا: ''میرے اور میرے عیال کے پاس کوئی دوسرا ذریعہ نہیں ہے، اس لیے میں نہیں دے سکتا۔''

اس واقعہ کی خبر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو انہوں نے بیر رومہ کو ۳۵ ہزار درہم دے کر خرید لیا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہا:

''یارسول اللہ! کیا اس کنویں کے عوض میرے لیے بھی جنت کا چشمہ ہے؟'' آپؐ نے فرمایا: ''ہاں''

پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے عام مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا۔

ترمذی کی روایت ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپؐ کے سامنے بیٹھ گیا۔ پھر اس نے کہا:

''میرے پاس کچھ غلام ہیں۔ وہ میرے ساتھ خیانت کرتے ہیں اور میری نافرمانی کرتے ہیں۔ اس کی وجہ سے میں انہیں برا بھلا کہتا ہوں اور مارتا ہوں۔ پھر ان کے معاملہ میں میرا کیا حال ہوگا؟''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب قیامت کا دن آئے گا تو ان کی خیانت اور ان کی نافرمانی کو شمار کیا جائے گا پس اگر تمہاری سزا ان کے جرم کے مطابق ہوگی تو معاملہ برابر ہو جائے گا اور اگر تمہاری سزا ان کے جرم سے زیادہ ہوگی تو ان کو اجازت دے دی جائے گی کہ اس کے بقدر تم سے بدلہ لے لیں۔''

یہ سن کر وہ شخص چیخ پڑا اور رونے لگا۔ اس کے بعد کہا:

''اے خدا کے رسولؐ! ان کے اور میرے درمیان جدائی سے بہتر کوئی صورت نہیں۔ میں آپؐ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ وہ سب آج سے آزاد ہیں۔''

آج ہم آخرت کو فراموش کر کے دنیا پرستی میں اس طرح مبتلا ہو گئے ہیں کہ صرف پیسہ ہی ہمارا مقصد حیات بن کر رہ گیا ہے۔

ہائے پیسہ، ہائے پیسہ، چاہے وہ جس ذریعہ یا جس ترکیب سے ملے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مشکوۃ کی روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيئَةٍ ''دنیا کی محبت تمام برائیوں کی جڑ ہے۔''

حقیقت یہ ہے کہ آخرت فراموشی اور دنیا کی محبت ہر دور میں انسانوں کی گمراہی کا سب سے بڑا سبب رہی ہے۔ یہی حال ہمارا بھی ہے۔

موجودہ دور میں ہم بڑی تیزی کے ساتھ مادیت کی طرف بڑھتے جا رہے ہیں اور ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کے ہوڑ میں اس طرح مبتلا ہیں کہ آخرت کی یاد تک ہمارے دلوں میں باقی نہیں رہی۔

حالاں کہ یہ دنیا وہ جال ہے کہ اسے ہم جس قدر حاصل کرنے کی کوشش کریں گے، اسی قدر اسے حاصل کرنے کی ہوس بڑھتی جائے گی۔ شاعر نے صحیح کہا ہے ؎

یہ فزونی حرص مال و دولت نہ دے گی دنیا میں تم کو راحت

ہوس بڑھائے گی تشنگی کو نظر کرے گی سراب پیدا

بخاری کی روایت ہے، حضرت عمرو بن عوف انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو جزیہ لانے کے لیے بحرین بھیجا۔

وہ بحرین سے مال لے کر آئے۔ انصار نے سنا کہ ابوعبیدہؓ آگئے ہیں تو وہ صبح کی نماز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہوئے۔

جب آپؐ نماز سے فارغ ہوئے تو وہ سامنے آئے۔ آپؐ ان کو دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا: ''میرا خیال ہے کہ تم نے سن لیا کہ ابوعبیدہؓ بحرین سے کچھ لے کر آئے ہیں۔''

انصار نے کہا، ہاں۔

آپؐ نے فرمایا: ''بشارت ہو اور خوشی کی امید رکھو۔ خدا کی قسم میں تمہارے فقر کو نہیں ڈرتا لیکن مجھے ڈر ہے کہ تمہارے اوپر دنیا اس طرح پھیلا دی جائے گی جس طرح تم سے اگلوں کے لیے پھیلا دی گئی تھی۔ تو تم اس میں حرص کرو جس طرح انہوں نے حرص کی۔ اور اس نے جس طرح ان کو ہلاک کیا تم کو بھی ہلاک کر دے۔''

ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا: ''ایک دور ایسا آئے گا جب دنیا کی دوسری قومیں تمہارے اوپر اس طرح ٹوٹ پڑیں گی جیسے بھوکا آدمی دسترخوان پر ٹوٹ پڑتا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔"

صحابہؓ نے عرض کیا: "یارسول اللہ! کیا اس وقت ہماری تعداد کم ہوگی؟"

آپؐ نے فرمایا: "نہیں، تمہاری تعداد کم نہیں ہوگی لیکن تم میں یہ خرابی پیدا ہو جائے گی،

حُبُّ الدُّنیا وَ کَرَاهِيَتِ الْمَوْتِ. "دنیا کی محبت اور موت کی ناگواری۔"

آج دنیا کی محبت لوگوں کے ذہنوں پر اس طرح سوار ہو چکی ہے کہ دنیا کی زندگی میں جب کوئی خطرہ پیش آتا ہے تو ہر شخص سمجھنے لگتا ہے کہ اس خطرہ کا سب سے پہلا شکار وہی ہوگا۔

جیسے کہیں ہیضہ پھیل جائے یا اس کے پھیلنے کا خطرہ ہو تو ہر شخص اس غم میں گھلا جا رہا ہوگا کہ سب سے پہلے یہ بیماری اسی کو لاحق ہوگی۔

اس کا ایک تجربہ اگست ۱۹۷۹ء میں ہوا۔

اسی سال امریکہ کی طرف سے ایک بہت بڑا راکٹ اسکائی لیب فضا میں چھوڑا گیا جس کا وزن ۸۰ ٹن تھا۔

اچانک امریکہ کی طرف سے اعلان ہوا کہ اسکائی لیب پر کنٹرول ختم ہو چکا ہے اور اندیشہ ہے کہ وہ کہیں بھی زمین پر گر پڑے۔

اس خبر کو سن کر ساری دنیا میں ہر شخص ڈر گیا، جیسے کہ اسکائی لیب اسی کے سر پر گرنے والی ہو۔

عجیب بات ہے کہ دنیا کے خطرہ کے بارے میں جو بات لوگوں کو اتنی اہمیت کے ساتھ معلوم ہے، اسی بات کو وہ آخرت کے معاملہ میں بالکل بھول جاتے ہیں۔

دنیا کے خطرہ کو ہر آدمی سب سے پہلے اپنے اوپر آتا ہوا محسوس کرتا ہے اور اس سے بچاؤ کی فکر کرتا ہے مگر آخرت کے بارے میں وہ اس طرح مطمئن ہے گویا اس کا اندیشہ صرف دوسروں کے لیے ہے اس کی اپنی ذات کے لیے کوئی اندیشہ نہیں ہے۔

جب آدمی آخرت فراموشی میں مبتلا ہو کر دنیوی زندگی اور اس کے مفاد کو اپنی تمام جدو جہد کا مرکز بنا لیتا ہے تو اس کی زندگی جانوروں سے بھی بدترین بن جاتی ہے۔

چند سال پہلے کی بات ہے کہ اتر پردیش کے شمال مشرقی خطے میں زبردست سیلاب آیا تھا۔ ہزاروں گاؤں زیرآب ہو گئے، مویشی بہہ گئے اور بہت سے انسانوں کی جانیں چلی گئیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس سیلاب کی ہولناکی کا یہ عالم تھا کہ لوگوں نے دیکھا کہ سیلاب کے پانی میں ڈوبے ہوئے ایک درخت کی ایک شاخ پر ایک انسان بیٹھا ہوا ہے اور دوسری شاخ پر ایک سانپ نے پناہ لے رکھی ہے۔

انسان سانپ کا دشمن اور سانپ انسان کا دشمن ہے۔ مگر دونوں اس بھیانک صورت حال سے اس قدر مبہوت ہیں کہ نہ سانپ انسان کو ڈس رہا ہے اور نہ انسان سانپ کو مارنے کی فکر کر رہا ہے۔

مگر اسی دوران یہ واقعہ ہوا کہ کچھ لوگ سیلاب زدہ علاقوں میں پہنچے اور وہاں پھنسے ہوئے لوگوں سے کہا کہ ہم تمہاری حفاظت کے لیے آئے ہیں، اپنا مال واسباب ہمیں دے دو، ہم اسے حفاظت کے ساتھ باہر پہنچا دیں گے۔

پھر اسی بہانے ان کے مال واسباب کو لے لیا اور چمپت ہو گئے۔

سیلاب کی طغیانی اور خوفناکی ایسی تھی کہ سانپ نے انسان کو ڈسنا چھوڑ دیا، مگر یہ دنیا پرست انسان سانپ اور موذی جانوروں سے بھی بدتر بن گیا۔

اس دنیا پرستی کے نتیجہ میں ہمارا امزاج بھی جانوروں جیسا بن گیا ہے۔

کسی گاؤں میں ایک بیل مر جاتا ہے۔ اسے کھانے کے لیے ایک کتا پہنچتا ہے اور کاٹ کاٹ کر کھانا شروع کرتا ہے۔ دوسرے کتے بھی وہاں پہنچ جاتے ہیں مگر یہ کتا بھونک بھونک کر دوسرے کتوں کو قریب نہیں آنے دینا چاہتا۔ آخر کیوں؟

وہ کتا کتنا گوشت کھا لے گا۔ دو کلو، چار کلو، زیادہ سے زیادہ پانچ کلو، مگر یہاں تو ۳ کنٹل سے زیادہ گوشت پڑا ہے مگر اس کی فطرت یہ گوارا ہی نہیں کرتی کہ اس کے سوا کوئی دوسرا بھی اس میں شریک ہو۔ یہی حال ہم انسانوں کا بھی ہو گیا ہے۔

ہر شخص چاہتا ہے کہ جو کچھ ملے صرف اسی کو ملے بقیہ تمام لوگ اس سے محروم رہیں۔

بعض لوگوں کے پاس اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ ان کی ضروریات سے فاضل ہوتا ہے پھر بھی یہ گوارہ نہیں کرتے کہ دوسروں کو بھی مل جائے۔

دنیا پرستی ہی کا نتیجہ ہے کہ ہر شخص صرف اپنا بھلا چاہتا ہے اور ہر آدمی کو صرف اپنی اور اپنے مفاد ہی کی فکر ہوتی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

واقعات میں آتا ہے کہ ایک بار اکبر بادشاہ انتہائی سنجیدہ حالت میں بیٹھا سوچ رہا تھا۔

بیربل نے پوچھا: کیا بات ہے حضور! کہیں عالیجاہ کو کوئی غم تو نہیں ہے؟

اکبر نے کہا ''بیربل! میں سوچ رہا ہوں کہ اگر ایک ہی شخص کی بادشاہت ہمیشہ رہتی تو کتنا اچھا ہوتا۔''

بیربل نے کہا: ''حضور! اگر قدرت کا یہی قانون ہوتا کہ ایک ہی شخص کی بادشاہت ہمیشہ رہے تو آپ کبھی بادشاہ نہ بن پاتے۔ اس لیے کہ آپ سے پہلے جو بادشاہ تھا وہ ہمیشہ رہتا، پھر آپ کو اس کا موقع کیسے ملتا؟''

آج دنیا پرستی کے نتیجے میں ہر شخص دولت بٹورنے میں مصروف ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۂ تکاثر میں فرمایا ہے:

اَلْھٰكُمُ التَّكَاثُرُ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ. ''زیادہ سے زیادہ مال جمع کرنے کی ہوس نے تمہیں اللہ سے غافل کر رکھا ہے یہاں تک کہ تم قبروں میں پہنچ جاتے ہو۔''

سورۂ ہمزہ میں ارشاد ہوا:

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۙ الَّذِىْ جَمَعَ مَالاً وَّعَدَّدَهٗ. يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ.

''تباہی ہے ہر اس شخص کے لیے جو لوگوں پر طعن اور پیٹھ پیچھے برائی کرنے کا خوگر ہے۔ جس نے مال جمع کیا اور گن گن کر رکھا۔ وہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال ہمیشہ اس کے پاس رہے گا۔''

یعنی وہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال اسے حیات جاوداں دے دے گا۔

دولت گن گن کر رکھنے میں وہ ایسا منہمک ہے کہ اسے اپنی موت یاد نہیں رہی ہے۔ اسے کبھی خیال نہیں آتا کہ ایک دن اسے سب کچھ چھوڑ کر خالی ہاتھ دنیا سے رخصت ہونا پڑے گا۔

انسان دولت جمع کرنے کے دھن میں اس لیے غرق رہتا ہے تاکہ اسے سکون ملے۔

حالاں کہ اسی فکر میں اس کا سکون غارت ہو جاتا ہے۔ پھر اسے نیند جیسی قیمتی چیز کے لیے خواب آور گولیاں استعمال کرنی پڑتی ہیں۔

ذہن ہمیشہ پریشانیوں کی آماجگاہ بنا رہتا ہے، سینے میں خوف اور لالچ کی بھٹی سلگتی رہتی ہے۔ آدمی دولت کو راحت دنیا کے لیے حاصل کرنا چاہتا ہے مگر یہی دولت اس کے لیے عذاب دنیا ثابت ہوتی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مومن کو دنیا سے کوئی دلچسپی اور لگاؤ ہی نہ ہونا چاہئے۔

اگر دنیا کی محبت دل میں نہیں رہے گی تو وہ مال کیسے کمائے گا اور مال جب نہیں کمائے گا تو اس کا اور اس کے بال بچوں کی ضروریات کیسے پوری ہوں گی؟

قرآن مجید نے اللہ کے بندوں کو اللہ سے مانگنے کا کیا بہترین سلیقہ سکھایا ہے:

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً. "اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھلائی عطا فرما۔"

وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً. "اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما۔"

وقِنَا عَذَابَ النَّارِ. "اور ہمیں جہنم کی آگ سے بچا۔"

مومن کو یہ بات بتائی گئی ہے کہ وہ اپنے رب سے فلاح آخرت کے ساتھ فلاح دنیا کی بھی دعا مانگے۔

مال کمانا اور دل میں مال کی محبت رکھنا ایمان کے منافی نہیں ہے۔

کنز العمال میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ منقول ہے۔ ایک بار ایک صحابیؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا:

"یا رسول اللہ! میری بیٹی شادی کے قابل ہو چکی ہے مگر اس کے نکاح اور رخصتی کے لئے میرے پاس کچھ نہیں ہے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا اور فرمایا کہ ان سے اپنی حالت بیان کرنا، وہ ضرور تمہاری مدد کریں گے۔

صحابیؓ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مکان پر پہنچے۔ ابھی انہوں نے آواز نہیں دی تھی کہ انہیں محسوس ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ان کی بیوی سے کچھ کہا سنی ہو رہی ہے۔ کان لگا کر سننے لگے کہ کیا ماجرا ہے؟

تب انہیں پتہ چلا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنی بیوی کو ڈانٹ رہے ہیں: "کل رات تم نے دیا کی بتی اتنی موٹی کیوں کر دی کہ دو دن کا تیل ایک ہی دن میں جل گیا۔"

صحابیؓ کو بڑی حیرت ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایسے کنجوس کے پاس بھیج دیا ہے جو بیوی کے ہاتھوں تھوڑا سا تیل جل جانے کو گوارہ نہیں کر سکتا۔ بھلا وہ میری بیٹی کی شادی کے لیے امداد کیا کرے گا؟

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

واپس لوٹ آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سارا ماجرا بیان کیا۔ آپؐ نے انہیں پھر حضرت عثمانؓ کے پاس بھیج دیا۔

وہاں جا کر انہوں نے ان کے سامنے اپنی بات رکھی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کی بیٹی کی شادی کے لیے اتنا سامان دیا جو دو اونٹوں پر نہیں لادا جا رہا تھا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اس طرح کے طرز عمل کے بارے میں حالی مرحوم نے کہا ہے ؎

کفایت جہاں چاہئے واں کفایت   سخاوت جہاں چاہئے واں سخاوت
جچی اور تلی دشمنی اور محبت   نہ بے وجہ الفت نہ بے وجہ نفرت

جیسا کہ پہلے بتایا گیا کہ یہی دنیا ہر زمانے میں انسان کی گمراہی کا سبب رہی ہے مگر بعد کے دور میں یہ فتنہ پوری شدت کے ساتھ ظاہر ہونے والا تھا، اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی محبت کو تمام برائیوں کی جڑ قرار دیا۔

پہلے آدمی جن نعمتوں کا تصور تک نہیں کر سکتا تھا وہ آج سائنسی تحقیقات کے نتیجہ میں واقعہ بن کر انسان کو حاصل ہو چکی ہیں۔

یہی نہیں، پہلے جو رنگینیاں اور اس کے دلکش ساز و سامان صرف کسی بادشاہ کے محل میں ہوتے تھے، وہ آج خوبصورت الماریوں میں سجے ہوئے بازاروں میں نظر آتے ہیں۔ وہ آج درودیوار پر رنگین اشتہارات کی صورت میں لگے ہوئے ہیں، وہ پوری رعنائی کے ساتھ سڑکوں پر ظاہر ہو کر ہر راہ گیر کو اپنی طرف کھینچ رہے ہیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ دنیا اس سے پہلے اتنی حسین نہیں تھی۔ اس لیے وہ اس سے پہلے انسان کے لیے اتنا بڑا فتنہ بھی نہیں بن سکتی تھی۔

آج مادی ساز و سامان نے ہر شخص کو اس خطرہ میں مبتلا کر دیا ہے کہ وہ ان کی ظاہری چمک دمک سے متاثر ہو کر زندگی کی اصلی حقیقت کو نہ بھول جائے۔

یہ جدو جہد کی دنیا ہے۔ یہاں ہر شخص اپنے کاروبار میں لگا ہے اور ہر آدمی یہ چاہتا ہے کہ وہ کامیاب ہو اور اس کی ہر کوشش بارآور ہو جائے۔

ایک طالب علم پڑھتا ہے، محنت کرتا ہے، راتوں کو جاگ کر اپنی درسی کتابوں کا مطالعہ کرتا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے اور جب امتحان کے کمرہ میں بیٹھتا ہے تو ہر حال میں پاس ہو جانا چاہتا ہے چاہے اسے ممتحن پر گولیاں ہی کیوں نہ چلانی پڑیں۔

اور جب وہ امتحان میں پاس ہو جاتا ہے تو خود کو کامیاب سمجھتا ہے۔

ایک لیڈر جو پارلیمنٹ یا اسمبلی کا الیکشن لڑ رہا ہے وہ اس سیٹ کو جیتنے کے لیے دن رات ایک کر دیتا ہے، اس دھن میں اسے کھانے پینے تک کا احساس نہیں رہتا اور جب وہ جیت جاتا ہے تو خود کو کامیاب سمجھتا ہے اور اسے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی کوشش بار آور ہوگئی۔

ایک دودھ پیتا بچہ ہے جو بھوک سے رو رہا ہے۔ پھر اس کی ماں اپنی چھاتی اس کے منہ میں لگا دیتی ہے اور جب وہ دودھ پا جاتا ہے تو خاموش ہو جاتا ہے گویا کہ وہ کامیاب ہو گیا۔

یہ ہے فلاح اور کامیابی کا ایک عمومی تصور جو ہمارے یہاں پایا جاتا ہے۔

لیکن اللہ کے نزدیک فلاح اور کامیابی ان محدود معنوں میں استعمال نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اصل کامیابی آخرت کی کامیابی ہے اور اصل ناکامی آخرت کی ناکامی ہے۔

یعنی کامیاب وہ ہے جو آخرت کے حساب وکتاب میں کامیاب ہو جائے، چاہے اس نے اس دنیا میں سوکھی روٹیاں کھا کر اور چیتھڑے پہن کر گذارہ کیا ہو۔

اور ناکام وہ ہے جو وہاں ناکام ہو جائے۔ چاہے اس دنیا میں اس کے پاس دولت کی تجوریاں، عمدہ کوٹھیاں، شاہانہ لباس، قیمتی دسترخوان، زر و جواہرات کے انبار اور نوکروں کی فوج رہی ہو۔

اللہ کے یہاں کامیابی کا معیار دولت اور دنیوی خوشحالی نہیں ہے۔

اگر دولت کامیابی کا معیار ہوتی تو وہ قارون، جس کے خزانے کی کنجیاں چالیس خچروں پر لادی جاتی تھیں، دنیا کا سب سے کامیاب انسان ہوتا، حالاں کہ وہ اپنے تمام خزانے سمیت زمین میں دھنسا دیا گیا۔

اور اگر دنیوی کامیابی ہی اصل کامیابی ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے سب سے بڑے دولت مند انسان ہوتے، جب کہ حالت یہ تھی کہ کبھی کبھی دو دو ماہ تک آپؐ کے گھر میں چولہا نہیں جلتا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۂ مومنون میں فرمایا ہے: فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهُ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ. ''پس جن کی تلیاں ان کا وزن بھاری ہو گیا وہی ہیں کامیاب ہونے والے۔''

وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ فَاُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْا اَنْفُسَهُمْ. ''اور جن کا وزن ہلکا ہو گیا، وہی ہیں جنھوں نے خود کو خسارے میں ڈالا۔''

سورۂ انفال میں ارشاد ہوا: تُرِیْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْیَا وَ اللّٰهُ یُرِیْدُ الْاٰخِرَةَ. ''تم لوگ دنیا کے فائدے چاہتے ہو حالاں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے آخرت کے فائدے چاہتا ہے۔''

سورۂ اعلیٰ میں بتایا گیا:

بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةُ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی. ''مگر تم لوگ دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو حالاں کہ آخرت بہت بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔''

یعنی دنیوی خوشحالی، مال و دولت، آل و اولاد، قوت و اقتدار، وہ چیزیں نہیں ہیں جو کسی شخص یا گروہ کے راہ راست پر ہونے کی یقینی علامتیں ہوں اور اس بات کی دلیل قرار پائیں کہ اللہ تعالیٰ اس پر مہربان ہے۔

اسی طرح کسی کا غریب ہونا بھی اس بات کا ثبوت نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے اور اس کے رویے سے ناخوش ہے۔

وہ شخص سخت دھوکہ میں مبتلا ہے جو اس دنیا کی زندگی میں رونما ہونے والے نتائج کو اصلی اور آخری نتائج سمجھ بیٹھا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۂ یوسف میں فرمایا ہے:

وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ اتَّقَوْا. ''اور آخرت کا گھر بہتر ہے ان لوگوں کے لئے جو خداترسی کے ساتھ کام کرتے رہے۔''

یہ تنبیہ اس امر پر ہے کہ کوئی شخص دنیوی حکومت و اقتدار اور اس کی خوشحالی کو نیکوکاری کا اصلی اور حقیقی اجر مطلوب نہ سمجھ بیٹھے، بلکہ خبردار رہے کہ بہترین اجر اور وہ اجر جو مومن کو مطلوب ہونا چاہئے، وہ ہے جو اللہ تعالیٰ آخرت میں عطا فرمائے گا۔

یہ مقابلے کی دنیا ہے۔ یہاں جب کسی کا کسی سے مقابلہ ہوتا ہے، چاہے وہ میدان سیاست میں ہو یا میدان کارزار میں، تو جیتنے والا اپنے کو خوش قسمت سمجھتا ہے اور ہارنے والا ذلت

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔

حالاں کہ اصل ہار آخرت کی ہار ہے اور اصل جیت آخرت کی جیت ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۂ تغابن میں فرمایا:

يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذَالِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ. ''جب اللہ تعالیٰ تم سب کو جمع کرے گا جمع ہونے کے دن، یہی دن ہے ہار جیت کا۔''

تغابن کا لفظ ایسے معاملہ کے لیے بولا جاتا ہے جب کہ ایک فریق نیچا رہے اور دوسرا فریق اونچا، ایک کو گھاٹا ہو اور دوسرا فریق نفع اٹھا لے جائے، ایک آگے نکل جائے اور دوسرا پیچھے رہ جائے۔

اور کوئی ہار جیت اس سے بڑی نہیں ہوسکتی کہ ایک گروہ کو جنت میں داخل کیا جائے اور دوسرے گروہ کو دوزخ میں ڈال دیا جائے۔

دنیا میں عزت، شہرت، دولت، اقتدار اور عیش و آرام کے بے شمار مواقع کھلے ہوئے ہیں، ہر شخص اپنے حالات کے مطابق ان کی طرف دوڑ رہا ہے، جو شخص ان میں سے کوئی حصہ اپنے لیے پالیتا ہے وہ اپنے کو فاتح اور کامیاب سمجھنے لگتا ہے۔

اس کے برعکس جو ان کو نہیں پاتا اور انہیں پانے کے لیے دوڑ دھوپ میں دوسروں سے پیچھے رہ جاتا ہے، لوگ اسے حقیر سمجھنے لگتے ہیں۔

عام خیال یہ ہو جاتا ہے کہ یہ وہ شخص ہے جو زندگی کی دوڑ میں پیچھے رہ گیا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگ شعوری یا غیر شعوری طور پر اسی دنیا کو ہار جیت کی جگہ سمجھتے ہیں۔

ان کا ذہن یہ ہو جاتا ہے کہ اسی دنیا کی جنت، جنت ہے اور یہیں کی دوزخ، دوزخ۔ قرآن نے بتایا کہ یہ محض دھوکہ ہے۔

وہ لوگ جو دنیا میں اپنے کو فاتح اور کامیاب سمجھتے ہیں، جب پردہ اٹھے گا تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ جائیں گے کہ اصل حقیقت تو کچھ اور ہی تھی۔ وہاں جا کر معلوم ہوگا کہ کون گھاٹے میں رہا اور کون نفع کما لے گیا؟

اصل میں دھوکہ کس نے کھایا اور کون ہوشیار نکلا؟ کون زندگی کی دوڑ میں پیچھے رہ گیا اور کون آگے بڑھنے والا ثابت ہوا؟ کس نے اپنی دماغی، مالی اور جسمانی صلاحیتوں کو نتیجہ خیز کاموں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں لگایا اور کون تھا جس نے اپنی تمام توانائیوں کو وقتی تماشوں میں برباد کر ڈالا؟

آدمی آخرت پر ایمان لاکر ہی مومن بن سکتا ہے۔ کوئی شخص اللہ کی وحدانیت اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا قائل ہو لیکن آخرت پر ایمان نہ رکھتا ہو تو وہ مومن نہیں ہے۔

عقیدۂ آخرت کے پیش نظر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ زندگی کے سارے کام آخرت کو سامنے رکھ کر کرے اور ہر وقت اسے یہ احساس رہے کہ ہمارے ہر کام چاہے وہ رات کی تاریکیوں میں انجام پائیں یا دن کی مصروف گھڑیوں میں، اللہ کے یہاں ریکارڈ کئے جارہے ہیں اور ہمیں ایک دن ان کی جزا اور سزا سے دوچار ہونا ہے۔

مسلمان کو ہر وقت یہی سمجھنا چاہئے کہ موت قریب ہے اور عمل کی مدت ختم ہوا چاہتی ہے اس لیے اپنی عاقبت کی بھلائی کے لئے جو بھی کر سکتا ہو کر لے۔

اس بے بنیاد بھروسے پر کہ، زندگی ابھی لمبی ہے، اپنی اصلاح میں دیر نہ لگائے بلکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ہدایت کے مطابق عمل کرے۔ اپنے فکر، خیالات، عقائد اور ارادے درست رکھے، برائی پر زبان کھولنے سے بچے، جو بات بھی کرے حق وانصاف کے مطابق کرے۔

دنیا کی موجودہ زندگی جس کی مقدار چند سالوں سے زیادہ نہیں ہوتی، محض سفر کا ایک عارضی مرحلہ ہے۔ اصل زندگی جو ہمیشہ باقی رہنے والی ہے، آگے آنے والی ہے۔

موجودہ عارضی زندگی میں انسان خواہ کتنا ہی سروسامان جمع کر لے اور چند سال کتنے ہی عیش وعشرت کے ساتھ بسر کر لے، بہر حال اسے ختم ہونا ہے اور آدمی کو اپنا جمع کیا ہوا تمام سروسامان یہیں چھوڑ جانا ہے۔

اس لیے عقلمندی یہ نہیں ہے کہ آدمی اس مختصر عرصۂ حیات کے عیش وآرام کے لیے آخرت کی ابدی زندگی میں خستہ حال اور مبتلائے مصیبت رہے۔

اس کے مقابلے میں ایک صاحب عقل آدمی اس بات کو ترجیح دے گا کہ یہاں چند سال کی مصیبتیں بھگت لے مگر یہاں سے وہ بھلائیاں لے کر جائے جو بعد کی زندگی میں اس کے لیے ہمیشگی کے عیش کا موجب بنیں۔

ہر کام کے لیے ایک موقع ہوتا ہے اور وہ بار بار نہیں آتا۔ موقع اور وقت کی قدر کرنے والے ہی کامیاب ہوتے ہیں اور جو لوگ مواقع کو ضائع کر دیتے ہیں ان کے ہاتھ میں نامرادی اور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ناکامی کے سوا کچھ نہیں آتی۔

نپولین دنیا کا مشہور ترین فاتح ہے۔اس نے بے شمار جنگی کامیابیاں حاصل کیں۔قدرتی آفت کے سوا اسے کوئی زیر نہیں کر سکا۔

اس نے اپنی کامیابیوں کا راز ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

''میں اپنے حریفوں پر اس لیے غالب آتا ہوں کہ وہ لمحات جن کو وہ لوگ نہیں سمجھتے، میں ان کی اہمیت کو پالیتا ہوں اور ان کو فوراً استعمال کرتا ہوں۔''

ہمارا یہ وقت بڑی تیزی سے گذر رہا ہے۔اس کی مثال برف جیسی ہے۔دو آدمی برف کی ایک سل اپنے گھر میں لاتے ہیں۔بظاہر دونوں کا معاملہ یکساں ہے مگر برف کا مالک صرف وہی ہے جو برف کو فوراً کام میں لائے۔جو برف کو کام میں نہ لا سکے وہ برف کو پانے کے باوجود برف کا مالک نہیں ہے کیوں کہ بہت جلد وہ دیکھے گا کہ برف پگھل پگھل کر ختم ہو چکا ہے۔اب اس کے پاس برف نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔

آج ہماری زندگی باقی ہے یعنی ابھی عمل کا موقع ہے لیکن حساب نہیں ہے اور کل جب حساب کا وقت آجائے گا تو پھر عمل کا موقع نہیں ہوگا۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں آخرت کے خسارے سے محفوظ رکھے اور اس بات کی توفیق نصیب فرمائے کہ ہم اپنے قول وفعل کو آخرت کے میزان میں جانچتے رہیں اور ہمارا کوئی قدم ایسا نہ اٹھے جو آخرت میں رسوائی کا سبب بنے۔آمین۔

وما علینا الا البلاغ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نماز

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِهِ الۡکَرِیۡمِ. اَمَّا بَعۡدُ!

اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ. بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ.

مُنِیۡبِیۡنَ اِلَیۡهِ وَاتَّقُوۡهُ وَ اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَلَا تَکُوۡنُوۡا مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ.

سجدہ ہے کس کا نام ذرا سر جھکا کے دیکھ　　توحید والے ایک ہی سے لو لگا کے دیکھ
محراب شوق میں سر تسلیم خم رہے　　کیا راز ہے نماز میں تو سر جھکا کے دیکھ
قرآن پاک اور یہ اورادِ نوع بہ نوع　　واللہ دل کے کعبہ کو ان سے سجا کے دیکھ
ہر ایک دل کے واسطے اکسیر ہے نماز　　تو بار بار سجدے میں سر کو جھکا کے دیکھ
سجدے ہوں ایسے، ہوش نہ اپنا رہے تجھے
ہو جا فنا، وجود کا پردہ اٹھا کے دیکھ

حضرات! ہر انسان اس بات کو اچھی طرح سے جانتا ہے کہ اس دنیا میں کوئی کام بے مقصد، بلا وجہ اور بے سبب نہیں ہوا کرتا۔

جیسے، یہ لاؤڈ اسپیکر کیا ہمارے سامنے یوں ہی لگا دیا گیا ہے؟

نہیں، بلکہ اس لئے لگایا گیا ہے تاکہ بولنے والا اپنی آواز سننے والوں تک پہنچا دے، کیا آپ اپنے گھروں کو، اپنے بستروں کو، اپنے کاروبار کو اور اپنی مصروفیتوں کو چھوڑ کر اس مجلس میں بے مقصد آئے ہیں؟ نہیں بلکہ وعظ و نصیحت کی باتیں سننے کے لئے آئے ہیں۔

آپ کے جلسہ گاہ کے پاس سے جو سڑک بازار کی طرف جاتی ہے، صبح ہونے کے بعد بہت سے لوگ اس پر چلتے ہوئے نظر آئیں گے، کوئی سائیکل سے، کوئی جیپ سے، کوئی بس سے، کوئی اسکوٹر سے اور کوئی پیدل۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیا یہ لوگ بلا کسی ضرورت کے یوں ہی سڑک پر چلتے ہوئے نظر آتے ہیں؟ نہیں، بلکہ کوئی سامان خریدنے جاتا ہے، کوئی سامان بیچنے جاتا ہے، کوئی دفتر جاتا ہے، کوئی اسپتال جاتا ہے۔

جب انسان کا کوئی کام بے مقصد نہیں ہوتا تو کیا اللہ تعالیٰ کا کوئی کام بے مقصد اور بلا سبب ہوسکتا ہے؟ ظاہر بات ہے کہ نہیں۔

اب آیئے ہم اس بات پر غور کریں کہ اللہ نے اتنی بڑی کائنات، یہ عظیم الشان کارخانہ کیا یونہی پیدا کردیا؟

یہ چاند، یہ سورج، یہ زمین، یہ آسمان، یہ دریا، یہ پہاڑ، یہ جھرنے، یہ ستارے، یہ ہوائیں، یہ تالاب، یہ ندیاں، یہ سمندر کیا بے مقصد وجود میں آگئے ہیں؟

نہیں، بلکہ ان تمام چیزوں کا پیدا کرنے والا یعنی اللہ رب العالمین قرآن مجید کی سورۂ بقرہ میں ارشاد فرماتا ہے:

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعاً. ''اللہ ہی ہے جس نے زمین کی تمام چیزیں تمہارے لیے بنائیں۔''

اسی سورۃ میں یہ بھی فرمایا:

اَلَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشاً وَّالسَّمَاءَ بِنَاءً وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقاً لَّكُمْ. ''وہی تو ہے جس نے زمین کو تمہارے لیے فرش بنایا اور آسمان کی چھت بنائی اور اوپر سے پانی برسایا اور اس کے ذریعہ سے ہر طرح کی پیداوار نکال کر تمہارے لیے رزق بہم پہنچایا۔''

اسی طرح سورۂ ابراہیم میں بتایا گیا:

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقاً لَّكُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهَارَ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ دَآئِبَيْنَ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۚ وَاٰتٰكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا. ''اللہ وہی تو ہے جس نے زمین اور آسمان کو پیدا کیا اور آسمان سے پانی برسایا، اس کے ذریعہ تمہاری رزق رسانی کے لیے طرح

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طرح کے پھل پیدا کیے اور کشتی کو تمہارے لیے مسخر کیا کہ لگا تار سمندر میں اس کے حکم سے چلے اور دریاؤں کو تمہارے لیے مسخر کیا اور سورج اور چاند کو تمہارے لئے مسخر کیا کہ لگا تار چلے جا رہے ہیں اور رات اور دن کو تمہارے لیے مسخر کیا اور اس نے وہ سب کچھ تمہیں دیا جو تم نے مانگا۔ اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو نہیں کر سکتے۔''

لیکن جہاں یہ بات مسلّم ہے کہ دنیا کی تمام چیزیں ہمارے لیے بنائی گئیں وہیں یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ہم ان میں کسی کے لیے نہیں بنائے گئے ہیں۔ مثلاً

سورج سے ہم کو روشنی ملتی ہے، صرف روشنی ہی نہیں بلکہ اس کی حرارت سے بے حد و حساب مقدار میں سمندر سے بھاپ بن کر اٹھایا جاتا ہے، پھر اس سے کثیف بادل بنتے ہیں پھر ہوائیں انہیں لے کر دنیا کے مختلف حصوں میں پہنچاتی ہیں، پھر عالم بالا کی ٹھنڈک سے وہ بھاپ بن کر از سر نو پانی کی شکل اختیار کرتی ہے اور ہر خطہ پر ایک خاص مقصدار سے برستی ہے۔

سورج سے ہم کو روشنی، حرارت اور اس کے نتیجہ میں بے شمار فوائد ملتے ہیں مگر ہم سے سورج کو کچھ نہیں ملتا۔ ہوائیں ہمارے لئے چلتی ہیں مگر ہم ہواؤں کے لیے نہیں چلتے، پانی سے ہماری پیاس بجھتی ہے مگر ہم پانی کو کچھ نہیں دیتے۔

جب کائنات کی ہر چھوٹی بڑی چیز ہمارے لیے بنائی گئی ہے اور ہم اس کائنات کی سب سے عظیم مخلوق ہیں تو یقیناً ہم کسی عظیم مقصد کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔

وہ مقصد کیا ہے جس کے لیے ہماری تخلیق ہوئی ہے؟ قرآن مجید کی سورۂ ذاریات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ. ''ہم نے جن وانسان کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔''

یعنی پوری کائنات ہمارے لیے اور ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے وجود میں آئے ہیں۔

ایک ہوتا ہے کسی کام کا اصل مقصد اور کچھ ہوتے ہیں اس کام کے ضمنی مقاصد، مگر اولیت اور اہمیت اصل مقصد کو حاصل ہوتی ہے نہ کہ ضمنی مقاصد کو مثلاً

ایک مثال:

آپ اپنے کسی خاص کام کے لیے کسی سیاسی لیڈر سے ملنے اپنے گاؤں سے دور کسی شہر میں گئے، آپ کے سفر کا اصل مقصد لیڈر سے ملاقات کرنا ہے لیکن جب وہاں پہنچے تو کسی وجہ سے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیڈر سے ملاقات نہ ہو سکی، یعنی جس مقصد کے لیے آپ نے اتنی دور کا سفر کیا تھا وہ پورا نہیں ہو سکا، لیکن جب آپ گھر لوٹنے لگے تو آپ نے اپنے لیے ایک موزہ خرید لیا اور بچوں کے لیے کھلونے اور مٹھائیاں خرید لیں، جب آپ گھر پہنچے تو آپ نے اپنی بیوی سے کہا کہ سفر بیکار ہو گیا، کیوں؟

اس لیے کہ جس مقصد کے لیے آپ نے سفر کیا تھا وہ مقصد پورا نہیں ہوا، حالاں کہ آپ وہاں سے کچھ سامان وغیرہ ضرور خرید لائے۔

اس مثال سے ہم بآسانی سمجھ سکتے ہیں کہ انسان اس دنیا میں مادی ترقی کے عروج پر پہنچ جائے، ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم ایجاد کر لے، ریڈیائی لہروں سے ہزاروں میل دور ہونے والے واقعات کو دیکھ اور سن لے، مشینی آلات کے ذریعہ فضاؤں میں اڑے، چاند پر اپنی کمند ڈال دے اور اس کی مٹی اپنی دھرتی پر لے آئے، لیکن اگر اس کی زندگی اللہ تعالیٰ کی عبادت سے خالی ہے تو یہ کہنے میں کوئی تامل نہیں ہے کہ اس کی زندگی بیکار اور بے مقصد ہے۔

آج کی دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ چاروں طرف بدامنی، لوٹ مار، رشوت خوری، ضمیر فروشی، بدیانتی اور شر و فساد کا دور دورہ ہے، دنیا کا کوئی گوشہ، کوئی خطہ، کوئی شہر، کوئی گاؤں اور کوئی انسانی آبادی ایسی نہیں ہے جہاں امن وسکون ہو۔

لیکن یہ شر و فساد اور بدامنی کیوں ہے؟ آپ کسی سیاسی لیڈر سے اس کی وجہ دریافت کریں تو وہ جواب دے گا کہ دنیا کی بڑھتی ہوئی آبادی کی وجہ سے یہ مسائل ہیں۔ اگر کسی فلاسفر سے اس کی وجہ پوچھی جائے تو وہ کہے گا کہ ایٹمی ہتھیاروں کا پھیلاؤ ہی اس فتنہ وفساد کا اصلی سبب ہے۔ اگر یہی بات کسی کمیونسٹ کے سامنے رکھی جائے تو اس کی یہ وجہ بتائے گا کہ چوں کہ پیداوار کی صحیح تقسیم نہیں ہو رہی ہے اس لیے انسانیت اس طرح کے شر و فساد میں مبتلا ہے۔ لیکن یہ تمام توجیہات بالکل غلط ہیں۔

دنیا میں بدامنی ایٹمی ہتھیاروں کی وجہ سے نہیں، دنیا کی بڑھتی ہوئی آبادی سے نہیں، پیداوار کی صحیح تقسیم نہ ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ صرف اس لیے ہے کہ انسان اپنی زندگی کے مقصد سے ناواقف اور غافل ہے۔

ایک مثال:

فرض کیجیے ایک پرائمری اسکول ہے، جس میں تعلیم کا وقت صبح دس بجے سے شروع ہوتا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے، بچے وقت سے پہلے ہی اسکول پہنچ گئے، اب وہ ایک دوسرے کو مارتے ہیں، پیڑوں پر چڑھتے ہیں، شوروغل کرتے ہیں، گالی گلوج بکتے ہیں اور باہم لڑتے نظر آتے ہیں، آخر کیوں؟

کیا انہیں کھانا نہیں ملا ہے اس لیے شوروغل کرتے ہیں؟ کیا ان کی تعداد بہت زیادہ ہے اس لیے ایک دوسرے کو مارتے پیٹتے ہیں؟ کیا ان کے بدن پر کپڑے نہیں ہیں اس لیے ان میں یہ شروفساد ہے؟

نہیں، بلکہ ان میں یہ ہڑبونگ اور فساد صرف اس لیے ہے کہ جس مقصد کے لیے وہ اسکول بھیجے گئے ہیں اس سے وہ ناواقف اور غافل ہیں۔

تھوڑی دیر کے بعد جب ان کا استاد آتا ہے اور انہیں پڑھنے لکھنے میں لگا دیتا ہے تو ان میں امن وسکون پیدا ہو جاتا ہے اور وہ ہر طرح کے شروفساد سے باز آجاتے ہیں۔

اسی طرح اس دنیا میں امن وسکون پیدا ہونے اور شر وفتنہ کے خاتمہ کا واحد علاج سوائے اس کے کوئی نہیں کہ انسان اپنی زندگی کے مقصد یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت اور بندگی میں لگ جائے۔

اور یہ ذمہ داری ہم مسلمانوں کی تھی کہ ہم دنیا والوں کو ان کی زندگی کے اصل مقصد کو یاد دلاتے اور اسے پورا کرنے پر آمادہ کرتے، مگر افسوس ہماری حالت تو ایسی ہوگئی ہے جیسے کسی نے کہا ہے۔

''مژدہ باد اے مرگ عیسیٰ آپ ہی بیمار ہے۔''

جس کا کام تھا کہ وہ بھٹکے ہوؤں کو صحیح راستہ دکھائے، وہ خود مادیت اور دنیا پرستی کے سیلاب میں بہہ کر زندگی کے مقصد سے غافل ہو چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی بندگی اور اس کی بندگی کا سب سے بڑا اور پہلا کام پنج وقتہ نماز ہے اور یہی نماز میری اس تقریر کا عنوان ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے بموجب اسلام کی تعمیر پانچ ستونوں پر کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا دل وزبان سے اقرار کرنا، پنج وقتہ نماز کی پابندی کرنا، بشرط نصاب اپنے مالوں کی زکوۃ دینا، رمضان کے پورے ماہ کے روزے رکھنا اور بشرط استطاعت زندگی میں ایک بار خانۂ کعبہ کا حج کرنا۔

ایک عمارت اپنی تفصیلی صورت میں بہت سے اجزاء کا مجموعہ ہوتی ہے مگر ساری عمارت

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جس چیز پر کھڑی ہوتی ہے وہ چند کھمبے ہوتے ہیں۔

ہر آدمی کی ہستی ایک زمین کی مانند ہے، اگر وہ اس زمین میں اللہ کی پسندیدہ عمارت کھڑی کرنا چاہتا ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ سب سے پہلے ان پانچ کھمبوں کو پوری مضبوطی کے ساتھ قائم کرے، ان کو گاڑے بغیر نہ فرد کی سطح پر اسلام کا ظہور ہو سکتا ہے اور نہ سماج کی سطح پر۔

اسلام، آدمی کے اندر جو زندگی پیدا کرنا چاہتا ہے وہ ایک لفظ میں عبادت اور خدا پرستی کی زندگی ہے، تاہم وہ اپنی تفصیلی صورت میں انہی پانچ چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے۔

اور یہ پانچ چیزیں صرف پانچ رسمیات نہیں ہیں بلکہ پانچ اوصاف ہیں، یہ ان مطلوب چیزوں کا خلاصہ ہیں جو ہمارا مالک ہماری زندگیوں میں دیکھنا چاہتا ہے۔

اگر یہ پانچ اوصاف آدمی کے اندر حقیقی طور پر پیدا ہو جائیں تو گویا اس کے اندر وہ بنیادی صداقت پیدا ہو گئی جس کی بعد امید کی جا سکتی ہے کہ اس کی زندگی میں اس خدائی کردار کا ظہور ہو جسے اسلام ایک شخص کی زندگی میں پیدا کرنا چاہتا ہے۔

دین میں جہاں سے داخلہ شروع ہوتا ہے، وہ کلمہ توحید کا دل و زبان سے اقرار کرنا ہے۔

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ.

اس کلمہ میں دو باتیں ہیں، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت۔

یعنی خدائی کے تمام اوصاف کے ساتھ اللہ ہی کو خدا ماننا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا وہ مستند نمائندہ ماننا جس سے حقیقت کی معرفت اور اللہ کی مرضیات کا صحیح علم حاصل ہوتا ہے۔

یہ کلمہ کوئی لفظی منتر نہیں ہے، جس کا صرف زبانی تلفظ کر لینا ہی کافی ہو بلکہ یہ ایک سنجیدہ فیصلے کا اعلان ہے، جو ایک طرف اپنے آقا یعنی اللہ اور دوسری طرف اپنے رہنما یعنی رسول کو پا لینے کا اظہار ہے، یہ پوری زندگی کا عہد نامہ ہے جو بندہ اپنے خدا کو گواہ بنا کر کر رہا ہے۔

اسی لیے قرآن مجید میں بتایا گیا ہے کہ اللہ کے نزدیک ایمان وہی ہے جو دل میں جاں گزیں ہو چکا ہو، محض زبان سے ان الفاظ کا بول دینا اللہ کے یہاں معتبر نہیں ہے۔

کلمہ کا اقرار اگر سنجیدہ فیصلہ کے طور پر ہو تو وہ آدمی کی پوری زندگی میں روح بن کر شامل ہو جائے گا، بصورت دیگر اس کی حیثیت ایک ضمیمہ کی ہوگی جس کا آدمی کی زندگی سے حقیقی تعلق ہی نہ ہو۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس اقرار کے بعد سب سے پہلا فریضہ نماز ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر روزانہ پانچ وقت کی نمازیں فرض کی ہیں۔

یہ نماز اپنی متعین شکل کے اعتبار سے یہ ہے کہ روزانہ دن اور رات کے درمیان پانچ بار مقررہ انداز میں اللہ کی عبادت کی جائے۔

یہ انداز جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو سکھایا ہے، اتنا جامع ہے کہ اس سے زیادہ بہتر عباداتی انداز کا تصور تک نہیں کیا جا سکتا۔

نماز میں مختلف آداب، کلمات اور دعاؤں کو ادا کرتے وقت بندہ اپنے رب کے آگے جھکتا ہے، حتیٰ کہ اپنا سر زمین پر رکھ دیتا ہے، وہ اللہ کی بڑائی کے مقابلے میں اپنے چھوٹے ہونے کا اقرار کرتا ہے، اس کے ساتھ بندگی کے تعلق کو جوڑتا ہے۔ قیام، رکوع اور سجود وغیرہ گویا اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے بندہ ہونے کا عملی اعتراف ہے، اس طرح بندہ خود کو مقام عبدیت پر لے جاتا ہے جہاں وہ اپنے خدا سے ملاقات کر سکے۔

نماز وہ اہم چیز ہے جو انسان کے اندر اللہ کا خوف، نیکی اور پاکیزگی کے جذبات اور احکام خداوندی کی اطاعت کا مادہ پیدا کرتی ہے اور اسے صحیح راستہ پر قائم رکھتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ دین میں نماز کا جو مقام ہے وہ کسی دوسرے عمل کا نہیں ہے، یہ ایمان کا پہلا اور لازمی ثبوت بھی ہے۔

نماز کے بارے میں قرآن نے ایک انوکھی بات بتائی ہے:

وہ یہ کہ جو لوگ اللہ اور آخرت پر کامل یقین رکھتے ہیں، وہی نماز کی پابندی کرتے ہیں اور نماز سے غفلت برتنا ان لوگوں کا شیوہ ہے جنہیں اللہ اور یوم جزا پر یقین نہیں ہے، جیسا کہ سورہ بقرہ میں ارشاد ہوا:

وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ. الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَ اَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ. ”اور بے شک یہ نماز ایک مشکل کام ہے مگر ان فرمانبرداروں کے لئے مشکل نہیں ہے جو اس بات کا پورا یقین رکھتے ہیں کہ آخر کار انہیں اپنے رب سے ملنا اور اسی کی طرف پلٹ جانا ہے۔“

یعنی جو شخص اللہ کا فرمانبردار نہ ہو اور آخرت کا عقیدہ نہ رکھتا ہو، اس کے لیے نماز کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پابندی ایک ایسی مصیبت ہے جسے وہ گوارا نہیں کر سکتا مگر جو اللہ کا سچا بندہ ہے اور اسے یقین ہے کہ مر کر اس کے سامنے پیش ہونا ہے اور وہاں اسے اپنی پوری زندگی کا حساب دینا ہے، ایسے شخص کے لیے نماز کا ادا کرنا نہیں بلکہ اس کا چھوڑ دینا مشکل ہے۔

گویا نماز، ایمان کا لازمہ ہے، جیسے سورج کا لازمہ روشنی اور آگ کا لازمہ حرارت ہے۔ جب سورج نکلے گا تو روشنی ضرور پیدا ہوگی، جہاں آگ جلائی جائے گی وہاں حرارت اور گرمی ضروری پیدا ہوگی۔

جس طرح یہ ناممکن ہے کہ سورج نکلے اور روشنی نہ ہو، یا آگ جلے اور حرارت نہ پیدا ہو اسی طرح یہ بھی ناممکن ہے کہ دل میں ایمان ہو اور رکوع و سجود کی تڑپ نہ ہو۔

جس دل میں ایمان ہوگا اس دل میں نماز کی محبت ضرور ہوگی لیکن جو دل نماز کی محبت سے خالی ہوگا وہ دل ایمان کے نور سے بھی خالی ہوگا۔

قرآن مجید میں اس حقیقت کو واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ نماز کی پابندی ایمان کی علامت ہے، یعنی کسی شخص کا پنج وقتہ نماز ادا کرنا لازماً یہ معنیٰ رکھتا ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسولؐ اور اس کی کتاب اور آخرت پر کامل یقین رکھتا ہے اور اپنے ایمان کے کے مطابق عمل بھی کرتا ہے۔

مثلاً سورۂ بقرہ میں بتایا گیا کہ قرآن سے صرف انہی لوگوں کو ہدایت ملتی ہے:

اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ. ''جو لوگ غیب پر ایمان رکھتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو روزی ہم نے انہیں دی ہے اس سے خرچ کرتے ہیں۔''

سورۂ نحل میں قرآن کے متعلق ارشاد ہوا:

هُدًى وَّ بُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ. ''یہ قرآن ہدایت اور بشارت ہے ان ایمان والوں کے لیے جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور یہ ایسے لوگ ہیں جو آخرت پر پورا یقین رکھتے ہیں۔''

یعنی قرآنی آیات صرف انہی لوگوں کی رہنمائی کرتی ہیں اور انجام خیر کی خوشخبری بھی انہی لوگوں کو دیتی ہیں جن میں دو خصوصیات پائی جاتی ہوں۔

ایک یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کو اپنا معبود حقیقی تسلیم کرلیں، قرآن کے اللہ کا کلام ہونے پر کامل

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یقین اپنے دلوں میں بٹھالیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی برحق مان کر انہیں اپنا رہبر اور پیشوا بنا لیں اور یہ عقیدہ بھی اپنالیں کہ اس زندگی کے بعد دوسری زندگی ہے جس میں اپنے عملوں کا حساب دینا ہے اور ان کی جزا وسزا سے دو چار ہونا ہے۔

دوسری خصوصیت یہ ہے کہ وہ صرف انہی چیزوں کو مان کر نہ رہ جائیں بلکہ عملاً اطاعت کے لیے بھی آمادہ ہوں اور اس آمادگی کی اولین علامت یہ ہے کہ وہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں۔

سورۂ انعام میں یہ وضاحت آئی:

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ۔ ''اور جو لوگ آخرت کو مانتے ہیں وہ اس کتاب پر بھی ایمان لاتے ہیں اور ان کا یہ حال ہے کہ وہ اپنی نمازوں کی پابندی کرتے ہیں۔''

سورۂ اعراف میں مومن متقی کی صفات بیان کرتے ہوئے بتایا گیا:

اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ۔ ''بے شک وہ لوگ اپنے رب کے نزدیک تکبر نہیں کرتے (اس کی عبادت سے انکار نہیں کرتے) اور اس کی پاکی بیان کرتے ہوئے اس کے لیے سجدہ کرتے ہیں۔''

یعنی متقیوں کی یہ خاص الخاص صفت ہے کہ جب عبادت یعنی نماز کا وقت آجاتا ہے تو وہ ذرا بھی فخر وغرور اور کبر وناز سے کام نہیں لیتے، بلکہ سارا کاروبار اور ساری مصروفیات کو چھوڑ کر اللہ کی عبادت یعنی نماز کے لیے تیار ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء اور اس کی پاکی بیان کرتے ہوئے سجدہ ریز ہو جاتے ہیں۔

اسی سورۃ میں یہ بھی بتایا گیا:

وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ''مومن وہ لوگ ہیں جو کتاب کو مضبوطی سے پکڑ لیتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں۔''

سورۂ انفال میں سچے مومن اور اس کی خوبیوں کا ذکر یوں کیا گیا ہے:

اَلَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا۔ ''وہ لوگ جو نماز قائم کرتے ہیں اور ہم نے انہیں جو روزی دی ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں وہی لوگ اصل میں سچے مومن ہیں۔''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایمان والوں کی صفات بیان کرتے ہوئے سورۂ توبہ میں ارشاد ہوا:

اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ وَلَمْ یَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓی اُولٰٓئِکَ اَنْ یَّکُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ. ''بلاشبہ اللہ کی مسجدوں کو وہی آباد کرتے ہیں جو اللہ اور روز آخرت کو مانیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈریں، انہی سے یہ توقع ہے کہ وہ سیدھی راہ پر چلیں گے۔''

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَیُطِیْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِکَ سَیَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ. ''اور مومن مرد اور مومن عورتیں یہ سب ایک دوسرے کے رفیق ہیں، بھلائی کا حکم دیتے ہیں، برائی سے روکتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہو کر ہی رہے گی۔''

سورۂ رعد میں فرمایا:

وَالَّذِیْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ. ''اور وہ لوگ جو اپنے رب کی رضا جوئی میں حاضر رہتے ہیں، نماز ادا کرتے ہیں اور ہم نے انہیں جو روزی دی ہے اس میں سے خرچ کرتے رہتے ہیں۔''

سورۂ حج میں مومنین صادقین کے بارے میں بتایا گیا:

اَلَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِیْنَ عَلٰی مَآ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِیْمِی الصَّلٰوۃِ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ. ''وہ لوگ ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل دہل جاتے ہیں اور مصیبت پر صبر کرنے والے ہیں اور نماز قائم کرنے والے ہیں اور جو روزی ہم نے انہیں دی ہے اس میں سے وہ خرچ کرتے رہتے ہیں۔''

سورۂ شوریٰ میں بیان ہوا:

وَالَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ. ''اور وہ لوگ جو اپنے رب کا حکم قبول کر کے نماز قائم کرتے ہیں۔''

سورۂ روم میں ایمان والوں کو حکم دیا گیا:

مُنِیْبِیْنَ اِلَیْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَلَا تَکُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ. ''اللہ کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طرف رجوع کرتے ہوئے اور ڈرو اس سے۔ اور نماز قائم کرو، اور نہ ہو جاؤ مشرکین میں سے۔''

سورۂ حج میں ان مومنوں کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا گیا، جن کو دنیا کی حکومت مل جاتی ہے:

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ. ''وہ مومن لوگ جنہیں اگر ہم زمین میں حکومت دے دیں تو نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ ادا کریں گے اور اچھی باتوں کا حکم دیں گے اور بری باتوں سے روکیں گے۔''

تجارت ایک بہت بڑی مشغولیت کا کام ہے لیکن مومن تاجر کے بارے میں سورۂ نور میں ارشاد ہوا:

رِجَالٌ لَّا تُلْھِیْھِمْ تِجَارَۃٌ وَّ لَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ وَاِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَ اِیْتَاءِ الزَّکٰوۃِ. ''ایسے لوگ جنہیں بیع و تجارت اللہ کے ذکر سے اور نماز قائم کرنے سے اور زکوٰۃ دینے سے غافل نہیں کر سکتی۔''

سورۂ توبہ میں احکام جہاد بیان کرتے ہوئے مشرکین و کفار کے متعلق واضح طور پر بتایا گیا:

فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ فَاِخْوَانُکُمْ فِی الدِّیْنِ. ''پس اگر وہ توبہ کر لیں، نماز ادا کریں اور زکوٰۃ دیں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔''

اسی سورہ میں یہ بھی ارشاد ہوا:

فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَوُا الزَّکٰوۃَ فَخَلُّوْا سَبِیْلَھُمْ. ''پس اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو ان کا راستہ خالی کر دو۔''

قرآن مجید میں جگہ جگہ ایمان کے بعد سب سے پہلے نماز ہی کا نام آتا ہے، مثلاً سورۂ بقرہ میں آیا: اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ. ''اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے اعمال کئے اور نماز قائم کی۔''

سورۂ قیامہ میں ارشاد ہوا:

فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰی. ''تو نہ وہ ایمان لایا اور نہ اس نے نماز پڑھی۔''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرآن کے اس انداز سے یہی واضح ہوتا ہے کہ دل میں اگر ایمان کا بیج پڑ چکا ہے تو اس سے جو پہلا پودا نکلے گا وہ نماز کا پودا ہوگا۔

قرآن مجید میں جہاں یہ بات تفصیل سے بتائی گئی ہے کہ نماز کی پابندی ایمان کی فطرت اور مومن کا خاصہ ہے، وہیں اس حقیقت کو بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ نماز سے غفلت برتنا، نماز میں سستی کرنا، دکھاوے کی نماز پڑھنا اور نماز میں جی نہ لگانا منافقین کا شیوہ ہے۔

سورۂ نساء میں منافقین کی اس حالت کو یوں بیان کیا گیا ہے:

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ وَاِذَا قَامُوْا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰىۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا۔ ''یہ منافقین اللہ کے ساتھ دھوکہ بازی کررہے ہیں، حالاں کہ درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی نے انہیں دھوکہ میں ڈال رکھا ہے۔ جب یہ نماز کے لیے اٹھتے ہیں تو کسمساتے ہوئے محض لوگوں کو دکھانے کے لیے اٹھتے ہیں اور اللہ کو کم ہی یاد کرتے ہیں۔''

اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نماز مسلمان ہونے کی پہچان تھی، کوئی شخص مسلمانوں کی جماعت میں شمار ہی نہیں کیا جاسکتا تھا جب تک وہ نماز کا پابند نہ ہو، اگر کوئی شخص ایمان کا دعویٰ کرنے کے باوجود مسلسل چند بار جماعت سے غیر حاضر رہتا تو یہ سمجھ لیا جاتا تھا کہ وہ مسلمان نہیں ہے، اسی بنا پر سخت سے سخت منافق کو بھی اس زمانہ میں پانچوں وقت مسجد کی حاضری ضرور دینی پڑتی تھی، کیوں کہ اس کے بغیر وہ مسلمانوں کی جماعت میں شمار ہی نہیں کیا جاسکتا تھا، البتہ منافقین کو جو چیز سچے مسلمانوں سے الگ کرتی تھی، وہ یہ تھی کہ سچے مومن ذوق وشوق سے آتے تھے، وقت سے پہلے مسجد پہنچ جاتے تھے، نماز سے فارغ ہوجانے کے بعد بھی مسجد میں ٹھہر کر اوراد وذکر الٰہی میں مشغول رہتے تھے اور ان کی ہر حرکت سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ انہیں نماز سے حقیقی محبت ہے، برخلاف اس کے، اذان کی آواز سن کر منافق کی جان پر بن آتی تھی، وہ اپنے پر جبر کر کے اٹھتا تھا، جماعت ختم ہونے کے بعد ایسے ہی بھاگتا تھا جیسے کسی قیدی کو رہائی ملی ہو اور اس کے حرکات وسکنات سے یہ اندازہ لگانے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی تھی کہ یہ شخص اللہ کے ذکر سے کوئی رغبت نہیں رکھتا۔

سورۂ توبہ میں منافقین کے بارے میں بتایا گیا:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَلَایَاْتُوْنَ الصَّلٰوۃَ اِلَّا وَھُمْ کُسَالٰی وَلَا یُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَھُمْ کٰرِھُوْنَ۔ ''نماز کے لیے آتے ہیں تو کسمساتے ہوئے آتے ہیں اور راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں تو بادلِ نخواستہ خرچ کرتے ہیں۔''

سفر جہاد کے سلسلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اصول اور آپ کی ہدایت یہ تھی کہ جس بستی سے اذان کی آواز آئے اسے مسلم بستی مانا جائے اور اس پر حملہ نہ کیا جائے اور جس بستی سے اذان کی آواز نہ آئے اسے کافر بستی سمجھا جائے اور اس پر حملہ کر دیا جائے۔

یہ ہدایت بھی اس بات کا کھلا ہوا ثبوت ہے کہ نماز ہی وہ چیز ہے جو عام حالات میں ایمان کی فیصلہ کن علامت بنتی ہے اور اسی سے باوّل نظر کسی کے مسلمان ہونے یا نہ ہونے کا اندازہ ہو جاتا ہے۔

قرآن نے جہاں ترک نماز کو منافقین کی علامت بتایا ہے وہیں اس بات کی صراحت بھی کر دی ہے کہ نماز کی پابندی کرنا جنتیوں کی علامت ہے۔ جیسا کہ سورۂ معارج میں بتایا گیا:

وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَلٰی صَلَاتِھِمْ یُحَافِظُوْنَ. اُولٰئِکَ فِیْ جَنّٰتٍ مُّکْرَمُوْنَ. ''اور جو لوگ اپنی نماز کی حفاظت کرتے ہیں، یہ لوگ عزت کے ساتھ جنت کے باغوں میں رہیں گے۔''

دوسری طرف سورۂ مدثر میں جہنمیوں کے حالات بیان کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ جو لوگ جنت میں ہوں گے وہ دوزخیوں سے پوچھیں گے:

مَا سَلَکَکُمْ فِیْ سَقَرَ. ''تمہیں کیا چیز دوزخ میں لے گئی۔''

وہ جواب میں کہیں گے:

لَمْ نَکُ مِنَ الْمُصَلِّیْنَ. وَلَمْ نَکُ نُطْعِمُ الْمِسْکِیْنَ. وَکُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِیْنَ. وَکُنَّا نُکَذِّبُ بِیَوْمِ الدِّیْنِ. ''ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہ تھے اور مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے اور حق کے خلاف باتیں بنانے والوں کے ساتھ مل کر ہم بھی باتیں بنانے لگتے تھے اور روز جزا کو جھوٹ قرار دیتے تھے۔''

نماز ہر نبی پر فرض تھی:

نماز صرف امت محمدیہؐ پر فرض نہیں ہے بلکہ یہ ہر نبی اور اس کی امت پر فرض رہی ہے قرآن مجید میں مختلف مقامات پر اس حقیقت کو واضح کیا گیا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مثلاً، حضرت ذکریا علیہ السلام کا بیان کرتے ہوئے سورۂ آل عمران میں آیا:

فَنَادَتْهُ الْمَلٰئِكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ. ''پس فرشتوں نے انہیں پکارا اور وہ محراب میں کھڑے ہوئے نماز ادا کر رہے تھے۔''

اسی سورۃ میں حضرت مریم علیہا السلام کا ذکر کرتے ہوئے بتایا گیا:

يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ. ''اے مریم! عاجزی رہو اپنے رب کے لیے اور سجدہ کرو اور رکوع کرو، رکوع کرنے والوں کے ساتھ۔''

سورۂ انبیاء میں تمام انبیاء کے متعلق جہاں بہت سی باتیں بتائی گئیں وہیں یہ بھی بتایا گیا:

وَاَوْحَيْنَا اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَ اِيْتَاءَ الزَّكٰوةِ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ. ''اور ہم نے ان سب کی طرف اچھے کاموں کی وحی نازل کی اور نماز قائم کرنے اور زکوۃ دینے کی، اور وہ ہمارے عبادت گذار تھے۔''

سورۂ لقمان میں حضرت لقمانؑ کی ان نصیحتوں کا ذکر ہے جو انہوں نے اپنے بیٹے کو کی تھیں، انہی میں سے ایک یہ بھی تھی:

يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ. ''اے پیارے بیٹے نماز قائم کر۔''

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ننھے اسماعیلؑ اور حضرت ہاجرہؑ کو بے آب و گیاہ ریگستان میں چھوڑا تھا، اس وقت انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی، جس کا تذکرہ سورۂ ابراہیم میں یوں ہوا ہے:

رَبَّنَا اِنِّيْ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ. رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ. ''اے ہمارے رب! میں اپنے اہل و عیال کو ایسی وادی میں آباد کرتا ہوں، جہاں کوئی سبزی نہیں ہے، تیرے محترم گھر کے قریب، اے ہمارے پروردگار! تاکہ یہ نماز قائم کریں۔''

اسی سورۃ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا بھی منقول ہے:

رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ. ''اے میرے رب! مجھے نمازی بنا اور میری اولاد کو بھی اور اے ہمارے رب! دعا قبول فرما۔''

حضرت اسماعیل علیہ السلام کا تذکرہ کرتے ہوئے سورۂ مریم میں ارشاد ہوا: وَكَانَ يَاْمُرُ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَ كَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا. ''اور وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوۃ کا حکم دیتا تھا اور اپنے رب کے نزدیک ایک پسندیدہ انسان تھا۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب طور پہاڑ پر گئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا، جیسا کہ سورۂ طٰہٰ میں بیان ہوا:

اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ. ''میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، پس تو میری بندگی کر اور میری یاد کے لیے نماز قائم کر۔''

انہی حضرت موسیٰ اور اس کے بھائی حضرت ہارون علیہما السلام کے بارے میں سورۂ یونس میں بتایا گیا:

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ. ''اور ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی کی طرف وحی نازل کی کہ اپنی قوم کے لیے مصر میں اپنے گھروں کو برقرار رکھو اور گھروں کو قبلہ یعنی نماز کی جگہ بناؤ اور نماز قائم کرو اور مومنین کو خوشخبری دے دو۔''

سورۂ مریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تفصیل سے ذکر ہے، جب وہ بلا باپ کے پیدا ہوئے اور قوم نے ان کی ماں یعنی حضرت مریم کو طعنہ دینا شروع کیا تو انہوں نے اس بچے کی طرف اشارہ کر دیا، لوگوں نے کہا:

كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا. ''ہم اس سے کیا بات کریں جو گہوارے میں پڑا ہوا ایک بچہ ہے۔''

تب وہ بچہ بول پڑا:

اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰنِیَ الْكِتٰبَ وَ جَعَلَنِیْ نَبِيًّا وَّجَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ وَ اَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا. ''میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب دی اور نبی بنایا اور بابرکت، جہاں بھی رہوں، اور نماز اور زکوۃ کی پابندی کا حکم دیا جب تک زندہ رہوں۔''

یہ نماز کسی بھی حال میں معاف نہیں ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید کی سورۂ بقرہ میں ارشاد ہوا:

حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ. فَاِنْ خِفْتُمْ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فَرِجَالاً اَوْ رُكْبَانًا فَاِذَا اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ.
''اپنی نمازوں کی نگہداشت رکھو، خصوصاً ایسی نماز کی جو محاسن صلوٰۃ کی جامع ہو اور اللہ کے آگے اس طرح کھڑے ہو جیسے فرمانبردار غلام کھڑے ہوتے ہیں، بدامنی کی حالت ہو، خواہ پیدل ہو، خواہ سوار، اور جس طرح ممکن ہو نماز ادا کرو۔''

حالت جہاد کے متعلق سورۂ نساء میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تاکید کی گئی:

وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا اَسْلِحَتَهُمْ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ. ''اور اے نبی! جب تم مسلمانوں کے درمیان ہو اور (حالت جنگ میں) انہیں نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہو تو چاہئے کہ ان میں سے ایک گروہ تمہارے ساتھ کھڑا ہو اور اسلحہ لیے رہے پھر جب وہ سجدہ کر لے تو پیچھے چلا جائے اور دوسرا گروہ جس نے ابھی نماز نہیں پڑھی ہے آ کر تمہارے ساتھ نماز پڑھے۔''

اب ہم فرمان رسول کی روشنی میں نماز کی اہمیت کو سمجھیں۔

اهمیت نماز احادیث کی روشنی میں:

مسلم شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ بَيْنَ الْعَبْدِ وَ بَيْنَ الْكُفْرِ وَ الشِّرْكِ تَرْكَ الصَّلٰوةِ. ''بے شک انسان اور کفر و شرک کے درمیان علیحدگی پیدا کرنے والی چیز نماز ہے۔''

ترغیب وترہیب میں روایت ہے:

اَلصَّلٰوةُ عِمَادُ الدِّيْنِ. ''نماز دین کا ستون ہے۔''

فَمَنْ اَقَامَهَا فَقَدْ اَقَامَ الدِّيْنَ. ''پس جس نے اسے قائم کیا اس نے دین کو قائم کیا۔''

وَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ هَدَمَ الدِّيْنَ. ''اور جس نے اسے چھوڑ دیا اس نے دین کو ڈھا دیا۔''

ابوداؤد میں فرمانِ رسول یوں منقول ہے: ''جب تمہاری اولاد سات برس کی ہو جائے تو اسے نماز کا حکم دو اور جب وہ دس برس کی ہو جائے اور کہنے سننے پر نماز نہ پڑھے تو اسے مار پیٹ کر نماز پڑھاؤ۔''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ترمذی کی روایت کے مطابق ارشاد نبوی ہے: ''جو عہد ہمارے اور کافروں کے درمیان ہے وہ نماز ہے، جس نے اسے ترک کردیا اس نے کفر کیا۔''

ابوداؤد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق منقول ہے کہ جب آپؐ مرض الموت کے اندر مبتلا ہوئے تو آپؐ کی آخری وصیت یہ تھی: اَلصَّلٰوۃُ وما ملکتْ اَیمانُکُم. ''لوگو! نماز پڑھتے رہنا اور لونڈی غلاموں کے ساتھ اچھا سلوک کرتے رہنا۔''

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے سوال کیا: ''بتاؤ! اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر پانی کی نہر بہتی ہو اور وہ ہر روز اس میں پانچ بار نہایا کرے تو اس کا یہ پانچ بار نہانا اس کے بدن پر کچھ میل باقی رکھے گا؟ لوگوں نے کہا نہیں، ذرا بھی میل باقی نہیں رکھے گا۔

آپؐ نے فرمایا: ''پس پانچوں نمازوں کی مثال یہی ہے، اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ گناہوں کو صاف کردے گا۔''

مسند احمد میں روایت ہے: ''جو شخص دل سے نماز ادا کرتا ہے، اس کے گناہ اس طرح جھڑتے ہیں جس طرح سوکھے درخت کے پتے جھڑتے ہیں۔''

حشر کا دن بہت ہولناک ہوگا، سورج سوا نیزے پر آجائے گا، جس کی وجہ سے گرمی کی شدت اتنی زیادہ ہوگی کہ لوگ پسینوں میں ڈوبے ہوئے ہوں گے۔

ایک مثال:

فرض کیجئے آپ کے یہاں مئی یا جون کے مہینہ میں کوئی مہمان آجائے اور اس سے آپ کہیں، دیکھو بھائی، میرے یہاں دو قسم کا کھانا ہے، ایک طرف پلاؤ اور قورمہ ہے، دوسری طرف سوکھی روٹی ہے، اگر تم پلاؤ اور قورمہ کھانا چاہتے ہو تو تمہیں دھوپ میں بیٹھ کر کھانا پڑے گا اور اگر تم سایہ میں بیٹھ کر کھانا چاہتے ہو تو تمہیں سوکھی روٹی ملے گی، بتاؤ تم کون سا کھانا پسند کرو گے؟

تو مہمان یہی جواب دے گا کہ مجھے وہ سوکھی روٹی پسند ہے جسے سایہ میں بیٹھ کر کھانا نصیب ہو اور وہ پلاؤ اور قورمہ میں قطعاً نہیں کھانا چاہتا جسے دھوپ میں بیٹھ کر کھانا پڑے۔

حالاں کہ سورج ہماری اس زمین سے نو کروڑ تیس لاکھ میل کی دوری پر ہے اور اس روز کیا ہوگا جب سورج سوا نیزہ پر آجائے گا؟

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس دن ہر انسان کا کچا چٹھا کھل جائے گا، کیوں کہ وہاں حقیقتوں سے پردہ اٹھا دیا جائے گا۔

کتنے لوگ جو آج تقویٰ و تقدس کا مجسمہ نظر آتے ہیں، اس دن ان کی قلعی کھل جائے گی۔ کتنے لوگ جو آج انصاف کی کرسی پر بیٹھ کر دوسروں کی قسمتوں کے فیصلے کرتے ہیں، اس دن وہ خود مجرموں کے کٹہرے میں کھڑے ہوں گے۔ کتنے لوگ جو آج سماج کی بڑی اہم ترین شخصیت بنے ہوئے ہیں، جن کے بغیر محفل سونی ہوتی ہے، اس دن ان کی حیثیت کیڑے مکوڑے سے زیادہ نہیں ہوگی۔

کتنے لوگ، جن کی زبانیں قینچی کی طرح چلتی ہیں، جو اپنی چرب زبانی سے پوری مجلس پر چھائے رہتے ہیں، جن کے پاس ہر سوال کا جواب ہوتا ہے، جو اپنے مضبوط دلائل سے غلط کو صحیح اور صحیح کو غلط ثابت کر دینے کا ملکہ رکھتے ہیں، اس دن ایسے لاجواب ہو جائیں گے، جیسے ان کے منھ میں زبان ہی نہ ہو۔

ایسی نازک گھڑی میں جب حساب و کتاب شروع ہوگا تو اس کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قیامت کے دن سب سے پہلے نماز کا حساب ہوگا جس کے نماز کا حساب ٹھیک نکلا وہ بامراد اور کامیاب ہوا اور جس کے نماز کا حساب ٹھیک نہ نکلا وہ نقصان اور گھاٹے میں رہا۔''

مشکوٰۃ کی روایت کے مطابق آپؐ نے یہ بھی فرمایا: ''جو نماز نہیں پڑھتا، حشر کے دن وہ قارون، فرعون، ہامان اور ابی ابن خلف کے ساتھ ہوگا۔''

بلاشبہ کتاب وسنت کی شہادتیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ دین میں نماز کی جو اہمیت ہے وہ کسی دوسرے عمل کی نہیں ہے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ نماز کا یہ مقام کیوں ہے؟ کیا بات ہے کہ یہ شریعت کا ایک جزو ہوتے بھی گویا پوری شریعت ہے؟

اس لیے کہ قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ نماز اللہ کی یاد ہے، جیسا کہ سورہ طٰہٰ میں ارشاد ہوا:

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ۔ ''میری یاد کے لیے نماز قائم کرو۔''

قرآن مجید نے یہ بھی بتایا کہ نماز بندے کو اپنے رب سے قریب کر دیتی ہے، جیسا کہ سورۂ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علق میں ارشاد ہوا: وَ اسْجُدْ وَ اقْتَرِبْ. ''سجدہ کر اور قریب ہو جا۔''

اور یہ نماز بندے کو اللہ سے اس قدر قریب کر دیتی ہے کہ اتنی قربت کسی بھی دوسرے عمل کے ذریعے اور کسی بھی دوسری حالت میں، اسے حاصل نہیں ہو سکتی جیسا کہ مسلم شریف کی روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَقْـرَبُ مَـا كَانَ الْعَبْدُ مِنْ رَّبِّهٖ وَهُوَ سَاجِدٌ. ''بندہ اپنے رب سے اس وقت سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے جب وہ سجدہ کی حالت میں ہو۔''

اور یہ قربت اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ وہ اس وقت اپنے ماسوا سے کٹ کر اپنے آقا و مولا کے حضور میں جا پہنچتا ہے اور اس سے ہم کلامی میں مشغول ہو جاتا ہے۔ بخاری شریف میں ارشاد نبویؐ یوں منقول ہے:

اِنَّ اَحَـدَكُمْ اِذَا صَلّٰى يُنَاجِيْ رَبَّهٗ. ''بلاشبہ تم میں سے کوئی شخص جب نماز پڑھتا ہے تو اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے۔''

اللہ کی یاد، اس کا قرب، اس کی حضوری اور اس سے ہم کلامی، کیا دین کی روح اور بندگی کی معراج ان چیزوں کے سوا اور بھی کچھ ہو سکتی ہے؟

نماز مومن کے لیے ایسی ہے جیسے بچے کے لیے ماں کی گود۔ جس طرح ایک شیر خوار، کمزور، عاجز، بے کس اور بے سہارا بچے کے لئے ماں کی گود ہر وقت اور ہر آن کھلی رہتی ہے اور جب بھی بچہ کو کسی قسم کے گزند یا نقصان کا خطرہ ہوتا ہے، کوئی اسے چھیڑتا ہے اور پریشان کرتا ہے، یا اسے بھوک اور پیاس ستاتی ہے، یا وہ کسی چیز سے سہم جاتا ہے تو فوراً ماں کے سینے سے چمٹ جاتا ہے اور اس کی گود میں بیٹھ کر سمجھ لیتا ہے کہ وہ سب طرح کی پریشانیوں سے محفوظ ہو گیا۔

اسی طرح نماز بھی مومن کے لیے سب سے بہتر پناہ گاہ اور جائے قرار ہے۔ یہ وہ مضبوط رسی ہے جو اس کے اور اس کے رب کے درمیان پھیلی ہوتی ہے، جب وہ چاہے اسی رسی کو مضبوطی سے تھام کر اپنی حفاظت کی ضمانت حاصل کر سکتا ہے۔ یہ اس کی روح کی غذا، اس کے درد کا درمان، اس کے زخم کا مرہم اور اس کا سب سے بڑا ہتھیار اور سہارا ہے۔

نماز اور حل مشکلات:

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۂ بقرہ میں ارشاد فرمایا:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ. ''صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو۔''

یعنی اگر تمہاری زندگی میں مصائب آئیں، تمہیں دشمن کے حملہ کا خطرہ ہو، تمہیں اللہ کے راستہ پر چلنے میں دشواری محسوس ہو رہی ہو، تو ان مشکلات کا حل صبر اور نماز میں ہے، ان دونوں چیزوں سے تمہیں وہ تقویت ملے گی جس سے تمہاری دشواریاں آسانیوں میں تبدیل ہو جائیں گی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں یہ فرمایا: ''نماز میری آنکھ کی ٹھنڈک ہے۔''

وہیں آپ کا یہ معمول بھی تھا کہ جب بھی آپ کو کوئی پریشانی لاحق ہوتی تھی تو آپ نماز میں مشغول ہو جاتے تھے۔

البدایہ والنہایہ میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ:

''غزوۂ خندق (۵ھ) میں ہماری تعداد تقریباً تین سو تھی، یہ ایک نہایت سخت رات تھی۔ اوپر کی جانب ابوسفیان اور ان کی فوج تھی۔ نیچے کی جانب بنوقریظہ تھے جن کی طرف سے ہم اپنے بال بچوں کو بالکل غیر محفوظ سمجھتے تھے۔ بے حد شدید سردی تھی۔ اس کے بعد تیز ہوا چلنے لگی، جس میں کڑک اور چمک تھی، پتھر اڑ اڑ کر گر رہے تھے، اندھیرے کا یہ عالم تھا کہ کوئی چیز سجھائی نہ دیتی تھی۔ ایسے حالات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ خندق پار مشرکین کے پڑاؤ کی طرف جاؤں اور ان کی خبر لاؤں (کہ وہ واپس جانے کی باتیں کر رہے ہیں یا ابھی جمے ہوئے ہیں) میں لوگوں میں سب سے زیادہ ڈرنے والا تھا اور سردی بھی مجھ کو بہت لگتی تھی۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم پا کر اٹھا۔ آپؐ نے میری حفاظت کے لیے دعا فرمائی۔ میں اپنے مشن پر روانہ ہوا اور ابوسفیان کی فوج میں گھوم پھر کر خبر لایا۔ وہ لوگ الرحیل الرحیل (واپس چلو واپس چلو) کہہ رہے تھے۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا تو آپؐ چادر اوڑھے ہوئے نماز میں مشغول تھے۔ آپ کی عادت تھی کہ جب کوئی سخت معاملہ پیش آتا تو نماز میں مشغول ہو جاتے تھے۔''

نماز اور حل مشکلات، اسے ہم واقعات کی روشنی میں سمجھیں۔

صحیح بخاری میں حدیث ہے: ایک مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی بیوی حضرت سارہ رضی اللہ عنہا سفر میں جا رہے تھے، دورانِ سفر وہ ایک ظالم بادشاہ کے ملک میں پہنچ گئے، لوگوں نے بادشاہ کو بتایا کہ ایک شخص آیا ہے جس کے ساتھ ایک خوبصورت عورت ہے۔ بادشاہ نے انہیں بلوایا اور حضرت ابراہیمؑ سے پوچھا کہ یہ عورت تمہاری کون ہے؟ حضرت ابراہیمؑ نے بتایا کہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میری بہن ہے۔ پھر حضرت سارہؑ کو بلوایا اور ان پر بدنیتی سے ہاتھ ڈالنا چاہا مگر اس کا ہاتھ ان تک نہیں پہنچ سکا اور اس پر قدرت کی ایسی مار پڑی کہ وہ زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔ ہوش میں آنے کے بعد اس نے کہا، میرے لیے دعا کریں میں تجھ کو نہیں ستاؤں گا، چنانچہ حضرت سارہؑ کی دعا سے وہ تندرست ہو گیا لیکن اس نے پھر دست درازی شروع کی تو پھر اس کا وہی حشر ہوا۔ اس نے پھر حضرت سارہؑ سے کہا میرے لیے دعا کردے اب میں ہرگز تجھے نہیں ستاؤں گا۔ انہوں نے دعا کردی اور وہ اپنی اصلی حالت پر آ گیا پھر اس نے ایک لونڈی ہاجرہ کو انہیں دے کر رخصت کر دیا۔

جب وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئیں تو دیکھا کہ وہ نماز میں مشغول تھے۔ انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے پوچھا، کیسی حالت گذری؟ حضرت سارہؑ نے کہا کہ اللہ نے کافر کے فریب کو ناکام کر دیا اور ایک لونڈی خدمت کے لیے دلوادی۔

بخاری ہی میں ایک واقعہ اس طرح آیا ہے: بنی اسرائیل میں ایک عابد شخص تھا جس کا نام جریج تھا۔ ایک دن وہ مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا، اسی حالت میں اس کی ماں نے اسے پکارا۔ چونکہ وہ نماز میں تھا اس لیے اس نے جواب نہیں دیا۔ ماں نے دوبارہ آواز دی تب بھی اس نے نماز نہیں چھوڑی۔ آخرکار اس کی ماں نے ناراض ہو کر بددعا کر دی کہ اے اللہ! جریج جب تک بدکار عورت کا منھ نہ دیکھ لے، نہ مرے۔

جریج عبادت خانہ میں رہتا تھا۔ ایک روز ایک بدکار عورت آئی اور جریج کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا لیکن اس نے بدکاری سے صاف انکار کر دیا۔ آخرکار عورت ایک چرواہے سے ہم بستر ہوئی اور جب اس کے ناجائز اولاد پیدا ہوئی تو اس نے قوم والوں سے کہا کہ یہ جریج کا نطفہ ہے۔ یہ سن کر لوگ جریج پر اس قدر ناراض ہوئے کہ انہوں نے عبادت خانہ کو توڑ ڈالا اور اسے وہاں سے ہٹا دیا اور طعنہ دینا شروع کیا کہ اوپر سے عابد بنتا ہے اور اندر سے اس قدر بدچلن ہے۔ جریج اس صورت حال کو دیکھ کر نماز میں مشغول ہو گیا۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد اس بچے کے پاس آیا اور اس سے پوچھا کہ بتا تیرا باپ کون ہے؟ جریج کی نماز کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اس شیر خوار بچے کو قوت گویائی عطا کی۔ وہ بول پڑا، میرا باپ فلاں چرواہا ہے۔ جب لوگوں نے سنا تو بہت شرمندہ ہوئے اور جریج سے کہنے لگے تیرا عبادت خانہ ہم سونے سے بنوائے دیتے ہیں، جریج نے کہا نہیں، بلکہ جیسے پہلے تھا اسی طرح مٹی سے بنا دو۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ اسلام کا اولین ظہور نماز ہی سے ہوا تھا۔ کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلانیہ تبلیغ سے پہلے حرم شریف میں نماز پڑھنی شروع کر دی تھی اور یہی وہ چیز تھی جس کی بنا پر قریش نے پہلی بار یہ محسوس کیا کہ آپؐ کسی نئے دین کے پیرو ہو گئے ہیں۔

مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ قریش کے ایک شخص نے لوگوں سے پوچھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے سامنے زمین پر اپنا منہ ٹکاتے ہیں؟ لوگوں نے کہا، ہاں۔ اس نے کہا، لات وعزیٰ کی قسم اگر میں نے انہیں اس طرح نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیا تو ان کی گردن پر پاؤں رکھ دوں گا اور ان کا منہ زمین میں رگڑ دوں گا۔ پھر ایسا ہوا کہ آپ کو نماز میں مشغول دیکھ کر وہ آگے بڑھا تا کہ آپؐ کی گردن پر پاؤں رکھے مگر یکا یک لوگوں نے دیکھا کہ وہ پیچھے ہٹ رہا ہے اور اپنا منہ کسی چیز سے بچانے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس سے پوچھا گیا، یہ تجھے کیا ہو گیا؟

اس نے کہا ''میرے اور ان کے درمیان آگ کی ایک خندق اور ایک ہولناک چیز تھی اور کچھ پَر تھے۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر وہ میرے قریب پھٹکتا تو فرشتے اس کے چیتھڑے اڑا دیتے۔''

بخاری شریف میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ ابو جہل نے کہا کہ ''اگر میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کعبہ کے پاس نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیا تو ان کی گردن پاؤں تلے دبا دوں گا۔''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر پہنچی تو آپؐ نے فرمایا: ''اگر اس نے ایسا کیا تو ملائکہ اعلانیہ اسے آ پکڑیں گے۔''

نماز سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر محبت تھی کہ اکثر آپؐ راتوں رات نماز میں مشغول رہتے تھے جس کی وجہ سے پاؤں میں ورم آجاتا تھا۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس بیٹھے رہتے، پیار بھری باتیں کرتے اور جب نماز کا وقت ہو جاتا تو آپؐ اس طرح کھڑے ہو جاتے جیسے مجھے پہچانتے ہی نہیں ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نماز اور صحابہؓ:

ابوداؤد میں ایک انصاری کا واقعہ آتا ہے۔ وہ نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک کافر نے انہیں چھپ کر تیر مارنا شروع کر دیا یہاں تک کہ ان کا سینہ زخموں سے چور چور ہو گیا مگر وہ برابر نماز میں مشغول رہے۔ نماز ختم ہونے کے بعد ان کے ساتھی نے ان سے کہا کہ جب پہلی بار تمہیں تیر لگا تھا تو تم نے مجھے کیوں نہیں جگایا؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں تو نماز میں سورہ کہف پڑھ رہا تھا اور اس کے پڑھنے میں مجھے اس قدر لطف آ رہا تھا کہ تیر کی تکلیف کا احساس تک نہیں ہوا۔

صحیح بخاری میں حضرت خبیبؓ کے سولی پر چڑھائے جانے کا واقعہ منقول ہے کہ جب مشرکین انہیں قتل کرنے کے لیے حرم کی حد سے باہر لے گئے تو انہوں نے کہا کہ مجھے دو رکعت نماز پڑھ لینے دو۔ انہوں نے اجازت دے دی پھر انہوں نے دو رکعت نماز ادا کی اور کہا کہ میں نے نماز اس لیے مختصر کی کہ کہیں تم یہ خیال نہ کرنے لگو کہ میں موت سے ڈرتا ہوں۔

موطا امام مالک میں روایت ہے کہ ایک بار حضرت ابوطلحہؓ انصاری اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے، اسی درمیان ایک خوشنما پرندہ آ کر چہچہانے لگا۔ حضرت ابوطلحہؓ اس پرندہ کی میٹھی آواز میں کھو گئے۔ جب نماز کا خیال آیا تو رکعت یاد نہ رہی۔ دل میں کہا کہ اس باغ نے مجھے فتنہ میں ڈال دیا، یہ سوچ کر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ بیان کر کے عرض کیا یا رسول اللہ! اب میں اس باغ کو راہ خدا میں صدقہ کر رہا ہوں۔

اسد الغابہ میں حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کا واقعہ آتا ہے کہ جب وہ نماز میں کھڑے ہوتے تو کئی کئی سورتیں پڑھ ڈالتے اور اس طرح کھڑے ہوتے کہ معلوم ہوتا کہ کوئی بے حس ستون ہے اور جب سجدہ میں جاتے تو اتنی دیر تک سجدہ کرتے کہ حرم کے کبوتر ایک سطح جامد سمجھ کر ان کی پیٹھ پر بیٹھ جاتے۔

مرآۃ الجنان میں حضرت علی ابن حسین زین العابدین کا واقعہ آتا ہے کہ ایک بار وہ اپنے گھر میں نماز پڑھ رہے تھے کہ گھر کے ایک حصہ میں آگ لگ گئی۔ آپ بدستور نماز میں مشغول رہے۔ لوگوں نے کہا: یَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اَلنَّارُ اَلنَّارُ. "اے خانوادۂ رسول کے چشم و چراغ! گھر میں آگ لگ گئی ہے۔"

لیکن آپ نے اپنے سر کو سجدہ سے نہیں ہٹایا۔ نماز کے بعد لوگوں نے تعجب سے سوال کیا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ ایسی نازک گھڑی میں آپ نے نماز کیوں نہیں چھوڑی؟ تو فرمایا:

''مجھے ایک بڑی آگ (جہنم) یاد آرہی تھی اس نے میرے خیالات کو اپنی طرف منہمک کرلیا تھا۔''

اب ہم نماز کی اہمیت کو دوسرے انداز سے سمجھیں۔

اللہ تعالیٰ رحمٰن ورحیم ہے۔ وہ اپنے بندوں پر اس قدر مہربان ہے جس قدر مہربان ایک ماں بھی اپنے بچے پر نہیں ہے۔

یہ اس کی رحمت وشفقت ہی ہے کہ اس نے ہم انسانوں پر بے شمار احسان کئے ہیں اور ہمیں اتنی نعمتوں سے نوازا ہے جنہیں ہم شمار نہیں کرسکتے۔

اب اگر ہم اس کی دی ہوئی نعمتوں سے فائدہ اٹھائیں، اس کی بنائی ہوئی زمین پر رہیں، اس کے بنائے ہوئے سورج سے روشنی حاصل کریں، اس کے دیئے ہوئے پانی سے اپنی پیاس بجھائیں اور اس کی چلائی ہوئی ہواؤں سے آکسیجن حاصل کریں، لیکن ہمارا دل اور ہماری زبان اس کی یاد سے غافل رہے تو اس سے بڑی ناشکری کیا ہوسکتی ہے؟

بخاری شریف کی روایت کے مطابق ذکرالٰہی کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَثَلُ الَّذِیْ یَذْکُرُ اللّٰہَ وَالَّذِیْ لَا یَذْکُرُ مَثَلُ الْحَیِّ وَالْمَیِّتِ. ''اس کی مثال جو اللہ کی یاد کرتا ہے اور اس کی مثال جو اللہ کی یاد نہیں کرتا، زندہ اور مردہ کی مثال ہے۔''

یعنی اللہ کی یاد کرنے والا بندہ روحانی طور پر زندہ ہوتا ہے اور اس کی یاد سے غفلت کرنے والے کی روح مردہ ہوجاتی ہے۔

بخاری کی ایک حدیث قدسی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''میں اس وقت بندے کے ساتھ ہوتا ہوں جب بندہ میری یاد کرتا ہے اور میری یاد میں اس کے ہونٹ ہلتے ہیں۔''

جس طرح ہر درخت اور ہر پودے کو نمی اور تازگی کی ضرورت پڑتی ہے اور بغیر نمی پائے پودے مرجھانے لگتے ہیں اسی طرح ایمان کے درخت کو بھی اس کی ضرورت پڑتی ہے اور ایمان کے پودے کی تازگی کا ذریعہ ذکرالٰہی ہے جیسا کہ بخاری کی روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جَدِّدُوْا اِيْمَانَكُمْ بِقَوْلِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ. ''لا الٰہ الا اللہ کے ورد سے اپنے ایمان کو تر و تازہ رکھا کرو۔''

اور نماز ذکر الٰہی کا سب سے کامل، سب سے مؤثر اور سب سے بہترین ذریعہ ہے اسی لئے قرآن میں بتایا گیا:

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِىْ. ''میری یاد کے لیے نماز قائم کرو۔''

معلوم ہوا کہ نماز کے بغیر اللہ کی یاد ہو ہی نہیں سکتی، جس کی زندگی نماز سے خالی ہے وہ یادِ الٰہی جیسی نعمت سے محروم ہے۔

اسلام میں طہارت اور صفائی کی بڑی اہمیت ہے۔ مسلم شریف کی روایت کے مطابق ارشاد نبوی ہے: اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْاِيْمَانِ. ''پاکی آدھا ایمان ہے۔''

قرآن مجید جو رشد و ہدایت کی کتاب ہے، اس کے بارے میں فرمان خداوندی ہے: لَا يَمَسُّهٗ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ. ''اس کو نہیں چھوتے مگر پاک لوگ۔''

یعنی جو لوگ ناپاک ہوں انہیں ایسی حالت میں قرآن مجید کو چھونے کی اجازت نہیں ہے۔ قرآن مجید کی سورۂ بقرہ میں فرمایا گیا:

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ. ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور پاک رہنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔''

ہر مسلمان اس مسئلہ کو اچھی طرح سے جانتا ہے کہ کوئی نمازی نماز پڑھے، اپنی نماز میں لمبے لمبے رکوع و سجدے کرے اور بڑی بڑی سورتیں پڑھے لیکن اگر اس کا بدن، یا اس کا کپڑا یا وہ جگہ ناپاک ہے جہاں وہ نماز ادا کر رہا ہے تو اس کی نماز قبول نہیں ہوگی۔

جب ہم نماز کے لیے آتے ہیں تو وضو کرتے ہیں اور وضو کے بعد کہتے ہیں:

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ. ''میں گواہی دیتا ہوں کہ نہیں ہے کوئی معبود مگر اللہ، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔''

اس کے بعد ہم اپنے معبود حقیقی سے یہ دعا کرتے ہیں:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِىْ مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَ اجْعَلْنِىْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ. ''اے اللہ! مجھے توبہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرنے والوں میں سے اور ریا کی اختیار کرنے والوں میں سے بنا۔"

بخاری شریف کی روایت کے مطابق ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چند اصحاب کے ساتھ سفر میں تھے، راستے میں آپ کو دو قبریں ملیں، انہیں دیکھ کر آپؐ نے فرمایا: "ان دونوں قبروں پر عذاب ہو رہا ہے، ایک پر اس لیے کہ وہ چغلی کرتا تھا، دوسرے پر اس لیے کہ وہ عام طور پر ناپاک رہتا تھا اور پیشاب کے چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا۔"

اس سے ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اسلام نے طہارت اور پاکیزگی کی کس قدر تاکید کی ہے۔ مگر جو نمازی ہوگا، وہی تو پاک وصاف رہے گا۔ کیوں کہ نمازی جب ناپاک ہو جائے گا تو اسے فوراً پاک ہونے کی فکر ہوگی مگر جو نماز کا پابند نہیں ہوگا اسے طہارت اور صفائی سے کیا دلچسپی ہوگی؟

گویا تارکِ صلوٰۃ طہارت جیسی نعمت سے بھی محروم رہتا ہے۔

بندہ اپنے ہر کام اور ہر معاملہ میں اللہ کا محتاج ہے کیوں کہ جو کچھ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی مرضی سے ہی ہوتا ہے۔ اس لیے بندہ کو اپنی حاجات وضروریات کے لیے اللہ ہی سے دعا کرنی چاہیے، جسے حدیث پاک میں عبادت کا مغز بتایا گیا ہے۔

ترمذی میں روایت ہے کہ دعا کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "دعا موجودہ اور آئندہ آنے والی بلاؤں کو دور کرتی ہے، پس اے اللہ کے بندو! دعا کو لازم پکڑ لو۔"

ترمذی ہی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بھی منقول ہے: "جو اللہ تعالیٰ سے دعا نہیں کرتا اللہ اس سے ناراض ہوتا ہے۔"

احادیث میں قبولیت دعا کے جو آداب بتائے گئے ہیں ان میں ایک خاص چیز حلال روزی ہے۔

مسلم شریف کی روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ایک شخص پراگندہ حال سفر کرتا ہے، جس کے بال گرد آلود ہیں اور وہ اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر کہتا ہے" اے میرے مالک! اے میرے مالک! مجھے یہ دے، مجھے یہ دے، حالاں کہ اس کا کھانا پینا، پہننا سب حرام کا ہے تو پھر اس کی دعا کس طرح قبول ہو سکتی ہے؟"

ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعدؓ سے فرمایا: "حلال روزی کھاؤ تم

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مستجاب الدعوات ہو جاؤ گے۔"

لیکن ہم اگر تمام آداب و شرائط کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں اور ہماری وہ دعا قبول نہ ہو، یعنی جو کچھ ہم نے اللہ سے مانگا ہے وہ نہیں ملا تو ہمیں اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہئے اور نہ دل میں یہ وسوسہ پیدا کرنا چاہئے کہ میرے اوپر اللہ تعالیٰ کی رحمت و شفقت نہیں ہے۔

ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے جو چیز ہم مانگ رہے ہوں وہ ہمارے لیے مناسب اور مفید نہ ہو۔ ہمارے لیے کیا چیز مفید ہے اور کیا چیز مضر؟ کیا مناسب ہے اور کیا مناسب نہیں ہے؟ ان باتوں کو جتنا اللہ تعالیٰ جانتا ہے ہم نہیں جانتے۔ مثلاً

ایک مثال:

خدانخواستہ آپ کا چار سال کا بچہ نمونیہ کے اندر مبتلا ہے، اسے سخت بخار ہے، اسے کھانسی بھی آرہی ہے اور اس کی دونوں پسلیاں بھی چل رہی ہیں۔ ایسی حالت میں ایک برف فروش باہر سے آواز لگاتا ہے، جس کی آواز سن کر بچہ برف کے لیے مچلنے لگتا ہے اور بار بار آپ سے برف کی ضد کرتا ہے مگر آپ اسے برف دینے کے لیے راضی نہیں ہوتے کیوں کہ آپ جانتے ہیں کہ برف کھانے سے بچے کو نقصان ہوگا لیکن اس بات کو بچہ نہیں جانتا اس لیے وہ یہی سمجھے گا کہ میرا باپ مجھ پر شفقت اور مہربانی نہیں کر رہا ہے۔

ایک واقعہ:

کہا جاتا ہے کہ کسی زمانے میں ایک بہت بڑا بادشاہ تھا، ایک بار اس نے اپنی سلطنت کا سالانہ جشن منایا جس میں اس نے لوگوں کو بہت زیادہ انعام و اکرام سے نوازا۔ بادشاہ کے شہر میں ایک غریب بڑھیا رہتی تھی، جس کے پاس کوئی مکان نہیں تھا، بس ایک معمولی جھونپڑی میں اس کا گذارہ ہوتا تھا، وہ بھی جشن کے دن انعام لینے بادشاہ کے محل میں آئی۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ اسے سو اشرفیاں دے دی جائیں۔

بڑھیا نے کہا "حضور! میں سو اشرفیاں نہیں لوں گی، میں تو منہ مانگا انعام لے کر جاؤں گی۔"

بادشاہ نے پوچھا "بتا تجھے کیا اور کتنا چاہیے؟"

بڑھیا نے کہا "جناب عالی! آپ مجھ سے وعدہ کریں کہ میں جو مانگوں گی وہ مجھے ضرور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ملے گا تب میں اپنی بات آپ کے سامنے رکھوں گی۔'' بادشاہ نے وعدہ کیا کہ جو کچھ بھی تو مانگے گی تجھے دیا جائے گا۔ بڑھیا نے کہا'' مجھے ایک خچر کے بوجھ کے برابر سونا چاہئے۔'' بادشاہ نے بڑھیا کی اس عجیب وغریب فرمائش کورد کر دیا اور کہا کہ تجھے اتنا سونا نہیں دیا جا سکتا۔

اس نے کہا، حضور!'' آپ اپنے وعدے سے مکر رہے ہیں۔''

امراء اور وزراء نے بھی بادشاہ سے بڑھیا کے حق میں سفارش کی کہ اس کا مطالبہ ضرور پورا کیا جائے، ورنہ بادشاہ سلامت کی توہین ہوگی اور پھر اتنی بڑی سلطنت کے لیے اتنا سونا کوئی اہمیت بھی نہیں رکھتا۔ بادشاہ، امراء اور وزیروں کے دباؤ میں آ کر سونا دینے پر رضامند ہو گیا۔

بڑھیا اسے ایک خچر پر لاد کر اپنی جھونپڑی میں لائی، شام کو شہر میں شور ہو گیا کہ بڑھیا کو بہت زیادہ سونا ملا ہے۔ رات میں کسی وقت ڈاکو آئے۔ انہوں نے بڑھیا کو قتل کر دیا اور سارا سونا اٹھا لے گئے۔

دوسرے دن جب بادشاہ کو اس واقعہ کی خبر ملی تو اس نے امیروں اور وزیروں سے کہا کہ میں جانتا تھا کہ بڑھیا اتنے زیادہ سونے کی حفاظت نہیں کر سکتی اور یہی سونا اس کے لیے وبال جان بن سکتا ہے اس لیے میں اسے نہیں دے رہا تھا۔

تو جس طرح بڑھیا کی عقل کے مقابلے میں بادشاہ کی سمجھ زیادہ تھی، اسی طرح ہمارے لیے کیا فائدہ مند ہے اور کیا نقصان دہ، اسے جتنا اللہ تعالیٰ جانتا ہے، ہم نہیں جان سکتے۔

اس لیے اگر کبھی ایسا موقع آئے کہ ہماری دعا قبول نہ ہو، تو ہمیں مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے، کیوں کہ دعا کسی حال میں بھی فائدے سے خالی نہیں ہوتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مومن کی دعا فلاح سے خالی نہیں ہوتی۔ یا تو اللہ تعالیٰ اسے وہی دے گا جو وہ مانگ رہا ہے۔ یا اس دعا کے بدلے اس کے نامہ اعمال میں اجر وثواب لکھا جائے گا۔ یا اس کی وجہ سے اس پر آنے والی کوئی بہت بڑی بلا ٹل جائے گی۔''

ذرا ہم غور کریں۔ نماز دعا ہی تو ہے، بلکہ پوری نماز دعا ہی دعا ہے۔ جو شخص نماز نہیں پڑھے گا وہ دعا کب کرے گا؟

معلوم ہوا کہ جو شخص نماز سے غفلت کرے گا اللہ تعالیٰ سے اس کا کوئی تعلق ہی نہیں ہوگا۔

یہ پنجوقتہ نماز دن بھر میں پانچ بار ہمارا امتحان لیتی ہے کہ ہمیں اللہ سے محبت ہے یا دنیا سے؟

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیا ہمیں اللہ کا حکم عزیز ہے یا دنیاوی مفاد. یا ہمیں اللہ کے احکام کی تعمیل میں دلچسپی ہے یا دنیوی فائدوں کو حاصل کرنے میں؟

ایک مثال:

فرض کیجئے، میں اس وقت یہاں بیٹھا ہوا اپنے قلم کو کھول کر صاف کر رہا ہوں، ایک شخص مجھے آواز دے رہا ہے، مجھے بلا رہا ہے، مگر میں اپنے قلم میں اس قدر مصروف ہوں کہ اس کی بات نہیں سن رہا ہوں اور نہ اس کے پاس جا رہا ہوں۔

تو کیا میں نے اپنے اس عمل سے یہ ثابت نہیں کر دیا کہ مجھے جس قدر لگاؤ اپنے قلم کے ساتھ ہے، اتنا لگاؤ اس آدمی سے نہیں ہے، تبھی تو میں قلم کو چھوڑ کر اس کے پاس جانے کے لیے تیار نہیں ہوں۔

اسی طرح دن بھر میں پانچ بار اذان ہوتی ہے، اللہ کی عبادت اور اس کے ذکر یعنی نماز کے لیے پکارا جاتا ہے اور ہم اپنی محفلوں، اپنے گھروں، اپنے کاروبار، اپنی مصروفیات، اپنی تجارت اور اپنے بال بچوں کو چھوڑ کر مسجد کی طرف جانے کے لیے تیار نہیں ہوتے، تو کیا ہم نے اپنے عمل سے یہ ثابت نہیں کر دیا کہ ہمیں جتنی محبت دنیا اور اس کی نعمتوں سے ہے اتنی محبت اللہ تعالیٰ اور اس کے احکام سے نہیں ہے؟

اور جس کے دل میں اللہ سے زیادہ دنیا اور دنیوی کاروبار سے محبت ہو ایسے شخص کا ایمان کیسے سلامت رہ سکتا ہے؟

مشکوٰۃ کی روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صریح ارشاد ہے:

مَنْ تَـرَكَ صَلٰوةً مَّكْتُوْبَةً مُّتَعَمِّداً فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ ذِمَّةُ اللّٰهِ. ''جس نے جان بوجھ کر فرض نماز چھوڑ دی، اس سے اللہ تعالیٰ بری ہے۔''

ہر مسلمان اس حقیقت کو اچھی طرح جانتا ہے کہ ہجرت سے ایک سال پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوئی تھی اور اسی موقع پر اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی امت پر پچاس وقت کی نماز فرض کی تھی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مشورے سے آپؐ نے بار بار سفارش کر کے اللہ تعالیٰ سے اسے کم کرایا، اب صرف پانچ نمازیں فرض رکھی گئیں، معراج کی رات ہی میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''اے نبی! آپ کی امت کے جو لوگ پنج وقتہ نماز کی پابندی کریں گے، انہیں صرف پانچ وقت کا نہیں بلکہ پچاس وقت ہی کا اجر وثواب ملے گا۔'' سوچئے کتنا خوش نصیب ہے نمازی، کہ پانچ وقت کی نماز ادا کر کے پچاس وقت کا اجر وثواب اپنے نامہ اعمال میں درج کراتا ہے اور کتنا بدنصیب ہے بے نمازی، کہ پانچ وقت کی نماز نہ ادا کر کے، پچاس وقت کے اجر وثواب سے محروم رہ جاتا ہے۔

نماز کے اثرات:

نماز کے متعلق اللہ تعالیٰ نے سورۂ عنکبوت میں ارشاد فرمایا:

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَ الْمُنْکَرِ. ''بلاشبہ نماز برائیوں اور بے حیائیوں سے روک دیتی ہے۔''

اس نکتہ کے دو پہلو ہیں۔ اول یہ کہ نماز برائیوں سے روکتی ہے۔ دوسرا یہ مطالبہ ہے کہ اس کا ادا کرنے والا فحش کاموں اور منکرات کو چھوڑ دے۔

جہاں تک نماز کا برائیوں اور فواحش سے روکنے کا تعلق ہے، نماز یقیناً یہ کام کرتی ہے اور درحقیقت نماز کے علاوہ کوئی دوسرا طریق تربیت ایسا نہیں ہے جو انسان کو برائیوں سے روکنے کے معاملے میں اس درجہ مؤثر رہا ہو۔

لیکن یہ مطالبہ کہ نمازی برائیوں اور فحش کاموں سے رک جائے، اس کے بارے میں متعدد احادیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات منقول ہیں۔ مثلاً:

ابن ابی حاتم کی روایت کے مطابق آپ ؐ نے فرمایا: ''جسے اس کی نماز نے فحش کاموں اور باتوں سے نہ روکا اس کی نماز، نماز نہیں ہے۔''

طبرانی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں: ''جس کی نماز نے اسے فحش کاموں سے نہ روکا، اس کو اس کی نماز نے اللہ تعالیٰ سے اور دور کر دیا۔''

ابن جریر میں حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی مضمون روایت کی ہے، آپ ؐ نے فرمایا: ''اس شخص کی کوئی نماز نہیں جس نے نماز کی اطاعت نہیں کی اور نماز کی اطاعت یہ ہے کہ آدمی فحش اور منکرات سے باز آجائے۔''

روح المعانی میں حضرت جعفر صادق ؒ کا یہ قول منقول ہے: ''جو شخص یہ معلوم کرنا چاہے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ اس کی نماز ہوئی یا نہیں؟ اسے دیکھنا چاہیے کہ اس کی نماز نے اسے برائیوں سے کہاں تک روکا ہے، اگر نماز کی ادائیگی سے وہ برائیوں کو ترک کر چکا ہے تو اس کی نماز قبول ہوئی ہے ورنہ نہیں۔"

آج ہم نماز بھی پڑھتے ہیں اور ہر طرح کی برائیوں میں ملوث بھی رہتے ہیں، آخر کیوں؟

اس لیے کہ ہماری نمازیں، وہ نمازیں نہیں رہیں جو اسلام کو مطلوب ہیں۔

جس طرح سے ہر انسان، انسان نہیں ہوتا اسی طرح ہر نماز، نماز نہیں ہوتی۔

حقیقت میں وہی نماز خدا کی مطلوبہ اور اس کے نزدیک پسندیدہ اور قابل قبول نماز ہے جسے اس طرح ادا کیا جائے جس طرح اس کی ادائیگی کا حق ہے۔

آج عام طور پر نمازی بھی بے نمازیوں کی طرح بے حیائیوں اور بدکرداریوں میں مبتلا ہیں، جس کا اصلی سبب یہ ہے کہ وہ خود نماز ہی کو صحیح طریقے سے ادا نہیں کرتے، تو نماز کے فیوض و برکات کا اثر ان پر کیسے پڑ سکتا ہے؟

اگر صرف نماز کا ادا کر لینا ہی اپنے اندر کچھ انوار و برکات رکھتا، تو منافقین، جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں اپنی نمازیں ادا کرتے تھے، ان کی نمازیں انہیں بدکرداریوں سے بدرجہ اولیٰ روک دیتیں، لیکن ظاہر ہے ایسا نہیں ہوا۔

اس نکتے کو ہم قدرے تفصیل سے سمجھیں۔

قرآن مجید میں کہیں بھی نماز پڑھنے کا حکم نہیں آیا ہے، بلکہ اس کے متعلق جو احکام آئے ہیں ان میں اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ، اَقَامُوا الصَّلٰوةَ، اَقِمِ الصَّلٰوةَ اور يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ کے الفاظ ہیں۔ یعنی نماز قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

قائم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کام کو اس طرح انجام دیا جائے جس طرح اس کی انجام دہی کا حق ہے۔

مثلاً، اول وقت کی پابندی ہو، خشوع و خضوع ہو، اہتمام جماعت ہو، رکوع، سجود اور تمام ارکان میں اعتدال ہو اور اسے سنت رسولؐ کے مطابق ادا کیا جائے۔

بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص آیا اور اس نے نماز پڑھی پھر آپ کو سلام کیا۔ آپؐ نے سلام کا جواب دینے کے بعد فرمایا:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اِرْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّکَ لَمْ تُصَلِّ. ''لوٹو، پس نماز پڑھو، کیوں کہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔''

پھر وہ گیا اور نماز پڑھ کر لوٹا۔ آپؐ نے پھر اس سے یہی بات فرمائی، اس طرح تین بار ہوا۔

اس نے کہا: ''قسم ہے اس ذات کی جس نے سچ مچ آپ کو بھیجا ہے، میں تو اس سے اچھی نماز نہیں پڑھ سکتا، مجھے سکھلایئے۔''

آپؐ نے فرمایا: ''جب تو نماز کے لیے کھڑا ہو تو تکبیر کہہ، پھر جو کچھ قرآن سے تجھے یاد ہو اور آسانی کے ساتھ پڑھ سکے، اسے پڑھ، پھر اطمینان سے ٹھہر کر رکوع کر، پھر سر اٹھا یہاں تک کہ سیدھا کھڑا ہو جا، پھر اطمینان سے ٹھہر کر سجدہ کر، پھر سجدے سے سر اٹھا اور اطمینان سے ٹھہر، پھر دوسرا سجدہ اطمینان سے ٹھہر کر ادا کر پھر اسی طرح ساری نماز پڑھ۔

حدیث میں نماز کو اس کے اول وقت پر ادا کرنے کی تاکید کی گئی ہے اور اسے وقت سے ٹال کر پڑھنے کو منافق کی علامت بتایا گیا ہے۔

جماعت:

نماز با جماعت کے متعلق، بخاری شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان منقول ہے: ''اکیلی نماز کے مقابلے میں جماعت والی نماز کا اجر و ثواب ستائیس درجہ بڑھ جاتا ہے۔''

صحیح مسلم میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس ذات پاک کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میرا جی چاہتا ہے کہ کسی کو لکڑی جمع کرنے کا حکم دوں اور کسی کو نماز پڑھانے کے لیے کہوں اور جو لوگ نماز یعنی جماعت میں حاضر نہ ہوں خود جا کر ان کے گھروں کو آگ لگا دوں۔''

ابوداؤد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے: ''جو شخص اذان سننے کے باوجود بلا خوف اور مرض کے عذر کے، نماز با جماعت میں شریک نہیں ہوتا، اس کی نماز قبول نہیں ہوتی۔''

ترمذی میں حدیث ہے: ''جو شخص اللہ کے لیے چالیس روز تک جماعت سے نماز ادا کرے کہ اس کی تکبیر اولیٰ فوت نہ ہو، تو اس کے لیے دو رہائیاں لکھی جاتی ہیں، ایک جہنم سے،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسری نفاق سے۔"

مسلم شریف کی روایت کے مطابق حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک نابینا شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا:

"یارسول اللہ! میرے پاس کوئی نہیں رہتا جو مجھے نماز کے وقت مسجد پہنچادے، تو کیا میں اپنے گھر ہی میں نماز ادا کرلوں؟"

پہلے تو آپؐ نے اسے اجازت دے دی، جب واپس وہ ہوا تو آپؐ نے اسے آواز دی اور اس سے پوچھا: "کیا تو اذان کی آواز سنتا ہے؟"

اس نے کہا، ہاں۔ آپؐ نے فرمایا: "تو مسجد میں جاکر جماعت کے ساتھ نماز پڑھا کر۔"

صحیح مسلم میں حضرت انسؓ کا بیان ہے: "ہم نے کسی صحابی کو نماز سے غیر حاضر رہتے نہیں دیکھا، جماعت سے وہی شخص غیر حاضر رہتا جو کھلم کھلا منافق ہوتا، بیمار آدمی بھی دو آدمیوں کے سہارے مسجد میں آجاتا تھا۔"

خشوع و خضوع:

نماز میں خشوع وخضوع کا ہونا بھی ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۂ مومنون میں فرمایا:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ. اَلَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلٰوتِهِمْ خَاشِعُوْنَ. "بےشک وہ مومن کامیاب ہوگئے جو اپنی نمازوں میں خشوع کرتے ہیں۔"

بخاری میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تم اس طرح اللہ کی عبادت کرو، گویا تم اسے دیکھ رہے ہو، اور اگر تم اسے نہیں دیکھ سکتے تو یہ سمجھو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔"

خشوع کے اصل معنیٰ ہیں، کسی کے آگے جھک جانا، دب جانا، عاجزی وانکساری کا اظہار کرنا، اس خصوصیت کا تعلق دل سے بھی ہے اور جسم کی ظاہری حالت سے بھی۔

نماز میں خشوع سے مراد دل اور جسم کی یہی کیفیت ہے، اور یہی اسلام کی روح ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ ایک بار ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا اور ساتھ ساتھ داڑھی کے بالوں سے کھیلتا جاتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھ کر فرمایا:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لَوْ خَشَعَ قَلْبُهٗ خَشَعَتْ جَوَارِحُهٗ. ''اگر اس کے دل میں خشوع ہوتا تو اس کے جسم پر بھی خشوع طاری ہوتا۔''

اور نماز میں خشوع جبھی ہوگی، جبکہ نماز میں جو کچھ پڑھا جائے اسے سمجھا بھی جائے، بغیر سمجھے ہوئے قلب میں سوز وگداز اور عاجزی اور انکساری حاصل نہ ہوگی۔

اسی لیے نشہ کی حالت میں نماز پڑھنے کی ممانعت ہے، کیوں کہ اس حالت میں آدمی کچھ سمجھ نہیں سکے گا کہ وہ کیا پڑھ رہا ہے اور اپنے مالک سے کیا کہہ رہا ہے؟

اس کے علاوہ یہ بھی ضروری ہے کہ حالت نماز میں ان آداب وشرائط کو ضرور ملحوظ رکھا جائے جو شریعت نے مقرر کردیئے ہیں۔

ان آداب میں سے ایک یہ ہے کہ نمازی دائیں بائیں جانب نہ مڑے اور سر اٹھا کر اوپر نہ دیکھے، نگاہ سجدہ کی جگہ پر رہے۔ نماز میں ہنسا اور مختلف سمتوں میں جھکنا بھی منع ہے۔

کپڑوں کو بار بار سمیٹنا، یا ان کو جھاڑنا یا ان سے شغل کرنا بھی ممنوع ہے۔

اس بات سے بھی منع کیا گیا ہے کہ سجدے میں جاتے وقت آدمی اپنے بیٹھنے کی جگہ یا سجدے کی جگہ کو بار بار صاف کرنے کی کوشش کرے۔ تن کر کھڑا ہونا، بہت بلند آواز سے کڑک کر قرأت کرنا، یا قرأت میں گانا بھی آداب نماز کے خلاف ہے۔

زور زور سے جماہیاں لینا اور جان بوجھ کر ڈکار مارنا بھی نماز میں بے ادبی ہے۔

جلدی جلدی مارا ماری کی نماز پڑھنا بھی سخت ناپسندیدہ ہے۔

حکم یہ ہے کہ نماز کا ہر فعل پوری طرح سکون اور اطمینان سے ادا کیا جائے اور ایک فعل، مثلاً رکوع یا سجود، یا قیام وقعود جب تک مکمل نہ ہولے دوسرا فعل شروع نہ کیا جائے۔

نماز میں اگر کوئی چیز اذیت دے رہی ہو تو اسے ایک ہاتھ سے دفع کیا جاسکتا ہے مگر بار بار ہاتھوں کو حرکت دینا یا دونوں ہاتھوں کو استعمال کرنا ممنوع ہے۔

ان ظاہری آداب کے ساتھ یہ چیز بھی بڑی اہمیت رکھتی ہے کہ آدمی نماز میں جان بوجھ کر غیر متعلق باتیں سوچنے سے پرہیز کرے، بلا ارادہ خیالات ذہن میں آئیں اور آتے رہیں تو یہ انسانی نفس کی ایک کمزوری ہے لیکن نمازی کی پوری کوشش یہ ہونی چاہئے کہ نماز کے وقت اس کا دل خدا کی طرف متوجہ ہو اور جو کچھ وہ زبان سے کہہ رہا ہو وہی دل سے بھی عرض کرے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جس نماز کے اندر یہ صفات نہیں ہوں گی وہ ایسی ہوگی جیسے بلا روح کے جسم، یعنی ظاہری طور پر وہ نماز ہوگی مگر حقیقتاً وہ نماز نہ ہوگی۔

کیوں کہ صورت اور حقیقت میں بڑا فرق ہوا کرتا ہے، جیسے اصلی شیر اور شیر کی بنی ہوئی تصویر میں فرق ہوتا ہے۔

ان آداب وشرائط کے ساتھ ادا کی جانے والی نماز ہی وہ نماز ہے جو برائیوں اور بے حیائیوں سے روکتی ہے۔

حشر کے میدان میں جب بندوں کے اعمال کی جانچ ہوگی تو سب سے پہلے نماز ہی کی جانچ ہوگی، جو لوگ اس امتحان میں کامیاب ہو جائیں گے، انہی کے بارے میں یہ امید کی جا سکے گی کہ وہ دوسرے امتحانوں میں بھی کامیاب ہو سکیں گے۔

اس لیے نماز کے بغیر آخرت میں اللہ کی مغفرت اور جنت کی آرزو اور دنیا میں عزت و سربلندی کی تمنا دونوں بیکار ہیں۔

اللہ کے نزدیک دنیا کے تمام انسان دو گروہ ہیں۔ ایک اللہ کے باغی اور نافرمان، دوسرے اس کے مومن اور فرمانبردار بندے۔

میدان حشر میں سارے انسان انہی دو گروہوں میں بٹ جائیں گے۔ جو لوگ اللہ کے فرمانبردار ہوں گے، وہ کامیاب اور اللہ کی رحمت و مغفرت کے مستحق ہوں گے۔ اور جو اللہ کے باغی اور نافرمان ہوں گے وہ اس دن سب سے بدنصیب اور سدا رہنے والے عذاب میں مبتلا کیے جائیں گے۔

قیامت کے دن یہ دونوں گروہ نماز کی بنیاد پر الگ کیے جائیں گے۔

قرآن مجید کی سورہ قلم میں یہ منظر اس طرح بیان کیا گیا ہے:

''جب تمام انسان حشر کے میدان میں جمع کیے جائیں گے، اس وقت انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے سجدہ کا حکم دیا جائے گا۔ مومن بندے حکم پاتے ہی فوراً سجدہ میں گر جائیں گے۔''

لیکن جو لوگ دنیا کی زندگی میں بلا عذر نماز نہیں ادا کرتے تھے اور نماز کی پکار سن کر ٹال جاتے تھے، ان کی پیٹھ سخت کر دی جائے گی، وہ یوں ہی کھڑے کے کھڑے رہ جائیں گے۔

اس وقت عجیب عالم ہوگا۔ مالک حقیقی کے وفادار سجدے میں پڑے ہوں گے اور اس

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے باغی مجرموں کی طرح آنکھیں نیچی کئے ذلیل و پریشان حال کھڑے ہوں گے۔ نتیجہ آنکھوں کے سامنے ہوگا۔

وفاداروں کے لیے سدا رہنے والا عیش اور باغیوں کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔

قرآنی احکام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی روشنی میں اس بات کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ آدمی خدا کی وحدانیت اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار کرے اور آپؐ سے تعلق ہی نہیں بلکہ محبت کا دعویٰ بھی کرے اور پھر پنجوقتہ نماز سے کوتاہی کرے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۂ فتح میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرمایا:

هُوَ الَّذِيْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ.

''وہی اللہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اسے تمام ادیان پر غالب کردے۔''

اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ نے اپنے رسول کو دنیا میں اس لیے بھیجا کہ وہ رسول، اس کالایا ہوا دین اور اس کی امت تمام دینوں اور قوموں پر غالب رہے۔

لیکن غلبۂ دین کے جتنے ذرائع ہیں، ان میں سب سے بڑا ذریعہ اقامت صلوٰۃ ہے۔

دین کی عزت و ترقی، اسلام کی شان و شوکت اور امت کی سربلندی اور قوت اسی پر موقوف ہے۔ اسی لیے قرآن اور احادیث رسولؐ میں تمام اعمال سے زیادہ نماز کی تاکید کی گئی ہے۔

صرف قرآن شریف میں سات سو سے زیادہ بار نماز کا تذکرہ اور اس کی تاکید آئی ہے۔

کہیں نماز کو ایمان بتایا گیا ہے۔ کہیں اسے چھوڑنے کی سزا جہنم بتائی گئی ہے۔ کہیں نماز قائم کرنے پر اللہ کی مدد کا وعدہ ہے۔ کہیں نماز چھوڑ دینے کی وجہ سے قوموں کی بربادی کا بیان ہے۔ نبیوں کی تعریف میں ان کی نمازوں کا بیان ہے۔ ایمان والوں کی نشانیوں میں نماز کا ذکر ہے۔ الغرض مختلف پیرایوں میں قرآن مجید نے اسلام کے اس عظیم فریضہ کو جگہ جگہ بیان کیا ہے۔

اور یہ تاکید اس لیے ہے کہ نماز نظام اسلام کو قائم رکھنے اور مسلمانوں کو غالب کرنے کا سب سے بڑا وسیلہ و ذریعہ ہے۔

کیوں کہ نماز دن بھر میں پانچ بار اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری کا سبق دیتی ہے۔ نماز بتاتی ہے کہ اپنے خالق و مالک کے آگے ہاتھ، پاؤں، آنکھ، زبان، پیشانی، الغرض جسم کے ایک

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک عضو کو جھکاؤ۔

نماز پیغام دیتی ہے کہ ایک خدا کے سامنے جھک کر دنیا کے تمام حکموں سے آزاد ہو جاؤ جیسا کہ شاعر مشرق علامہ اقبالؒ نے کہا تھا۔

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

نماز ایک وقت میں تمام نمازیوں کا منہ ایک قبلہ کی طرف کر دیتی ہے اور وحدت عمل کی لہر یک بارگی ساری اسلامی برادری میں دوڑا دیتی ہے۔

نماز مسلمانوں کو سکھاتی ہے کہ تم سب ایک ہو، تمہارا خدا ایک ہے، تم پر حکومت ایک ہی ذات کی ہے، تمہارا پروگرام ایک ہے، تمہارا محور اور مرکز ایک ہے، تمہارا قبلہ ایک ہے، تمہارا دین ایک ہے، تمہارا کلمہ ایک ہے، تمہارا رسول ایک ہے اور تمہاری کتاب ایک ہے۔

یہ اتحاد خیال، یہ وحدت قومی، یہ جذبۂ اطاعت جس جماعت میں جلوہ گر ہو جائے۔یقیناً وہ ساری دنیا پر غالب ہو گی اور بلاشبہ وہی خلافت ارضی کی وارث ہو گی۔

یہ کوئی نئی بات نہیں کہی جا رہی ہے، بلکہ یہ وہی بات ہے، جس کی بنیادوں پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ سلم نے حکومتِ اسلامی کا نظام قائم کیا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد سب سے پہلا جو کام کیا وہ مسجد کی تعمیر تھی، مسجد اور نماز نے عرب کے مختلف قبیلوں اور جماعتوں کو ایک قوم اور ایک امت بنا دیا اور ان کے دلوں میں وہ جوش پیدا کر دیا کہ ایک امیر اور ایک امام کے ماتحت رہ کر دنیا میں ایک خدا کا قانون نافذ کریں۔

پس یہی لوگ مسجد میں ایک امام کے پیچھے نماز ادا کرتے تھے اور میدان جہاد میں اسی امام کے زیر قیادت جہاد کرتے تھے۔ان کی نماز اللہ کی رضا کے لیے ہوتی تھی اور ان کا جہاد بھی اللہ کا نام بلند کرنے کے لیے۔اسی لئے اللہ تعالیٰ انہیں قدم قدم پر فتحیاب کرتا تھا۔

لیکن جب مسلمانوں کے دل و دماغ غلبہ اسلام کے خیال سے خالی ہو گئے تو ان کے دلوں سے نماز کی عظمت نکل گئی، ان کی نظروں سے نماز کی روح، اس کی حقیقت اور اس کی بے مثال افادیت اوجھل ہو گئی۔

بادشاہوں، امراء، سرداروں، اہل کاروں اور حکام نے مسجدوں کو خیر باد کہا، جو لوگ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسجدوں سے جڑے رہے انہوں نے نماز کو ایک رسمی عمل سمجھا۔

پھر مصیبت پر مصیبت یہ آئی کہ جاہل اماموں اور فسادی مولویوں کی بدولت فروعی باتوں اور جزوی مسائل میں لڑائیاں ہونے لگیں اور مسجدیں جو خلوص، پاکیزگی اور روحانیت پیدا کرنے کا ذریعہ تھیں، نفاق، جھگڑا، فساد اور پارٹی بازی کا ذریعہ بن گئیں، اس طرح مسلمانوں نے خدا کی بخشی ہوئی یہ عظیم الشان طاقت کھودی اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کی عالم گیر عظمت و سربلندی بھی کھو گئی۔

مسلمانوں کی اصلاح و تنظیم کی کوششیں عرصہ سے جاری ہیں اور اس مقصد کے لیے مسلمانوں میں اتنی جمعیتیں اور انجمنیں بنی ہوئی ہیں جن کا شمار مشکل ہے، مگر جہاں تک ان کے فائدوں کا سوال ہے، صفر کے درجے میں ہیں۔

اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ ہمارے رہنما اور لیڈر ہماری اصلاح کا نظام ان بنیادوں پر قائم نہیں کرتے جن پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم کیا تھا۔

ہم نئی نئی انجمنیں اور کمیٹیاں قائم کرتے ہیں پر یہ خیال نہیں کرتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بنائی ہوئی انجمنیں یعنی مسجدیں موجود ہیں، انہی کو آباد کریں۔

جلسے کر کے ممبران کو جمع کیا جاتا ہے پر یہ نہیں سوچا جاتا کہ اسلامی سوسائٹی کے ان ممبران سے کام لیں جو اللہ کے گھروں میں جمع ہوتے ہیں۔

مختلف تحریکوں کے لیے رضا کار بھرتی کئے جاتے ہیں مگر اس پر غور کرنے کی توفیق نہیں ہوتی کہ نمازیوں سے بڑھ کر اسلام کے رضا کار اور سپاہی کون ہو سکتے ہیں؟

اللہ تعالیٰ ہم سب کو نمازی بنائے۔ آمین۔

وما علینا الا البلاغ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

مومن کا ہتھیار

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ كَفٰى وَ سَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيۡنَ اصۡطَفٰى. اَمَّا بَعۡدُ.

اَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ. بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ.

وَلَا تَهِنُوۡا وَلَا تَحۡزَنُوۡا وَ اَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ.

جہاں ہے تیرے لیے تو نہیں جہاں کیلئے　　نہ تو زمیں کے لیے ہے نہ آسماں کیلئے
نہ سیر گل کے لیے ہے نہ آشیاں کیلئے　　مقام پرورشِ آہ و نالہ ہے یہ چمن
ترس گئے ہیں کسی مردِ راہ داں کیلئے　　نشانِ راہ دکھاتے تھے جو ستاروں کو

نگہ بلند، سخن دلنواز، جاں پرسوز
یہی ہے رختِ سفر میر کارواں کیلئے

ہر طرح کی بزرگی اور برتری، عظمت اور کبریائی اللہ رب العالمین ہی کے لیے لائق اور سزاوار ہے جو ہمارا خالق و مالک ہے۔

ہم کچھ نہیں تھے اس نے ہمیں پیدا کیا۔ ہم بے وسروسامان تھے اس نے ہمیں زندگی گذارنے کے لیے بے شمار اور ان گنت وسائل اور ذرائع بخشے۔ ہم گمراہ تھے، اس نے ہماری ہدایت اور رہنمائی کے لیے انبیاء کرام کو مبعوث فرمایا۔ ان گنت درود و سلام ہو اللہ کے آخری نبی سید المرسلین، صاحب حوض کوثر، شافع روز جزا، حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جنہوں نے ہدایت کی روشنی پھیلائی اور حق کو باطل سے، نور کو تاریکی سے، ہدایت کو گمراہی سے اور صحیح کو غلط سے چھانٹ کر نمایاں کر دیا۔

حضرات! ہر مسلمان اس بات کو اچھی طرح سے جانتا ہے اور اس پر پورا یقین بھی رکھتا ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی وہ آخری کتاب ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اتاری گئی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس لیے مسلمان کو زندگی کے ہر موڑ پر قرآن ہی سے رہنمائی حاصل کرنی چاہیے۔

قرآن کی نسبت اللہ کی طرف بھی ہے اور اس کے رسول کی طرف بھی۔قرآن کی نسبت اللہ کی طرف یہ ہے کہ وہ اللہ کا کلام ہے اور اس کی نسبت رسول ؐ کی طرف یہ ہے کہ وہ آپ ؐ پر نازل کیا گیا ہے۔

اس لیے جس کے دل میں اللہ اور اس کے رسول ؐ کی محبت ہوگی، اس کے دل میں قرآن کی محبت ضرور ہوگی لیکن جو سینہ قرآن کی محبت سے خالی ہوگا، وہ سینہ اللہ اور اس کے رسول ؐ کی محبت سے بھی خالی ہوگا۔

آج ہم ہر چہار طرف ذلت و رسوائی سے دوچار ہیں، یہ رسوائیاں، یہ بربادیاں، اس حد تک پہنچ گئی ہیں کہ قرآن جیسی کتاب پر پابندی لگانے کا مطالبہ کیا جا رہا ہے۔آج محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ؐ کی ازواج مطہرات کی شان میں گستاخیاں کی جا رہی ہیں اور اپنے ملک ہندوستان میں نہ صرف ہماری تہذیب، ہماری زبان، ہمارے تعلیمی ادارے، ہمارا پرسنل لاء، ہماری عبادت گاہیں، بلکہ ہمارا وجود اور ہماری بقا بھی خطرے میں پڑی ہوئی ہے۔

اور یہ تمام ہولناک حالات اپنی اصل بنیاد یعنی قرآن اور اس کی تعلیمات کے چھوڑ دینے ہی کا نتیجہ ہیں۔

ذرا ہم غور کریں، آم کی ایک ڈالی میں آم کا پھل لگا ہوا ہے، اچانک وہ پھل ٹوٹتا ہے تو زمین پر گر پڑتا ہے۔آخر کیوں؟

آم کی ڈالی سے ٹوٹے ہوئے آم کو آسمان اپنی طرف کیوں نہیں کھینچتا، زمین اسے اپنی طرف کیوں کھینچ لیتی ہے؟

اس لیے کہ یہ کائنات ہمیں یہ سبق دیتی ہے کہ قدرت کا یہ اٹل قانون ہے کہ جو چیز اپنی بنیاد کو چھوڑ دیتی ہے وہ بلندی پر نہیں بلکہ پستی میں جاتی ہے، اسے عزت نہیں بلکہ ذلت نصیب ہوتی ہے۔

ایک اور مثال لیجئے۔ایک سرخ رنگ کی پتنگ فضا میں اڑ رہی ہے۔اسے لوگ دیکھ تو سکتے ہیں مگر کسی میں یہ جرأت اور طاقت نہیں ہے کہ اسے زچ لے یا نقصان پہنچا دے۔

لیکن جب یہی پتنگ اپنی ڈور سے کٹ جاتی ہے تو پھر لڑکھڑاتی ہوئی زمین پر گر پڑتی ہے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور چھوٹے چھوٹے بچے اس پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ آخر کیوں؟

اس لیے کہ جب تک وہ اپنی ڈور سے جڑی ہوئی تھی، تب تک کسی کی یہ مجال نہیں تھی کہ اپنا ہاتھ وہاں تک پہنچا سکے، لیکن جب ڈور سے الگ ہوئی تو پھر چھوٹے چھوٹے بچے اس پر آسانی سے قابو پا گئے۔

اسی لیے ایک شاعر نے ہم مسلمانوں کی حالت زار بیان کرتے ہوئے صحیح کہا ہے ؎

درس قرآن نہ اگر ہم نے بھلایا ہوتا ۔۔۔ یہ زمانہ نہ زمانے نے دکھایا ہوتا

قرآن کیا ہے؟ قرآن خود اپنا تعارف کراتا ہے:

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ. ''بے شک یہ قرآن اس راستے پر چلاتا ہے جو بالکل سیدھا ہے۔''

اقوم میں مبالغہ ہے، یعنی قطعی اور سیدھا، جس پر چل کر انسان بھٹکنے سے بچ جائے اور منزل تک پہنچ جائے، جس طرح ایک مشفق باپ اپنے کمسن بچے کی انگلی پکڑ کر چلتا ہے تاکہ وہ ٹھوکروں سے محفوظ رہے اور منزل تک پہنچ جائے۔

اسی طرح قرآن اپنے ماننے والوں سے یہ وعدہ کرتا ہے کہ اگر تم میرے دامن سے وابستہ ہو جاؤ تو میں تمہاری انگلی پکڑ کر لے چلوں گا، تمہیں راستے کے ٹھوکروں سے بھی بچاؤں گا اور منزل تک پہنچا دوں گا۔

اسی قرآن مجید کی سورۂ آل عمران کی ایک چھوٹی سی آیت کی تلاوت آپ کے سامنے کی گئی ہے، وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ''اور دل شکستہ نہ ہو اور غم نہ کرو تم ہی سر بلند رہو گے اگر تم مومن رہے۔''

انسان اس دنیا میں مختلف قسم کے حادثات سے دوچار ہوتا رہتا ہے۔ کبھی امیری ہے تو کبھی غریبی ہے، کبھی عروج ہے تو کبھی زوال کے دور سے گذرنا پڑتا ہے، کبھی عزت ہے تو کبھی ذلت سے سابقہ پیش آتا ہے، کبھی خوشحالی ہے تو کبھی بدحالی کا سامنا کرنا پڑتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ مسلمان کبھی ذلیل نہیں ہو سکتا، اسے کوئی رسوا نہیں کر سکتا۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے تحفظ، ان کی سلامتی اور سالمیت، ان کی بقا، ان کی فلاح و کامیابی، ان کے عروج و سر بلندی اور ان کی عزت اور محبوبیت کی ضمانت دی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مگر مشروط طور پر، یعنی ایمان کی شرط کے ساتھ، اور عربی کا مشہور مقولہ ہے اِذَا فَاتَ الشَّرْطُ فَاتَ الْمَشْرُوْطُ. ''جب شرط ختم ہو جاتی ہے تو وہ چیز بھی ختم ہو جاتی ہے جس کے لیے شرط کی گئی ہے۔'' مثلاً

کسی سے کہا جائے کہ ''اگر تم ٹرین پر بیٹھو گے تو اپنی منزل تک پہنچ جاؤ گے۔''

تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ منزل تک پہنچنا مشروط ہے ٹرین پر بیٹھنے کے ساتھ، یعنی ٹرین پر بیٹھو گے تو منزل پر پہنچ جاؤ گے ورنہ اسٹیشن ہی پر پڑے رہو گے۔

کسی سے کہا جائے کہ ''اگر تم لحاف اوڑھو گے تو تمہارا جاڑا چلا جائے گا۔''

تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ جاڑا کا جانا مشروط ہے لحاف کے اوڑھنے کے ساتھ، یعنی اگر لحاف اوڑھو گے تو سردی سے محفوظ رہو گے ورنہ رات بھر ٹھٹھرنا پڑے گا۔

کسی سے کہا جائے کہ ''اگر تم کمرہ سے باہر نکلو گے تو تمہیں دھوپ ملے گی۔''

تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ دھوپ کا ملنا مشروط ہے کمرے کے نکلنے کے ساتھ، یعنی کمرہ سے باہر نکلو گے تو دھوپ پاؤ گے ورنہ اس سے محروم رہو گے۔

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''تم ہی سربلند رہو گے اگر تم مومن رہے۔''

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر مومن بن کر رہے تو تم سربلند رہو گے، دنیا کی تمام قوموں پر تم بھاری پڑو گے، تمہیں عزت اور وقار ملے گا اور دنیا کی کوئی طاقت تمہیں اپنا کھلونا نہیں بنا سکتی۔

یہی نہیں بلکہ قرآن مجید میں مختلف جگہوں پر ایمان والوں کے لیے اس کا وعدہ کیا گیا ہے۔

مثلاً سورۂ روم میں ارشاد ہوا: وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ. ''ایمان والوں کی مدد کرنا ہم پر لازم ہے۔''

سورۂ یونس میں بتایا گیا:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ. اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ. لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ. ''بے شک اللہ کے دوست، جو ایمان لائے اور جنہوں نے تقویٰ کی روش اختیار کی، ان کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقع نہیں ہے، دنیا اور آخرت دونوں ہی زندگیوں میں ان کے لیے بشارت ہی بشارت ہے۔''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سورۂ نور میں یہ وعدہ کیا گیا۔

وعد اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ و عمِلُوا الصّٰلحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ و لیُمَکِّنَنَّ لھُمْ دِیْنَھُمُ الَّذِیْ ارْتَضٰی لَھُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّھُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِھِمْ اَمْناً۔ ''اللہ نے وعدہ فرمایا ہے، تم میں سے ان لوگوں سے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ ان کو اسی طرح زمین کا خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے گذرے ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے۔ اور ان کے لیے ان کے اس دین کو مضبوط بنیادوں پر قائم کردے گا، جسے اس نے ان کے حق میں پسند کیا ہے اور ان کی (موجودہ) حالتِ خوف کو امن سے بدل دے گا۔''

سورۂ اعراف میں بتایا گیا:

وَلَوْ اَنَّ اَھْلَ الْقُرٰی اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَیْھِمْ بَرَکٰتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ۔ ''اگر بستیوں کے لوگ ایمان لاتے اور تقویٰ کی روش اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔''

سورۂ منافقون میں ارشاد ہوا:

وَلِلّٰہِ الْعِزَّۃُ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ۔ ''دراصل عزت تو اللہ اور اس کے رسول ؐ اور ایمان والوں ہی کے لیے ہے۔''

سورۂ مومن میں حتمی طور پر یہ وعدہ کیا گیا:

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْاَشْھَادُ۔ ''ہم دنیا میں بھی اپنے رسولوں اور مومنین کی مدد کرتے ہیں اور جس روز گواہ قائم ہوں گے۔''

یہ ایمان ہی کی برکت تھی کہ مسلمانوں کی مٹھی بھر جماعت بے سروسامانی کے باوجود کافروں کی اس فوج پر غالب آتی رہی جس کے پاس بے شمار مادی وسائل تھے۔

یہ ایمان ہی کا ثمرہ تھا کہ مختلف موقعوں پر مسلمانوں کی امداد اور تسلی کے لیے آسمان سے فرشتوں کا نزول ہوتا رہا، جیسے غزوۂ بدر و احزاب میں ہوا۔

یہ ایمان ہی کا فیض تھا کہ مسلمانوں کا رعب پوری دنیا پر چھایا ہوا تھا اور ان کی طاقت و قوت اس حد تک بڑھ گئی تھی کہ قیصر و کسریٰ کی زبردست سلطنتیں ان کے ہاتھ میں آ گئی تھیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور یہ سب کچھ اس لیے ہوتا رہا کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے مومن بندوں کے لیے یہی وعدہ ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید کی سورۂ انفال میں بتایا گیا:

یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ حَسْبُکَ اللّٰہُ وَمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ. یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَی الْقِتَالِ اِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ وَ اِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ مِّائَۃٌ یَّغْلِبُوْا اَلْفًا مِّنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاَنَّھُمْ قَوْمٌ لَّا یَفْقَھُوْنَ. ’’اے نبی! تمہارے لیے اللہ کافی ہے اور ان مومنین کے لیے جنھوں نے تمہارا ساتھ دیا ہے۔ اے نبی! مومنین کو لڑائی کے لیے ابھارو، اگر تم میں بیس آدمی ثابت قدم ہوں گے تو دو سو پر غالب آ جائیں گے اور اگر تم میں سے سو ہوں گے تو ایک ہزار منکروں پر غالب رہیں گے، کیوں کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھ نہیں رکھتے۔‘‘

دراصل ایمان اور یقین کی طاقت ہی انسان کی اصل طاقت ہوتی ہے اور ایمان ہی مومن کا موثر ترین ہتھیار ہے، یہ ایسا عقیدہ ہے جو بغیر کسی ہتھیار کے ہتھیار والا بنا دیتا ہے اور ایمان والا کبھی ہراساں اور دل برداشتہ نہیں ہو سکتا۔

کیسے؟

جب آدمی سچے دل سے کلمہ پڑھتا ہے۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ ’’نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔‘‘

تو گویا وہ اس بات کا سنجیدہ اقرار کرتا ہے کہ میں مر سکتا ہوں، مٹ سکتا ہوں، جل سکتا ہوں اور برباد ہو سکتا ہوں لیکن اللہ کے سوا کسی دوسرے سے رشتۂ عبودیت نہیں جوڑ سکتا۔

اور ہر دوسری رہنمائی کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی پر قربان کرتا ہوں، یعنی میں اسی راستہ پر چلوں گا جس راستہ پر چلنے کے لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید کی ہے اور جس پر خود چل کر دکھایا ہے۔

جب آدمی اس طرح مومن بن جاتا ہے تو گویا وہ کفر و معصیت کی زندگی کو چھوڑ کر اللہ کے راستے پر آ جاتا ہے، خود کو اللہ کی ڈیوٹی پر ہونے کا یقین کر لیتا ہے اور بھلا جو اللہ کی ڈیوٹی پر ہو اس سے زیادہ جری اور طاقتور کون ہو سکتا ہے؟ ؎

خدا کے ساتھ ہونے کا یقیں مشکل سے آتا ہے — وگرنہ جب خدا ہی ساتھ ہو پھر بے کسی کیسی؟

قرآن مجید میں مختلف جگہوں پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات کو بیان

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فرمایا ہے۔ انہی میں سے ایک واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ فرعون کے جادوگروں کے مقابلہ کا واقعہ بھی ہے۔ جس کا نقشہ سورۂ اعراف اور سورۂ طٰہٰ میں اس طرح کھینچا گیا ہے:

فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے کے لیے وقت کے تمام بڑے بڑے جادوگروں کو اکٹھا کرلیا، دن طے ہوگیا، تاریخ مقرر ہوگئی اور لوگ اس دلچسپ مقابلے کو دیکھنے کے لیے فرعون کے دربار میں جمع ہو گئے۔

مقابلہ شروع ہونے سے پہلے جادوگروں نے فرعون سے کہا:

اِنَّا لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ. ''حضور! اگر ہم موسیٰ کے مقابلے میں غالب رہے تو ہم کو بھرپور مزدوری ملے گی نا؟''

اس پر فرعون نے جواب دیا:

نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ. ''ہاں تم مقرب بارگاہ ہو گے۔''

اس کے بعد جادوگروں نے اپنی رسیاں میدان میں پھینکیں، تو وہ سانپ بن کر رینگنے لگیں، یعنی دیکھنے والوں کی نگاہ میں وہ رینگنے والے سانپ کی شکل میں دکھائی دینے لگیں۔

اب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اشارہ کیا:

اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ. ''اپنا عصا پھینکو۔''

پھر کیا ہوا؟

فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ. ''اس کا عصا پھینکنا تھا کہ آن کی آن میں وہ ان کے جھوٹے طلسم کو نگلتا چلا گیا۔''

جادوگروں نے جب یہ ماجرا دیکھا تو انہیں یقین ہوگیا کہ موسیٰ نے جو چیز دکھائی ہے وہ جادو نہیں ہوسکتی، ان کا سینہ حق کے لیے کھل گیا، وہ فوراً سجدہ میں گر گئے اور کہنے لگے:

اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ. رَبِّ مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ. ''ہم ایمان لے آئے رب العالمین پر۔ اس رب پر جسے موسیٰ اور ہارون (علیہم السلام) مانتے ہیں۔''

فرعون نے جب دیکھا کہ پانسہ پلٹ گیا اور نتیجہ اس کی توقعات کے خلاف نکلا اور جن جادوگروں پر اسے ناز تھا وہ خود موسیٰ کے دین پر ایمان لے آئے تو اس نے جادوگروں کو سخت ترین سزا کی دھمکی دی اور کہا:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ. ''تم ایمان لے آئے قبل اس کے کہ میں تمہیں اجازت دوں۔''

اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِى الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَا اَهْلَهَا فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ. ''یقیناً یہ کوئی خفیہ سازش تھی جو تم لوگوں نے اس دارالسلطنت میں کی، تا کہ اس کے مالکوں کو اقتدار سے بے دخل کر دو، پس اس کا نتیجہ ابھی تمہیں معلوم ہوا جاتا ہے۔''

لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ. ''میں تمہارے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمتوں سے کٹوالوں گا، اس کے بعد تم سب کو سولی پر چڑھا دوں گا۔''

اس لرزا دینے والی سزا کی دھمکی کو سن کر جادوگروں نے کہا:

لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِىْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَا اَنْتَ قَاضٍ اِنَّمَا تَقْضِىْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا. ''قسم ہے اس ذات کی جس نے ہمیں پیدا کیا ہے، یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ ہم روشن نشانیوں کے آجانے کے بعد بھی تجھے ترجیح دیں، تو جو کچھ کرنا چاہے کر لے، تو زیادہ سے زیادہ بس اسی دنیا کی زندگی کا فیصلہ کر سکتا ہے۔''

ذرا غور کیجئے،

وہی جادوگر جو ابھی تھوڑی دیر پہلے فرعون سے خوشامدانہ باتیں کر رہے تھے، جو مارے نیازمندی کے فرعون کے آگے بچھے جا رہے تھے، لیکن ایمان و یقین کی دولت نے انہیں اس قدر طاقتور بنا دیا کہ وہ فرعون کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر حق سے متزلزل نہ ہونے کا اعلان کر رہے ہیں۔

ایمان کیا ہے؟

ایمان کا تعلق اسلام کے ساتھ ایسا ہی ہے جیسے بیج کا تعلق پودوں کے ساتھ یا بنیاد کا تعلق عمارت کے ساتھ ہوتا ہے۔ جس طرح بغیر بیج کے کوئی پودا اگ نہیں سکتا اور بغیر بنیاد کے کوئی عمارت کھڑی نہیں کی جا سکتی۔

اسی طرح ایمان کے بغیر کوئی بھی نیکی یا حسن عمل قبول نہیں ہے۔

جب کسی درخت کی جڑیں سوکھ جاتی ہیں تو اس کی شاخیں، اس کی پتیاں اور اس کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ڈالیاں بھی سوکھ جاتی ہیں ۔ جڑ کی سرسبزی پر پورے درخت کی بقااور نشو ونما کا دارو مدار ہے۔

اسی طرح جب ایمان مضبوط ہوتا ہے تو مومن کو کوئی خوف، کوئی لالچ، کوئی دباؤ اور خواہشات نفسانی کا کوئی بھی تقاضہ راہ حق سے نہیں ہٹا سکتے ۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کی آواز بلند کی، دنیا والوں کو نیکی اور سچائی کی پیغام دیا تو عرب کا بچہ بچہ آپ کی مخالفت کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ غیر تو غیر تھے خود آپ کے گھر اور خاندان والے بھی آپ کے جانی دشمن بن گئے ، یہی نہیں بلکہ جن نیک بندوں نے پیغام حق قبول کیا ان پر بھی مصیبتوں کے پہاڑ توڑے گئے ، چاروں طرف یہ شور وغل تھا کہ اس آواز کو دبا دو، اس تحریک کو مٹادو اور اس کے بانی اور اس کے ساتھیوں کو نیست و نابود کر دو۔

یہ صرف شور وغل ہی نہیں تھا بلکہ دن رات نہایت سرگرمی سے اس پر عمل کیا جارہا تھا اور یہ ہنگامہ، یہ ظلم و ستم محض اس بنا پر تھا کہ کفار کی دولت وقوت زیادہ تھی، ان کا جتھہ بہت بڑا تھا، عزت اور سرداری کے مالک بھی وہی تھے۔

اس کے برخلاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی غریب تھے، کمزور تھے اور ان کی تعداد بھی دشمنوں کے مقابلے میں بہت کم تھی۔

کفار اپنی دنیوی طاقت کے گھمنڈ میں یہ دعویٰ کرتے تھے کہ ہم اسلام کو دنیا سے مٹا دیں گے۔

ادھر اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں سے یہ وعدہ تھا کہ اسلام تمام دینوں پر چھا جائے گا، مسلمان پوری دنیا میں سربلند ہوں گے اور مخالفین اسلام پاش پاش ہو جائیں گے۔

مسلمان مادی طاقت سے خالی تھے لیکن اللہ کے اس وعدہ پر انہیں کامل یقین تھا، پورا ایمان اور پختہ بھروسہ تھا، ان کے دماغ کے گوشہ گوشہ میں یہ حقیقت رچی اور بسی ہوئی تھی کہ بہت جلد وہ دن آنے والا ہے کہ اسلام کی مخالفت طاقتیں مغلوب ہو چکی ہوں گی اور اسلام اور مسلمانوں کی فتح کا ڈنکا ساری دنیا میں بج رہا ہوگا۔

اسی یقین اور ایمان کی بنا پر وہ بپھرے ہوئے شیر کی طرح رہتے تھے، اپنے سے دس گنی فوجوں سے ٹکرا جاتے تھے اور ان پر حملہ ہوتا تو پہاڑ کی طرح اپنی جگہ پر ثابت قدم رہتے تھے۔ ان کے اس ایمان کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے مطابق آسمان سے مدد نازل فرماتا تھا اور مسلمان

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یا اب کی طرح پوری دنیا میں پھیلتے جاتے تھے۔

غزوۂ بدر میں کل تین سو تیرہ مسلمان تھے لڑائی کا سامان بھی ان کے پاس بہت کم یعنی نہ ہونے کے برابر تھا، ان کے مقابلے میں کفار کی فوج ایک ہزار کی تعداد میں تھی، مگر مسلمان نہ جھجکے نہ ٹھٹکے، دل کھول کر اور انتہائی جواں مردی سے ساتھ مقابلہ کیا، اللہ تعالیٰ نے انہیں فتح بخشی، ستر کافر اس میں گرفتار ہوئے اور ابوجہل جیسے اسلام دشمن سمیت ستر کافر اس جنگ میں قتل کیے گئے۔

غزوۂ خندق میں اسلامی فوج صرف تین ہزار تھی لیکن اس کے مقابلے میں دس ہزار یہودیوں اور مشرکوں نے شکست کھائی۔ غزوۂ احد اور غزوۂ خیبر میں بھی مسلمانوں نے تین گنا سے زیادہ کافروں کو شکست دی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اگر ان لڑائیوں کی تاریخ دیکھی جائے جو رومیوں اور ایرانیوں سے ہوئیں، تو ان میں بھی یہی نظر آئے گا کہ مٹھی بھر مسلمان قیصر و کسریٰ کی فوجوں کے پرخچے اڑا رہے ہیں۔

دنیا جانتی ہے کہ سب سے پہلے ہندوستان کے ساحل پر صرف ستر مجاہدوں کا قافلہ اترا تھا لیکن آج ہندوستان میں بیس کروڑ مسلمان آباد ہیں۔

پہلے دور کے مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر اتنا یقین تھا کہ ان کے دلوں میں ایک منٹ کے لیے بھی ناکامی اور ناکامیابی کا خطرہ نہیں گزرتا تھا، انہیں کسی بڑی جماعت سے ڈرایا جاتا تو ڈرنے کے بجائے ان کا ایمان اور جوش زیادہ بڑھ جاتا تھا۔

قرآن مجید کی سورۂ آل عمران میں ان کے ایمان کا حال ان لفظوں میں بیان کیا گیا ہے:

اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَاناً وَّ قَالُوا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ. ’’ایمان والوں سے لوگوں نے کہا کہ تمہیں ہلاک کرنے کے لیے ایک فوج جمع ہوئی ہے، لہٰذا تم اس سے ڈرو، تو اس خبر نے ان کے جوشِ ایمان کو اور بڑھا دیا اور انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ہمارے لیے کافی ہے وہ بہترین مددگار اور کارساز ہے۔‘‘

مسلمانوں کا حوصلہ اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ جب یہ لوگ افریقہ فتح کرتے کرتے سمندر تک پہنچے تو انہوں نے حسرت سے آسمان کی طرف دیکھ کر کہا کہ اے خدا تیری زمین ختم ہوگئی ورنہ ہم اس آسمان کے نیچے کوئی جگہ نہ چھوڑتے جہاں تیرے دین کا جھنڈا نہ گاڑ دیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت طارق بن زیاد جب اسپین کی سرزمین میں پہنچے تو فوجوں کو حکم دیا کہ تمام کشتیاں جلا دی جائیں، کیوں کہ اس ملک میں یا تو خدا کے دین کا جھنڈا گاڑنا ہے یا یہیں مر جانا ہے۔

اب ایمان ہونے اور نہ ہونے کے فرق کو سمجھئے۔

ایمان نہ ہو تو اللہ کی رضا کے لیے معمولی سی قربانی بہت مشکل ہو جاتی ہے۔ جیسے موجودہ دور کے مسلمانوں کے بارے میں ذاکر ندوی نے کہا ہے ؎

رسید اک پیش کی اا کر جو مکتب کے محصل نے تو جیسے لا کے خنجر رکھ دیا بے رحم قاتل نے

لیکن جب ایمان و یقین مضبوط، اور اللہ کے وعدوں پر کامل یقین ہوتا ہے تو انسان کے حوصلے اتنے بلند ہوتے ہیں کہ وہ راہ خدا میں کوئی بھی قربانی دینے سے دریغ نہیں کرتا۔

غزوہ تبوک (۸ھ) کے موقع پر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی بقا اور جہاد فی سبیل اللہ کے لیے مالی اعانت کی اپیل کی تو تمام صحابہؓ حسب حیثیت لائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے گھر کا آدھا مال و اسباب لائے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے گھر کا تمام اثاثہ اٹھا لائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں ڈال دیا۔

آپؐ نے پوچھا: ''ابو بکر! اپنے گھر والوں کے لئے کیا چھوڑ آئے ہو؟''

انہوں نے عرض کیا: ''اللہ اور اس کے رسول کا نام چھوڑ آیا ہوں۔''

لیکن ایمان کے ساتھ عمل کا بھی ہونا ضروری ہے۔

جب آدمی کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو سب سے پہلے اس کی افادیت کا یقین اپنے دل میں بٹھاتا ہے، اس کے بعد اس یقین کے مطابق عمل بھی کرتا ہے تب اس کا کام پورا ہوتا ہے۔ مثلاً ایک کسان کو یقین ہوتا ہے کہ وہ اپنے کھیت میں کھاد ڈالے گا تو اس کی فصلوں کی پیداوار بڑھ جائے گی۔ اب یہی یقین کر کے وہ اپنے گھر بیٹھا رہے اور کھیتوں میں کھاد نہ ڈالے تو کیا اس کے کھیتوں میں اگنے والی فصل میں کوئی اضافہ ہوگا؟

ایک آدمی کو کہیں جانا ہے، اسے یقین ہے کہ سڑک پر کھڑی ہوئی بس اسے اس کی منزل تک پہنچا دے گی۔ یہ یقین کر کے وہ اسٹیشن پر کھڑا رہ جائے تو کیا وہ اپنی منزل پر پہنچ سکے گا؟

ایک ہوتا ہے معاہدہ اور اقرار، ایک ہوتا ہے اس کا نبھانا۔ اور دنیا کا ہر معاہدہ عمل ہی کے میزان پر جانچا اور پرکھا جاتا ہے، اگر معاہدہ اور عمل میں مطابقت ہے تو معاہدہ باقی رہتا ہے ورنہ توڑ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیا جاتا ہے۔

اسی طرح ایمان ایک معاہدہ کا نام ہے اور عمل صالح اس کا نبھانا ہے۔

جس طرح عمل کے بغیر معاہدہ کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی، اسی طرح اللہ کے نزدیک وہی ایمان، ایمان ہے جس کے ساتھ عمل صالح ہو، عمل کے بغیر ایمان کا دعویٰ کرنا خود فریبی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۂ نساء میں ایمان والوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ. ''اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کی کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر اتاری اور اس کتاب پر جو اس نے پہلے نازل کی۔''

اس آیت میں ایمان والوں سے ایمان لانے کے لیے کہا گیا ہے اور یہ بات کتنی عجیب و غریب سی لگتی ہے۔

جیسے ایک شخص کیلے کھا رہا ہو اور اس سے یہ کہا جائے کہ اے کیلے کھانے والے کیلے کھاؤ، تو بات عجیب سی لگتی ہے کہ جب کیلے کھانے والا کیلے کھا ہی رہا ہے تو اس سے یہ کیوں کہا جا رہا ہے کہ اے کیلے کھانے والے کیلے کھاؤ؟

کچھ لوگ سڑک پر چل رہے ہوں اور ان سے یہ کہا جائے کہ اے سڑک پر چلنے والو! سڑک پر چلو، تو بات بڑی حیرت انگیز معلوم ہوتی ہے کہ سڑک پر چلنے والوں ہی سے سڑک پر چلنے کے لیے کہا جا رہا ہے۔

تو جب ایمان لانے والا ایمان لا ہی چکا ہے تو اسے دوبارہ پھر ایمان لانے کے لیے کیوں کہا جا رہا ہے؟

اس کا مطلب یہ ہے کہ اے ایمان والو! یہی نہیں کہ تم انکار کا راستہ چھوڑ کر اقرار کا راستہ اختیار کر لو، یا نہ ماننے والوں کی جماعت کو چھوڑ کر ماننے والوں کی جماعت میں شامل ہو جاؤ، بلکہ جو کچھ تم نے مانا ہے اسے دل کی گہرائیوں سے مانو اور مان کر اپنے فکر و عمل اور اپنی پوری زندگی اور اس کی تمام تر مصروفیات اسی ایمان کے تابع کر دو، یعنی جب تک زندہ رہو ایمان کے تقاضوں کو پورا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرتے رہو۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کی سورہ توبہ میں فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنْفُسَهُمْ وَ أَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ. ''حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مومنوں سے ان کے نفس اور ان کے مال جنت کے بدلے خرید لیے ہیں۔''

یہاں ایمان کو بیع بتایا گیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ایمان محض زبان سے بول دینے ہی کا نام نہیں ہے بلکہ دراصل یہ ایک معاہدہ ہے جو بندہ اپنے رب سے کرتا ہے اور اس معاہدہ کی رو سے وہ اپنا نفس اور اپنا مال اللہ کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے اور اس کے معاوضے میں اللہ کی طرف سے اس وعدے کو قبول کر لیتا ہے کہ مرنے کے بعد دوسری زندگی میں وہ اسے جنت عطا کرے گا۔

اس آیت کے تحت، اس بات کی گنجائش نہیں ہے کہ اسلام کی جو چیزیں اپنے مفاد اور غرض کے مطابق نظر آئیں وہ تو قبول کر لی جائیں اور جو چیزیں خواہش نفس کے مطابق نہ ہوں انہیں رد کر دیا جائے، یہ نفس پرستی اور خواہش کی بندگی کا جعلی سکہ ہے جو ایمان کے نام سے رائج ہے، یہ جعل سازی اور فریب کاری ہے کہ آدمی اپنے مطلب کے لیے مسلمان اور اسلام کے نام پر اپنے حقوق مانگے مگر اسلام کی پیروی کے لیے وہ مسلمان نہ ہو۔

مسلمان کبھی اس طرح کی زندگی بسر نہیں کر سکتا کہ وہ جو چاہے کھائے، جو چاہے پہنے اور جن مشغولیتوں میں چاہے اپنی قوتیں اور اپنا وقت صرف کرتا رہے، جدھر خواہشات نفس لے جائیں ادھر آزادی سے بڑھتا چلا جائے۔ وہ کوئی چھوٹا ہوا جانور نہیں ہوتا کہ جس کھیت میں چاہے گھس جائے، جہاں ہرا چارہ نظر آئے وہیں منہ مار دے اور جس راستے کی طرف منہ اٹھ جائے اسی پر دوڑنے لگے۔

مسلمان کی زندگی کی صحیح مثال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں بیان فرمائی ہے:

''مسلمان اور ایمان کی مثال ایسی ہے جیسے کھونٹے سے بندھا ہوا گھوڑا ہوتا ہے کہ چاہے جتنی جولانیاں وہ دکھائے، یا کتنا ہی اچھلے کودے، بہر حال اس کے گلے کی رسی اسے مجبور کر دیتی ہے کہ وہ ایک خاص حد تک پہنچنے کے بعد اپنے کھونٹے کی طرف پلٹ آئے۔''

اور جو شخص اس طرح مومن بن کر رہے اسی کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سربلندی کا وعدہ کیا گیا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرآن پاک کی سورہ نحل میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ عَمِلَ صَالِحاً مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً. ''جو شخص بھی، چاہے وہ مرد ہو یا عورت، اچھے عمل کرے گا اور صاحبِ ایمان بھی ہوگا تو ہم اس کی زندگی ضرور اچھی بسر کرائیں گے۔''

اور سورہ طٰہٰ میں بتایا گیا:

فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى. ''پس جو کوئی میری ہدایت کی پیروی کرے گا وہ بے راہ نہ ہوگا اور نہ زحمتوں میں مبتلا رہے گا۔''

یہ آیتیں بتاتی ہیں کہ ایمان اور عمل صالح کے نتیجے میں اس دنیا میں مومن کو جو فلاح ملتی ہے وہ ''حیوٰۃ طیبۃ.'' یعنی بہترین زندگی ہے جس میں آدمی بے راہ نہ ہو اور زحمتوں اور پریشانیوں سے محفوظ رہے۔

حیاۃ طیبہ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم اسے مالدار بنادیں گے۔

دوسرے لفظوں میں اس کا حقیقی مفہوم دولت کی تجوریاں، اونچی اونچی کوٹھیاں، زر و جواہرات کے انبار، قیمتی کاریں، نوکروں کی فوج، شاہانہ لباس اور پر تکلف دستر خوان نہیں ہے۔

ایسی دولت جس کے طفیل انسان کو نیند جیسی قیمتی اور فطری ضرورت پوری کرنے کے لیے نیند لانے والی گولیاں کھانی پڑیں، ذہن پریشانیوں کی مستقل آماجگاہ بنا رہے، سینے میں خوف اور دہشت کی بھٹی سلگتی رہے، کسی طرح بھی راحت نہیں بلکہ بدترین عذاب ہے، فلاح نہیں بلکہ قابل رحم بدنصیبی ہے۔

حیاۃ طیبہ کا مطلب ہے عزت اور محبوبیت کی زندگی۔

یعنی ایمان اور عمل صالح کے نتیجے میں تمہیں دل کی تونگری حاصل ہو جائے گی اور تم دنیا والوں کی نگاہ میں محبوب اور ہر دلعزیز بنادیئے جاؤ گے۔

اور ہر شخص اس بات کو جانتا ہے کہ جب کوئی چیز پیاری اور محبوب ہوتی ہے تو ہر آدمی چاہتا ہے کہ اسے نقصان نہ پہنچے، وہ باقی رہے، سرسبز و شاداب رہے اور پھولے پھلے۔

ایک مثال:

فرض کیجیے، ایک سڑک ہے جس کے کنارے ببول کا ایک پیڑ لگا ہے، اس پیڑ سے کانٹے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرتے ہیں اور ہر آنے جانے والے کو اس سے تکلیف پہنچتی ہے۔

اب اگر کوئی شخص اس پیڑ کو کاٹنے لگے تو کوئی مزاحمت نہ ہوگی، کوئی روکنے والا نہیں ہوگا۔

لیکن اسی سڑک کے کنارے کوئی سایہ دار درخت ہو جس میں میٹھے پھل لگتے ہوں، خوشبودار پھول لگتے ہوں اور اس کا سایہ ہر آنے جانے والے کو ٹھنڈک پہنچاتا ہو تو وہ درخت تمام لوگوں کی نگاہوں میں محبوب ہوگا۔

اب اگر کوئی شخص اس پیڑ کو کاٹنا چاہے تو سبھی اس کی مزاحمت کریں گے اور اسے کاٹنے نہیں دیں گے۔

اسی طرح کی عزت ومحبوبیت کی زندگی کا وعدہ ایمان اور عمل صالح کے نتیجے میں کیا گیا ہے۔

قرآن مجید کی سورۂ طٰہٰ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّ نَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ۔ ''اور جو شخص میرے ذکر سے اعراض کرے گا تو اس کی زندگی تنگی کی زندگی ہوگی اور قیامت میں ہم اسے اندھا اٹھائیں گے۔''

کسی چیز سے اعراض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اسے چھوڑ کر دوسرے کی طرف متوجہ ہو جائے۔

جیسے ایک ماں ہے جس کا دودھ پیتا بچہ بھوکا ہے اور دودھ کے لیے رو رہا ہے مگر وہ ماں اپنے بچے کو دودھ پلانے کے بجائے ریڈیو سے فلمی گانے سننے میں مصروف ہے تو گویا وہ اپنے بچے سے اعراض کر رہی ہے۔

ایک شخص کا مکان اچانک گر گیا، اب اسے چاہیے کہ وہ اپنے مکان کے بنانے کی فکر کرے، مگر ایسا نہ کر کے وہ پڑوس میں ٹی وی دیکھنے چلا گیا، تو گویا وہ اپنے مکان سے اعراض کر رہا ہے۔

اسی طرح ایک شخص اپنے کاروبار یا اپنی تجارت میں مصروف ہے، یا محفلوں میں بیٹھ کر ایران طوران کی ہانک رہا ہے، اسی حالت میں نماز کا وقت ہو جاتا ہے، اذان ہو جاتی ہے مگر وہ اپنے کاروبار اور اپنی مصروفیات کو چھوڑنے پر تیار نہیں ہوتا تو گویا وہ اللہ کے ذکر سے اعراض کر رہا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اعراض کرنے کا کتنا بھیانک نتیجہ نکلتا ہے، اس سلسلے میں ایک واقعہ پیش کرنے کی کوشش کروں گا جواب سے تقریباً پندرہ سال پہلے کا ہے، جسے لکھنؤ کے اخبار ''ندائے ملت'' نے لکھا ہے۔

غازی آباد سے جو سڑک دہلی جاتی ہے اس پر ایک چھوٹا سا قصبہ ہے جس کا نام ''لونی'' ہے۔

یہاں مسلمانوں کی آبادی زیادہ ہے۔ ان میں بعض بہت زیادہ خوشحال ہیں، جن کی کوٹھیاں دہلی میں بھی ہیں۔

اسی قصبہ میں ایک مال دار گھرانے کے دو بھائیوں کی شادی ہونے والی تھی، بارات جانے سے ایک روز قبل انہوں نے دہلی سے طوائفوں کو بلایا اور پوری رات ناچ گانا ہوتا رہا۔ جب صبح ہوئی اور مسجد سے فجر کی اذان کی آواز آنے لگی تو طوائفوں نے گانا روک دیا، ناچنا بند کر دیا۔

دونوں بھائیوں نے کہا: ''تم نے گانا کیوں بند کیوں کر دیا؟''

طوائفوں نے کہا ''اذان کے احترام میں۔''

ان دونوں نے کہا: ''اذان تو دن بھر میں پانچ بار ہوتی ہے اور تم روز کہاں ہمیں ملتی ہو؟ مؤذن کا کام ہے اذان دے اور تمہارا کام ہے ناچ گانا کے ذریعے ہمارا اور ہمارے مہمانوں کا دل بہلاؤ، مؤذن اپنا کام کر رہا ہے، تم اپنا کام جاری رکھو۔''

ناچ گانا پھر شروع ہوا اور یہ سلسلہ صبح ۷ بجے تک چلتا رہا۔

اس کے بعد دونوں بھائی طوائفوں کو بھیجنے دہلی گئے، طوائفوں کی کار آگے تھی، ان دونوں کی کار پیچھے تھی، اچانک ان دونوں کی کار مخالف سمت سے آنے والے ایک تیز رفتار ٹرک سے ٹکرا گئی۔ کار کے پرخچے اڑ گئے۔ ان دونوں کے جسم کے چیتھڑے اڑ گئے اور ان کے چہرے اس طرح مسخ ہو گئے کہ پہچانا نہیں جا سکتا تھا کہ کون چھوٹا بھائی ہے اور کون بڑا بھائی۔

ابھی کچھ دیر کے بعد ان کے سروں پر شادی کا سہرا باندھا جانے والا تھا، مگر اب ان کی لاشیں کفن سے لپیٹی جا رہی ہیں۔ کچھ گھنٹوں کے بعد ان کی ملاقات ان کی دلہنوں سے ہونے والی تھی مگر اس سے پہلے ہی ان کی ملاقات ملک الموت سے ہو گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد دھوم دھام سے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان کی بارات ان کے سسرال جانے والی تھی لیکن اب ان کا جنازہ قبرستان جا رہا ہے۔

یہ تھا اللہ کے ذکر سے اعراض کرنے کا بھیانک اور بدترین انجام۔

اب ذرا ہم اس ملک ہندوستان میں اپنے وجود اور اپنے حالات کا جائزہ لے لیں۔

آزاد ہندوستان، ہمارا اپنا وطن ہے اور اس وطن کو بنانے، سنوارنے اور اسے غیروں کی غلامی سے چھٹکارا دلانے میں ہم مسلمان کسی سے پیچھے نہیں رہے۔

دنیا جانتی ہے کہ یہ ملک انگریزوں کا غلام تھا اور دو سو برس تک انہوں نے ہندوستان پر حکومت کی، صرف حکومت ہی نہیں کی بلکہ اس کا استحصال کیا۔ اس کے خزانوں کو لوٹا اور ہندوستانیوں پر ایسے مظالم ڈھائے، انہیں ایسی ایسی ذہنی اذیتیں پہنچائیں کہ ایک باشعور اور باضمیر ہندوستانی، غلامی کی اس زندگی پر موت کو ترجیح دینے پر مجبور ہو گیا۔

۱۹۴۶ء کا واقعہ ہے، لکھنؤ سے نکلنے والے مشہور انگریزی روزنامہ ''پانیر'' کے ایڈیٹر کا جب انتقال ہونے لگا تو وہ ہوش و حواس میں تھے اور بہت پرسکون اور مسرور تھے۔ لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی کہ آپ دنیا سے جا رہے ہیں، آپ کے اعزہ و اقارب، بیوی بچے، دوست احباب، سب آپ سے چھوٹ رہے ہیں، ایسی حالت میں آپ اس قدر خوش کیوں ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا تھا:

''خدا کا شکر ہے کہ میں ایک ایسی دنیا میں جا رہا ہوں جہاں انگریز نہیں ہوں گے۔''

پھر ہندوستانیوں نے اپنے ملک کو آزاد کرانے کے لیے انگریزوں کے خلاف لڑائی لڑی لیکن اس لڑائی میں یعنی اپنے ملک کی جدوجہد آزادی میں مسلمان کبھی پیچھے نہیں رہا اور اگر مسلمان اس جنگ آزادی میں حصہ نہ لیتا تو شاید اس عظیم ملک کی آزادی کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا تھا۔

چنانچہ مجاہدین آزادی کی ایک صف میں اگر پنڈت موتی لال نہرو، پنڈت جواہر لال نہرو، لالہ لاجپت رائے، سروجنی نائیڈو، آچاریہ کرپلانی اور لوکمانیہ تلک نظر آتے ہیں تو دوسری طرف مولانا فضل حق خیر آبادی، مولانا داؤد غزنوی، مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا محمد علی جوہر، مولانا ابوالکلام آزاد اور رفیع احمد قدوائی بھی نظر آتے ہیں۔

اس دیش کو آزاد کرانے کے لیے اگر رام پرشاد بسمل نے اپنا خون بہایا ہے تو اس ملک کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دھرتی اس بات سے انکار نہیں کر سکتی کہ اسے آزاد کرانے کے لیے اشفاق اللہ خاں نے بھی پھانسی کا پھندہ چوما ہے۔ ہندوستان کا مسلمان کبھی غدار نہیں رہا۔

یقیناً یہاں بہت سے مسلم بادشاہ اور فاتح آئے، لیکن وہ اس ملک کے خزانے کو لوٹ کر کسی دوسرے ملک کو نہیں گئے بلکہ یہیں رہے، یہیں مرے اور اسی دیش کی مٹی میں مل گئے۔

اور کوئی بھی مورخ یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ یہاں کے کسی مسلم بادشاہ نے یہاں کے خزانے سے مکہ، مدینہ یا کسی بھی دوسرے ملک میں کوئی مسجد، کوئی عمارت یا کوئی قلعہ بنوایا ہو۔

ہندوستان کے مسلم بادشاہوں پر غداری اور بے انصافی کا الزام لگایا جاتا ہے، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اگر وہ اس ملک کے غدار ہوتے تو یہ تاج محل جو پوری دنیا کے سیاحوں کا مرکز ہے، آگرہ میں نہیں بلکہ قاہرہ میں ہوتا، یہ جامع مسجد، دہلی میں نہیں بلکہ کابل یا قرطبہ میں ہوتی، یہ لال قلعہ دہلی کی نہیں بلکہ بغداد یا تہران کی زینت ہوتا۔

اگر ہندوستان میں مسلمان حملہ آور ہیں تو آریہ بھی تو غیر ملکی تھے اور وہ بھی حملہ آور کی حیثیت سے ہندوستان آئے تھے اور انہوں نے یہاں کے اصل باشندوں یعنی دراوڑ پر بھی چڑھائی کی تھی لیکن پھر بھی انہیں دیسی اور ہم مسلمانوں کو بدیسی کہا جاتا ہے۔

لیکن افسوس اور حیرت کی بات ہے کہ جس ملک نے عدم تشدد کے نام پر آزادی حاصل کی تھی، وہ آزادی کے بعد تشدد کی راہ پر چل پڑا اور اس تشدد کا نشانہ عام طور پر ہم مسلمان ہی بنے اور بنائے جا رہے ہیں۔

اور ایک مفکر کا یہ قول بالکل درست ہے کہ: ''۱۵ / اگست ۱۹۴۷ء کو جو سورج نکلا اس پر خون کے دھبے تھے اور رفتہ رفتہ خون کے یہ دھبے ہندوستانی مسلمانوں کی زندگی کا جزو بن گئے۔''

چنانچہ آزادی کے بعد یہاں فرقہ وارانہ فسادات بلکہ یک طرفہ طور پر مسلم کش فسادات کا ایک لامتناہی سلسلہ چل پڑا اور ہر جگہ کی فساد میں چاہے وہ مہاراشٹر کا بھیونڈی ہو یا مدھیہ پردیش کا جبل پور، چاہے وہ بنگال کا کلکتہ ہو یا اڑیسہ کا بھدرک، چاہے وہ گجرات کا احمد آباد ہو یا آندھرا کا حیدر آباد، چاہے وہ بہار کا بھاگلپور ہو یا اتر پردیش کا میرٹھ اور ملیانہ، ہر جگہ کی فساد میں اسی مظلوم اقلیت کو ظلم و ستم کا نشانہ بنایا گیا، اسی کی املاک کو لوٹا گیا، اسی کی تجارت اور کاروبار کو برباد کیا گیا، اسی کی بہو بیٹیوں کی عزت سے کھلواڑ کیا گیا، اُسی کے بچوں کو ان کی ماؤں کے سامنے ذبح کیا گیا اور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس بربریت اور ننگی جارحیت میں یہاں کی انتظامیہ نے بھی فرقہ پرستوں کا بھرپور ساتھ دیا۔

ان فسادات میں شیطان صفت بھیڑیوں نے پی. اے. سی. کے ہتھیار بند غنڈوں، دوسرے لفظوں میں سرکاری ڈاکوؤں کے ساتھ مل کر جو ظلم ڈھایا ہے وہ شاید چنگیز خاں، ہلاکو خاں، نادر شاہ اور ہٹلر نے بھی نہیں ڈھایا تھا۔

حاملہ عورتوں کا قتل، شیر خوار بچوں کو ان کی ماؤں کے سامنے آگ میں جھونک دینا شاید ان بہادروں ہی کو زیب دیتا ہو، آج حالت یہ ہے کہ شیو جی کی ترشول سے وہ کام لیا جا رہا ہے جو شاید انہیں بھی پسند نہ آئے۔ مذہب دوسروں سے بیر کرنا کہاں سکھاتا ہے؟

چند دن کی عارضی قوت پر اترانا کسی کو زیب نہیں دیتا، حکومتیں تو آنی جانی ہوتی ہیں، ہم نے بھی نو سو سال تک حکومت کی ہے، مگر ہم نے ایسا تو کبھی نہیں کیا، اگر کیا ہوتا تو ہم اقلیت میں نہ ہوتے۔

دوسروں کا اکثریت میں ہونا اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ ہم نے ''جیو اور جینے دو'' کی پالیسی پر عمل کیا تھا، دوسروں کی حفاظت کی تھی اور ان کی عبادت گاہوں کو چھوا تک نہیں تھا۔

تسلط تھا ہمارا جب گلستاں کی بہاروں پر کوئی کہہ دے جلایا ہو کسی کا آشیاں ہم نے

اس جمہوری ملک میں تیس سال سے زیادہ ایک ہی پارٹی کی حکومت رہی، اس کے بعد الیکشن کے ذریعہ دوسری پارٹی برسر اقتدار آئی، دوسرے لوگ مسند حکومت پر بیٹھے، ہندوستانی مسلمانوں نے اطمینان کی سانس لی کہ شاید اب ہمارے مسائل حل ہو جائیں گے، اب ہمیں اپنے وطن میں عزت اور امن کے ساتھ جینے کا موقع ملے گا، اب ہماری تجارت اور ہمارا کاروبار محفوظ رہے گا، اب ہمارے بچوں کو زندہ جلانے کی جرأت کوئی نہیں کرے گا، اب ہماری ماؤں اور بہنوں کی عصمتیں محفوظ رہیں گی، مگر دور کھڑا ہوا ہمالیہ مسلمانوں کی اس سادہ لوحی پر ہنس رہا تھا اور کہنے والے نے بجا طور پر کہا تھا۔

پنچھی یہ سمجھتے ہیں چمن بدلا ہے ہنستے ہیں ستارے کہ گگن بدلا ہے
شمشان کی خاموشی مگر کہتی ہے ہے لاش وہی صرف کفن بدلا ہے

فسادات پر فسادات ہوتے رہے، ہم احتجاج کرتے رہے، اخباروں میں مراسلے شائع کرتے رہے، انہیں روکنے کے لیے جلوس نکالتے رہے، فرقہ پرستوں کو گالیاں دیتے رہے،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حکومت اور اس کی انتظامی مشینری کو ذمہ وار ٹھہراتے رہے، ہمارے لیڈر بیان بازی کرتے رہے مگر اس کی شدت میں کوئی کمی نہیں آئی بلکہ ؎

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

آخر کیوں؟ ہم کہیں نہیں ہارے، ہم کہیں نہیں لٹے، ہم کہیں نہیں برباد کیے گئے۔ چاہے وہ اندلس ہو جہاں ہمارا قتل عام ہوا اور جہاں ہماری لاشوں سے تالاب اور خندق پٹ گئے اور چاہے وہ بغداد ہو، تاتاریوں نے جس کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔

اگر کہیں ہم ہارے اور برباد کیے گئے تو اسی بے عملی کی وجہ سے، اسی نفسیانیت اور مادہ پرستی کی وجہ سے جس میں آج ہم مبتلا ہیں۔

انہی برائیوں کی وجہ سے ہم پر زوال اور انحطاط آیا ہے، انہی کی وجہ سے ہم نے سلطنتیں کھوئی ہیں، انہی کی وجہ سے ہم نے حکومتیں گنوائی ہیں۔

ہم ظاہر میں مومن رہے مگر ہمارے دلوں میں اللہ کا زندہ عقیدہ باقی نہیں رہا۔ ہم نے ہر طرح کی پرستش میں مبتلا ہو کر اللہ کی سچی پرستش سے منہ موڑ لیا۔ ہم دنیا اور اس کے فائدوں کو حاصل کرنے کے لیے مرتے رہے لیکن ہمارے اندر اللہ کے لئے جینے اور مرنے کا احساس پیدا نہیں ہوا۔ ہم ہر مصیبت سے ڈرتے رہے لیکن اللہ کے سامنے کھڑا ہونے اور جواب دہی کا خوف ہمارے دلوں میں نہیں رہا۔

یقیناً ہم پر ظلم ہو رہا ہے لیکن یہ ظلم، اس ظلم کے نتیجے میں ہے جو ہم اپنے اوپر کر رہے ہیں، یہ ایمان اور عمل صالح کے راستے سے ہٹ جانے کی وجہ سے ہے اور ان نازک حالات سے مجبور ہو کر ہم قنوت نازلہ پڑھتے ہیں اور اللہ سے دعا کرتے ہیں مگر اس کا نتیجہ بھی کچھ نہیں نکلتا۔ جیسا کہ اکبر الٰہ آبادی نے کہا تھا ؎

جب میں کہتا ہوں کہ یا اللہ میرا حال دیکھ ۔۔۔ حکم ہوتا ہے کہ اپنا نامۂ اعمال دیکھ

یہی نہیں، بلکہ ایمان کی کمزوری اور عمل میں حد درجہ کوتاہی کی وجہ سے ہم پر ایک انجانا سا خوف ہر وقت مسلط رہتا ہے، جیسے دشمن کا خوف، بیماری کا خوف، رزق کی تنگی کا خوف، بے عزت ہونے کا خوف، برتر طاقت کا خوف اور بربادی ورسوائی کا خوف وغیرہ۔

ہم وباؤں سے ڈرتے ہیں، امراض سے گھبراتے ہیں، بلاؤں کی ہیبت ہمارے دلوں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں سمائی رہتی ہے اس کے لئے احتیاطی تدابیر بھی عمل میں لاتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر کوئی کہہ دے کہ یہاں کالرا کا ایک کیس ہو گیا ہے تو پورے شہر میں دہشت پھیل جاتی ہے، ہر شخص پر خوف مسلط ہو جاتا ہے اور یہ سمجھنے لگتا ہے کہ اس وبا کا پہلا شکار وہی ہو گا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۂ رعد میں فرمایا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ۔ ''بیشک اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت نہ بدلے۔''

اس آیت کی روشنی میں، گویا ہم خود اپنی حالت کے بدلنے کے ذمہ دار ہیں۔

آج بہت سے لوگ یہ سوال کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ جب اللہ کا وعدہ ہے وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ. ''غلبہ صرف اللہ اور اس کے رسول اور مومنین کو ہو گا'' تو وہ عزت اور سربلندی کہاں گئی جس کا وعدہ کیا گیا ہے؟

بیشک یہ خدا کا وعدہ ہے مگر ہم اپنے دل سے پوچھیں، کیا اللہ کا یہ وعدہ تھا کہ میں صرف نام سے مسلمان کہلائے جانے والوں کو عزت اور غلبہ عطا کروں گا؟

واقعہ یہ ہے کہ اللہ نے یہ وعدہ کیا، لیکن نہ وہ اپنے وعدے سے پھرا اور نہ قرآن کے احکام بدلے، بلکہ ہم خود بدل گئے، اسی لیے ہم ناکام ہیں۔

اگر صاف اعلان کے باوجود بھی وہ ہمیں ذلیل نہ کرتا تو باعث تعجب تھا۔

ذرا غور کیجئے، کیا یہ بات مناسب حال ہوتی کہ اللہ تعالیٰ نااہل کو عزت دے، ہل چلائے اور بیج بوئے بغیر فصلیں اگا دے اور کوئی کوشش کئے بغیر کامیابی عطا کر دے؟

اگر ایسا ہوتا تو تمام لوگ سستی اور کاہلی پر فدا ہو جاتے، وہ اپنے اپنے کاموں سے منہ موڑ لیتے اور گھروں میں بیٹھ رہتے۔

اگر ایسا ہوتا تو یہ قانون قدرت جس پر اللہ نے پوری کائنات کو قائم کیا ہے، کے خلاف ہوتا اور اس کے بعد حق و باطل میں اور نفع و نقصان میں کوئی فرق باقی نہ رہ جاتا لیکن اللہ تعالیٰ اس قسم کے ظلم سے پاک ہے۔

لیکن رونا اس بات کا ہے کہ ہم ان حالات کے بارے میں اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ ہماری بداعمالیوں اور راہ حق سے ہٹ جانے کے سبب ہیں، یہی ہم اپنی محفلوں میں، اپنے گھروں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں، ریلوے اسٹیشنوں پر، بسوں اور ٹرینوں میں دورانِ گفتگو کہتے بھی ہیں پھر بھی وہی کرتے ہیں جو نہیں کرنا چاہئے اور وہ نہیں کرتے جسے کرنا ضروری ہے اور جسے کرنے کی اسلام نے تاکید کی ہے۔

- ہماری مثال تو ان چڑیوں جیسی ہے۔

ایک لطیفہ:

سنا ہے کہ کسی زمانے میں ایک چڑی مار تھا، جو چڑیوں کا شکار کرتا تھا اور انہیں بیچ کر اپنا گذارا کرتا تھا۔ ایک دن وہ جال لگائے ہوئے تھا، اچانک اسی راستے سے ایک پنڈت جی کا گذر ہوا، انہوں نے دیکھا تو بڑبڑانے لگے:

''رام رام، اہنسا کے دیش میں اتنی بڑی ہنسا، ان بے زبان جانوروں کے ساتھ اتنا بڑا ظلم۔''

گھر گئے تو انہیں ایک ترکیب سوجھی۔ انہوں نے کچھ چڑیوں کو پکڑا اور کئی مہینے کی لگاتار محنت کے بعد انہیں یہ بول سکھائے: ''شکاری آئے گا، جال پھیلائے گا، دانہ ڈالے گا، پھانس کر لے جائے گا۔''

یہ سکھا کر انہوں نے چڑیوں کو چھوڑ دیا اور وہ چڑیاں، چڑیوں کی جھنڈ میں جا کر یہی رٹنے لگیں، پھر اس علاقہ کی تمام چڑیوں نے یہی سیکھ لیا۔ جب وہ پیڑوں پر بیٹھتیں تو یہی رٹتیں۔

ایک دن شکاری حسب معمول شکار کے لیے آیا تو اس نے دیکھا پیڑوں پر چڑیاں بیٹھی ہیں مگر اس طرح کی باتیں اپنی زبان سے دہرا رہی ہیں۔ اسے یہ ماجرا دیکھ کر بہت افسوس ہوا، اس نے سوچا کہ اب کوئی چڑیا میرے جال میں نہیں پھنسے گی اور میرا تو کاروبار ہی چوپٹ ہو جائے گا۔

بہرحال اس نے جال پھیلایا اور اس پر دانہ ڈال کر پیڑ کی آڑ میں چھپ گیا۔

پھر اس نے دیکھا کہ چڑیاں جال پر آ رہی ہیں، دانہ چگ رہی ہیں، جال میں پھنس رہی ہیں اور شکاری کے جھولے میں آ رہی ہیں، لیکن یہی رٹ رہی ہیں: ''شکاری آئے گا، جال پھیلائے گا، دانہ ڈالے گا، پھانس کر لے جائے گا۔''

تقریباً یہی حال ہمارا ہے۔ ہم جانتے ہیں اور کہتے بھی ہیں لیکن پھر بھی صحیح راستے پر آنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اب ذرا ہم عربوں کے حالات پر نگاہ ڈالیں۔
بیت المقدس مسلمانوں کا پہلا قبلہ ہے۔ یہ چودہ سال اور دو ماہ تک مسلمانوں کا قبلہ رہا۔ تیرہ سال مکی دور میں اور ایک سال دو ماہ تک مدنی دور میں۔
اس بیت المقدس پر بہت سے دور آئے۔
پہلے یہ عیسائیوں کے قبضہ میں تھا، پھر حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں یہ بلا کسی خون خرابے کے فتح ہوا اور کافی عرصہ تک مسلمانوں کے قبضے میں رہا۔ اس کے بعد ۹۰ رسال تک پھر عیسائیوں کے قبضہ میں رہا۔ صلاح الدین ایوبی نے اسے عیسائیوں کے قبضے سے آزاد کرایا اور پھر ۸۰۰ سال تک یہ مسلمانوں کے قبضہ میں رہا لیکن ۱۹۶۷ء کی جنگ میں اسے عربوں نے گنوا دیا اور یہ مقدس مقام یہودیوں کے قبضہ میں چلا گیا۔
یہی نہیں بلکہ اس جنگ کے نتیجے میں عربوں کے ہزاروں مربع میل علاقے اسرائیل کے قبضہ میں چلے گئے، جیسے غازہ کی پٹی، سینائی کا ریگستان، شرم الشیخ کا ٹیلہ، گولان کی پہاڑیاں اور ابنائے طیران وغیرہ۔ اور یہ اب بھی اسرائیل کے قبضہ میں ہیں۔
یہ کمزوری اور شکست بھی ان کے بے عملیوں کی وجہ سے آئی۔
انہوں نے جب اسلامی اصولوں کو چھوڑا، ان میں اخلاقی کمزوریاں پیدا ہوئیں، وہ راحت طلب، عیش کوش اور لذت پرست بن گئے، عقائد میں شکوک وشبہات، اخلاق میں حد سے زیادہ بڑھی ہوئی بے راہ روی، دلوں میں بزدلی اور پست ہمتی، نازک ترین حالات اور سخت گھڑی میں بھی لہو ولعب اور عیش وطرب کی گرم بازاری، گانے باجے (ریڈیو، سنیما اور ٹیلی ویژن) سے روز افزوں عشق، نماز سے لاپرواہی، زندگی سے عشق اور موت سے گھبراہٹ اور فرار جیسی برائیاں پیدا ہو گئیں تو یہود جیسی ذلیل قوم کے ذریعہ ان پر ہر طرح کی شکست مسلط ہو گئی۔
عربوں کی اتنی بڑی تعداد کے باوجود یہودی ان پر غالب رہے۔
حالاں کہ ان کا ملک اسرائیل، ظلم اور جرم، غاصبانہ ذہنیت اور قومی تکبر کی بنیاد پر قائم ہوا تھا۔
یہودی ذلیل ترین مخلوق شمار ہوتے ہیں اور سب سے زیادہ بزدل سمجھے جاتے ہیں۔
اسرائیل کے باشندے مختلف رنگوں اور قوموں کا مجموعہ، یا زیادہ صحیح الفاظ میں ''بھان متی کا کنبہ'' کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طرح ہیں جو دنیا کے مختلف حصوں سے یہاں آ کر جمع ہو گئے ہیں۔ عرب ممالک نے انہیں چاروں طرف سے اس طرح گھیر رکھا ہے جس طرح دانتوں کے بیچ میں زبان کی حیثیت ہوتی ہے۔

اسرائیل انہی یہودیوں کا ملک ہے جن کے بارے میں قرآن مجید کی سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَ الْمَسْكَنَةُ وَ بَاءُوْا بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ. ''ان پر ذلت اور مقہوریت اور عاجزی اور درماندگی کی چھاپ لگا دی گئی ہے اور اللہ کا غضب انہوں نے اپنا لیا ہے۔''

وہ اس ذلت اور مسکنت کے باوجود عربوں کے مقابلے میں فاتح رہے۔

حالاں کہ یہی عرب ہیں جنہیں پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے ان دشمنوں پر فتحیاب کیا تھا جو تعداد میں ان سے دس گنا ہوتے تھے اور انہیں ان رومیوں اور ایرانیوں پر غالب کیا تھا جن کا اس وقت کوئی مدمقابل نہ تھا۔

اور یہ سب کچھ ان کے اخلاق اور ان کی اسلامی خدمات کی وجہ سے تھا۔

یعنی غیر متزلزل یقین، اسلام سے وفاداری، سرفروشی اور قربانی کا شوق، راہ حق میں مصیبتیں جھیلنے کا حیرت انگیز جذبہ، ایثار اور خودشکنی، انانیت اور خود پرستی سے آزادی، پاکباز اور بے داغ سیرت، زاہدانہ زندگی، صبر اور قوت برداشت، چرب زبانی کے بجائے جد وجہد اور عمل پر یقین اور خوابوں اور تمناؤں کے بجائے حقائق اور واقعات پر اعتماد وغیرہ۔

مشہور واقعہ ہے کہ حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ مدائن کی فتح کے ارادے سے نکلے تو دریائے دجلہ میں طغیانی تھی۔ موجیں اٹھ رہی تھیں، ایرانیوں نے تمام پل اور راستوں کو توڑ دیا تھا اور کشتیوں اور جہازوں کو دور کر دیا تھا۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ دریا کے ساحل پر چند لمحے رکے، غور کیا اور فرمایا:

ساتھیو! کیا خیال ہے؟ لوٹ جائیں یا دجلہ میں کود پڑیں اور پار ہو جائیں؟

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے کہا:

''بخدا! ہم مسلمانوں کے لیے سمندر ایسے زیر کر دیئے جائیں گے جیسے خشکی مسخر کر دی گئی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔"

یعنی میرا ایمان اسے قبول نہیں کرتا کہ ہم غرق ہو جائیں گے اور دریائے دجلہ ہمیں نگل لے گا۔ اللہ تعالیٰ اسے ضرور حکم دے گا کہ وہ ہمارے لیے راہ نکال دے۔

اور یہی ہوا۔ اسلامی لشکر اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے دریائے دجلہ میں کود پڑا اور بے خطر دریا کو پار کر گیا۔ علامہ اقبالؒ نے اسی واقعہ سے متاثر ہو کر کہا تھا۔

دشت تو دشت ہے دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے بحرِ ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

یہ عربوں کے ایمان ویقین کی حالت تھی۔

اور یہی وہ سلاح ہے جس سے مومن جنگ کرتا ہے اور کامیابی سے ہمکنار ہوتا ہے۔ یہی وہ ہتھیار ہے جسے لے کر عرب جزیرۂ عرب سے نکلے تھے، پھٹے کپڑے اور جوتے، خالی پیٹ اور بغیر زین کے گھوڑوں کے ساتھ، لوگ انہیں حقارت سے دیکھتے تھے اور ان کا مذاق اڑاتے تھے۔

اور آج کے عربوں میں خواہشات کی پیروی اور باہمی جنگ و جدال عام ہے۔ اپنی قومیت پر فخر ہے اور صرف کھوکھلے دعوے اور بلند بانگ نعرے ہیں۔ بے معنیٰ شور وغوغا ہے۔ کیا ایسی حالت میں انہیں اللہ کی مدد مل سکتی ہے؟

جب عربوں میں اسلامی قومیت کی جگہ عربی قومیت کا نعرہ لگنے لگا، جب مصر میں سرکاری تقریبات بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بجائے باسم القوم العربیۃ "عربی قوم کے نام سے" شروع ہونے لگیں، جب نحن ابناء الفراعنۃ "ہم فرعون کی اولاد ہیں" پر فخر کیا جانے لگا، جب قاہرہ اور اسکندریہ کے چوراہوں پر فرعون کے مجسمے لگا دیئے گئے، جب قاہرہ کے نائٹ کلبوں نے پیرس اور لندن کے نائٹ کلبوں کو شرما دیا تو عربوں کو یہ برے دن دیکھنے پڑے۔

اب آیئے اپنے وطن کی طرف۔

جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا کہ یہاں فسادات پر فسادات ہوتے رہے، ہم چلاتے رہے، احتجاجی جلوس نکالتے رہے، حکومت کو موردِ الزام ٹھہراتے رہے اور ہمارے قلم کاروں کے مضامین اخبار ورسائل کی زینت بنتے رہے لیکن یہ ساری کوششیں رائیگاں گئیں۔

اس لیے کہ ہم نے اپنے وجود وبقا اور تحفظ اور سلامتی کے لیے ہر طرح کی تدابیر کو اپنایا، ہر طرح کے فارمولوں کو آزمایا مگر قرآن نے جو تدبیر بتائی تھی اس پر ہم نے کوئی توجہ نہیں دی۔ ہماری

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حالت تو اس بوڑھے جیسی ہے جس کی سوئی کھو گئی تھی۔

ایک لطیفہ:

ایک بوڑھا آدمی رات کے وقت سڑک پر کوئی چیز ڈھونڈ رہا تھا۔ایک راہ گیر نے اس سے پوچھا:"بابا! کیا چیز گم ہوئی ہے جس کی تلاش میں تم اس قدر پریشان ہو؟"

بوڑھے نے کہا:"میری سوئی کھوگئی ہے۔"

راہ گیر نے پوچھا:"کہاں کھوگئی ہے؟"

اس نے کہا:"گھر میں۔"

راہ گیر نے کہا:"سوئی جب گھر میں گم ہوگئی ہے تو تم اسے یہاں سڑک پر کیوں ڈھونڈ رہے ہو؟"

اس نے کہا:"اس لیے کہ سڑک پر اجالا ہے۔"

بھلا بتایئے، اجالا ہونے سے کیا سوئی یہاں مل جائے گی؟ سوئی تو وہیں ملے گی جہاں کھوئی تھی۔

اس طرح ہم تبھی کامیاب اور سربلند ہوں گے جب ہم سچے مومن بن جائیں گے اور ایمان کے تقاضوں کو پورا کرتے رہیں گے۔

ہمیں اگر کہیں جانا ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ ہم اسی راستے پر چلیں جو منزل تک لے جاتی ہو، اگر ہم نے اس راستے کو چھوڑ دیا تو صرف یہی نہیں کہ ہم منزل تک نہیں پہنچ سکیں گے بلکہ اس سے دور بھی ہو جائیں گے۔

اگر ہمارا نصب العین واضح ہو اور ہم اسے پانا چاہتے ہوں تو ضروری ہے کہ ہم وہی طریقۂ کار اپنائیں جو ہمارے لیے اپنا نصب العین پانے کے لیے مفید اور کارآمد ہو۔

جیسے ایک ہرن جا رہا ہے، اگر ہم اس کا شکار کرنا چاہتے ہیں تو ضروری ہے کہ اسے نشانہ بنائیں اور اگر اسے گولی کا نشانہ نہ بنا کر اس کے سایہ پر فائر کرنے لگیں تو صرف یہی نہیں کہ شکار ہاتھ سے چلا جائے گا بلکہ خواہ مخواہ ایک گولی بھی ضائع ہو جائے گی۔

یہی حشر ہو رہا ہے ہماری تمام جدوجہد کا۔ ذرا سوچیے۔

ہم خود کو مسلمان کہیں، لیکن اللہ پر کامل یقین سے محروم ہوں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہمارے اعمال، ہمارا چال چلن، ہماری گفتگو، ہمارا رہنا سہنا اور روزی کمانے کے طریقے، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق نہ ہوں، ہمارے اخلاق اسلامی نہ ہوکر غیر اسلامی ہوں، دنیا کمانے کے لیے ہم وہی طریقے اپنائیں جنہیں غیر مسلم اپناتے ہیں تو ہم مسلمان کیسے رہ سکتے ہیں؟

نمک میں اگر نمکینی نہ ہوتو وہ بیکار ہے، آگ میں اگر حرارت نہ ہوتو وہ آگ نہیں بلکہ آگ جیسی کوئی چیز ہے۔

اگر ہم صرف ظاہری طور پر دین دار رہے یا صرف نام اور خاندان کی حد تک ہمارا تعلق اسلام سے رہا تو پھر ہم میں اور ایک کھلے ہوئے بے دین میں کیا فرق باقی رہ جائے گا؟

اور پھر ایسی صورت میں ہمیں اپنے تحفظ اور سالمیت کی ضمانت کیسے مل سکتی ہے؟

آیئے اس حقیقت کو ہم سیرت رسول کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کریں۔

مخالفین اسلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صفحۂ ہستی سے مٹادینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، مختلف موقعوں پر آپ کی جان لینے کی سازشیں کی گئیں، مگر اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی حفاظت فرمائی۔

مثلاً، ہجرت کی رات مشرکین نے آپؐ کے مکان کو گھیر رکھا تھا تا کہ وہ گھات لگا کر آپ کا کام تمام کردیں۔ اور اس گھیراؤ میں ہر قبیلہ کا ایک ایک فرد تھا۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ سب مل کر بیک وقت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر حملہ کردیں، تا کہ ان کے خون کی ذمہ داری سب قبیلوں پر آجائے اور بنو ہاشم سب سے انتقام لینے کی جرأت نہ کرسکیں۔

اس سازش کو نافذ کرنے کے لیے آدھی رات کا وقت مقرر تھا، اس لیے یہ سب جاگ رہے تھے اور مقررہ وقت کا انتظار کر رہے تھے۔

لیکن اللہ تعالیٰ اپنے کام پر غالب ہے، اسی کے ہاتھ میں آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے۔ جسے وہ بچانا چاہتا ہے کوئی اس کا بال بھی بیکا نہیں کرسکتا اور جسے پکڑنا چاہے دنیا کی کوئی طاقت اسے بچا نہیں سکتی۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر وہ کام کیا جسے اس نے قرآن مجید کی سورۂ انفال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے بیان فرمایا ہے:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ، وَيَمْكُرُوْنَ وَ يَمْكُرُ اللّٰهُ ، وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ. ''اور وہ موقع یاد کرو جب کفار تمہارے خلاف مکر کر رہے تھے تا کہ تمہیں قید کر دیں، یا قتل کر دیں، یا نکال باہر کر دیں اور وہ لوگ داؤں چل رہے تھے اور اللہ بھی داؤں چل رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر داؤں والا ہے۔''

بہر حال کفار مکہ اپنے منظم پلان اور انتہائی تیاری کے باوجود ناکامی سے دوچار ہوئے۔

اس نازک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''تم میرے بستر پر لیٹ جاؤ، تمہیں ان کے ہاتھوں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔''

اس کے بعد آپؐ باہر تشریف لائے اور مشرکین کی صفوں کو چیرتے ہوئے ایک مٹھی مٹی لے کر ان کے سروں پر ڈالی لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں کی بینائی چھین لی، وہ آپ کو قطعی نہیں دیکھ سکے۔

اس وقت آپؐ قرآن مجید کی سورۂ یٰسین کی یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے:

وَجَعَلْنَا مِنْ ' بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّ مِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ. ''ہم نے ان کے آگے رکاوٹ کھڑی کر دی اور ان کے پیچھے رکاوٹ، پس ہم نے انہیں ڈھانک لیا ہے اور وہ دیکھ نہیں رہے ہیں۔''

اس طرح آپ بخیریت باہر نکل گئے۔

پھر جب آپؐ اپنے یار غار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ غار ثور تک پہنچے اور وہاں پناہ لی تو تلاش کرنے والے غار کے دہانے تک بھی پہنچے۔

صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غار میں تھا۔ سر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ لوگوں کے پاؤں نظر آ رہے ہیں، میں نے کہا اے اللہ کے نبی! اگر ان میں سے کوئی شخص محض اپنی نگاہ نیچی کر دے تو ہمیں دیکھ لے گا۔ آپؐ نے فرمایا: ''ابوبکر! خاموش رہو، ہم دو ہیں جن کا تیسرا اللہ ہے۔''

حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک معجزہ تھا جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرف فرمایا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چنانچہ تلاش کرنے والے اس وقت پلٹ گئے، جب آپؐ کے درمیان اور ان کے درمیان چند قدم سے زیادہ فاصلہ باقی نہیں رہ گیا تھا۔

یہی نہیں کہ مشرکین آپ کو جان سے مار دینا چاہتے تھے بلکہ انہوں نے آپ کو بدنام کرنے میں بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

چنانچہ نبوت کے ابتدائی دور میں جب صرف گنتی کے چند افراد ہی آپؐ کے ساتھ تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ. ''اور ہم نے تمہاری خاطر تمہارے ذکر کے آوازہ کو بلند کر دیا۔''

اللہ تعالیٰ نے ایسے نازک موقع پر آپ کو یہ خوش خبری سنائی اور اسے عجیب طریقے سے پورا کیا۔

کفار مکہ نے آپ کو بدنام کرنے کے جو طریقے اختیار کئے، ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ موسم حج میں جب لوگ پورے عرب سے کھنچ کھنچ کر مکہ آتے تو یہ لوگ وفد بنا کر ان کے ڈیروں میں جاتے تھے اور خبردار کرتے تھے کہ یہاں ایک خطرناک شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے، جو لوگوں پر ایسا جادو کرتا ہے کہ باپ بیٹے، بھائی بھائی اور شوہر بیوی میں جدائی ہو جاتی ہے، اس سے بچ کر رہنا۔

اس طرح وہ بظاہر آپ کو بدنام کر رہے تھے مگر اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عرب کے تمام قبیلوں تک آپ کا نام پہنچ گیا اور عرب کا بچہ بچہ آپؐ کے نام سے واقف ہو گیا۔

پھر فطری طور پر لوگوں میں یہ جاننے کی خواہش پیدا ہوئی کہ وہ کون ہے؟ کیا کہتا ہے؟ کیسا آدمی ہے اور کس طرح کا جادو کرتا ہے؟

پھر لوگ آپؐ کے قریب آنے لگے، آپ کی سیرت اور آپؐ کے عادات واطوار کو دیکھا اور آپ کی باتوں کو سنا تو وہی بدنامی نیک نامی میں بدل گئی۔

یہاں تک کہ ہجرت کا زمانہ آنے تک عرب کا کوئی قبیلہ ایسا نہیں بچا جس کے کسی نہ کسی فرد نے اسلام نہ قبول کر لیا ہو۔

جب آپؐ ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ گئے تو وہاں بھی یہود، منافقین اور مشرکین نے آپؐ کو بدنام کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن چند سالوں کے اندر ہی یہ حالت ہوگئی کہ وہی ملک جس میں آپ کو بدنام کرنے کے لیے مخالفین نے اپنا سارا زور لگا رکھا تھا اس کا گوشہ گوشہ اشہد ان محمداً رسول اللہ کی آواز سے گونج رہا تھا۔

اور یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔

آج دنیا میں کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں مسلمانوں کی آبادی ہو اور وہاں دن بھر میں پانچ بار بلند آواز سے آپ کی رسالت کا اعلان نہ ہو رہا ہو، جمعہ کے خطبوں میں آپ کا ذکر خیر نہ ہو رہا ہو اور نمازوں میں آپؐ پر درود نہ بھیجا جا رہا ہو۔ اور روئے زمین پر کوئی بھی ایسی گھڑی نہیں گذرتی جب کسی نہ کسی جگہ آپ کا ذکر نہ ہو رہا ہو۔

اب سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر موقع پر آپ کی حفاظت کیوں فرمائی اور آپؐ کے ذکر کو کیوں بلند کیا؟

اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپؐ پر جو ذمہ داریاں ڈالی گئیں تھیں، جس پر ڈیوٹی پر آپ کو لگایا گیا تھا، اسے ادا کرنے میں آپؐ نے کوئی کوتاہی نہیں کی، آپؐ نے سستی یا غفلت سے کام نہیں لیا، اسے پورا کرنے اور نبھانے میں اپنے آخری سانس تک تن من دھن سے لگے رہے، اس کی فکر میں آپؐ نے اپنی خوشیوں اور اپنے راحت وآرام کی کوئی پرواہ نہیں کی۔

اور کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ ہم ان ذمہ داریوں کی کوئی پرواہ نہیں کر رہے ہیں جو ہم پر عائد کی گئی ہیں، ہم اللہ کی اس ڈیوٹی پر قائم نہیں ہیں جس پر ہمیں لگایا گیا تھا۔

پھر تحفظ، سلامتی اور سربلندی کی تمنا کا حق ہمیں کیسے پہنچ سکتا ہے؟

ایک واقعہ:

۱۹۶۲ء میں چین نے ہندوستان کی مشرقی سرحد پر زبردست حملہ کیا تھا، یہاں تک کہ چینی فوجیں آسام میں گھس آئی تھیں۔ اس وقت تیز پور (آسام) میں جو کمشنر تھا وہ اپنا دفتر چھوڑ کر بھاگ گیا اور اپنے وطن آ کر اپنے بیوی بچوں میں مقیم ہوگیا۔

حکومت کو معلوم ہوا تو اس نے کمشنر کو اس کے گھر سے گرفتار کرایا، اس پر سرکاری ڈیوٹی چھوڑنے کا مقدمہ چلایا گیا اور اس کو سخت سزا دی گئی۔

اگر وہ اپنی ڈیوٹی پر جما رہتا تو اس وقت وہ حکومت کا نشان ہوتا بلکہ وہ حکومت کے لئے عزت کا سوال بن جاتا۔ حکومت اسے بچانے کے لیے اپنی پوری طاقت لگا دیتی مگر جب اس نے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اپنی وہ ڈیوٹی چھوڑ دی جس پر اسے متعین کیا گیا تھا تو حکومت کی نظر میں اس نے اپنی قیمت کھودی اور بجائے تحفظ کے اسے سخت ترین سزا ملی۔

اب ایک سوال پیدا ہوتا ہے اور آیئے ہم سب مل کر اسے حل کرنے کی کوشش کریں۔

موجودہ دور مادیت کا دور ہے، کیا اس دور میں پورے طور پر اسلام کے راستہ پر چلنا ممکن ہے؟

اکثر لوگ یہ کہتے ہیں کہ جب ہر چہار طرف سودی کاروبار کا زور ہے تو ہم اس سے کیسے بچ سکتے ہیں؟

آج مصروفیات بہت زیادہ بڑھ گئی ہیں، انسان کو گوناگوں مشغولیتوں نے گھیر رکھا ہے، ایسی صورت میں ہم نماز کی پابندی کیسے کر سکیں گے؟

آج شادی بیاہ میں بے جا رسومات اور فضول خرچیوں میں ہر شخص مبتلا ہے تو ہم اس کے خلاف اسلام کا صحیح راستہ کیسے اپنا سکیں گے؟

آج کی دنیا مکر و فریب کی دنیا ہے، آج تجارت میں جھوٹ، فریب، دھوکہ اور ملاوٹ ناگزیر ہے، ان حالات میں ہم ایماندارانہ تجارت کیسے کر سکتے ہیں؟ لیکن ذرا ہم غور کریں۔

اس دنیا میں نہ تو کوئی کام دشوار ہے اور نہ آسان۔ اگر کسی کام کے کرنے کے لیے انسان کے اندر ذمہ داری کا احساس پیدا ہو جائے اور اسے پورا کرنے کی فکر دل میں جاگزیں ہو جائے تو دشوار سے دشوار کام آسان ہے۔ اور اگر ذمہ داری کا احساس نہ ہو تو آسان سے آسان کام دشوار اور مشکل ترین بن جاتا ہے۔

ایک مثال:

فرض کیجئے آپ کو مدراس جانا ہے، وہاں آپ کا بہت ضروری کام ہے اور آپ کو وہاں جانے کی فکر بھی ہے۔ آپ ریلوے اسٹیشن پر پہنچے تو آپ کو دو ٹرینیں کھڑی ملیں، ایک ٹرین مدراس جانے والی ہے اور دوسری اس کی مخالف سمت میں۔ لیکن جو ٹرین مدراس جا رہی ہے وہ کھچا کھچ بھری ہوئی ہے، اس میں تل رکھنے کی بھی جگہ نہیں ہے لیکن دوسری ٹرین جو مخالف سمت جا رہی ہے وہ بالکل خالی ہے، تو کیا آسانی سمجھ کر آپ اس ٹرین میں بیٹھ جائیں گے جو مخالف سمت میں جا رہی ہے؟ ظاہر بات ہے کہ نہیں۔

بلکہ آپ بھیڑ کا سینہ چیر دیں گے، مرنے مارنے پر آمادہ ہو جائیں گے، ہر طرح کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تکلیف اور مشقت برداشت کریں گے مگر اسی ٹرین میں جگہ لیں گے جو آپ کو منزل تک پہنچا سکتی ہے۔ایک دوسری مثال لیجئے۔

پچھوا ہوا زوروں سے چل رہی ہے اور آپ کو سائیکل سے پچھم کی طرف جانا ہے اور یہ سفر آپ کے لیے بہت اہم ہے تو آپ آسانی دیکھ کر پچھم کے بجائے پورب کی طرف چل پڑیں گے؟ یقینی بات ہے کہ نہیں۔

آپ ہوا کا مقابلہ کریں گے،آپ تکان برداشت کرنے پر تیار ہو جائیں گے،آپ ہوا کے خلاف ہر طرح کی محنت کرنے پر آمادہ نظر آئیں گے،کیوں کہ آپ کو اپنی منزل تک پہنچنے کی فکر ہے۔

اسی طرح اگر ذمہ داری کا احساس ہو جائے اور اللہ کے سامنے جوابدہی کا خوف دلوں میں سما جائے تو دین کے راستے پر چلنا دشوار نہیں بلکہ آسان ہے۔

ایک واقعہ:

کسی زمانے میں ایک مسلمان بادشاہ تھا،وہ بڑا نیک،عبادت گذار،عادل اور غریب پرور تھا،وہ بہت بڑے ملک پر حکومت کرتا تھا،بڑے بڑے مقدموں کے فیصلے کرتا تھا اور بڑی بڑی جنگیں بھی لڑتا تھا لیکن ان تمام مصروفیات کے باوجود اس کی کوئی نماز قضا نہیں ہوتی تھی،وہ معاملات میں ہمیشہ عدل وانصاف سے کام لیتا تھا اور غریبوں اور مجبوروں کے معاملے میں کبھی اس سے کوتاہی نہیں ہوتی تھی۔

ایک دن اس کے دربار میں ایک فقیر آیا۔بادشاہ نے اس سے پوچھا:''کہئے میاں صاحب کیسے آنا ہوا؟''

اس نے کہا:''حضور!میں نے یہ سنا ہے کہ آپ کی حکومت میں آگ اور پانی دونوں اکٹھے رہتے ہیں۔یہی حیرت انگیز چیز دیکھنے آیا ہوں۔''

بادشاہ نے کہا:''میاں صاحب!میں آپ کی بات سمجھ نہیں سکا،یہ آگ اور پانی کے اکٹھا ہونے کی کون سی بات ہے؟''

فقیر نے کہا:''میں نے سنا ہے کہ آپ اتنے بڑے ملک پر حکومت کرتے ہیں مگر آپ کی کوئی نماز قضا نہیں ہوتی،آپ اتنی بڑی مصروفیات کے باوجود اسلام کے راستے پر پورے طور سے قائم رہتے ہیں،یقیناً یہ ایک حیرت انگیز بات ہے،میں اسے آگ اور پانی کے اکٹھا ہونے کی طرح

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سمجھتا ہوں، ذرا آپ بتائیں کہ یہ کیسے ہوتا ہے؟''

بادشاہ نے کہا: ''اچھا اگر آپ میری سلطنت دیکھنے آئے ہیں تو میں ضرور دکھاؤں گا۔''

پھر بادشاہ نے حکم دیا کہ شہر کو بہت خوبصورت سجایا جائے۔ بادشاہ کے حکم کے مطابق شہر کو خوب سجا دیا گیا۔

بادشاہ نے اپنے دو جلادوں کو بلایا اور ان کے ہاتھ میں تلواریں دے دیں اور فقیر کے ہاتھ میں پانی کا بھرا ہوا پیالہ تھما دیا اور جلادوں سے کہا کہ میاں صاحب کو شہر گھمالاؤ، لیکن دیکھو، ان کے ہاتھ میں ایک پیالہ پانی ہے، اگر اس میں سے ایک بوند چھلک جائے تو ان کا سر کاٹ لینا اور میرے سامنے لے آنا۔

اب میاں جی اسی حال میں شہر میں گھومتے رہے کہ ہاتھ میں پانی سے بھرا ہوا پیالہ تھا اور پیچھے دونوں جلاد چل رہے تھے۔

جب شام کو بادشاہ کے دربار میں واپس لوٹے تو ان کی حالت یہ تھی کہ پورا جسم پسینے سے شرابور تھا اور چہرے کا رنگ سیاہ پڑ گیا تھا۔

بادشاہ نے مسکراتے ہوئے پوچھا: ''کہیے میاں صاحب، آپ نے ہمارا شہر دیکھ لیا؟''

میاں صاحب نے چھوٹتے ہی جواب دیا: ''تیرا برا ہو، تو نے مجھے اس لائق کہاں رکھا تھا کہ میں شہر دیکھتا، میری آنکھیں تو پیالے پر لگی تھیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس میں سے ایک بوند پانی چھلک جائے اور پیچھے سے گردن صاف کر دی جائے، تو خیالات کی ڈوری تو اس میں الجھی ہوئی تھی ایسی حالت میں شہر کیسے دیکھ سکتا تھا؟''

بادشاہ نے کہا: ''یہی ہے دین داری اور نظم حکومت کے اکٹھا ہونے کی مثال، اگر تمہارے دل میں اللہ کا ڈر ہو اور تمہاری نگاہ اپنی ذمہ داریوں پر گی ہو تو دنیا کی کوئی مشغولیت تمہیں ... کے دین کے غافل نہیں کر سکتی۔''

آج دنیا میں وہی نقشہ درپیش ہے جو آج سے چودہ سو سال پہلے تھا۔ ایک طرف مسلمان ہیں، دوسری طرف دنیا کی تمام قومیں، جن کے پاس دولت، طاقت اور طرح طرح کے ساز و سامان ہیں پہلے مقابلہ کا میدان صرف عرب کا ریگستان تھا اور آج پوری زمین حق و باطل کی مقابلہ گاہ ہے، دنیا کی تمام قومیں یہ چاہتی ہیں کہ اسلام کا خاتمہ کر دیا جائے اور اس کے نام لیواؤں پر عر...

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حیات تنگ کر دیا جائے۔

ان حالات میں مسلمان جب اپنی طرف دیکھتے ہیں تو ان کے دلوں میں ناامیدی چھا جاتی ہے، کیوں کہ ان کے خیال میں ان کی تعداد کم ہے، ان کے پاس دولت نہیں، اور وہ مادی وسائل سے محروم ہیں۔ یہ سب کچھ سہی۔

مگر اس پر یقین رکھنا چاہئے کہ اسلام اللہ کا دین ہے، اس کی ترقی نہ تو بڑی بڑی فوجوں سے ہوئی، نہ زیادہ مال و دولت اور ساز و سامان سے، بلکہ آسمانی تائید اور غیبی مدد سے ہوئی، اس لیے ہمیں غیروں کی ظاہری ترقی سے مرعوب نہ ہونا چاہئے اور کسی بھی صورت میں مایوسی کو دل میں جگہ نہیں دینی چاہئے۔

ضرورت ہے کہ اللہ پر پختہ ایمان و یقین کے ساتھ ہم اسلام پر ثابت قدم ہو جائیں، اس کا نتیجہ ہوگا کہ جو لوگ ہمیں صفحۂ ہستی سے مٹا دینا چاہتے ہیں، جو لوگ ہمیں پھلتا پھولتا نہیں دیکھ سکتے، جو لوگ ہمارے لیے اس ملک کو اندلس بنا دینے کی تیاریوں میں مشغول ہیں، وہ منہ کی کھائیں گے، انہیں ذلت اور ناکامی کا سامنا کرنا پڑے گا اور ان پر قدرت کی ایسی مار پڑے گی کہ ہم خود حیران رہ جائیں گے، اس لیے کہ اللہ کا یہ وعدہ جھوٹا نہیں ہو سکتا:

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ. ''تم شکستہ دل نہ بنو، غم نہ کرو تم ہی سر بلند رہو گے اگر تم مومن رہے۔''

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اسلام پر ثابت قدم رکھے، اس کے راستے میں آنے والی ہر دشواری کو آسان فرمائے اور ہمیں دنیا اور آخرت کی فلاح سے نوازے۔ آمین۔

وما علینا الا البلاغ.

الشموس انبازغة اردو شرح البلاغة الواضحه

شارح:- مولانا ضیاء الحسن سلفی

چھپ کر منظر عام پر آگئی ہے، ہم سے طلب فرمائیں

رشید بک ڈپو، جامع مسجد، سہارنپور، یو۔ پی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

دعوت عمل باالکتاب والسنۃ کے فروغ کیلئے
مکتبہ بیت السلام مئو کی معیاری مطبوعات کا مطالعہ کیجئے

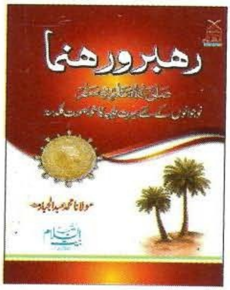

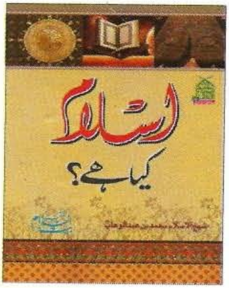

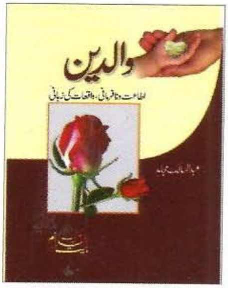

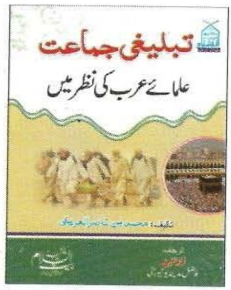

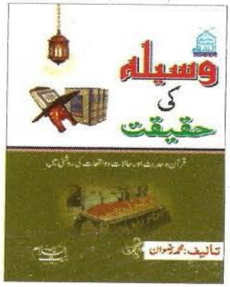

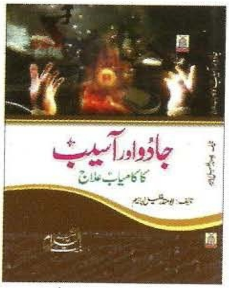

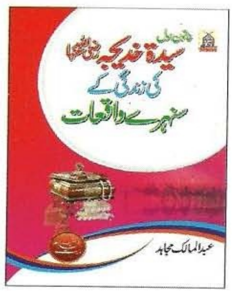

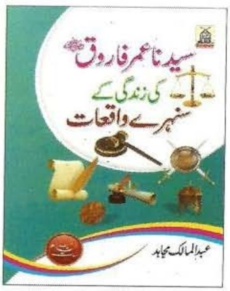

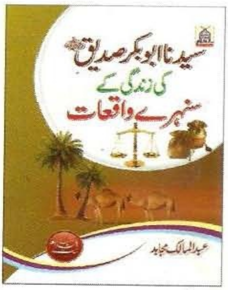

MAKTABA BAIT-AL-SALAM
MAUNATH BHANJAN - U.P. (INDIA)

MAKTABA BAITUL-SALAM

₹ 200/-